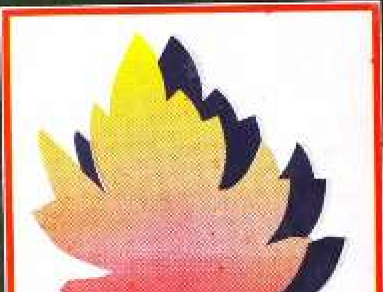
کشمیر افشائے حق

کشمیر کا سیاسی تجزیہ



ہاشم قریشی

First edition 1999

ISBN - 81-85199-73-6

Price Rs. 600/-

Published by:
Renaissance Publishing House
C-69, Jitar Nagar, Delhi-110 051

Printed by :
Nice Printing Press, Delhi-51

کشمیر
افشائے حق

کشمیر کا سیاسی تجزیہ

از

ہاشم قریشی
چیئرمین
جموں کشمیر ڈیموکریٹک لبریشن فرنٹ

Renaissance Publishing House
C-69 Jitar Nagar, Delhi-110 051

کشمیر: افشائے حق

کشمیر کا سیاسی تجزیہ

میں جنوبی ہواؤں کو ہٹانا جان سکتی ہوں،
میں تمام سمندروں کو پانی سے خالی کرنا جان سکتی ہوں،
میں ایک کوڑھی کو تندرست کرنا جان سکتی ہوں
(مگر) میں کسی جاہل کو سچائی سمجھنے کے قابل نہیں بنا سکتی

لل دید

یہ کتاب ان لوگوں سے منسوب ہے :۔

- جنھوں نے اپنی زندگی کشمیر کے سا تے خواب دیکھتے ہوئے لٹادی۔
- وہ جو بے گھر کر دیے گئے۔
- برصغیر کے ایک ارب میں کروڑ لوگوں کے نام جو بھوک اور افلاس کی زندگی سے نکلنے کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ اور جن کے سر پر تباہ کن جنگ کے بادلوں کا خوف ہروقت منڈلا رہا ہے۔
- شریک حیات زیب النساء کے نام جو گزشتہ چودہ سالوں سے اپنے والدین سے دور میرے ساتھ جلا وطنی کی زندگی گزار رہی ہے اور میرے دانشمندانہ کاموں کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔
- ان دوستوں کے نام جنھوں نے میری سیاست کے طوفانی سفر میں میرا ساتھ دیا مجھے اپنی ذاتی مشکلات میں قابو پانے میں مدد دی۔
- میری ماں سعیدہ بیگم کو نذر ہے جس نے ان سنگین مشکلات کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا جو میرے خاندان کے لوگوں اور میرے کشمیری سیاست میں ملوث ہونے کی وجہ سے پیدا ہوئیں۔ جو ہماری قید و بند کی مصیبتوں اور صعوبتوں کو برداشت نہ کرتے ہوئے آج سے ۱۳ سال قبل اس جہان فانی سے کوچ کر گئی۔
- انتساب کر رہا ہوں اپنے والد محمد خلیل قریشی کے نام جنھوں نے بے شمار مصیبتوں کا سامنا (جس میں میری والدہ کی وفات بھی شامل ہے) بڑی ہمت و حوصلے سے کیا۔
- آخر میں شہید مقبول بٹ کے نام جنھوں نے میری سیاسی بصیرت کو جلا بخشی اور مجھے سچائی اور حقیقت پسندی کو اپنے سیاسی فکر کی بنیاد بنانے کا سبق سکھایا۔

ہاشم قریشی

اپریل ۱۷، ۱۹۹۸

مشمولات

حصہ دوم

اخبارات کے ساتھ ہاشم قریشی کے انٹرویو

حصہ سوم

حصہ چہارم

حرف آخر

ایک دیانتدار جذباتی دشمن

گذشتہ 40 سال سے کشمیر کی سیاست اور معاشرتی حالات کا طالب علم ہونے کے ناطے ہاشم قریشی کے سیاسی و ذہنی حالات سے ناواقفیت ایک جرم ہوتا۔ خدا کا شکر ہے کہ میں اس جرم کا مرتکب نہیں ہوا۔ میں 15 اگست 1947ء سے ریاست کے حالات پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔ جب 1971ء کی ایک صبح اخبارات میں یہ خبر پڑھی کہ ہاشم قریشی نام کے ایک نوجوان کشمیری نے انڈین ایئر لائنز کا ایک طیارہ اغوا کر لیا اور اسے پاکستانی پنجاب کے دارالحکومت لاہور میں زبردستی اتروا کر اس کو نذر آتش کر دیا تو میں چونک گیا تھا۔ ہندو پاک تعلقات پر اس واقعے کے کیا اثرات ہوئے اور پاکستان کو بعد ازاں اس کی کیا قیمت چکانی پڑی؟ یہ اس تحریر کا موضوع نہیں ہے۔

اس تحریر کا تعلق ہاشم قریشی سے ہے جو سری نگر کے ایک متوسط خاندان کا نور چشم تھا۔ جس کے والدین شاید اس کو انجینئر، ڈاکٹر یا بڑا سرکاری افسر بنانے کے خواب دیکھ رہے ہوں گے۔ لیکن اس نے ایک ہندستانی طیارہ اغوا کر ڈالا۔ اس وقت اس کی عمر سولہ یا سترہ سال رہی ہوگی۔ اس نے ایسا کیوں کیا؟ یہ جاننے کے لئے ہمیں تقریباً نصف صدی پیچھے مڑ کر دیکھنا ہوگا۔ جب کشمیر وادی میں قبائلی حملے کی وجہ سے پاکستان کے خلاف نفرت اور اس حملے سے کشمیر کو نجات دلانے کے لئے ہندستان کے تئیں عقیدت کے اتھاہ سمندر موجزن تھے۔

مگر پھر ایسا ہوا کہ کشمیر کے کچھ سربرآوردہ لیڈر جو ریاست جموں و کشمیر کا ہندستان کے ساتھ الحاق کروانے میں پیش پیش تھے، ان کی مرکزی حکومت کے قائدین کے ساتھ ان بن ہونے لگی۔ دونوں جانب انا کا ٹکراؤ تھا۔ مرکزی قیادت نے زور زبردستی سے کام لیا۔ کشمیر کی مقبول ترین قیادت کو اقتدار سے محروم کر کے نظربند کر دیا۔ جو لوگ 26 اکتوبر 1947ء کے روز مہاراجہ ہری سنگھ کے ریاست جموں و کشمیر کے ہندستان کے ساتھ الحاق کی دستاویز پر دستخط کرنے کی تائید کر رہے تھے، جنہوں نے جموں و کشمیر آئین ساز اسمبلی میں اعلان کیا تھا کہ کشمیریوں کے پاس اس کے سوائے کوئی چارہ نہیں ہے۔ کہ وہ اپنی تقدیر کو ہندستان کے ساتھ وابستہ کر دیں۔ جنہوں نے اعلان کیا تھا کہ آئین ساز اسمبلی کشمیری عوام کی نمائندہ ہے لہذا اس کا متفقہ فیصلہ استصواب رائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان ہی لوگوں نے اقتدار سے محروم کئے جانے پر اسی الحاق پر شک کا اظہار کرنا شروع کر دیا جس کی وہ قسمیں کھاتے نہیں تھکتے تھے۔ انہوں نے محاذ رائے شماری قائم کر دیا۔ الحاق کے حتمی فیصلہ کو چنوتی دینا شروع کر دیا۔ ریاست جموں و کشمیر کی جغرافیائی پوزیشن کے پیش نظر امریکہ اور یوروپی ممالک کی دلچسپی بھی اس خطہ میں تھی۔ لہذا یہاں کی غیر یقینی حالت ان کے بھی مفاد میں تھی۔ لہذا رائے شماری محاذ اور دوسری تنظیموں نے بھی کشمیر کی آزادی اور بھی اسلام کے نعروں سے عوام کے جذبات کو بھڑکانا شروع کر دیا۔ کشمیری نوجوانوں کا ایک طبقہ اس نعرہ کے افسون میں گرفتار ہو کر ہندستان کو اپنا دشمن سمجھنے لگا۔ پاکستان نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر اس گروپ کو مزید دھار پر لگانا شروع کر دیا۔ نوجوان کشمیری لیڈروں کو جائز یا ناجائز طریقے سے پاکستان آنے کی ترغیب دی گئی جہاں ان کی دماغی دھلائی کے ساتھ ساتھ مالی اور حربی امداد بھی کی گئی انہیں تخریب کاری کی تربیت اور ہتھیاروں کی سپلائی کی جانے لگی۔ جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ کی داغ بیل ڈالی گئی۔ محمد مقبول بٹ اور دیگر جذباتی کشمیریوں کو جمع کیا گیا۔ انہی نوجوانوں میں ہاشم قریشی بھی تھا۔ جس کو کشمیر کا مسئلہ "بین اقوامی سطح" پر ابھارنے کے لئے طیارہ اغوا کرنے کا کام سونپا گیا تھا۔

ہاشم کو لاہور پہنچنے پر ہیرو بنا دیا گیا۔ لیکن جب اس نے اور فرنٹ کے دیگر لیڈروں نے پاکستان کے ساتھ الحاق کے بجائے کشمیر کو آزاد مملکت بنانے کی ضد ترک نہیں کی تو انہیں شاہی قلعہ لاہور اور دوسری جیلوں میں بند کر کے اذیتیں دی گئیں۔

مقبول بٹ کو کشمیر میں "انقلاب" برپا کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔ اسے ہر قسم کی

مالی اور حربی مدد کا یقین دلایا گیا۔ لیکن سرینگر لوٹنے کے بعد اسے اپنی "تحریک" کے لئے ان مددگاروں پر انحصار کرنا پڑا۔ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے اخراجات پورے کرنے کے لئے بینک لوٹنے کا منصوبہ بنایا۔ بینک پر حملہ کے دوران ایک شخص ہلاک ہو گیا اور مقبول بٹ کچھ عرصہ روپوش رہنے کے بعد جب گرفتار ہوا تو اس کی گلوخلاصی پھانسی پانے پر ہی ہوئی۔

یہاں یہ بات توجہ طلب ہے کہ کشمیر کی اس نام نہاد آزادی کے لئے پاکستان نے جتنے کشمیریوں کو بھی منتخب کیا تھا وہ سب سولہ سترہ سال سے پچیس سال کے درمیان عمر کے تھے۔ یعنی اس عمر سے گزر رہے تھے جس میں دل کو دماغ پر سبقت ہوتی ہے۔ جس میں کسی شخص کا آسانی کے ساتھ جذباتی استحصال کیا جا سکتا ہے۔

ہاشم قریشی بھی اسی عمر سے گزر رہا تھا اور ابھی زیر تعلیم ہی تھا جب اس نے اغوا کا کام کیا۔ مگر بعد میں کشمیر کے اکثر دوسرے نوجوانوں کی طرح جب اس نے تمام واقعات و حالات کا جائزہ لینا شروع کیا تو اس کی بھی آنکھیں کھل گئیں کہ پاکستان کشمیریوں کی آزادی نہیں چاہتا بلکہ انہیں اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ وہ پاکستان سے رہا ہو گیا لیکن وہاں سے فرار کے بعد غیر ممالک میں پناہ لینے کے بعد بھی اس نے کشمیر کو "آزاد" کرانے کی جدوجہد جاری رکھی ہوئی ہے۔ اور اس جدوجہد میں وہ اپنے قلم سے بھی کام لیتا رہا ہے۔

زیر نظر کتاب "کشمیر۔ انکشافِ حق" ہاشم قریشی کی انگریزی کتاب Kashmir-Unveiling the Truth کا ترجمہ ہے۔ اس میں اس کے کچھ مضامین اور اخبارات کے ساتھ ملاقاتوں کو شامل کیا گیا جن میں سے کئی مضامین اس کی سابقہ کتاب "تاریخ کشمیر" وغیرہ میں بھی شائع ہو چکے ہیں۔

اس کتاب کے مضامین جہاں ان حالات و واقعات پر روشنی ڈالتے ہیں جن سے گنگا طیارے کے اغوا کے بعد سے اب تک ہاشم قریشی کو گزرنا پڑا ہے وہاں اس کے طرز فکر کو بھی ظاہر کرتے ہیں۔ ان مضامین سے ہاشم میں ایک تبدیلی بھی دیکھنے میں آئی ہے۔ کسی زمانہ میں حصول مقصد کے لئے تشدد کو جائز سمجھنے والا یہ شخص اب اس نتیجہ پر پہنچ گیا ہے کہ کوئی بھی تحریک دہشت گردی اور اندھا دھند تشدد کے ذریعہ کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکتی۔ وہ یہ بھی سمجھ چکا ہے کہ موجودہ زمانہ میں مذہب کے نام پر علیحدگی کا مطالبہ دنیا کا کوئی ملک تسلیم نہیں کرے گا۔ اس نے دیکھ لیا ہے کہ "آزادی" یا ہندوستان سے علیحدگی کے نام پر جاری عسکریت نے کشمیر کے اس تشخص کو ہی مسخ کیا ہے جو صدیوں کے عمل سے پیدا ہوا تھا۔ اپنے مضامین میں وہ انہی سب باتوں پر بحث کرتا دکھائی دیتا ہے۔ وہ ان لوگوں سے دکھی ہے جو اپنی تحریک کو غیر ملکی مدد کے عوض دوسروں کے پاس گروی رکھ رہے ہیں۔

ہاشم قریشی کے نظریہ کے ساتھ اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کی دیانتداری اور حب وطن اس کی کشمیریت پر حق سے انکار کرنا زیادتی ہوگی۔ "کشمیر۔ انکشافِ حق" کا مطالعہ کشمیر میں دلچسپی رکھنے والے حضرات کو ضرور کرنا چاہئے۔

کرن کاشمیری

پیش لفظ

از عابد حسن منٹو
صدر
(سپریم کورٹ ایسوسی ایشن پاکستان 1997-1998)

بطور وکیل میری پیشہ ورانہ زندگی کا بڑا حصہ نام نہاد غداروں، جاسوسوں اور دشمن کے ایجنٹوں کے خلاف دائر کردہ مقدموں میں بطور وکیل صفائی کے گزرا ہے۔ جن لوگوں پر مختلف اوقات میں اپنے نظریات اور سیاسی خیالات پر قائم رہنے اور انہیں زبان دینے کے جرم میں مقدمے بھی دائر کئے گئے ان میں خان عبدالولی خان، غوث بخش بزنجو، عبداللہ مینگل، خیر بخش مری، محمد قصور گردیزی، حبیب جالب، نجم سیٹھی، احمد فراز، چودھری فتح محمد، مسیح الرحمن اور حال ہی میں ظفریاب احمد شامل تھے اور مجھے ان سب کی وکالت کا فخر رہا ہے۔ ان میں سے اول الذکر سات حضرات کو 45 دیگر افراد کے ہمراہ اس مقدمے میں ملوث کیا گیا تھا جو حیدرآباد سازش کیس کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ ان پر ملک دشمن کارروائی، ملک کے خلاف سازش اور حکومت کے خلاف نفرت پھیلانے کے جرم میں تعزیرات پاکستان کے تحت مقدمہ قائم کیا گیا تھا۔ یہ سب یا تو سیاسی کارکن تھے یا پھر دانشور اور اہل قلم تھے۔ ان کے معاشرتی سیاسی خیالات حکومتی قائدین اور ان چند کوتاہ اندیش اور تنگ نظر لوگوں سے واقعی بنیادی طور مختلف تھے جن کا اقتدار کے ڈھانچے میں رسوخ تھا۔ دراصل نظریات کا یہی اختلاف معزز شخصیات کے خلاف مقدمے قائم کرنے کی اصل بنیاد تھی۔

چودھری فتح محمد اور مسیح الرحمن کو 1970ء کی ٹوبہ ٹیک سنگھ میں منعقدہ کسان کانفرنس میں ان کے مبینہ رول کے لئے ملزم قرار دیا گیا تھا۔ اس وقت بھی مارشل لاء موجود تھا اور اولین انتخابات ہونے ہی والے تھے۔ مشرقی پاکستان ابھی بنگلہ دیش نہیں بنا تھا۔ کسان

کانفرنس کا انعقاد پاکستان کسان کمیٹی اور نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی) نے کیا تھا اور اس میں تقریباً 150000 کسان بائیں بازو کے سیاسی کارکن، دانشور اور مزدور یونینوں کے کارکن شریک ہوئے تھے۔ کسان کمیٹی کے صدر چودھری فتح محمد اس کانفرنس کے روح رواں تھے اور یہی ان پر الزام بھی لگایا گیا تھا۔ مشرقی پاکستان کے مسیح الرحمن کو مارشل لاء مخالف تقریر کرنے کے الزام میں پھنسایا گیا تھا، پوری اسمبلی نے اس کی آواز کے ساتھ اپنی آواز ملائی تھی۔ پولیس کے ایک دو اہلکاروں نے اس کے خلاف شہادت دی اور اس کی بنیاد پر ان کے خلاف غداری اور قانونی طور پر قائم حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کا مقدمہ گھڑ دیا گیا۔ شاعر احمد فراز کو مارشل لاء اور فوجی حکومتوں کے خلاف ایک نظم لکھنے کی پاداش میں گرفتار کرکے قید میں ڈال دیا گیا تھا۔ ابھی حال ہی میں ایک پروفیسر صحافی اور دانشور و انسانیت دوست شخص ظفریاب احمد کے خلاف فوجداری مقدمہ درج کیا گیا تھا۔ اس پر الزام ہے کہ اس نے موجودہ انسان دشمن معاشرتی ڈھانچے کے خلاف آواز بلند کی تھی اور کہ وہ ادارے ملک کی مختلف صنعتوں میں بندھوا اور بچہ مزدوری کے خلاف کام کر رہا تھا۔

ہاشم قریشی اور اس کے پانچ ساتھیوں کے خلاف بھی اس قسم کا مقدمہ قائم کیا گیا تھا اس کیس میں محمد مقبول بٹ کو بھی ملوث کیا گیا تھا۔ وہ جموں اینڈ کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ کا لیڈر تھا اور باقی ملزمین اس کے ساتھی تھے۔ نیشنل لبریشن فرنٹ ریاست جموں و کشمیر کی آزادی کے کاز کی وکالت کرتی تھی لہذا وہ ریاست کے علاقے پر ہندوستان اور پاکستان دونوں کے قبضہ کو رد کرتی تھی۔ مسلح جدوجہد ان کے سیاسی ایجنڈہ کا ایک اہم جزو تھی۔ اس سیاسی مشن کی تکمیل کے لئے ہاشم قریشی اور اس کے ساتھی اشرف قریشی نے 1971ء میں سرینگر سے نئی دہلی کی جانب مائل بپرواز انڈین ایئر لائنز کے ایک طیارے کو اغوا کر لیا۔ ان دنوں طیاروں کا اغوا آزادی کی تحریکوں کی حربی حکمت عملی کا حصہ ہوا کرتا تھا۔ ان دو قریشیوں نے اپنی تنظیم کے فیصلوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اور نوجوانی کی نفسیات و شوق مہم جوئی اور خواب آزادی کی تکمیل کے لئے اس خاص اغوا کی منصوبہ بندی کی تھی۔ جعلی پستولوں اور گرینیڈوں سے لیس ان دونوں نے ہندوستانی طیارہ کو اغوا کرکے لاہور کے ہوائی اڈے پر اترنے کے لئے مجبور کر دیا۔ پاکستان کے عوام نے ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ ذوالفقار علی بھٹو، جو اس وقت جنرل یحیٰی خان کی حکومت کے ساتھ وابستہ تھے، فوراً

لاہور پہنچے اور آتے ہی طیارہ اغوا کرنے والے سورماؤں کا استقبال کرنے کے لئے سیدھے ہوائی اڈے پہنچ گئے۔ پاکستان کے ٹی وی اور پرنٹ میڈیا نے ان کے کارنامے کو پوری طرح اچھالا۔ بعد ازاں طیارہ کے نذر آتش کئے جانے کے بعد جب دونوں اغوا کار ہوائی اڈے سے باہر نکلے تو انہیں ایک بہت بڑے جلوس کی شکل میں شہر لے جایا گیا۔ اس وقت تک مسئلہ کشمیر کافی عرصہ سے سرد خانہ میں پڑا ہوا تھا۔ اس واقعہ سے وہ اچانک روشنی میں آ گیا۔

لیکن یہ تمام ڈرامہ نہایت قلیل مدتی تھا۔ حکومت پاکستان نے جلد ہی ہندوستانی طیارہ (گنگا) کے اغوا اور اس سے پیدا شدہ حالات کا پتہ لگانے کے لئے ایک انکوائری کمیشن قائم کر دیا۔ ہاشم قریشی کو نظر بند کر دیا گیا۔ اس کے بعد دونوں اغوا کاروں کے سمیت سات افراد کے خلاف سرکاری راز قانون، دشمن ایجنٹ آرڈیننس اور تعزیرات پاکستان کے تحت مقدمہ درج کر دیا گیا۔ کارروائی 18 ماہ تک چلتی رہی۔ اس وقت ہاشم قریشی کی عمر بمشکل 17 سال ہوگی۔ ملزموں میں نیشنل لبریشن فرنٹ کے لیڈر و صحافی اور کشمیر کی تحریک آزادی کا سربراہ محمد مقبول بٹ کا نام بھی تھا جس کے خلاف ہندوستانی کشمیر میں ایک عدالت نے سزائے موت کا حکم سنا رکھا تھا۔ اور چند سال بعد کشمیر میں گرفتاری کے بعد ہندوستانی سرکار نے اس کو موت کی سزا دے بھی دی تھی۔ ملزموں میں لاہور اور کراچی کا ایک بہت بڑا قالین کا تاجر غلام محمد لون اور کراچی کے دو بڑے بیوپاری بھائی میر عبدالقیوم اور میر عبدالمنان اور راولپنڈی کا ایک ڈاکٹر ڈاکٹر فاروق حیدر بھی شامل تھا۔ ان میں سے مقبول بٹ، محمد ہاشم، اشرف اور لون کشمیر وادی کے تھے جبکہ میر برادران اور ڈاکٹر فاروق حیدر جموں کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر فاروق بعد ازاں وعدہ معاف گواہ بن گیا اور اس کا نام ملزموں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود مقدمہ ختم ہونے تک وہ نظر بند ہی رکھا گیا تھا۔

اس مقدمہ کی سنوائی جسٹس چوہدری محمد یعقوب علی خان کی سرکردگی میں تشکیل کردہ ایک دو رکنی ٹریبونل نے کی جو اس وقت پاکستان سپریم کورٹ کے ایک جج تھے اور بعد ازاں چیف جسٹس آف پاکستان بھی بنے۔ دوسرا ممبر جسٹس عبدالقادر شیخ تھے جو اس وقت سندھ ہائی کورٹ کے جج تھے۔ مغربی پاکستان ہائی کورٹ کے سابق جج مختار احمد جونیجو استغاثہ کے وکیل مقرر کئے گئے تھے۔ اس عدالت کا پہلا اجلاس راولپنڈی میں ہوا جس میں ملزموں کو پیش کیا گیا تھا۔ اس موقعہ پر ہاشم قریشی کے وکیل کے طور پر اور اعجاز حسین بٹالوی و

عبدالباسط باقی چھ ملزمین کی طرف سے پیش ہوئے تھے۔

ملزمین نے پہلی مرتبہ عدالت میں داخل ہونے کے فوراً بعد پولیس کی جانب سے ان پر ڈھائے گئے ظلم کو بیان کرنا شروع کر دیا اور بتایا کہ ان کو کس طرح تعذیب دی گئی اور شاہی قلعہ لاہور میں قید تنہائی میں رکھا گیا تھا۔ ٹارچر کے نشان ان کے جسموں پر نمایاں تھے۔ انہوں نے پولیس کے سامنے دئے گئے اپنے اقبالیہ بیانات کی تصدیق کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پولیس نے دوران تفتیش ٹارچر کر کے ان سے یہ بیانات حاصل کئے تھے۔ انہوں نے عدالت کو بتایا کہ انہوں نے کوئی بیان دیا ہی نہیں تھا بلکہ پولیس نے زبردستی ان سے کاغذات پر دستخط حاصل کر لئے تھے۔

استغاثہ کے کیس کا انحصار بڑی حد تک اقبالیہ بیانات اور سلطانی گواہ پر تھا۔ وکلائے صفائی یہ ثابت کرنے والے تھے کہ عدالت کے سامنے جو بیانات بھی پیش کئے گئے ہیں وہ پولیس نے ملزموں پر ٹارچر اور طویل مدت تک تنہائی میں رکھ کر حاصل کئے تھے۔ قانونی طور پر ان بیانات کو بطور ثبوت پیش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ استغاثہ نے ہندوستان اور ہندوستانی کشمیر میں شائع ہونے والی خبروں پر تکیہ کرنے کی کوشش کی۔ البتہ ظاہر تھا کہ ایسی دستاویزات کو بطور ثبوت قبول نہیں کیا جا سکتا تھا تاوقتیکہ معلومات فراہم کرنے والا ان شائع شدہ خبروں کی صداقت کی گواہی نہ دے دیتا یا پھر عدالت کے سامنے حلفیہ بیانات داخل کرتا اور ساتھ ہی عدالت کی جرح کے لئے بھی پیش ہوتا۔ استغاثہ نے دعویٰ کیا تھا کہ ملزموں نے ہندوستان کی خفیہ ایجنسیوں کے ایما پر اغوا شدہ طیارہ کو لاہور ہوائی اڈے پر لا کر اس لئے جلادیا تھا تاکہ ہندوستان کو بہانہ مل جائے کہ وہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پرواز کرنے والے طیاروں کو اپنے فضائی علاقہ سے گزرنے کی اجازت ختم کر سکے۔ حکومت ہند نے واقعی اس واقعہ کے جلد ہی بعد پاکستانی طیاروں کو اپنے علاقے کے اوپر سے گزرنے دینے کی اجازت کو ختم کر دیا تھا۔

ملزموں نے آزاد کشمیر کے سابق صدر کے۔ ایچ خورشید مرحوم کو بطور گواہ پیش کیا۔ جنہوں نے اس بات کی تصدیق کی کہ لاہور کے پولیس سپرنٹنڈنٹ نے ان کی موجودگی میں ہاشم قریشی کو پٹرول مہیا کیا تھا اور التجا کی تھی کہ طیارہ کو جلا ڈالو۔ سپرنٹنڈنٹ نے آگ بجھانے والی فورس کو بھی کارروائی کے لئے تیار رہنے کی ہدایت کی تھی۔ لاہور ٹی وی کے ٹیلیویژن عملہ کو طیارہ جلانے کے واقعہ کی عکس بندی کے لئے مدعو کیا گیا تھا۔ ملزموں نے

اپنے دفاع میں دوسرے گواہ اور ثبوت بھی پیش کئے تھے۔ مثال کے طور پر یہ ثابت کر دیا گیا کہ طیارہ اغوا کرنے کی ساری سکیم کو نیشنل لبریشن فرنٹ کے لیڈروں نے اور پشاور میں ہی حتمی شکل دی تھی۔ ہاشم کو جو اغوا سے قبل پشاور میں اپنی ہمشیرہ کے پاس ٹھہرا ہوا تھا وہیں پر اس مشن کے لئے ضروری تربیت دی گئی۔ بعد ازاں وہ دوبارہ ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں چلا گیا اور وہاں اشرف کے ساتھ رابطہ قائم کیا۔ اغوا شدہ طیارہ کے لاہور میں اترنے کے بعد اغوا کاروں نے صرف ایک ہی مطالبہ کیا تھا کہ انہیں ان کے لیڈروں یعنی مقبول بٹ وغیرہ کے ساتھ ملا دیا جائے تاکہ وہ آئندہ کے لئے ہدایت حاصل کر سکیں۔ لبریشن لیڈر اس وقت پاکستان میں موجود تھے اور پاکستانی اہل کاروں کے ساتھ رابطہ بنائے ہوئے تھے۔ ان لیڈروں کی ہدایت پر ہی طیارہ کے عملہ اور مسافروں کو رہا کیا گیا تھا۔ اغوا کاروں نے فوج کے دو سینئر افسروں کو طیارے کے اندر داخل ہونے اور ڈاک کے تھیلوں و دیگر سیکورٹی فورس سے متعلق دیگر کاغذات کا مفصل معائنہ کرنے کی اجازت بھی دی تھی۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ سپیشل ٹریبونل کے خیال کے مطابق جموں کشمیر لبریشن کا قیام اور اس کی قیادت کی سیاست ہندوستان کے ذریعہ کشمیریوں کی غلامی کے خلاف قدرتی رد عمل تھے۔ ٹریبونل نے ہاشم قریشی کے سوائے باقی سب کو اصل الزام یعنی سازش سے بری کر دیا انہیں مجاہدین آزادی قرار دیا۔ لیکن 17 سالہ ہاشم قریشی جو انہی مجاہدین آزادی کے کہنے پر (بشمول مقبول بٹ) کام کر رہا تھا اس کو مجرم قرار دے دیا گیا۔

گنگا کا اغوا ایسے وقت پر ہوا تھا جس وقت ہند پاک تعلقات بحرانی دور سے گزر رہے تھے۔ 1970ء کے عام انتخابات کے نتائج کو فوجی حکومت اور مغربی پاکستان کی سیاسی و مذہبی جماعتوں کی قیادت کو دونوں نے تسلیم نہیں کیا تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ برسر اقتدار طبقہ جمہوری نظام کے قیام سے گریز کئے جا رہا تھا اور مشرقی پاکستان کو ایک غلام نو آبادی بنا کر رکھ دیا تھا۔ اس کی وجہ سے ملک کے اس حصہ میں رہنے والے عوام کی اکثریت میں اجنبیت اور مایوسی کا احساس جاگزیں ہو چکا تھا۔ صاف نظر آتا تھا کہ ایک زبردست سیاسی اتھل پتھل ہونے والی ہے۔ اس اتھل پتھل کی مخالفت زور بازو سے کی گئی اور یہ جدوجہد آزادی کی شکل اختیار کر گئی۔ ترک موالات، مسلح جدوجہد اور فوجی کارروائی سے یہ منظر نامہ میں ہندوستان خاموش تماشائی نہیں بنا رہتا۔ آخر ہند پاک تعلقات کبھی دوستانہ نہیں رہے۔

ہندوستان نے اپنے طیارے کے اغوا کئے جانے کے واقعہ کے بعد جب پاکستانی طیاروں کی اپنے علاقے کے اوپر سے پرواز پر پابندی لگائی تو اس کا براہ راست اثر مشرقی پاکستان میں پاکستان کی فوجی کارروائی پر ہوا اور یہ بعد ازاں ہند پاک جنگ کی سمت پر بھی اثر انداز ہوئی۔ اس پابندی کی وجہ سے مارشل لاء سرکار کو اپنا موقف بدلنا پڑ گیا۔ اس کی نگاہ میں وہی مجاہدین آزادی اب غدار اور دشمن کے ایجنٹ بن گئے۔ نیشنل لبریشن فرنٹ کے مطالبہ آزادی اور ریاست کے دونوں حصوں کو بشمول گلگت اور بلتستان متحد کر کے ایک آزاد خطہ بنانے کے مطالبہ کو دشمن کے منصوبہ کا حصہ قرار دیا گیا۔ گلگت اور بلتستان کا خطہ جس کو پاکستانی حکمرانوں نے اپنے کنٹرول میں رکھا ہوا ہے زبردست حربی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اپنی شاہراہ ریشم کی وجہ سے یہ پاکستان کو چین کے ساتھ ملاتا ہے۔ اس علاقہ پر پاکستان کے قبضہ پر اعتراض کرنا سنگین جرم تصور کیا جاتا ہے۔ (یہ الگ بات ہے کہ حال ہی میں آزاد کشمیر ہائیکورٹ کے فل بنچ نے باتفاق رائے یہ فیصلہ صادر کیا تھا کہ گلگت بلتستان ریاست جموں و کشمیر کا حصہ ہے اور اس خطے پر پاکستان کا مسلسل قبضہ بالکل غیر قانونی ہے۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ آزاد کشمیر کی تمام سیاسی پارٹیاں بشمول حکمران مسلم کانفرنس اس پر متفق تھیں کہ گلگت اور بلتستان ریاست کا حصہ ہیں۔ آزاد کشمیر کی سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف اپیل کو صرف اس بنیاد پر منظور کیا تھا کہ اس معاملہ کی سماعت ہائی کورٹ کے دائرہ اختیار میں نہیں۔ البتہ سپریم کورٹ نے بنیادی سوال پر کوئی فیصلہ جاری نہیں کیا تھا)۔

اس وقت موجود نازک سیاسی حالات اور ساتھ ہی مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے پیش نظر حکومت وقت نے خصوصی قانون کے تحت سازش کا مقدمہ قائم کر دیا اور اسپیشل ٹریبونل سے یہ فیصلہ صادر کروایا کہ اگرچہ جموں کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ اور اس کی قیادت جذبہ آزادی کے تحت دیانتداری کے ساتھ کشمیر کی آزادی کے لئے جدوجہد کرتی رہی ہے، پھر بھی ہاشم قریشی کے ذریعہ طیارے کا اغوا اور اس کے جلائے جانے میں ہندوستانی خفیہ ایجنسیوں نے ایک رول ادا کیا تھا۔ ٹریبونل نے دوسرے اغوا کار یعنی اشرف قریشی کو مجاہد آزادی قرار دے دیا۔ اس فیصلہ سے پاکستان کی حکومت وقت نے IATA اور ILAO جیسی بین اقوامی تنظیموں کو مطلع کیا تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ ہندوستانی طیارے کے اغوا اور اس کے جلائے جانے کی سازش دراصل ہندوستانی علاقہ کے اوپر سے پاکستان کے ہوائی راستے کو روکنے کے ہندوستانی منصوبہ کا

حصہ تھی۔ لیکن ان تنظیموں نے ٹریبونل کا فیصلہ پر اعتماد نہیں کیا۔

سپیشل ٹریبونل نے ہاشم قریشی کو 14 سال کے لئے قید بامشقت کی سزا دی۔ باقی ملزموں کو چھوڑے اور اہم الزامات سے بری کر کے کسی معمولی جرائم کی پاداش میں برائے نام سزا دے دی گئی۔ میں نے ہاشم قریشی کی جانب سے اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کر دی۔ حکومت نے بھی ٹریبونل کے فیصلہ کے خلاف اپیل داخل کی اور مطالبہ کیا ہاشم قریشی دشمن کا جاسوس ہے لہذا اسے دشمن کے ایجنٹ قانون تحت سزائے موت دی جائے۔ اپیلوں پر سنوائی کئی سال کے بعد شروع ہوئی اور ہاشم اس دوران جیل میں سڑتا رہا۔ سپریم کورٹ کے تین ججوں پر مشتمل اپیلی بنچ نے ٹریبونل کے فیصلے کے چیدہ چیدہ حصوں کا معائنہ کیا اور کئی دن تک میرے اعتراضات سنے (ٹریبونل کا فیصلہ 400 صفحات سے زیادہ پر محیط تھا)۔ میں نے ابھی مقدمہ کے سلسلہ میں اپنے دلائل پیش کرنا شروع بھی نہیں کیا تھا کہ عدالت نے اٹارنی جنرل سے سوال کیا کہ کیا وہ ہاشم کے خلاف حکومت کی اپیل پر بضد ہونا چاہتے ہیں؟ اٹارنی جنرل نے حکومت کے ساتھ مشورہ کے بعد اپیل واپس لے لی۔ ہاشم کی میعاد قید میں کمی کر دی گئی اور اسے 7 سال قید کے بعد رہا کر دیا گیا (قید کی کل مدت 9 سال اور 3 ماہ تھی)۔

سلاخوں کے پیچھے پھینکے جانے سے نوجوان ہاشم کا جذبہ آزادی سرد نہیں پڑا بلکہ اس کے بجائے وہ اپنے کاز کے تئیں اور زیادہ وقف ہو گیا۔ جیل کے اندر اس نے خود کو سیاسیات، آزادی کی تحریکوں اور کشمیر کے متعلق ادب کے مطالعہ میں مصروف رکھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ زیادہ سنجیدہ مزاج بنتا گیا اور اپنی مادر وطن کی آزادی سے متعلق معاملوں، اپنے لوگوں کی ترقی و خوشحالی اور ان کو درپیش مصائب کو زیادہ بہتر طور پر سمجھنے لگا۔ وہ جانتا ہے کہ اس کی مادر وطن کو ہندوستان اور پاکستان دونوں نے یرغمال بنا رکھا ہے جنہیں اس کے لوگوں کی آزادی اور فلاح کے ساتھ کوئی غرض نہیں ہے۔ اور یہ کہ یہ دونوں ممالک اپنی علاقائی برتری میں ہی دلچسپی رکھتے ہیں۔

کشمیر کے اندر بھی مہم بازوں کے ایک وسیع طبقہ نے بھی عام لوگوں کو اپنا یرغمال بنا رکھا تھا۔ ان میں سب سے آگے وہ گروہ ہے جو مذہب کی بنیاد پر جہاد کا نعرہ لگاتا ہے۔ یہ لوگ کشمیر کے ہندو اور مسلمانوں کے درمیان کئی زمانوں سے چلی آ رہی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو تباہ کرنے کا ذریعہ بن چکے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کشمیر کے امن پسند عوام کے خلاف ظلم و دہشت کا بازار گرم کر رکھا ہے پھر ہندوستان کی سیکورٹی فورسز کے زبردست مظالم، ان کے ہاتھوں عورتوں کی بے حرمتی اور مذہبی مقامات کی بے آبروئی کی خوفناک داستان ہے۔ ہوش و خرد کے اس دور میں انسانی حقوق کی پامالی کا کوئی جواز قابل قبول نہیں ہو سکتا۔ ہاشم قریشی کا مطالبہ ہے کہ جہد آزادی کو انہی لوگوں کے خلاف جنگ اور ان کی ثقافت کے خلاف جنگ میں نہیں بدلا جانا چاہئے جن کے لئے اس جدوجہد کا آغاز کیا گیا۔ وہ فلسطین اور جنوبی افریقہ کی مثال دیتا ہے جہاں آزادی کی طویل جدوجہد اور ہزاروں زندگیوں کی قربانیوں کے بعد فریقین نے آخر کار پرامن بقائے باہم کے اصول کو تسلیم کر لیا تھا۔

ہاشم قریشی جب ہند پاک تعلقات کے حوالے سے کشمیر کے سوال کا تجزیہ کرتا ہے تو وہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہاں کے لوگوں کو حق خود ارادیت دیے بغیر اس خطے میں امن اور خوشحالی نہیں لائی جا سکتی۔ بڑی بڑی توپیں اور جنگی سامان رکھنا اور دائمی طور پر عداوت کی حالت میں رہنا ایسی چند باتیں ہیں جو رکاوٹیں پیدا کرتی ہیں۔ تنگ سیاسی دشمنی اور خصوصاً ہندوستان میں اقلیتوں کا تحفظ وغیرہ ایسے معاملات ہیں جو پسماندگی اور فرقہ وارانہ تعصب پیدا کرتے ہیں۔ ان رکاوٹوں کو دور کئے بغیر جمہوریت کو مضبوط نہیں کیا جا سکتا۔

ہاشم قریشی جذباتی سیاست کی بات نہیں کرتا۔ وہ تحمل اور دور اندیشی کا سہارا لیتا ہے۔ ان کے مضامین کا مقصد کشمیر میں سیکولرازم، جمہوریت اور برداشت کا فروغ ہے جو آخر کار برصغیر میں ترقی کی شاہراہ کو کھولیں گے۔ بہر حال اس وقت کے ہاشم اپنی محبت شعار بیوی اور بچوں کے ساتھ بطور پناہ گزین بدستور ہالینڈ میں قیام پذیر ہے اور اپنے بدنصیب ہم وطنوں کیلئے جدوجہد کر رہا ہے۔

ہاشم قریشی سرزمین جموں و کشمیر پر پیدا ہوا تھا۔ وہ پاکستانی شہری نہیں ہے۔ وہ خود کو ہندوستانی شہری بھی نہیں سمجھتا کیونکہ وہ کشمیر پر ہندوستان کے قبضہ کو جبری قبضہ قرار دیتا ہے وہ اپنے آپ کو جموں و کشمیر کا باشندہ کہتا ہے۔ اس دعوے کو نہ ہندوستان تسلیم کرتا ہے، پاکستان۔ وہ اپنے آپ کو اس یرغمالی جیسی حیثیت سے آزاد کرانا چاہتا ہے اور ریاست جموں و کشمیر کے عوام کو آزاد کرانے کیلئے جدوجہد کر رہا ہے۔ زیر نظر مضامین اس جدوجہد کا حصہ ہیں۔

عابد حسن منٹو

لاہور۔ اکتوبر 1997ء

تعارف

میں ہندوپاک کے دانشوروں، سیاستدانوں اور بیوروکریٹوں اور خصوصاً کشمیر کے سیاسی حلقوں، ملی تنظیموں اور عوام کو یہ گوش گذار کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی سیاسی زندگی کے دوران میں ہمیشہ اس خیال پر کاربند رہا ہوں کہ میری مساعی کے نتیجے میں مسائل کا حل نکلنا چاہئے۔ میرے مضامین کا یہی رہنما اصول رہا ہے۔ کشمیر کے سوال پر میں نے صرف اسی وقت قلم اٹھایا ہے جب میرے پاس موضوع تحریر کے متعلق تمام حقائق جمع ہوگئے ہوں۔ ظاہر ہے کہ ان مضامین میں میں نے جو سچائیاں درج کی ہیں وہ کچھ قارئین کو پسند نہیں آئیں گی۔ میں واضح کردینا چاہتا ہوں کہ بنیادی طور پر مجھے انسانوں اور انسانیت دوستی سے گہری محبت ہے۔ اسی طرح میں اپنی مادر وطن اور اپنے ہم وطنوں سے گہری محبت کرتا ہوں۔ جب مجھے ان کی تکلیف اور درد کا خیال آتا ہے تو میرے دل میں ہوک اٹھنے لگتی ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ اس کتاب میں شامل تمام مضامین دراصل میرے دردنہاں اور آنسوؤں کا پرتو ہیں تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ لہٰذا اس کتاب کو اسی تناظر میں پڑھا جانا چاہئے۔ میری کسی سے بھی ہوئی عداوت نہیں ہے ماسوائے ان لوگوں کے جو نظریات و آرا کو مسخ کرکے انسانی جذبات کا استحصال کرتے ہیں اور مذہب و جنگ کے نعرے بلند کرکے اپنے خصوصی مفادات کی تکمیل کرنے کے بعد انہیں کسی عملی استعمال میں لاتے ہیں۔ اس بات کا فیصلہ مستقبل ہی کرے گا کہ اقربویت اور اپنا ذحول پیچھے والے اس دور میں میں کہاں تک کامیاب ہوتا ہوں۔ بہر حال ماضی نے ثابت کردیا ہے کہ میرا تجزیہ اور مشاہدات ہمیشہ درست نکلے ہیں۔ لہٰذا یہ کام ناقد کا ہے کہ وہ اپنے ضمیر کو ٹٹولے۔ ممکن ہے کہ وہاں سے کوئی ایسی آواز سنائی دے جو میری باتوں سے مطابقت رکھتی ہو۔

میں سرینگر کشمیر میں ایک متوسط خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ تین بہنوں کے بعد پیدا ہونے کی وجہ سے میرے والدین کی یہ خواہش فطری تھی کہ میں ایک دولت مند شخص

ہوں۔ ڈاکٹر، انجینئر یا مشہور افسر بن جاؤں جس سے پورے خاندان کا سماجی رتبہ بڑھ جائے لیکن تقدیر اور حالات نے میرے لئے کچھ اور ہی طے کر رکھا تھا اور آج میں جلاوطنی کے ستائیسویں سال سے گذر رہا ہوں

مجھے کہنے دیجئے کہ جلاوطنی کا درد وہی لوگ جانتے ہیں جنہیں حالات یا مگر مجبوریوں کی بدولت اپنے وطن سے بھاگنا پڑا ہو۔ جلاوطنی میں گزرا ہوا ہر لمحہ کئی برسوں کی طرح طویل ہو جاتا ہے۔ میں درد کی یہ ٹیس 27 برس سے صرف کشمیر کی گتھی سلجھانے کا طریقہ تلاش کرنے اور برصغیر کے کروڑوں عوام کو تباہ کن جنگ کے خوف سے باہر نکالنے کی غرض سے برداشت کرتا آرہا ہوں۔ ان سالوں میں 10 برس کا وہ عرصہ بھی شامل ہے جو میں نے کشمیر کی آزادی کا مطالبہ کرنے کی پاداش میں لاہور کی جیلوں میں قید تنہائی میں بسر کیا تھا۔ اس لئے جب بھی میرے وطن سے کسی کو جلاوطن ہونا پڑتا ہے تو مجھے شدید ترین رنج ہوتا ہے اور میری آواز درد و برصغیر کی رواں صورت حال پر میری تحریروں کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ میں نفرت کو ترک کرکے محبت و اخوت اور جھوٹ کو کچل کر سچائی کے ساتھ سختی سے چپکا رہتا ہوں۔

تیرہ تین کی عمر میں پہنچتے ہی مجھے احساس ہونے لگا تھا کہ کشمیر کی سیاست پر نجی مجلسوں میں بحث ہوتی رہتی ہے۔ میری پیدائش کے ایک دو ماہ قبل ہی اگست 1953 میں شیخ محمد عبداللہ کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس سے کشمیر کی سیاست میں ایک بحران پیدا ہوگیا تھا۔ میرے والد پولیٹیکل کانفرنس کے ساتھ وابستہ تھے۔ پولیٹیکل پارٹی کے کارکنوں کے لئے عموماً 14 اگست کی صبح "کشمیر بنے گا پاکستان" کے نعروں سے شروع ہوتی اور ترانے اور آتشبازی چھوڑی جاتی۔ جگہ جگہ اشتہار چسپاں کئے جاتے۔ مجھ جیسے نوعمر کے لئے یہ بہت اہمیت رکھتا تھا۔ پولیٹیکل کانفرنس کا سرگرم رکن ہونے کی وجہ سے میرے والد اپوزیشن گروپوں کے رجحانات سے پوری طرح آگاہ تھے۔ یہ خیال عام تھا اور سیاسی حلقوں میں بڑی افواہ بھی تھی کہ اس سیاسی جماعت کے سربراہ کو پاکستان کی وزارت امور کشمیر کی طرف سے ہنگامے کرنے اور کشمیریوں کی نوجوان نسل کو گمراہ کرنے کے لئے کافی فنڈ مہیا کئے جارہے ہیں، لیکن اس میں شک ہے کہ ان رقومات کا کوئی حصہ کبھی اس پارٹی کے عام ورکروں تک بھی پہنچا ہوگا۔ برسبیل تذکرہ میں یہ بھی بتادوں کہ جس وقت پاکستان کی عدالت میں ہم پر بھارتی طیارہ اغوا

کرنے کے جرم میں مقدمہ چل رہا تھا ان دنوں پیر مقبول گیلانی ہر ہفتہ ہم سے عدالت میں ملنے آیا کرتے تھے۔ وہ ہماری طرف سے گواہ بھی تھے۔ انہوں نے ہی بعد میں ہمیں ایسے کئی کشمیری لیڈروں اور کئی سیاسی جماعتوں کے بالائی طبقوں کے متعلق تفصیل سے بتایا تھا جو اس وزارت کی ایجنسیوں کے ہاتھوں خود کو فروخت کر رہے تھے۔

پولیٹیکل کانفرنس کے انجام اور اس کے سربراہ کے حربوں کے متعلق ہر کشمیری بخوبی واقف ہے۔ ماضی میں جھانکنے پر میں دیکھتا ہوں کہ محی الدین قرہ مرحوم نے اپنے ذاتی مفادات پر نوجوان کشمیری مسلمانوں کی ایک پوری نسل کو قربان کر دیا تھا۔ جبکہ دوسری جانب اس کا خاندان بھارت کے ساتھ الحاق کے نعرے لگا کر اقتدار اور حکومت کی تمام سہولیات سے فیضیاب ہو رہا تھا۔

عمر بڑھنے کے ساتھ مجھے احساس ہونے لگا کہ کشمیری قیادت جس کاز کی وکالت کر رہی تھی اس کے تئیں وہ خود وفادار نہیں تھی۔ ان کی سیاست محض مصلحت تھی۔ وہ دو معنی بات کرنے کے فن میں استاد نکلے۔ اس صورت حالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ کشمیری نوجوان نے خود کو مکمل طور پر انتشار کے دلدل میں پھنسا ہوا پایا۔ دراصل ایک پوری نسل گومگو کی حالت میں تھی۔ کشمیری قیادت نہ تو بھارت کے ساتھ الحاق کو حق بجانب ثابت کر سکتی تھی اور نہ ہی صرف مذہب کی بنا پر اس کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں قائل کرنے والی دلیل دینے کے اہل تھی۔ ستم ظریفی یہ تھی کہ ریاست جموں و کشمیر کے پانچوں خطوں میں کہیں بھی کوئی شخص کشمیر کی آزادی کا نعرہ لے کر آگے نہیں آیا۔

بہر حال اگست 1953ء کے واقعات کے بعد شیخ محمد عبداللہ کشمیر کی سب سے بھاری بھر کم شخصیت بنے رہے۔ ان کے جیل کے اندر یا باہر رہنے سے ان کے اس مقام پر کوئی اثر نہیں تھا۔ لیکن کشمیر میں کچھ کہنا اور دلی پہنچ کر کچھ اور کہنا ان کا خاصہ بن گیا تھا۔ 1962-63ء میں درگاہ حضرت بل سے آثار مقدس کی چوری نے مجھے زبردست جھٹکا دیا یہ سانحہ اپنے خوابوں کے کشمیری معاشرہ کی تصویر کو ترتیب دینے کے متعلق میرے سیاسی نظریہ کو ڈھالنے میں اہم ثابت ہوا۔ میں نے موئے مبارک کی چوری کے خلاف مظاہروں کے دوران دیکھا کہ روتے بلکتے مسلمانوں کے جلوسوں میں کئی کشمیری پنڈت بھی شامل ہوتے تھے۔ ان نظاروں نے میرے فلسفہ کثرت اور الوجود کو مزید تقویت پہنچائی اور اسی

وقت سے میں اس پر قائم ہوں۔ اس طرز فکر سے کشمیریوں کی قوی ترین شناخت منعکس ہوتی ہے۔ اس طرح زبردست کشمیری قوم پرستی کے ہالے میں میری پرورش ہوئی۔

پھر خبر آئی کہ محمد مقبول بٹ سینٹرل جیل سرینگر سے فرار ہو گئے ہیں۔ ہمارے لئے کشمیری سیاست کے افق پر ایک نیا سورج طلوع ہو گیا اور اس کے مطابق ہی ہم نے اپنی سیاسی یاترا شروع کر دی۔ ہم اس مفروضہ پر پوری توجہ مبذول کرنے لگے کہ بھارت اور پاکستان کی دیرینہ دشمنی نہ تو کشمیر کو بھارت کا ناقابل تنسیخ حصہ تسلیم کرنے سے ختم ہو سکتی ہے اور نہ ہی یہ مان لینے سے کہ کشمیر پاکستان کی شاہ رگ ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ دونوں میں کشیدگی اسی وقت ختم ہو سکتی ہے جب کشمیر آزاد ہے۔ اس کو واحد قابل عمل اور دیرپا حل تسلیم کرنے کے بعد میں نے مستقبل کے لئے اپنا لائحہ عمل تیار کر لیا۔

گنگا طیارے کے اغوا نے مجھے کشمیری نوجوانوں کی توجہ کا مرکز بنا دیا ہے۔ اس کی کہانی اس کتاب میں مناسب جگہ پر درج ہے۔ لیکن یہاں اتنا کہا جا سکتا ہے کہ قید کا عذاب سہہ لینے کے بعد میں نے اپنے کشمیری ہموطنوں کے مسائل کا پر امن حل تلاش کرنے پر پوری توجہ مبذول کر دی۔ یاد رہے کہ 1984ء میں جب میں پاکستان اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں جے اینڈ کے لبریشن فرنٹ کا چیئرمین تھا ان دنوں پاکستان کی فوجی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی نے مجھ سے رابطہ قائم کیا تھا اور یہ منصوبہ پیش کیا تھا کہ میں کشمیری نوجوانوں کو اکسا کر کے کشمیر وادی سے پاکستان لے کر آؤں۔ جہاں ہتھیار چلانے کی تربیت حاصل کرنے کے بعد وہ اسلحہ لے کر وادی میں لوٹ جائیں اور وہاں مسلح بغاوت شروع کر دیں۔ آئی ایس آئی نے مجھے کافی ترغیب اور لالچ دیا تھا لیکن میں جانتا تھا کہ اگر اس خطرناک پلان کو قبول کر لیا گیا تو کشمیری نوجوان کس تباہ کن مصیبت میں پھنس جائیں گے اور اس سے پوری کشمیری قوم کو کتنے خوفناک موسم کا سامنا کرنا پڑے گا۔ چنانچہ میں نے اس پیشکش کو رد کر دیا۔ اس انکار کا یہ نتیجہ نکلا کہ مجھے اپنی بیوی اور چھوٹے چھوٹے بچوں کو لے کر پاکستان سے فرار اختیار کر کے یورپ میں پناہ لینا پڑی۔ مڑ کر دیکھتے ہوئے مجھے اس بات پر فخر ہوتا ہے کہ میں نے اس وقت بالکل درست فیصلہ کیا تھا کیونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ جن کشمیری لیڈروں نے آئین ہند کے ساتھ وفاداری کے حلف اٹھائے تھے وہی آئی ایس آئی کے جال میں پھنس گئے اور ہر جگہ کشمیری نوجوانوں کو قبروں تک پہنچانے کے لئے آلہ کار بن گئے تھے۔ اور یہ کس لئے؟ محض

کہ اس تقسیم سے مسلمانوں کو کیا ملا؟ برصغیر کے مسلمان تقسیم ہو گئے اور بعد ازاں یہ نومولود اسلامی ملک مزید تقسیم ہو گیا۔ اگر ہم جذبات سے ہٹ کر پورے منظر کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کریں تو دیکھیں گے کہ پچاس کروڑ مسلمانوں والا یہ وسیع براعظم تین حصوں میں بٹ چکا ہے۔ 15 کروڑ مسلمان بنگلہ دیش میں، 13 کروڑ پاکستان میں اور 18 کروڑ بھارت میں رہ رہے ہیں اگر یہ برصغیر مذہب کے نام پر تقسیم نہ کیا جاتا تو یہاں ایک شاندار اسلامی قوت ابھر کر آئی ہوتی جو پوری دنیا پر زبردست طور پر اثر انداز ہو سکتی تھی۔ یہ بہت بڑی مسلم آبادی دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ اس محبت اور امن کے ساتھ رہ رہی ہوتی جس سے وہ دور برطانوی راج کے زوال سے قبل رہ رہی تھی۔ بنگلہ دیش اور پاکستان کی معیشت بے حد خراب اور مایوس کن ہے۔ پاکستان پر 47 بلین ڈالر سے زیادہ کا تو غیر ملکی قرض ہے۔ جس کی سالانہ قسط اور خدماتی قیمت کی ادائیگی پر اس کے سالانہ بجٹ کا 42 فیصد حصہ خرچ ہو جاتا ہے۔ پاکستانی صنعت بھی کوئی حوصلہ افزا تصویر پیش نہیں کرتی۔ اس کے بڑے بڑے صنعت کار بیرونی کمپنیوں سے ٹکنالوجی کے انتقال پر زور دینے یا دیسی ٹکنالوجیوں کے فروغ کی حوصلہ افزائی کرنے کے بجائے غیر ملکی درآمدات پر مکمل تکیہ لگانے میں پھنسے ہوئے ہیں۔ سیاسی لحاظ سے دیکھیں تو اپنی آزادی کے بعد کے 50 برسوں میں سے 31 سال تک پاکستان مارشل لاء کے تحت رہا ہے اور نام نہاد جمہوریت کے 20 سالوں کے عرصہ میں بھی اس نے کم از کم 15 وزرائے اعظم اور تین آئین دیکھے ہیں۔ یہ تمام چیزیں پاکستان کے سیاسی عدم استحکام کی نشاندہی کرتی ہیں۔

جو لوگ اپنے خول سے باہر نکلنے کو تیار نہیں ہیں اور مذہب کی بنیاد پر ہماری مادر وطن کشمیر کی تقسیم کے وکیل بن گئے ہیں، میں ان سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی چھوٹی سی خیالی دنیا سے باہر نکلیں اور حیرت زدہ کر دینے والی سائنسی اور ٹکنالوجیکل ترقی والی وسیع دنیا کو آنکھیں کھول کر دیکھیں۔ یہ یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ جب تک لوگ مذہب کو رجعت پسندی اور کٹرپن کی سلاخوں کے پیچھے بند رکھتے ہیں اس وقت تک ترقی کے راستے مسدود رہتے ہیں۔ بھارت کے صوفیوں اور سنتوں نے اسلام کی اصل اور سچی صورت کو پہچان لیا تھا جو عالمی اخوت اور رواداری پر زور دیتی ہے۔

میری کاوش، کشمیر۔ سچائی کی پردہ کشائی، آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے قبل میں

تباہی اور بربادی کے لئے۔ بدقسمتی سے کشمیری قوم اب بھی مکمل کنفیوژن کی دلدل میں پھنسی ہوئی ہے۔

یہ بات بالکل غیر مبہم الفاظ میں کہہ دوں کہ میں نہ تو تشدد میں یقین رکھتا ہوں اور نہ ہی مسائل کے حل کی تلاش میں نفرت کے جذبات کا مغلوب ہوتا ہوں۔ میرا نظریہ اور طرز فکر یہ ہے کہ کشمیر کی پیچیدہ گانٹھ کھل جانے سے نہ صرف کشمیر کے عوام کو نیا پیغام ملے گا بلکہ اس سے افلاس، ناخواندگی اور پسماندگی کی وہ زنجیریں بھی ٹوٹ جائیں گی جن میں برصغیر کے تقریباً 120 کروڑ عوام جکڑے ہوئے ہیں۔ بھارت اور پاکستان اپنی دفاعی صلاحیتوں کو بڑھانے کے لئے ہر سال اربوں ڈالر فوجی سامان خریدنے پر خرچ کرتے ہیں۔ اگر ان بھاری رقوم کو ترقیاتی کاموں مثلاً تعلیم، صحت عامہ اور دیگر کاموں پر خرچ کیا جائے تو پورے برصغیر کا مقدر بدل جائے گا۔

جہاں تک عقیدے کا تعلق ہے تو مجھے اسمیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب بنی نوع انسان سے محبت کا درس دیتے ہیں۔ مذہب کی بنیاد پر ملک کی تقسیم کرنا ویسا ہی ہے جیسے کوئی اپنی ماں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے کیونکہ ہم سب مادر وطن کی آغوش میں ہی پیدا ہوتے ہیں۔ مذہب کی بنیاد پر کشمیر کی تقسیم کی وکالت کرنے والے نہ صرف میرے آبائی وطن کے دشمن ہیں بلکہ وہ پوری بنی نوع انسان کے دشمن ہیں۔ اگر ہم صرف مذہب کی بنیاد پر تقسیم کی بات کریں اور اس سمت میں عمل بھی کرنے لگیں تو پوری دنیا بشمول اسلامی ممالک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں اور گندی بستیوں میں تقسیم کر دینا پڑے گا جس کا مطلب صلیبی اور ہلالی جنگوں کے المیہ کو دوہرا کر ایک دوسرے کو تباہ کرنا ہوگا۔ الجیریا اور افغانستان کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔ دونوں ممالک میں ایک ہی عقیدے (اسلام) کے پیروکار آباد ہیں۔ اس کے باوجود دونوں ملکوں میں لوگ آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہی برسرپیکار ہیں۔

مذہب کی بنیاد پر سرزمینوں کی تقسیم کا تجزیہ کریں تو فوراً اسرائیل اور پاکستان نام کے ممالک پر پڑتی ہے۔ یہ دونوں مذہب کے نام پر وجود میں آئے تھے۔ اسرائیل گذشتہ نصف صدی سے شورش و افراتفری کا منبع بنا ہوا ہے جس کے نتیجے میں قتل و غارت اور ظلم اور مسلمانوں کے لئے مزید مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ اور دوسرا ملک یعنی پاکستان جو دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان کو تقسیم کے نتیجہ میں قائم ہوا تھا اس کے بارے میں سوال کیا جا سکتا ہے

کشمیر پر تین کتابیں لکھ چکا ہوں جن کے نام یہ ہیں۔ "سازشی تاریخ" "کشمیر۔اس کی تلاش" اور "نار ہے کشمیر" یہ تینوں کتابیں بھی پاکستان میں شائع ہوئی تھیں۔ میرے ہموطنوں کی بڑی تعداد کے علاوہ بین اقوامی حلقوں کے بھی کشمیر سے دلچسپی رکھنے والے کئی افراد نے ان کو پڑھا ہے اور میرے نکتہ نظر کی تعریف کی ہے۔ میں نے معاملہ کشمیر کے متعلق کچھ سچائیوں پر سے پردہ ہٹانے کی کوشش کی ہے جو اب تک عام آدمی کی نظروں سے پوشیدہ تھیں۔

زیر نظر کتاب میں میں نے اول الذکر کتابوں سے بھی کچھ مواد شامل کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں میرے پریس کے ساتھ کچھ انٹرویو، خطوط اور مضامین بھی شریک اشاعت ہیں۔ اس تمام ذخیرے کے سلسلہ میں قاری کو یاد ہو گا کہ آج سے کئی سال پہلے 90-1991 میں ہی میں نے کچھ پیش وار تنقیدی تھیں اور مسائل کشمیر کے کچھ حل بھی سمجھائے تھے۔ لیکن اس وقت کشمیر کی نام نہاد قیادت نے میرے خلاف ایک طوفان کھڑا کر دیا تھا لیکن آج وہی لوگ ابھی خدشات کا ڈھنڈورہ پیٹ رہے ہیں اور وہی حل پیش کر رہے ہیں جو میں نے 1990ء میں تجویز کئے تھے۔ میں نے اس وقت کہا تھا کہ اول تو بندوق کو اٹھانا ہی نہیں چاہئے تھا کیونکہ یہ بندوق کا زمانہ نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ اب جبکہ بندوقوں کو ہاتھوں میں لے لیا گیا ہے۔ تو چاہے انہیں اٹھانے کے پیچھے جو مقصد تھا وہ پورا ہوا ہو یا نہ ہو، لیکن جغرافیائی سیاسی صورت حال کا تقاضہ یہی ہے کہ بندوق کی حکمت عملی کو ترک کر دیا جائے اور طریق کار کو بدل کر عوام کو عدم تشدد کی سیاست کے مطابق منظم کیا جائے۔ تحریک کو اسی طرز پر چلایا جانا چاہئے تھا۔ اگر متعلقہ افراد نے اس وقت میری بات کو مان لیا ہوتا تو آج کشمیری برادری اپنے ہی خلاف بنے ہوئے گھر کا نظارہ پیش نہ کرتی۔ نہ بیسیوں مائل بہ جدائی گروہ پیدا ہوتے اور نہ ہی بندوق کو ذاتی انتقام اور شیخی بگھارنے اور خود کو برا ثابت کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا اور نہ کسی کو بین اقوامی طور پر دہشت گرد کا لقب دیا جاتا۔

میں جانتا ہوں کہ اس کتاب میں کئی گانٹھوں کو کھولنے سے کچھ جذباتی پاکستانی، بھارتی اور کشمیری خوش نہیں ہوں گے۔ سچ کڑوا ہوتا ہے لیکن اگر حل تلاش کئے جائیں تو لوگوں کو کئی مسائل اور تباہیوں سے بچایا جا سکتا ہے۔ اگر وقت رہتے ان مسئلوں پر غور نہ کیا جائے تو یہ معاشرہ کے اعضائے رئیسہ کو ہی کھانے لگتے ہیں۔ نفرت اور تعصب کو کینسر کی شکل اختیار کرنے سے پہلے ہی بامعنی بات چیت اور خیر سگالی کے آلات استعمال کر کے ختم کر دیا

جانا چاہئے۔ ہمارے نفاق سے ان بیرونی قوتوں کو فائدہ ہو گا جو ماضی میں بھی ہمارا استحصال کرتی رہی ہیں۔ یہ گہری خود احتسابی کا لمحہ ہے۔

اپنے تعارف کو ختم کرنے سے قبل مجھے شدید خواہش ہو رہی ہے کہ میں ایلسٹر لیمب کی کتاب "کشمیر۔اے ڈسپیوٹڈ لیگیسی" (کشمیر ایک متنازعہ وراثت) کے بارے میں چند الفاظ کہوں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے لیمب نے پولیس کی طرف سے مندرجہ بیانات کی بنیاد پر اپنی اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ بھارتی طیارے گنگا کا اغوا بھارت کی ہی سازش تھی۔ لیمب کو علم نہیں ہے کہ شاہی قلعہ لاہور میں پولیس نے ہم سے جو بیانات حاصل کئے تھے وہ لاہور پولیس اور پاکستان کی داخلی امور اور خارجہ امور کی وزارتوں نے ہمیں مختلف طرح کے سخت ترین اور بربریت آمیز ٹارچر کا ہدف بنا کر جبراً حاصل کئے تھے۔ اگرچہ لیمب نے اس کتاب میں ایسے کئی دعوے کئے ہیں جنہیں غلط ثابت کیا جا سکتا ہے (جیسے مہاراجہ کشمیر کی دستخط کردہ دستاویز الحاق پر اس کا شبہات پیدا کرنا وغیرہ) لیکن چونکہ طیارہ اغوا کرنے والا معاملہ ایسا ہے جس میں میں براہ راست ملوث ہوں اس لئے میں یہاں اس کے علاوہ اور کسی بات کو نہیں چھیڑوں گا۔

1 لیمب نے اپنی کتاب میں نورالامین کمیشن کا حوالہ دیا ہے جو ایک سول سرونٹ نواب راحت چودھری اور آئی ایس آئی کے کرنل کے رتبہ والے دو افسروں پر مشتمل تھا۔ اس کمیشن نے جو معلومات حاصل کرنے کا دعوی کیا تھا اور جنہیں اس نے ایک رپورٹ کی شکل میں تیار بھی کیا تھا اسے ہم پر مقدمہ چلانے کے لئے قائم کی گئی خصوصی عدالت کے سمیت کسی بھی عدالت میں تسلیم نہیں کیا گیا تھا۔ اس خدمت کے لئے پیپلز پارٹی نے بعد میں نورالامین کو کراچی سے قومی اسمبلی کا الیکشن لڑنے کے لئے ٹکٹ بھی دیا تھا اور 1972ء میں اسے کامیاب بھی کروایا تھا 1977ء میں کراچی کے اخبارات نے "جسٹس" نورالامین کی ایک تصویر بھی شائع کی تھی جس میں انہیں بھٹو سرکار اور 1977ء کے چناؤ کے خلاف ہونے والے عوامی مظاہروں کے دوران مظاہرین پر بہ نفس نفیس ڈنڈے برساتے دکھایا گیا تھا۔ ایسے جج سے انصاف اور غیر جانبداری کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ جو سیاسی مظاہرین کو پیٹنے کے لئے لاٹھی اٹھا لیتا ہو اور اس طرح کھلے طور پر اپنے طرفدار ہونے کا مظاہرہ کرتا ہو؟ لیمب غالباً نہیں جانتا کہ یہ راحت چغتائی وہی ہے جسے پاکستان کی پہلی منتخب حکومت نے

بد عنوانی کے الزام میں ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔ اپنی تحقیق کے لئے اس جج کو اپنے ماخذ کے طور پر قبول کرنے سے قبل لیمب کو چاہئے تھا کہ وہ اس کی اعتباریت کا پتہ لگاتے۔

اب پولیس اس ٹارچر اور ہم سے لئے گئے نام نہاد اقبالیہ بیان کے بارے میں جو پولیس نے ہم سے حاصل کئے تھے (اور جن کی بنیاد پر لیمب نے اپنے نتائج اخذ کئے ہیں)۔ میں صرف اس بیان کا ایک اقتباس پیش کرتا ہوں جو مقبول بٹ مرحوم نے اس خصوصی عدالت کے روبرو دیا تھا جس میں ان کا اور ہمارا مقدمہ چل رہا تھا۔

"ذاتی طور پر میں ٹارچر کے تین مرحلوں سے گزرا ہوں۔ پہلے بھارتی قابض فوج کے ہاتھوں (ہندوستانی مقبوضہ کشمیر میں) امتاب باغ سرینگر میں۔ پھر (آزاد کشمیر کے) کالا قلعہ میں ایف آئی یو کے گستاپو قسم کے افسروں کے ذریعہ اور تیسری مرتبہ لاہور کے قلعہ میں۔ ہندوستانی کشمیر میں قابض فوجی مجھ سے میری اور میری تحریک کے بارے میں حقائق معلوم کرنا چاہتے تھے تو مظفر آباد میں ایف آئی یو کا اصرار تھا کہ میرے اور میری تحریک کے متعلق وہ جو کچھ سوچتے اور سمجھتے ہیں میں اس کی تصدیق کر دوں لیکن لاہور کے قلعہ میں گستاپو جیسے افسر یہ چاہتے تھے کہ میں مکمل اور سراسر جھوٹ کو قبول کر لوں اور ان کی سازش کے حصہ کے طور پر جھوٹا بیان دے دوں۔ حقائق کو مسخ کرنے اور جھوٹی کہانیاں اور کردار تخلیق کرنے کے لئے ہمارے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ اس ملک پاکستان کے تمام حکمرانوں کی انتظامیہ مشینری ہی کر سکتی تھی۔ قلعہ لاہور میں ہم پر جو ظلم و ستم توڑے گئے ان کی کچھ تفاصیل میرے ساتھیوں نے اپنے تحریری بیانوں میں درج کی ہے۔ لیکن اس قلعہ میں اس سے کہیں زیادہ ظلم کیا گیا تھا سچ تو یہ ہے کہ ظلم کی کچھ تفاصیل اس قدر شرمناک ہیں کہ انہیں ضبط تحریر میں لانا بھی ممکن نہیں ہے۔ شاہی قلعہ میں ہم پر جو گزری ان کا فیصلہ میں روز قیامت پر چھوڑ دیتا ہوں"

پاکستان کی خصوصی عدالت میں دئے گئے مقبول بٹ کے مکمل بیان کا متن اس کتاب کے Appendise میں شامل ہے)

1- ہم حیران ہیں کہ کیا پولیس حکام نے لیمب کو مقبول بٹ کا یہ بیان اور شاہی قلعہ میں پولیس کے ٹارچر کے متعلق ہمارے تحریری بیانات (جن کی طرف اس نے اشارہ کیا ہے)

دکھائے بھی ہوں گے یا نہیں۔ یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ لیمب نے پہلے ہی جو ذہن بنایا تھا، ہمارے یہ بیانات چونکہ اس سے مطابقت نہیں رکھتے تھے اس لئے اس نے ان کے متعلق خاموشی اختیار کر لی تھی کیونکہ حقائق کو مسخ کرنے میں خاموشی ہی معاون ہو سکتی تھی۔

2۔ گنگا کے اغوا کے سلسلہ میں الیسٹر لیمب نے مکمل طور پر واقعہ کے سرکاری بیان پر تکیہ کیا ہے۔ یعنی ان دستاویزوں پر جو لاہور پولیس کو وزارت داخلہ اور نور الامین کمیشن نے اسے فراہم کئے تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ خصوصی عدالت نے پولیس کے بیانوں اور سرکاری بیان کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس عدالت نے ٹارچر کے ذریعہ لئے گئے کم از کم 164 بیانات کو رد کر دیا تھا اور فیصلہ سناتے وقت بھی پولیس ٹارچر کا تذکرہ کیا تھا۔ لیمب نے اپنی کتاب 1991 میں شائع کی تھی مگر حیرت ہے کہ اس نے ہیشنل لبریشن فرنٹ یا گنگا کے اغوا کے ساتھ وابستہ کسی بھی قابل ذکر فرد سے ملاقات کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی اشرف اور میں بھی شامل ہیں۔

3۔ الیسٹر لیمب نے یہ لکھ کر میرا عکس خراب کرنے کی کوشش کی ہے کہ میں سرینگر کے ریگل سینما میں ٹکٹوں کی بلیک مارکیٹ کیا کرتا تھا۔ سچائی یہ ہے کہ ریگل سینما نوشہرہ، سرینگر والے بزازوں کی ملکیت تھا جن کے یہاں ہمارا ایک رشتہ دار بھائی ٹھہرے ہوئے تھے چونکہ میٹرک کا امتحان دینے کے بعد نتیجہ آنے تک میں فارغ تھا اس لئے ہمارے اس رشتہ دار نے مجھے اس سینما میں بالکنی کے ٹکٹ بیچنے کے لئے ٹکٹ کلرک کی ملازمت دلوا دی جو بالکل عارضی نوعیت کی تھی اور میرے امتحان کا نتیجہ آنے کے ساتھ ہی ختم ہو جانے والی تھی۔ میں ابتدا سے کسی دوسری بات کے بجائے سخت محنت اور دیانتداری کا معتقد رہا ہوں۔ ویتنامی لیڈر ہوچی منہ نے بھی ایک بحری جہاز کے باورچی خانہ میں برتن صاف کئے تھے۔ اگر الیسٹر لیمب ان افراد کے ریکارڈ پر نگاہ ڈالیں جنہوں نے انہیں مجھے بدنام کرنے کے لئے غلط اطلاعات فراہم کی ہیں تو وہ دیکھیں گے کہ ان کے ہاتھ معصوم کشمیریوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں جو انہوں نے ان ایجنسیوں کے پاس اپنے آپ کو فروخت کرنے کے بعد بہانا منظور کیا تھا جو انہیں تنخواہیں اور سہولیات فراہم کر رہے تھے۔ پہاڑوں، برف پوش دروں، کھائیوں، جنگلات اور گاؤں قصبوں اور گلیوں کوچوں میں ان نوجوان لڑکوں کی موت ان ہی کی وجہ سے ہوئی تھی۔

4- گنگا کے اغوا کی سرکاری اور پولیس سے سنی ہوئی کہانی پر انحصار کر کے السٹر لیمب نے بالکل نہیں چھپایا کہ وہ محض حکومت پاکستان کے سرکاری موقف کی تائید کر رہا تھا اور وہ حکومت کے کشمیر مشن کا حامی ہے۔ 25 نومبر 1992ء کو میں نے اپنے ایڈوکیٹ مسٹر خان پیٹے کوہ کے ذریعہ لیمب اور اس کی کتاب کے ناشر کو نوٹس ارسال کئے کہ میں ان کے خلاف توہین کا مقدمہ دائر کرنے والا ہوں۔ اسی سال دسمبر کے آخری ہفتے میں میں سعودی عرب روانہ ہو گیا۔ تب لندن والی کشمیر فریڈم موومنٹ کے مختار کل ایوب ٹھاکر نے میرے گھر والوں کے سمیت ان تمام لوگوں کے ساتھ رابطہ قائم کیا تاکہ میرا پتہ مل سکے اور آخر دوران میں میرا رابطہ کا نمبر حاصل کر ہی لیا اور ایک دن مجھ سے ملنے آگیا اور بولا "تم نے اپنے وکیل سے السٹر لیمب کو نوٹس ارسال کیا ہے اور اب اس کے خلاف کارروائی مت کرنا" میرا جواب یہ تھا کہ لیمب نے اپنی کہانی کا دارومدار پاکستان پولیس کی بتائی ہوئی باتوں اور حکومت پاکستان کے سرکاری موقف کو بنایا تھا۔ ظاہر تھا کہ یہ متعصب نظریہ تھا۔ اس پر ایوب ٹھاکر نے جو کہا اسے سن کر میں سن ہو کر رہ گیا۔ اس کی باتوں سے پتہ چلتا تھا کہ لوگ ذاتی لڑائی کی خاطر اپنے آپ کو کس حد تک گرا سکتے ہیں اور کس حد تک سچائی کو قربان کر سکتے ہیں انہوں نے فرمایا "اگر آپ نے السٹر لیمب کے خلاف عدالت میں مقدمہ دائر کیا تو ہمیں اس کی حمایت میں کھڑا پاؤ گے۔" السٹر لیمب کی جانبداری کی اس وقت تصدیق ہو گئی جب وہ ایوب ٹھاکر کی ہر میٹنگ میں نظر آنے لگا تھا۔ وہ پاکستان میں بھی ایسے لوگوں کے جلسوں میں شرکت کرتا رہتا تھا جو نظریاتی طور پر کشمیر کے سلسلہ میں پاکستان کے موقف کے حامی ہوتے تھے۔ پاکستان میں اس کا ہمیشہ سرخ قالین بچھا کر خیر مقدم ہوتا تھا۔

5- یہاں میں وہ بھی بتادوں جو کچھ عرصہ قبل مجھے اشرف قریشی نے ٹیلیفون پر بتائی تھی۔ اشرف گنگا کے اغوا میں میرا ساتھی تھا۔ آجکل وہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں لیکچرار ہے۔ اس نے بتایا کہ "السٹر لیمب اور اس کی بیوی 1995ء میں پاکستان آئے تھے وہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں بھی آئے جہاں میں نے اس کی توجہ اس تحریر کی طرف دلائی جو اس نے اپنی کتاب "کشمیر۔ اے ڈسپیوٹڈ لیگیسی" میں گنگا کے اغوا کے بارے میں سپرد قلم کی تھی۔ اس واقعہ کے متعلق اس کے بیان کو غلط بتاتے ہوئے میں نے اسے وہ تمام دستاویزی ثبوت اور عدالتی فیصلہ کی نقل مہیا کرنے کی پیشکش کی تھی جس سے اس کے تمام دعوے غلط ثابت

ہو جاتے۔ میں ان کے ہمراہ لاہور کے فیروز سنز پبلشرز کے یہاں بھی گیا تھا جہاں لیمب مطبع کے مالک کے ساتھ باتوں میں مصروف ہو گیا۔ اتنے میں میں نے اس کی بیوی کو لیمب کا لندن کا پتہ دینے کے لئے کہا تاکہ میں اسے مذکورہ کاغذات ارسال کر سکوں۔ وہ کاغذ کے ایک ٹکڑے پر ایڈریس لکھنے لگی۔ لیکن لکھنے کے دوران جب اسے پتہ چلا کہ میں کون ہوں اور کون سی دستاویزات لیمب کو بھیجنا چاہتا ہوں تو وہ اچانک رک گئی اور کھڑی ہو کر مجھ سے دور چلی گئی۔ یقیناً اس کا مطلب یہی تھا کہ السٹر لیمب اپنے دعووں کی تردید کو قبول کرنے اور سچ سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔ اس واقعہ سے بھی ہمارے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ السٹر لیمب نے اپنی کتاب خاص اثر میں آکر اور مخصوص حلقوں کے مفادات کی تکمیل کے لئے لکھی تھی۔

6- لیمب کے علاوہ پاکستان کی خصوصی عدالت اور اس کی امور کشمیر کی وزارت کے باشعور اہلکار بھی اس بات پر متفق ہیں کہ اگر گنگا کو سپرد آتش کرنے کے بجائے بھارت لوٹ جانے دیا گیا ہوتا تو بھارت کی طرف سے اپنی فضا میں سے پاکستانی طیاروں کی پرواز کو بند کرنے کا بہت کم امکان تھا۔ لیمب نے یہ بھی لکھا ہے کہ پاکستان میں مقیم امریکی سفارتخانہ نے بھی حکومت پاکستان کو اس امر کا اشارہ دیا تھا۔ گنگا واقعہ میں مرکزی کردار ادا کرنے والے کی حیثیت سے میرا ابھی یہی خیال ہے۔ لیمب کے پاکستان نواز سرکاری موقف کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اس نے اس کتاب میں مناسب جگہ پر پاکستانی فوج کے میجر رحیم شاہ کے اور کے ایچ خورشید مرحوم (جو کبھی قائد اعظم محمد علی جناح کے سیکریٹری اور آزاد کشمیر کے سابق صدر و لاہور بار ایسوسی ایشن کے صدر تھے) کے بیانات کو بھی نقل کر دیا ہے۔ خورشید اپنی دیانتداری کے لئے مشہور تھے۔ یہ بیانات انہوں نے مذکورہ خصوصی عدالت میں بطور گواہ دئے تھے۔

7- میجر رحیم شاہ کے شہادتی بیان میں لاہور ایئرپورٹ پر 30 جنوری سے 2 فروری 1971ء تک چار دن اور تین رات چلنے والے پرجوش ڈراموں کی نہایت واضح تصویر پیش کی گئی ہے۔ پنجاب کے چیف سیکریٹری اور مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے دفاتر میں اس دوران جو کچھ ہو رہا تھا اس بیان سے اس کے متعلق بھی جانکاری حاصل ہوتی ہے۔ چونکہ اس وقت ہم ان کشمیریوں کے درمیان کھڑے تھے جو پاکستان کو اپنا مکہ تصور کرتے تھے لہٰذا قدرتی طور پر

ہماری تمام حرکات و عمل کو پاکستانی حکام ہی کنٹرول کر رہے تھے۔ کے ایچ خورشید مرحوم کے کٹر دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ایک دیانتدار اور سچے انسان تھے۔ لاہور کے سپرنٹنڈنٹ پولیس سردار وکیل نے خورشید مرحوم اور مرحوم مقبول بٹ کی موجودگی میں پٹرول مہیا کرنے اور ائرپورٹ کے ہینگر کے اندر طیارے کو نذر آتش کر دینے کی پیشکش کی تھی۔ خصوصی عدالت میں بیان دینے کے دوران کے۔ ایچ خورشید نے اس کی پوری روداد درج کروائی تھی۔ دراصل کے ایچ خورشید اور مقبول بٹ اس بات پر متفق تھے کہ صرف طیارہ کی کھڑکیوں کے شیشے ہی توڑے جائیں۔ میں اور اشرف طیارے میں لوٹ آئے اور شیشے توڑنا شروع کر دیئے۔ اتنے میں سردار وکیل پٹرول سے بھرا ہوا کنستر لے کر نمودار ہوئے اور ہم سے بولے۔ "بٹ صاحب اب مان گئے ہیں کہ جہاز کو آگ لگا دی جائے۔ پٹرول لیجئے اور یہ کام کر دیجئے۔" ہمیں پاکستان کے ایک ایس ایس پی کی ہدایات پر عمل نہ کرنے کی کوئی وجہ نظر نہیں آئی وہ بھی ایسا شخص جو بزرگ تھا۔ اس وقت ہم پاکستان کے بارے میں غیر معمولی طور پر جوش اور عقیدت سے بھرے ہوئے تھے۔ لاہور ائیرپورٹ کے فائر بریگیڈ کا ریکارڈ ثابت کرتا ہے کہ طیارہ کو پاکستانی حکام نے آگ لگائی تھی۔ فائر بریگیڈ کی لاگ بک میں ایس ایس پی سردار وکیل کی ٹیلیفون پر موصول ہونے والے پیغام کا ذکر ہے جو طیارہ کے جلنے سے بیس منٹ قبل کیا گیا تھا۔ اس ٹیلیفون پیغام میں کہا گیا تھا "آگ بجھانے والی مشینری کو تیار رکھو۔ کیونکہ طیارہ کو آگ لگائی جانے والی ہے" یہ لاگ بک خصوصی عدالت کے سامنے پیش کی گئی تھی۔ سیدھی سی منطق ہے کہ اگر طیارہ کا اغوا بھارت کی تیار کردہ سازش کا نتیجہ ہوتا تو ہم 30 جنوری سے 2 فروری تک 80 طویل گھنٹوں تک انتظار نہ کرتے۔ اس دوران ہمیں طیارہ سے نیچے اتار کر سازش کو ناکام بھی بنایا جا سکتا تھا۔ مجسٹریٹ رحیم شاہ کے بیان سے منطقی ذہن والا ہر شخص یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ اس تمام عرصہ کے دوران اچانک پاکستانی فوج کے چار پانچ سپاہی اور آئی ایس آئی کے افسر ہر وقت ہم سے ایک فٹ سے بھی کم فاصلے پر موجود رہے تھے۔

8- اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خصوصی عدالت نے گواہان۔ مجسٹریٹ رحیم شاہ اور کے ایچ خورشید کے بیانات اور آگ بجھانے والے محکمے کی لاگ بک کے اندراجات کو خاطر میں کیوں نہیں لایا؟ یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ خصوصی عدالت مارشل لاء ضابطہ نمبر

13 کے تحت قائم کی گئی تھی جس کی ایک شق میں کہا گیا تھا کہ "اگر کسی اخبار یا جریدہ میں ملزمین کے خلاف شائع شدہ کسی تحریر کو شکایت کنندہ اپنے کیس کی حمایت میں پیش کرنا چاہے تو اس خبر کی سچائی طے کرنے کے لئے اخبار کے ایڈیٹر یا ایڈیٹر کی ذاتی تصدیق کی ضرورت نہیں ہوگی۔ عدالت اس شائع شدہ مواد کو ثبوت کے طور پر قبول کرے گی" اگر عدالت نے مجسٹریٹ رحیم شاہ اور کے ایچ خورشید کے بیانات اور لاگ بک کے اندراجات کو زیر غور لایا ہوتا تو ہمارے خلاف مقدمہ قائم ہونے کا امکان ہی نہیں تھا اور جب مقدمہ ہی قائم نہ ہوتا تو پاکستان کے اخبارات اور الیکٹرانک ذرائع میں زبردست پروپیگنڈہ کرنے کا کوئی جواز نہ رہتا کہ ہم بھارتی ایجنٹ تھے اور طیارہ کا اغوا بھارتی خفیہ ایجنسی کی تیار کردہ سازش کے تحت کیا گیا تھا۔ یہ پروپیگنڈہ مہم میرے خلاف باقاعدہ طور پر فرد جرم قائم کرنے سے پہلے ہی شروع کر دی گئی تھی۔ یعنی 14 اپریل 1971ء سے 1972ء تک یہ مہم چلائی گئی تھی۔ خصوصی عدالت نے اگر ہمیں مجرم قرار نہ دیا ہوتا تو پورے پاکستانی پریس اور حکومت پاکستان کے محکمہ اطلاعات کی اعتباریت ختم ہو گئی ہوتی۔ ظاہر ہے کہ حکومت پاکستان اسے ہرگز پسند نہ کرتی۔ ایسے ملک میں جس کی سپریم کورٹ کے جسٹس منیر سابق گورنر جنرل کی جانب سے ایک جمہوری حکومت مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق کو "ضرورت" کے نظریہ کے تحت آئین میں تبدیلی کرنے کا اختیار دینا درست سمجھتی تھی وہاں ایک خصوصی عدالت یہ جرأت کیسے کر سکتی تھی کہ وہ حکومت کی منشا کے خلاف فیصلہ کرتی؟ یہ ایک متعصب مورخ اپنی یرقان زدہ نظر سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے حقائق کو مسخ کر کے اور دوہرا کر نہ تو تاریخ کی خدمت کرتا ہے اور نہ ہی اپنے ضمیر کی خدمت کرتا ہے۔

9- السٹر لیمب نے لکھا ہے کہ پنجاب کے چیف سیکرٹری آغا فضل نے مجھ سے ملنے سے انکار کر دیا تھا۔ حقیقت یہی ہے کہ لاہور ہوائی اڈے کے وی آئی پی کمرے میں میرے ساتھ ملاقات کرنے والے پہلے دو اشخاص پنجاب کے چیف سیکرٹری آغا فضل اور لاہور کے ڈپٹی کمشنر ہی تھے۔ آغا فضل مصر تھے کہ طیارہ کے تمام مسافروں کو آزاد کر دیا جائے۔ یہ تو ہمیں بعد میں معلوم ہوا کہ ان مسافروں میں ان کے برادر نسبتی ڈاکٹر نصیر بھی شامل تھے۔ ظاہر تھا کہ اپنے رشتہ داروں سے ملاقات کرنے سے قبل چیف سیکرٹری مسافروں کو جانے دینے پر اصرار کرتے۔

جہاں تک طیاروں میں اہلکاروں اور ان کے افراد خانہ کی موجودگی کا تعلق ہے تو اس بارے میں لیمب نے حقائق کی تصدیق کے بغیر سیدھا سرکاری بیان درج کر دیا ہے۔ طیارہ میں صرف بچے، عورتیں، عام کشمیری اور بھارت کے چند غیر فوجی افسر سوار تھے۔ مسافروں کی مکمل فہرست ریکارڈ میں محفوظ ہے۔ مسافروں میں صرف ایک سکھ فوجی شامل تھا جو غالباً کپتان کے عہدہ والا افسر تھا۔ اگر سازش ہوتی تو اس کپتان کو فوجی وردی نہ پہننے دی گئی ہوتی۔ لاہور ایئرپورٹ پر ہمارے ساتھ جنرل نیازی، ڈاکٹر مبشر حسین، احمد رضا قصوری کے علاوہ کئی فوجی افسروں اور ذوالفقار علی بھٹو نے ملاقات کی تھی۔ بھٹو نے ہی کہا تھا کہ "طیارہ واپس نہیں جانا چاہئے۔ یہ ہماری شکست ہوگی"۔ یہ واقعہ غالباً 2 فروری کی دوپہر کا ہے جبکہ طیارہ کو نذر آتش کرنے کا کام دراصل اسی رات کو پاکستانی اہلکاروں کی ہدایت پر پیٹرول کا کنستر ملنے کے بعد 9.00 بجے کیا گیا تھا۔ لیمب نے لکھا ہے کہ پیٹرول پہلے سے ہی طیارہ میں موجود تھا۔ سوال یہ ہے کہ جب تین رات اور چار دن تک پولیس، سی آئی ڈی اور فوجی عملہ نے طیارہ کا محاصرہ کر رکھا تھا تو اس میں کھلا پیٹرول چار بجے دینے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ کے اچ خورشید کا اور ہمارا اپنا بیان قبول کیوں نہیں کرتا کہ ہمارے پاس پیٹرول ایس ایس پی سردار وکیل لے کر آئے تھے؟ استغاثہ یا مسٹر لیمب کسی کے پاس بھی ان بیانات کے سوائے اور کوئی ثبوت موجود نہیں ہے اور انہیں وہ قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

10- لیمب کا کہنا ہے کہ اغواکاروں کے پاس مصنوعی ہتھیار تھے۔ ہم نے اس بات سے کبھی انکار نہیں کیا لیکن خوفزدہ مسافر 45 منٹ کی مختصر پرواز کے دوران کس طرح جان سکتے تھے کہ ہمارے پاس عشاریہ 22 کا جو پستول تھا وہ نقلی تھا جبکہ منجھے ہوئے پاکستانی فوجی بھی چار دن اور تین راتوں تک ہمیں اپنے قبضے میں رکھنے کے باوجود اس کا پتہ نہیں لگا سکے تھے؟ اس سوال کا جواب بھی میجر رحیم شاہ کے بیان سے مل جاتا ہے جو کوئٹہ سٹاف کالج میں ماہر اسلحہ تھا۔ وہ عدالت میں عشاریہ 22 کا ایک اصلی پستول لے کر آیا تھا خصوصی عدالت کے جج نے اصلی اور نقلی دونوں پستول اپنے ہاتھوں میں لے لئے لیکن وہاں کا فرق نہیں بتا سکا تھا کہ اصلی کون سا تھا اور نقلی کون سا تھا۔ لیمب کو بطور تاریخ دان معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا میں طیاروں کے جتنے بھی اغوا ہوئے ہیں ان میں سے زیادہ تر نقلی ہتھیار دکھا کر ہی کئے گئے ہیں۔ پینسل کو رومال میں چھپا کر اسے دستی گولہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اور موم سا سگار بیٹری کے ساتھ باندھ کر

اسے بم بتا دیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ جاپان میں ایک شخص نے مسافروں کو ایک بوتل دکھا کر اعلان کیا کہ اس میں نائٹرو گلیسرین بھری ہوئی ہے جس سے ریل گاڑی تباہ کی جا سکتی ہے۔ یہ کہہ کر اس شخص نے ریل گاڑی کو اغوا کر لیا مگر آخر میں اس نے سب کے سامنے بوتل کو کھول کر اس میں بھرا ہوا پانی پینا شروع کر دیا۔ جس وقت کسی ریل گاڑی یا طیارہ وغیرہ کے مسافروں کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا جائے تو پھر کوئی یہ دریافت کرنے کی جرأت نہیں کرتا کہ ہتھیار اصلی ہیں یا نقلی!!

11- میں مسٹر لیمب کے خلاف ہتک عزت کا مقدمہ دائر کرنے سے چوکنے والا نہیں تھا لیکن میری مجبوری یہ ہے کہ (ہالینڈ کا قانونی پاسپورٹ ہونے کے باوجود برطانوی حکومت نے میرے یو۔کے میں داخلہ پر پابندی لگا رکھی ہے۔ مجھے اتنا مہنگا مقدمہ لڑنے کے لئے کسی ایجنسی یا حکومت سے ضروری وسائل بھی دستیاب نہیں ہیں۔ میں گزشتہ گیارہ سال سے یورپ میں رہ رہا ہوں اور نوآبادیاتی نظام کی تاریخ اور موجودہ استحصالی سسٹم سے بخوبی واقف ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ کچھ یورپی ممالک اور امریکہ تیسری دنیا کا استحصال کر کے ہی اپنے وجود کو قائم رکھے ہوئے ہیں لہٰذا جب تک ان کے اقوال و افعال تیسری دنیا کے عوام کے لئے راحت نہیں لاتے اس وقت تک مجھے ان کے انسان دوستی کے دعووں میں یقین کرنے میں عذر رہے گا۔ بدقسمتی سے تیسری دنیا کے ممالک کی بدنصیبی یہ ہے کہ وہ اپنے مسائل، محرومیوں اور تنازعوں کے حل کے لئے مغرب اور امریکہ سے آس لگاتے ہیں جبکہ بڑی حد تک یہ تمام مشکلات امریکہ اور مغربی ممالک کی پیدا کردہ ہیں۔

کتنی حیرت کی بات ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ ابھی تو آبادیاتی قوتوں سے ہمارے مسائل حل کرنے کی توقع کرتے ہیں جنہوں نے ہم کشمیریوں کو 75,000 روپے کی معمولی رقم کے عوض میں ڈوگرہ راجہ کے ہاتھ بیچ دیا تھا۔ جب تک ہم اپنے مسائل خود حل کرنے کا تہیہ نہیں کر لیتے جب تک ہم ذات پات، مذہب اور رنگ و نسل کی غلامی سے باہر نہیں نکلتے اور سچائی کو اپنی جدوجہد کی بنیاد نہیں بنا لیتے، اس وقت تک ہم کچھ حاصل نہیں کر سکیں گے۔ ظلم اور جبر کسی ایک فرقے یا نسل تک محدود نہیں ہیں۔ ظلم اور جبر جہاں کہیں بھی سر اٹھائیں ان کے خلاف آواز بلند کرنا ضروری ہے۔

12- 14 اپریل 1998ء کو مجھے جنیوا میں اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن کے

بے سود ہوگا کہ صرف انتخابات یا دونوں ممالک کے درمیان مذاکرات اس مسئلہ کا حل نکالنے کے لئے کافی ہوں گے۔ اس وقت جو حالات ہیں وہ ہمیں خبردار کر رہے ہیں کوئی تباہی تیز بات ہو سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ برصغیر میں تباہ کن جنگ چھڑ جائے جو ہم سب کو لپیٹ میں لے لے۔ لہٰذا ہم سب کا فرض ہے کہ انسانیت کو اس خوفناک تباہی سے بچائیں۔ امن کا ماحول قائم کرنے کی ضرورت ہے اور ہم اس پورے خطے میں امن اور نظم کے قیام کے لئے اپنا حصہ ادا کریں۔ اگر ہند و پاک کے تعلقات معمول پر آجائیں اور دوست بن جائیں تو اس سے یقیناً کشمیر کے سالوں پرانے درد کو ختم کرنے اور ان کے ساتھ کی گئی ناانصافیوں کو دور کرنے میں مدد ملے گی۔

کچھ ایسی حقیقتیں ہیں جو بلاشبہ تلخ ہیں۔ جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہندوستان یا پاکستان نے کشمیر کے اس حصہ کو بھی حاصل کر سکیں گے جو اس وقت ان کے پاس نہیں ہے وہ احمقوں کی جنت میں رہ رہے ہیں۔ جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ کشمیر ہندوستان اور پاکستان دونوں سے الگ آزاد ہو جانا چاہئے انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ اس قسم کے امکان کے لئے کچھ پیشگی شرائط پورا ہونا ضروری ہے ایک متحدہ قیادت کے پاس ایسا منصوبہ ہونا چاہئے جو قابل عمل اور قابل یقین ہو۔ اس کا یقین و اعتبار اس کے سیکولر کردار سے ابھرتا ہے جس میں لداخ، کشمیر اور جموں خطوں کے لوگ جدوجہد میں برابر کے حصہ دار ہوں۔ یہی درست ہے۔

اور آخر میں، اپنے نکتہ نظر کو انگریزی زبان کے ذریعہ پیش کرنے کا مقصد یہ ہے (ماضی میں میں اپنے خیالات اردو زبان کے ذریعہ پیش کرتا رہا ہوں) کہ انگریزی سمجھنے والی وسیع خلقت تک عموماً اور ان طبقوں تک خصوصاً اپنی بات پہنچا سکوں جو پالیسیاں مرتب کرنے اور فیصلوں پر اثر انداز ہونے کی پوزیشن میں ہیں۔ میری خواہش ہے وہ مجھے ایسے شخص کے طور پر جانیں جس کے خیالات اور نظریات اس برصغیر کے کروڑوں افراد کی امیدوں اور آرزوؤں کی عکاسی کرتے ہیں اور گروہوں کے درمیان تباہ کن محاذ آرائی کے چھائے ہوئے خوف سے باہر نکلنے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ میں صرف گنگا طیارے کے اغواکار ہاشم قریشی کے طور پر پہچانا جانا نہیں چاہتا۔

اس تصنیف کے مضامین میں برطانیہ میں ہندوستانی ہائی کمیشن کے اہلکار رویندر مہاترے کے کشمیر لبریشن آرمی کے ذریعہ اغوا اور قتل کی کہانی بھی شامل ہے۔ میں واضح کر دوں کہ

دفتر کی لابی میں السٹر لیمب سے ملنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس موقعہ پر دو اور دوست ڈاکٹر ایوب ٹھاکر اور ایک روسی خاتون تاتیانہ بھی موجود تھیں۔ مسٹر لیمب نے میرا تعارف سننے کے بعد کہا کہ میں نے اسے نوٹس ارسال کیا تھا جس کا جواب اس کے وکیل نے دے دیا ہوگا اور پھر میرا پیسہ اس مقدمہ پر خرچ ہو جائے گا جو میں اس پر کروں گا۔ میں نے کہا "دراصل مجھے واقعی پیسہ کی کمی ہو رہی تھی مزید یہ کہ میں سلطنت متحدہ یعنی یو۔ کے جا نہیں سکتا۔ ان دو وجوہات کی بنا پر ہی میں مقدمہ نہیں کر سکا تھا" مگر میں نے اسے بتایا کہ میں اپنی کتاب میں اس کے سوال کا جواب دوں گا۔ میں نے اس سے دریافت کیا کہ اس نے گنگا اغوا معاملے کی مکمل انکوائری کیوں نہیں کی تھی؟ میں یہ بھی جاننا چاہتا تھا کہ اس نے صرف حکومت پاکستان کا موقف ہی کیوں پیش کیا تھا کیونکہ حکومت نے اسے صرف پولیس کی پوچھ تاچھ کی رپورٹیں ہی دی تھیں؟ میں نے کہا "اس کا مطلب تو یہ تھا کہ آپ حکومت پاکستان کے ایما پر اور پاکستان پولیس کے ترجمان کے طور پر لکھ رہے تھے" اس نے اس الزام سے انکار کیا۔ میں بضد رہا کہ بطور آزاد مورخ اس نے سپیشل کورٹ کے سامنے دئے گئے مسٹر کے ایچ خورشید اور میجر رحیم شاہ کے بیانات کا مطالعہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی سپیشل کورٹ کے فیصلہ پر ہی نگاہ ڈالی تھی۔ (جو بطور غیر جانبدار مورخ نے اسے ڈالنا چاہئے تھی۔ میں نے مزید کہا کہ سپیشل کورٹ نے اپنے فیصلہ میں تسلیم کیا تھا کہ پولیس انٹیروگیشن میں جو بیانات حاصل کئے گئے تھے وہ جبراً لئے گئے تھے اور ان کی بالکل کوئی اہمیت نہیں تھی۔

میں نے دریافت کیا کہ آپ تو مورخ ہیں۔ پھر آپ نے کسی کے خلاف فیصلہ صادر کرنے سے قبل گہرائی سے تحقیق کیوں نہیں کی؟ لیمب نے جواب دیا کہ یہ سچ نہیں ہے۔ اور اگر میں اسے مواد ارسال کروں تو کتاب کو از سر نو لکھ دے گا۔ میں نے کہا کہ اب میں اسے کچھ نہیں کہوں گا لیکن میری اگلی کتاب میں میرا جواب ضرور شامل ہوگا۔ میں نے کہا کہ اگر آپ خود کو خود مختار مورخ سمجھتے ہیں تو آپ کا فرض ہے کہ اپنے خیالات اور نظریات پیش کرنے سے قبل معاملہ کی وافر انکوائری اور تحقیق کریں۔ مسٹر لیمب کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

کشمیر کی گتھی کو سلجھانے کے متعلق میرا خیال ہے کہ تینوں فریقوں کو اپنی ترجیحات اور مفادات کو نئی سوچ دینی چاہئے اور اپنی کوششوں کو سچائی کی تلاش کے لئے موڑ دیں۔ یہ سوچنا

اس کیس میں ملوث ہونے کا شبہ مجھ پر بھی کیا گیا تھا کیونکہ اتفاق سے اس وقت میں یو کے میں ہی تھا۔ لیکن تحقیقات کے بعد پتہ چل گیا کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ برطانوی حکام نے مجھے آزاد کر دیا۔ میں ہندوستانی ڈپلومیٹ کے اغوا اور قتل کے خلاف تھا پوری کوشش کی تھی کہ اس کی زندگی بچ جائے میرے دل میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ مہاترے کے قتل کے نتیجے میں جوابی کارروائی کے طور پر محمد مقبول بٹ کو موت کی سزا دے دی جائے گی۔ لیکن امان اللہ خان اور اس کے چیلوں نے میری ایک نہیں سنی اور آخر کار وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا۔

تحریک کے کارکنوں اور لبریشن فرنٹ کے ساتھ ایک المیہ یہ تھا کہ میں نے محمد مقبول بٹ کی شہادت میں امان اللہ خاں اور اس کے حواریوں کے بالواسطہ حصہ کا راز سرینگر، آزاد کشمیر اور پاکستان کی قیادت کے سامنے افشا کر دیا تھا۔ تنظیم کے کچھ کارکنوں کو میرے اصلاحی پروگرام کی صرف اس وجہ سے حمایت نہیں کر رہے تھے کہ انہیں تحریک کے نقطہ عروج پر پہنچنے کے یقین نے خوشی سے اندھا کر رکھا تھا۔ لیکن پھر ایک وقت ایسا آیا جب انہوں نے بھی تنظیم اور تحریک سے دوری اختیار کر لی تھی۔ آج مٹھی بھر ورکر ایک دوسرے پر الزام تراشی کر رہے ہیں جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں اپنے سینے کے نہاں خانوں میں لبریشن فرنٹ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے کے درد اور کرب کو لئے گھوم رہا ہوں کیونکہ اس کی جڑوں کو بے حد دیانتدار اور وقف مقصد کارکنوں نے اپنے خون اور پسینے کے ساتھ سینچا تھا۔

میں یہ بات بھی صاف کر دوں کہ اگرچہ میں عدم تشدد کے نظریہ کے ساتھ جڑا ہوا ہوں۔ اس کے باوجود مہاترے کے اغوا والے کیس میں ایک صاحب کو اغوا کرنے کی جو تجویز تیار کی گئی تھی مقبول بٹ کو آزاد کرانے کی غرض سے میں ایسی کسی بھی تجویز کو کامیابی سے عملی جامہ پہنانے سے کبھی گریز نہیں کرتا کیونکہ وہ دلی کے تہاڑ جیل میں محبوس تھا۔

اس قدرے طویل تعارف کو ختم کرنے سے پہلے اگر میں ان دوستوں، مردوں اور عورتوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کروں جنہوں نے میرے ان مضامین کا انگریزی روپ تیار کرنے میں میری مدد کی جن میں سے بیشتر پہلے ہی میری دو اردو کتابوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ میں اپنے بیٹے جنید قریشی کا بھی شکر گزار ہوں جس نے نہایت عرق ریزی سے کمپیوٹر پر کام کیا۔ آخر

میں میں اپنی رفیق حیات زیب النسا کا مشکور ہوں جو اپنے والدین سے طویل جدائی کے ذاتی کرب کے باوجود ہمارے ایام جلاوطنی میں میرے ساتھ کھڑی ہے۔ اس کتاب اور دیگر ادبی نگارشات کی تکمیل کے لئے میری مدد اور حوصلہ افزائی کرتی رہتی ہے۔

25/اپریل 1998ء
محمد ہاشم قریشی

بوم ہیزلا روڈ-43
1112-EA ڈی اے مین
دی نیدرلینڈ
E-Mail: Qureshi@laila.demon.nl
Our Web-Site: http:/www.geocities.com/CapitolHill/Senate/3410/index.html

حصہ اول

باب نمبر 1

مسئلہ کشمیر اور ہندوستان و پاکستان

ہندوستان اور پاکستان کے حکمران طبقے اس حقیقت کو تسلیم کریں یا نہ کریں لیکن باشعور حلقے اس بات سے واقف ہے کہ جنوب ایشیائی برصغیر کی اتنی بڑی آبادی اس آتش فشاں کے دہانے پر بیٹھی ہوئی ہے جسے کشمیر کہتے ہیں۔ ماضی میں کشمیر ہی کے لئے دونوں ملکوں کے درمیان دو جنگیں 1947ء اور 1965ء میں لڑی گئیں۔ آزادی حاصل کئے ہوئے تقریباً نصف صدی کا عرصہ گذر چکا ہے لیکن ابھی تک دونوں ملک باہمی دوستانہ تعلقات قائم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ دونوں، کروڑوں ڈالر کے غیر ملکی بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں اور دونوں اپنے اپنے عوام کو بنیادی ضروریات کی چیزیں مہیا کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں۔ اس کے باوجود دونوں فوجی معاملات پر لاکھوں ڈالر سالانہ پانی کی طرح بہا رہے ہیں تاکہ جب چاہیں برصغیر کی اس کثیر انسانی آبادی کو جنگ کی بھٹی میں جھونک سکیں۔ اب وقت آگیا ہے کہ ہم، تینوں فریقوں یعنی کشمیری عوام، ہندوستان اور پاکستان کی گذشتہ حکمت عملی پر گہرائی سے غور کریں اور اس بات کا بھی جائزہ لیں کہ اس سلسلے میں بین الاقوامی ترجیحات کیا ہیں نیز یہ کہ اس پیچیدہ مسئلہ کے پائیدار حل کا کوئی امکان موجود ہے یا نہیں؟

ماضی میں چالیس سال سے زیادہ عرصہ تک ہندوستان نے زبردست کوششیں کیں لیکن کشمیر کو اپنا اٹوٹ حصہ نہ بنا سکا۔ پاکستان نے ہندوستان سے دو جنگیں لڑیں لیکن کشمیر کو اپنی قلمرو میں شامل نہ کر سکا۔ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ کشمیر کے دونوں حصوں کے عوام کی جدوجہد اور ان کے تصورات پر کچھ روشنی ڈالی جائے۔ پتہ یہ چلتا ہے کہ اس پورے عمل میں دونوں طرف کی ریاکاری اور بکاؤ قیادت کا اصل چہرہ بے نقاب ہوا ہے لہٰذا میں حق انصاف اور آزادی کے پرستاروں، دانشوروں، ماہرین قانون، صحافی اور دوسرے حلقوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ میرے اس مضمون پر تعصبات سے بلند تر ہو کر معقولیت پسندی کی نظر ڈالیں۔ کشمیری عوام بالعموم اور اس کے نوجوان بالخصوص کشمیریوں کے مستقبل کے تعلق سے قربت اور حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرنے کے لئے اپنی جدوجہد کا از سر نو جائزہ لیں۔ سب سے پہلے میں کشمیری عوام کی جدوجہد اور ان کے طریقہ کار پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ یہی لوگ کشمیر تنازعہ کے اصل فریق ہیں۔

پاکستان مقبوضہ کشمیر (آزاد کشمیر) کے لوگ منقسم کشمیر کو دوبارہ متحد کر کے ایک آزاد اور خود مختار ریاست قائم کرنے کے حق میں ہیں۔ وہ اس بات سے مطمئن ہیں کہ ہندوستان "آزاد کشمیر" کو جموں و کشمیر میں شامل کر کے اور اسے پوری سابقہ ریاست کی شکل دے کر ہندوستان کا حصہ کبھی نہیں بنا سکتا۔ اور اگر وہ ایسا کرتا بھی ہے تو کشمیر کے لوگ اسے تسلیم نہیں کر سکتے۔ اسی طرح انہیں اس بات کا بھی یقین ہے کہ پاکستان جموں و کشمیر کو ہندوستان کے قبضے سے چھڑا کر اس کی سابقہ شکل بحال کرنے اور اسے پاکستان کا صوبہ بنانے میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اور اگر ایسا ہوا بھی تو یہ بھی کشمیریوں کو قابل قبول نہ ہوگا۔ "آزاد کشمیر" کا پاکستان کے ساتھ رہنے کا گذشتہ چالیس سال کا تجربہ بڑا تلخ رہا ہے۔ انہوں نے اس بات کو محسوس کر لیا ہے کہ اقتصادی، تعلیمی، سیاسی اور دفاعی حکمت عملی کے اعتبار سے پاکستان نے "آزاد کشمیر" کو تقریباً اپنی ایک کالونی بنا رکھا ہے۔ اس ضمن میں اس بات کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ ایک بار ایک سابق پاکستانی وزیراعظم نے مرحوم مولانا یوسف شاہ اور چودھری غلام عباس کو کشمیر میں ممکنہ استصواب رائے کے مسئلہ پر تبادلۂ خیال کرنے کی دعوت دی۔ مولانا مرحوم نے دو ٹوک کہا، "آپ اس بات سے مطمئن ہیں کہ ہندوستان کے

قبضہ والے کشمیر کے مسلمان تو آپ کے حق میں ووٹ دیں گے لیکن اس طرف کے یعنی "آزاد کشمیر" کے لوگ ایسا نہیں کریں گے اور "آزاد کشمیر" کے لوگوں میں، میں اور میرے سامنے بیٹھے ہوئے چودھری صاحب بھی شامل ہیں۔ بوکھلائے ہوئے وزیر اعظم پاکستان نے اس کی وجہ دریافت کی۔ اس پر مولانا نے کہا، "اس طرف کے لوگوں نے تو آپ کو دیکھا ہے لیکن اس طرف کے لوگوں نے ابھی تک نہیں دیکھا ہے لہذا وہاں کے لوگ تو آپ کو ووٹ دیں گے جبکہ یہاں کے لوگ آپ کو ووٹ نہیں دیں گے۔ آپ کو ووٹ نہ دینے والوں میں، میں اور چودھری صاحب بھی شامل ہوں گے"

پاکستانی حکمرانوں نے "آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان کے لوگوں کو ہمیشہ کچلنے کی کوشش کی ہے۔ ان علاقوں کو کرنل حسن خان نے مہاراجہ ہری سنگھ کی فوجوں سے آزاد کرایا تھا لیکن کرنل حسن خان کو پاکستانیوں نے نظر بند کر دیا۔ 25 سال تک ان علاقوں کے لوگوں پر فرنٹیئر ریگولیشن کے سیاہ قانون کے تحت حکومت کی گئی۔ آج صورت حال یہ ہے کہ گلگت اور بلتستان کے لوگوں کو یہ حق بھی حاصل نہیں کہ وہ سیشن کورٹ یا ڈویژنل کمشنر کے کسی فیصلے کے خلاف کسی اعلیٰ عدالت میں اپیل کر سکیں۔ میں 1979ء میں ہری پور جیل (صوبہ سرحد) میں نظر بند تھا۔ میرے ساتھ وہاں 17 قیدی تھے۔ ان میں سے تین کو تو سزائے موت سنائی گئی تھی باقی 14 قیدیوں کو سات سال سے لے کر عمر قید تک سزا دی گئی تھی۔ یہ سزا ایک ہنگامے کے دوران ڈویژنل کمشنر آفس کے ایک کلرک کے قتل کے سلسلے میں سنائی گئی تھی۔ ان سزا یافتہ ملزموں نے پاکستان کے چاروں صوبوں کے ہائی کورٹ اور "آزاد کشمیر کی سپریم کورٹ سے رجوع کیا لیکن ان تمام عدالتوں نے یہ کہہ کر ان کی اپیل رد کر دی کہ یہ معاملہ ان کے دائرہ اختیار میں نہیں آتا۔ 1953ء میں پاکستانی فوجیوں نے پونچھ، پلاندری اور منگ کے لوگوں کے مکانات گن پاؤڈر استعمال کر کے اڑا دیئے تھے۔ عورتوں اور بچوں سمیت بہت سے لوگوں کو کچل کر رکھ دیا گیا تھا۔ اس واقعہ کے بعد منگ کے خان صاحب کو بھاگ کر جموں (ہندوستان) میں پناہ لینا پڑی تھی۔ آزاد کشمیر میں اب تک چار انتخابات ہو چکے ہیں، پہلے منتخب صدر مرحوم کے ایچ خورشید کو جو جناح کے پرائیویٹ سکریٹری بھی رہ چکے تھے، برخاست کر کے دلائی اسیر وکیشن کیمپ میں رکھا گیا اس کے بعد ذوالفقار علی

بھٹو کے زمانے میں "آزاد کشمیر" کے دوسرے صدر سردار عبدالقیوم خان کو مدت پوری ہونے سے پہلے ہی عہدہ صدارت سے ہٹایا گیا اور یہ کام ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس سے کرایا گیا جس نے مظفر آباد میں ان کی داڑھی کو پکڑ کر گھسیٹا بھی تھا۔ تیسری بار جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں سردار ابراہیم کو غلط ڈھنگ سے برطرف کیا گیا۔ اور اب چوتھی بار سردار قیوم خان کو عہدہ صدارت سے معزول کیا جائے گا کیونکہ اب جنرل ضیاء الحق اس دنیا میں نہیں ہیں جو ان کے بچاؤ کے لئے آ سکیں۔

اقتصادی ترقی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو "آزاد کشمیر" عدم توجہی کے باعث پس ماندگی کا شکار ہے۔ یہ صورت حال اس حقیقت کے باوجود نظر آتی ہے کہ عرب اور مغربی ممالک میں کام کرنے والے پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے لوگ بہت بڑی رقم غیر ملکی زرمبادلہ کی شکل میں پاکستان بھیجتے ہیں۔ 1977ء میں یہ رقم 70 کروڑ روپے سے بھی تجاوز کر چکی تھی اور اب (1948ء میں) غیر ملکی زرمبادلہ کی شکل میں آنے والی یہ رقم 12 ارب روپے کے بقدر پہنچ گئی ہے۔

چند روز قبل ہی ایک وزیر نے بتایا کہ "آزاد کشمیر" کے لوگوں کے 24 ارب روپے پاکستانی بینکوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ لیکن ستم ظریفی کی بات یہ ہے کہ اتنی بڑی رقم کے باوجود "آزاد کشمیر" میں کوئی صنعت قائم نہ کی جا سکی جو وہاں کے لوگوں کو روزگار اور پیداوار فراہم کرتی۔ اسی طرح زراعت اور باغبانی کے شعبوں پر بھی کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ سردار عبدالقیوم کے زمانے میں پاکستان ایگریکلچرل لیباریٹری نے ایک خاص قسم کے آلو کی کاشت کی تجویز کو رد کر دیا لیکن اسی آلو کا بیج سردار قیوم کے بیٹے نے درآمد کر کے "آزاد کشمیر" کو فروخت کیا۔ تعلیم کے شعبہ میں صورت حال یہ ہے کہ گلگت اور بلتستان کے علاقے میں، جہاں کی آبادی تین سے 135 لاکھ افراد پر مشتمل ہے نہ تو کوئی میڈیکل یا انجینئرنگ کالج ہے اور نہ ہی کوئی "یونیورسٹی"۔ نیلام گھر سیریل میں طارق عزیز نے اپنے ناظرین سے پوچھا کہ دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی کون سی ہے؟ جواب میں آکسفورڈ اور کیلی فورنیا وغیرہ کا نام لیا گیا لیکن طارق عزیز نے کہا کہ اس یونیورسٹی کا نام "آزاد کشمیر یونیورسٹی" ہے کیونکہ یہ "آزاد کشمیر" کے چاروں علاقوں میں اس طور پر پھیلی ہوئی ہے کہ ان چاروں علاقوں کے

ڈگری کالجوں میں کلاسز کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ ایک مضمون میرپور ڈگری کالج میں پڑھایا جاتا ہے تو دوسرا کوٹلی ڈگری کالج میں، تیسرے مضمون کی پڑھائی کا اہتمام پونچھ میں ہوتا ہے تو چوتھے کا مظفرآباد ڈگری کالج میں۔ یونیورسٹی کا احاطہ نہیں ہے نہ ہی "آزاد کشمیر" یا گلگت اور بلتستان میں کوئی ٹیکنیکل کالج ہے۔

تعلیم کے شعبہ میں "آزاد کشمیر" کی کچھ یہی صورت حال ہے جہاں تک انتظامیہ اور سیاسی امور کا تعلق ہے ان کے بارے میں جتنا کم کہا جائے اتنا ہی اچھا ہے "آزاد کشمیر" میں آئی جی پولیس سکریٹری مالیات، چاروں اضلاع کے ڈپٹی کمشنر، کچھ ایس پی اور انتظامی امور سے متعلق کچھ دوسرے اعلی عہدوں پر پاکستانی قابض ہیں۔ دستور کے نام پر پاکستان نے 1947ء میں "آزاد کشمیر" کے لئے ایک "عبوری دستور" منظور کیا۔ اس کی حیثیت غلامی کی ایک دستاویز سے زیادہ نہیں ہے۔ اس دستور کے تحت "آزاد کشمیر" کے لئے ایک کونسل کی گنجائش پیدا کی گئی جس کا چیئرمین خود پاکستان کا صدر یا وزیر اعظم ہوگا۔ ایسے 54 شعبوں کی نشاندہی کی گئی جن کے اختیارات کونسل کے سپرد کئے گئے۔ اس کے تحت شہریت سے متعلق معاملات کے فیصلے پبلک سروس، کاپی رائٹ، بینک کاری، بیمہ سے متعلق قوانین، معاشی منصوبہ بندی، شاہراہوں اور املاک سے متعلق امور، اخبارات اور پرنٹنگ، کسٹم ڈیوٹی، برآمدات ڈیوٹی، زرعی ٹیکس اور ریلوے (اگرچہ مقبوضہ کشمیر میں ریلوے نام کی کوئی چیز موجود نہیں) وغیرہ کو اس فہرست میں شامل کیا گیا۔ یہ اس کونسل کے اختیارات ہیں جس کی سربراہی وزیر اعظم یا صدر پاکستان کے ذمہ ہوتی ہے۔

اگر "آزاد کشمیر" میں کوئی اخبار نکالنا چاہتا ہے تو اس کا فیصلہ کونسل ہی کرے گی کہ اجازت دی جائے یا نہیں۔ غلامی کی اس دستاویز کے ساتویں سیکشن کی دفعہ 2 کے تحت آزادی کشمیر کی جدوجہد میں مصروف حقیقی حریت پسندوں اور جماعتوں پر مندرجہ ذیل پابندی عائد کی گئی ہے۔

"آزاد کشمیر" کے کسی بھی شخص یا جماعت کو اس بات کی اجازت نہ ہوگی کہ وہ ریاست کے پاکستان سے الحاق کے نظریہ کے خلاف کوئی بات کہے یا اس طرح کی کسی سرگرمی میں حصہ لے" اس کا مطلب یہ ہوا کہ عین ہندوستان ہی کی طرح یہاں بھی استصواب رائے سے

پہلے پاکستان سے الحاق کے سوا کوئی اور بات کہنا غیر قانونی ہے۔ کیا کشمیر کے سوال پر ہندوستان اور پاکستان کے موقف میں رتی برابر بھی فرق ہے؟ اس طرح اس نام نہاد دستور کے سیکشن 5(6) اور سیکشن (4) 13 کے تحت جس کا تعلق "آزاد کشمیر" کے صدر یا وزیر اعظم کے حلف لینے سے ہے کشمیر سے پاکستان کے الحاق اور اس کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہنے اور پاکستان کا وفادار بنے رہنے کا اعلان کرنے کو لازمی قرار دیا گیا ہے ہندوستان کی مثال کی نقل کرتے ہوئے الحاق کی قسم کھانا "دستور" کا ایک حصہ بن گیا ہے کیونکہ دونوں ملکوں کو اس بات کا احساس ہے کہ انہوں نے کشمیر کے علاقوں پر غیر قانونی طور پر قبضہ کر رکھا ہے۔

ان سخت انتظامی اقدامات اور ظالمانہ سلوک سے قطع نظر "آزاد کشمیر" کے نوجوانوں کے دلوں میں کشمیریت (کشمیری شناخت) کا جذبہ پروان چڑھتا رہا ہے اور اس طور پر انہوں نے پاکستان کی یونیورسٹیوں اور کالجوں میں طلباء اور شعبہ تعلیم سے وابستہ لوگوں کے اشتراک سے ترقی پسندانہ خیالات کے تحت کشمیر کی آزادی کے تصور کو زندہ رکھا ہے۔ دوسری طرف پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے وہ طلبا جن کا جھکاؤ جماعت اسلامی کی طرف رہا ہے وہ ایک ایسے کشمیر کا خواب دیکھ رہے ہیں جو ایک نظریاتی اسلامی ریاست ہو۔ مزید برآں گلگا پانی جینلک، استصواب رائے فرنٹ، نیشنل لبریشن فرنٹ اور لبریشن فرنٹ کی تحریک نیز مقبول بٹ کی انقلابی کوشش اور "شہادت" جیسے واقعہ نے بھی کشمیر کی نئی نسل کے دلوں میں آزاد اور خود مختار ہونے، کشمیر کے تصور کو پروان چڑھایا ہے۔ تین ماہ قبل "آزاد کشمیر" پیپلز پارٹی کے چیئرمین سردار ابراہیم خان نے بھی کراچی اور دوسری جگہوں پر ایک "آزاد کشمیر" کے قیام کو مسئلہ کشمیر کا واحد حقیقت پسندانہ حل قرار دیا تھا۔ انہوں نے پوری دنیا کے دوست ملکوں سے یہ اپیل کی تھی کہ وہ "آزاد کشمیر" کو ایک خود مختار ملک کی حیثیت سے تسلیم کریں تاکہ کشمیر کے سیاق میں ہندوستان کو سبکی کا سامنا کرنا پڑے۔ دوسرے لفظوں میں انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ "آزاد کشمیر" کو شمالی ویتنام جیسی حیثیت دی جائے۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکتا کیونکہ ہندوستان ہی کی طرح پاکستان کو بھی کشمیریوں کی آزادی، خود مختاری، ان کی عزت اور وقار سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اسے کشمیر کے لوگوں سے کوئی خاص ہمدردی نہیں، سوا اس کے کہ وہ احتیاطا طور پر کشمیر کو خریدتا اور بیچتا ہے۔

1971ء میں جب انڈین ایئر لائن کے ایک طیارے کا اغوا ہوا تو اس مہم کی دونوں طرف کے کشمیریوں نے ستائش کی تھی۔ آزادی کے جذبات پوری شدت سے ابھر کر سامنے آئے۔ کشمیریوں نے فلسطینیوں اور ویتنامیوں جیسی مسلح جدوجہد شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن پاکستانی حکمرانوں کے کان کھڑے ہوئے اور انہوں نے کوشش کی کہ ایسا نہ ہونے پائے۔ چنانچہ شر انگیز پروپیگنڈا شروع کیا گیا اور ہم سب کے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ قائم کیا گیا۔ شہید مقبول بٹ سمیت ہم سب پر ہندوستان کا ایجنٹ ہونے کا الزام لگایا گیا۔ ہمارے خلاف مقدمہ چلانے کے لئے ایک خصوصی عدالت قائم کی گئی۔ غرضیکہ پاکستانی حکام کا ہمارے اور ہمارے تئیں یہی رویہ تھا۔

اب ہم ہندوستان کے قبضہ والے کشمیر کے لوگوں کی جدوجہد اور ان کے ردعمل کے بارے میں ذرا غور کریں۔ یہ بات بڑی تکلیف دہ اور حوصلہ شکن ہے کہ وادی کے لوگوں کی قیادت نے انہیں ہمیشہ اپنی ترقی اور اقتدار کے حصول کا زینہ بنایا۔ سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ کشمیر کے اس حصہ کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی اکثر جذبات کی رو میں بہہ گیا ہے۔ کشمیری عوام نے شیخ محمد عبداللہ کی قدم قدم پر حمایت کی اور ان کے کہنے پر اپنی قیمتی زندگیاں قربان کر دیں۔ یہ تو حقیقت ہے کہ شیخ عبداللہ نے اپنے ہم وطنوں کو ظلم و جبر کے خلاف لڑنے کا عملی طریقہ سکھایا لیکن ان ہی شیخ عبداللہ نے ان کی طویل اور صبر آزما جدوجہد اور ان کی قید و بند کی صعوبتوں اور بے بسی کو اس وقت نظر انداز کر دیا جب 1975ء میں انہوں نے اندرا شیخ معاہدے پر دستخط کئے۔ اس معاہدے نے ہندو یونین کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو حتمی شکل دے دی۔ اس مرحلہ میں کشمیریوں کو اپنے محبوب لیڈر سے یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ تیرہ سال قیدی کی زندگی گذارنے اور اقتصادی، سیاسی اور جان کی قربانیوں کا ہزاروں کشمیریوں سے مطالبہ کرنے کی کیا ضرورت تھی جب دلی سمجھوتہ پر دستخط کر کے حتمی طور پر ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنا تھا؟ کیا ضرورت تھی 1953ء میں جذبات بھڑکانے کی؟ اور خود اپنی قربانی کے ساتھ ساتھ 1953ء سے 1975ء تک عوام سے قربانی کی اپیل کرنے کی؟ لیکن کشمیریوں نے یہ سوال نہیں کیا۔ اس کے برعکس انہوں نے شیخ صاحب اور ان کی جماعت کو انتخاب میں زبردست اکثریت سے کامیابی دلوائی (70 فیصد سے زائد ووٹ ان کے حق میں

گئے) کشمیری حس کا رویہ ایسا ہی اس وقت اپنی حدود سے تجاوز کر گیا جب انہی کشمیریوں نے غلام محمد شاہ (عرف گلے شاہ) کو، جو پہلے وزیراعلیٰ رہ چکے تھے، مسلم یونائیٹڈ فرنٹ کا لیڈر تسلیم کر لیا حالانکہ وزیراعلیٰ کی حیثیت سے وہ اعلان کر چکے تھے کہ ہندوستان سے کشمیر کا الحاق حتمی ہے۔ وہ شیخ عبداللہ کی کابینہ میں وزیر رہ چکے تھے اور دلی معاہدہ میں ایک فریق کی حیثیت سے موجود تھے۔ لیکن حکومت ہند نے جب انہیں اقتدار سے محروم کر دیا تو اس گلے شاہ نے پاکستان سے کشمیر کے الحاق کا نعرہ بلند کرنا شروع کر دیا۔ گویا اس طور پر کشمیری قیادت ہندوستانی حکومت کو بلیک میل کرتی رہی اور دوسری طرف آزادی کے نام پر کشمیریوں سے آزادی کا مطالبہ بھی کرتی رہی وہ ان قربانیوں کو نئی دلی لے جاتے تاکہ ایسے حکمرانوں کے ہاتھوں فروخت کر سکیں جو انہیں اقتدار اور اثر و رسوخ کے ایوان میں مستحکم مقام دلانے کو یقینی بنا سکیں۔

اس لیڈرشپ نے پاکستان سے الحاق کا نعرہ بلند کر کے پاکستان کے فوجی حکمرانوں سے لاکھوں روپے وصول کئے۔ اس طرح دونوں فریقوں کے ایجنٹ بن کر انہوں نے کشمیریوں کو صرف اپنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے لئے محل تعمیر کرنے کی غرض سے قربانی کا بکرا بنایا۔ ایسے لوگوں کے ہاتھوں میں جب اقتدار آ جاتا ہے کہ وہ عام کشمیریوں پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑنے میں بھی پس و پیش نہیں کرتے۔ وہ اپنے دلی کے آقاؤں کو ہر حال میں خوش رکھنا چاہتے ہیں۔ 1974ء میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ انگلینڈ سے "آزاد کشمیر" آئے اور پورے مقبوضہ کشمیر کا دورہ کیا۔ انہوں نے نہ صرف ہر جگہ آزادی کی جدوجہد جاری رکھنے کا وعدہ کیا بلکہ میرپور میں ایک لاکھ افراد کی زبردست ریلی میں مقبول بٹ (شہید) اشرف قریشی، عبدالخالق انصاری اور امان اللہ خان کے ساتھ ہاتھ میں بندوق اٹھا کر یہ حلف لیا کہ وہ اپنی زندگی کے آخری سانس تک کشمیر کی آزادی اور خود مختاری کے لئے جدوجہد کرتے رہیں گے۔ انہوں نے اعلان کیا تھا "اگر میرے والد نے اندرا گاندھی سے کشمیر کی آزادی کا سودا کیا تو میں ان کے خلاف کھڑا ہونے والا پہلا باغی ہوں گا" صحافیوں اور اخباری خبروں کے علاوہ ایک لاکھ کا مجمع ان کے اس دن کے اس بیان کا گواہ ہے۔ مقبول بٹ کے ساتھ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی تصویر بھی اس دن کے ان کے اعلان کی گواہی دیتی ہے۔ لیکن بے شرمی اور

دیوالیہ پن کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ انہی فاروق عبداللہ کے دور میں اور انہی کی مرضی سے تحریک آزادی کشمیر کے عظیم مجاہد مقبول بٹ کو تختہ دار پر بھیجا گیا اس مرحلہ میں جب فاروق عبداللہ سے رابطہ قائم کیا گیا اور مقبول بٹ کی زندگی بچانے کے لئے ان سے اپنے اثر ورسوخ کو بروئے کار لانے کے لئے کہا گیا تو انہوں نے کہا تھا "کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مقبول بٹ کے لئے میں اپنے اختیارات کو داؤں پر لگادوں گا؟" لیکن کتنی ستم ظریفی کی بات تھی کہ چند ماہ بعد ہی دلی دربار نے انہیں اقتدار سے محروم کردیا۔

کشمیریوں کو مولانا فاروق سے بھی پوچھنا چاہئے تھا کہ وہ کیوں کبھی اس در کے بھکاری بنتے تھے تو کبھی اس در کے؟ کشمیر کے غریب عوام کے ان مذہبی اور سیاسی لیڈروں نے اپنے لئے ایک شاندار اور پرشکوہ محل تعمیر کردیا جس کے لئے قیمتی پتھر باہر سے درآمد کئے گئے تھے۔

جب ضرورت پڑی تو فاروق عبداللہ سے ہاتھ ملانے میں ان کے ضمیر نے کوئی ملامت نہ کی۔ آج دونوں ان کے مخالف ہیں۔ سعودی عرب میں لبریشن فرنٹ کے ممبران نے مولوی فاروق سے جب ملاقات کی تو انہوں نے یہ کہہ کر جدوجہد آزادی میں شریک ہونے سے صاف انکار کردیا کہ ہندوستان کے قبضہ سے اپنے آپ کو آزاد کرنا ہمارے لئے ناممکن ہے۔ وطن واپس جانے کے بعد پاسپورٹ ڈائرکٹر نے ان کا پاسپورٹ ضبط کرلیا۔ اپنی درخواست میں انہوں نے کہا تھا کہ وہ ہندوستان کے وفادار شہری ہیں لہذا ان کا پاسپورٹ واپس کیا جائے۔ کیا کشمیر کے لوگوں کو مولانا فاروق سے یہ نہیں پوچھنا چاہئے تھا کہ جن پیغمبر اسلام ﷺ کے دین کی تبلیغ مولانا منبر سے فرماتے ہیں انہوں نے کیا کیا قربانیاں پیش کی تھیں اور کس طرح کا درس دیا تھا؟ ہمارے محبوب پیغمبر ﷺ بیٹھنے کے لئے ایک چٹائی بچھایا کرتے تھے۔ خلفاء اینٹوں کو اپنا تکیہ بناتے تھے۔ کشمیر کے لوگوں میں اتنا شعور کیوں نہ پیدا ہوسکا کہ وہ ایسے ریاکار لیڈروں اور مذہبی رہنماؤں کو بے نقاب کرسکیں؟ انہوں نے اس بات پر انگلی کیوں نہ اٹھائی کہ ان لیڈروں کے قول اور فعل میں بہت تضاد ہے؟ انہوں نے اس بات کو کیوں نہیں محسوس کیا کہ ان لیڈروں نے مذہب کے نام پر بھائی کو بھائی سے لڑایا؟ دراصل ان لوگوں نے اسلام کا نام لے کر لوگوں کا استحصال کیا۔ ہمارے مذہب نے جہیز کو ایک لعنت قرار دیا ہے۔ پیغمبر اسلام نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو جہیز میں کیا دیا تھا؟ کتنے

لیڈروں نے کشمیر میں جہیز کے خلاف مہم چلائی اور دراصل وہ حلوے مانڈے سے کام رکھتے ہیں اور جہاں کہیں سے بھی خوشبو ملی وہ دوڑ پڑتے ہیں۔

اس بات سے صرف پاکستان ہی کے لوگوں کو حیرت نہیں ہوتی بلکہ بین الاقوامی پیمانے پر بھی تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے اور کشمیریوں کا سر اس وقت شرم سے جھک جاتا ہے جب وہ دیکھتے ہیں کہ ایک طرف تو پاکستان میں ہونے والے کسی خاص واقعہ پر کشمیری اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں لیکن جب ایسا ہی واقعہ خود کشمیر میں پیش آتا ہے تو ان کا کوئی رد عمل سامنے نہیں آتا۔ 1979ء میں پاکستان کے منتخب وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دی گئی۔ کشمیر کے لوگوں نے اس وحشیانہ کارروائی کے خلاف سخت احتجاج کیا۔ انہوں نے اپنے ہی بھائیوں (جماعت اسلامی کے لوگوں) کے مکانات جلا ڈالے۔ اس میں 13 جانیں ضائع ہوئیں لیکن اس دن خود پاکستان میں ایک آدمی بھی نہیں ہلاک ہوا۔ حالیہ دنوں میں راولپنڈی کے قریب اوجھڑی کیمپ میں آگ لگ جانے سے بڑی مقدار میں فوجی ساز و سامان برباد ہوگئے تھے۔ یہ فوجی سامان افغان مجاہدین کے لئے تھے اس واقعہ میں کئی جانیں ضائع ہوئی تھیں۔ اس پر کشمیریوں کے جذبات پھر بھڑک اٹھے تھے اور ہنگامہ میں چار پانچ آدمی ہلاک ہوئے حالانکہ اس واقعہ پر پاکستان میں نہ تو کوئی احتجاج ہوا اور نہ ہی سڑکوں پر جلوس نظر آئے۔ البتہ فوج کا دفاع کرتے ہوئے پاکستان کے فوجی ڈکٹیٹر جنرل ضیاء نے اس موقعہ پر حکومت کو برخاست کردیا جس کا وہ خود خالق تھا اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ جونیجو کی حکومت اوجھڑی کیمپ میں ہونے والے نقصانات کے سلسلے میں جو کچھ فوجی کمانڈروں کے خلاف کارروائی کرنے والی تھی۔

جب ایک ہوائی حادثہ میں جنرل ضیاء ہلاک ہوا تو ان کے جذبات میں چور کشمیریوں نے ایسے تشدد کا مظاہرہ کیا کہ اس میں پانچ یا چھ معصوم افراد ہلاک ہوگئے۔ یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ اسی ضیاء نے بھٹو کی پھانسی کا حکم دیا تھا اور انہی کشمیریوں نے بھٹو کی حمایت اور ضیاء کی مخالفت میں متعدد قیمتی جانیں قربان کی تھیں اور اب وہ اسی جابر کے لئے اپنی جانیں قربان کر رہے تھے۔

کشمیریوں سے ایک سیدھا سادہ سا سوال یہ پوچھا جانا چاہئے کہ کس موقع پر ان کا جذبہ صادق

تھا؟ بھٹو کی پھانسی کے وقت جو دیکھنے میں آیا وہ یا ضیاء کی موت پر جس کا مظاہرہ ہوا وہ؟

گیارہ سال کے طویل عرصہ تک جنرل ضیاء پاکستان پر کروڑوں ڈالر کے قرضوں کا بوجھ لادتا رہا۔ اس نے پوری پاکستانی قوم کو برادری، قبیلوں اور علاقوں کے نام پر بانٹنے کی کوشش کی اور اس ملک کی چھوٹی چھوٹی قومیتوں کے درمیان احساس محرومی کو بڑھا دیا۔ اس نے اسلام کے نام پر اس حد تک استحصال کیا کہ اس کی اصل روح مجروح ہو گئی۔ اسلام ہی کے نام پر اس نے سیاسی کارکنوں پر کوڑے برسانے کا حکم دیا۔ اسلام کے نام پر اپنے سیاسی مخالفین کو سزا دینے کے لئے اس نے فوجی عدالتیں قائم کیں۔ اس کی موت پر پاکستان کے عوام نے پورے گیارہ سال بعد اطمینان کا سانس لیا۔ گیارہ کروڑ آبادی والے ملک میں دس، بیس لاکھ لوگوں کا جنازے کے جلوس میں شرکت کرنا اس ڈکٹیٹر کی مقبولیت کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔ پاکستان میں ضیاء کی موت پر کسی نے اپنی جان قربان نہیں کی۔ پھر کشمیریوں نے اس واقعہ پر اپنی قیمتی جانوں کو کیوں قربان کیا۔ اسے مادر وطن کی خدمت کے لئے وقف کیوں نہیں کیا؟

کشمیری 14 اگست کو یوم پاکستان مناتے ہیں۔ اس سے ہندوستانی حکام کو ان لوگوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے کا موقع ملتا ہے جو دشمن ملک کا جشن مناتے ہیں صرف یہی سب کچھ نہیں، اتنی قیمتی جانوں کا زیاں ہونے کے باوجود بین الاقوامی سطح پر وہ کوئی خبر تک نہیں پہنچتی۔ بین الاقوامی برادری کو مشکل ہی سے اس بات سے دلچسپی ہو گی کہ کشمیری ہندوستان کے ساتھ الحاق کی حمایت کرتے ہیں یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کے لئے قربانیاں دے رہے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ معاملہ بہر حال مقامی یا علاقائی نوعیت کا ہے۔ ہاں اگر یہی کشمیری کشمیر کی آزادی اور اس کی خود مختاری کے لئے قربانیاں دیں تو شاید بین الاقوامی پیمانے پر انہیں کچھ حمایت مل بھی جائے لیکن اگر کشمیر کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق کے مسئلہ پر تقسیم ہوتا ہے تو دنیا میں کوئی اس کا نوٹس نہ لے گا۔ وادی کشمیر کے وہ لوگ مقبول بٹ کے یوم وفات پر "پاکستان زندہ باد" "پاکستان کے ساتھ الحاق" کا نعرہ بلند کرتے ہیں وہ ان کی روح کو شدید تکلیف پہنچاتے ہیں اور یہ ان کے اور ان کی پوری تحریک کے ساتھ بہت بڑی بے انصافی ہے در اصل ایسا کر کے یہ لوگ ان کے مشن کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان کی

پوری زندگی اور ان کا مشن کشمیر کی قومی آزادی اور اس کی خود مختاری کے لئے وقف تھا۔ وہ جس قدر ہندوستان کے ساتھ الحاق کی مخالفت کرتے تھے، اس سے کسی قدر کم پاکستان کے ساتھ الحاق کی ضد کرتے تھے۔ وہ اول و آخر کشمیری تھے۔ پاکستان میں جس خصوصی عدالت میں ان پر مقدمہ چل رہا تھا اس میں انہوں نے بڑی جرأت مندی سے کہا تھا ان کی بغاوت ظلم، غلامی، ہوس اقتدار اور استحصال کے خلاف ہے۔ کوئی ساڑھے تین سال تک وہاں ایک عدالت میں ہندوستان کا ایجنٹ ہونے کا الزام عائد کر کے ان پر مقدمہ چلتا رہا۔ شاہی قلعہ میں جہاں وہ نظر بند تھے تین ماہ سے زائد عرصہ تک ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا گیا۔ جب انہوں نے پوچھ تاچھ کرنے والے حکام کے مطابق بیان دینے سے انکار کر دیا تو انہیں یہ دھمکی دی گئی کہ ان کی بیوی کو شاہی قلعہ میں لا کر ناروا سلوک کیا جائے گا۔ اگر اسی مقبول بٹ کے یوم وفات پر کشمیری آزاد ہونے کے بجائے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو کیا اس سے اس شہید کی جدوجہد اور مشن کی نفی نہیں ہوتی؟ انہوں نے کشمیریوں اور صرف کشمیریوں کے لئے موت کو گلے لگایا۔

ہندوستان اور کشمیر کے بہت سے لوگ جانتے ہیں کہ مقبول بٹ کی نظربندی کے دوران اندرا گاندھی نے انہیں یہ پیشکش کی تھی کہ اگر وہ اپنے نظریہ اور کشمیر کی آزادی کی جدوجہد سے دست بردار ہو جائیں تو وہ نہ صرف یہ کہ انہیں رہا کر سکتی ہیں بلکہ انہیں سیاسی اقتدار بھی سونپ سکتی ہیں۔ اگر شہید مقبول بٹ کشمیری قوم کے مخلص وفادار نہ ہوتے تو وہ دوسرے خود غرض اور بے ضمیر کشمیری لیڈروں کی طرح بڑی آسانی سے اپنی جان بھی بچا سکتے تھے اور اس کا پرکشش انعام بھی حاصل کر سکتے تھے۔ اندرا گاندھی کو مقبول بٹ کا جواب تھا: "میں ان کشمیری لیڈروں کی قائم کردہ روایت کو توڑنا چاہتا ہوں جو اپنے آپ کو بکاؤ مال بناتے ہیں اور اپنی قوم کو دھوکہ دیتے ہیں۔"

اب میں کشمیری قوم اور پاکستانی عوام کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بین الاقوامی پلیٹ فارم پر کشمیر کے ضمن میں پاکستانی اور ہندوستانی حکمرانوں کا کیا رول رہا ہے؟ 1947ء میں جب برطانیہ نے برطانوی ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا تو رجواڑوں کے بارے میں یہ کہا گیا کہ یا تو وہ آزاد رہیں یا پھر دونوں میں سے کسی ایک ملک کے ساتھ الحاق

کریں۔ پاکستان نے جوناگڑھ کا الحاق تسلیم کر لیا جہاں کا حکمران تو مسلمان نواب تھا لیکن آبادی ہندو اکثریت پر مشتمل تھی۔ نواب نے پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ جب مہاراجہ ہری سنگھ نے ہندوستان سے الحاق کیا تو پاکستان نے اس بنیاد پر اسے تسلیم نہیں کیا کہ کشمیر کی آبادی کی اکثریت مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ دو رجواڑوں کی ایک ہی طرح کی صورت حال پر پاکستان نے شروع سے متضاد موقف اختیار کیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ مہاراجہ کشمیر نے پاکستان کے ساتھ ایک ایسا معاہدہ بھی کیا جس کے تحت پاکستان کو اس وقت تک خاموش رہنے کو کہا گیا تھا جب تک کہ کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ ابھی اس معاہدے کی سیاہی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ پاکستان نے ناکہ لگانا شروع کر دیا۔ اس نے کشمیر پر قبائلی حملہ کا اہتمام کیا۔ مہاراجہ جموں چلا گیا ہندوستان کے ساتھ الحاق کے معاہدے پر دستخط کئے اور حکومت ہند سے فوجی تعاون طلب کیا۔ اس کے نتیجہ میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ اس کے بعد جنگ بندی کا حکم ہوا اور ہماری مادر وطن دو حصوں میں تقسیم ہو گئی۔ ہم کشمیری تقسیم ہو گئے اور اتنے مجبور ہوئے کہ اپنی ہی سرزمین پر ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے۔ ہماری بے بسی اس حد کو پہنچی کہ ہم ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک نہیں ہو سکتے۔ باپ اپنے بیٹے اور بھائی اپنی بہن سے جدا ہو گیا۔ انسانی تاریخ میں ایک اور ایسے المناک باب کا اضافہ ہوا جس میں زمینوں اور عوام کی تقسیم کی کہانی خون سے لکھی گئی۔ یہ صورت حال گذشتہ چالیس سال سے موجود ہے۔ اگر بارہمولہ میں رہنے والا ایک شخص مظفر آباد میں مقیم اپنے بھائی یا بہن سے ملنے کا خواہشمند ہو تو اسے پاسپورٹ لینا پڑے گا۔ اس کے بعد اسے پاکستانی مشن سے ویزا حاصل کرنے کے لئے دلی جانا پڑے گا۔ ایک یا دو ماہ تک پاکستانی سفارت خانے کے چکر لگا کر اسے اپنے جوتے گھسنے پڑیں گے اور تب کہیں جا کر ویزا مل سکے گا اور جب ویزا مل جائے گا تو اسے سرینگر سے امرتسر کا سفر طے کرنا پڑے گا اور اس کے بعد لاہور سے مظفر آباد تک کا یہ پورا سفر ایک ہزار میل سے بھی زیادہ پر محیط ہوتا ہے جبکہ بارہمولہ سے مظفر آباد کا فاصلہ مشکل سے تین یا چار گھنٹے میں طے کیا جا سکتا ہے۔

بہر حال کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ میں گیا۔ پاکستان نے 22 دسمبر 1949ء کو ایک

قرارداد کے متن میں ایک ترمیم کی تجویز پیش کی۔ تجویز یہ تھی "کشمیر کے مستقبل" کی جگہ "ریاست جموں و کشمیر کا ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کا سوال لکھا جائے۔" اب ذرا کشمیر اور پاکستان کے غیر جانبدار اور انصاف پسند لوگ یہ فیصلہ کریں کہ کیا پاکستانی حکمران کبھی کشمیریوں کے تئیں ایماندار رہے ہیں؟ فرض کیجئے کہ کشمیر کے لوگ ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو کیا پاکستان کو یہ فیصلہ خود اسی کی تجویز کی روشنی میں قابل قبول ہوگا؟ واضح رہے کہ اصل مسودے میں یہ کہا گیا ہے کہ کشمیری خود اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کشمیری آزاد بھی رہ سکتے ہیں۔ اپنا فیصلہ خود کرنے کے حق کا مطلب آزاد اور خود مختار کشمیر کا فیصلہ کرنا بھی ہو سکتا ہے۔ پاکستان کی پیش کردہ یہ ترمیم اس بات کی دلیل تھی کہ اقوام متحدہ کشمیر کے مسئلہ کو دو ملکوں کے درمیان ایک علاقائی تنازعہ تسلیم کرے۔ اس طور پر ہم کشمیری اقوام متحدہ کی اخلاقی اور مالی حمایت سے محروم ہو گئے۔ اس پاکستانی ترمیم نے اس مسئلہ کو دو ملکوں کا آپسی تنازعہ بنا کر رکھ دیا۔

جب چین نے 1962ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تو ہندوستانی لیڈروں کے دل میں یہ شک پیدا ہوا کہ صورت حال کا فائدہ اٹھا کر پاکستان کسی طرح مہم جوئی شروع کر سکتا ہے۔ ہندوستانی لیڈروں نے امریکہ کے توسط سے اسلام آباد پر یہ واضح کیا کہ ہند چین جنگ کے بعد ہندوستان کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان سے گفتگو کرنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ پاکستان، ہندوستان پر حملہ نہ کرے۔ بہر حال ہند چین جنگ ختم ہو گئی اور 27 دسمبر 1962ء کو دونوں ملکوں کے وزرائے خارجہ سورن سنگھ اور ذوالفقار علی بھٹو کے مابین گفتگو شروع ہوئی۔ گفتگو کا سلسلہ مئی 1963ء تک جاری رہا اور بالآخر ناکامی پر ختم ہوا۔

یہاں وفاقی وزیر جی ایم زلوی کی کتاب "ہند پاک تعلقات" کے ایک اقتباس کا حوالہ دینا بے جا نہ ہوگا۔ کتاب کے صفحہ نمبر 13 پر وہ رقمطراز ہیں۔ "کلکتہ کی میٹنگ میں پاکستانی وفد نے کشمیر کی تقسیم کا منصوبہ پیش کیا۔ اس منصوبے کے تحت سرحدی لائن پیر پنجال سلسلے سے گذرتی ہوئی جموں کے شمال تک جائے گی اور پونچھ، ریاسی اور میرپور اضلاع پاکستان کے حصہ میں آئیں گے۔ موجودہ سرحدی حد بندی کے مطابق جو جنگ بندی لائن کے نتیجہ میں وجود میں آئی ہے ریاسی اور کچھ دوسرے اضلاع کے علاقے ہندوستان کے قبضہ میں ہیں۔ ریاستی

پاکستان کے لئے بڑی اہمیت کا حامل ضلع ہے۔ حل کے طور پر پاکستان اس بات کے لئے تیار ہے کہ کچھ عرصہ تک کے لئے وادی کشمیر سے متعلق حتمی فیصلہ کا تقاضہ وہ نہیں کرے گا۔ ہندوستانی وفد نے کہا کہ وادی کشمیر ہندوستان کے لئے اس اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اگر وادی پر اس کا قبضہ نہ رہا تو لداخ کا نظم و نسق چلانے میں اسے بڑی دشواری پیش آئے گی۔ مصنف مذکور نے مزید لکھا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان نے کشمیر کی تقسیم کے دو مختلف منصوبے پیش کئے تھے۔ 1965ء میں پاکستان نے کشمیریوں کے علم کے بغیر کشمیر میں اپنے کمانڈوز بھیجے لیکن ہندوستان نے امرتسر سے جوابی حملہ کیا تو پاکستان کو کشمیر سے اپنے کمانڈوز واپس بلانے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ اس حقیقت کے باوجود کہ بہت سے کشمیریوں کے گھر جلائے گئے اور ہزاروں افراد کو پاکستان کا حامی ہونے کے الزام میں پاکستان دھکیل دیا گیا، پاکستان میں یہ شرانگیز پروپیگنڈا شروع کیا گیا کہ کشمیری بڑے بزدل تھے اور انہوں نے ہمارا ساتھ نہیں دیا بلکہ ہندوستان کے حق میں مخبری کر کے ہمارے لوگوں کو گرفتار کرایا۔

تاشقند میں ایک بار پھر کشمیر کا مسئلہ اٹھایا گیا۔ 1972ء میں ہندوستان اور پاکستان نے شملہ معاہدے کے تحت کشمیر کا مسئلہ تقریباً طے کر لیا تھا۔ کشمیر کو پیٹھ دکھا کر پاکستان نے اپنے نوے ہزار جنگی قیدی رہا کرا لئے اور 5 ہزار مربع میل وہ زمین بھی اسے واپس مل گئی جس پر ہندوستان نے جنگ کے دوران قبضہ کیا تھا۔ ایک اعتبار سے شملہ معاہدے کے تحت ہندوستان نے پاکستان سے کشمیر تقریباً حاصل کر لیا کیونکہ اس کے تحت کشمیر موجودہ تقسیم کو مسئلہ کا مستقل حل تسلیم کر لیا گیا۔ جنگ بندی لائن کو "لائن آف کنٹرول" کا نام دے دیا گیا۔ دونوں ملکوں نے اس بات سے اتفاق کر لیا کہ وہ ایک دوسرے کی مرضی کے بغیر کشمیر کا مسئلہ کسی بھی بین الاقوامی پلیٹ فارم پر نہیں اٹھائیں گے کوئی بھی فریق لائن آف کنٹرول کو پار نہیں کرے گا۔ کوئی بھی ملک ایسی تنظیموں کو سر اٹھانے کا موقع نہ دے گا جن کی سرگرمیوں سے دونوں ملکوں کے تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو۔ دوسرے لفظوں میں ایسا تاثر دیا گیا کہ "جنگ بندی لائن" کی اصطلاح سے پیدا شدہ عارضی جنگ بندی کو ختم کر دیا گیا اور اس کی جگہ ایک نئی اصطلاح "لائن آف کنٹرول" کو اختیار کیا گیا اور اس طرح یہ تاثر پیدا کیا گیا کہ کشمیر کے جس حصہ پر جس ملک کا قبضہ ہے وہ مستقل نوعیت کا ہے۔ 1973ء میں اسلامی ملکوں کے

سربراہوں کی ایک کانفرنس لاہور میں منعقد کی گئی۔ لاہور کی شاہی مسجد کے امام کو یہ خصوصی ہدایت دی گئی کہ وہ جمعہ کے خطبہ میں کشمیر کی آزادی کے لئے دعا نہ کریں۔ یاسر عرفات کا استقبال ایک ملک کے سربراہ کے طور پر کیا گیا لیکن "آزاد کشمیر" کے صدر سردار قیوم خان کو اس بات کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ اس کانفرنس میں شریک کسی بھی سربراہ مملکت سے مل سکیں۔ کانفرنس ہال میں داخل ہونا تو دور کی بات رہی۔ جب دونوں فریقوں نے کنٹرول لائن پار نہ کرنے کا وعدہ کر لیا تو قدرتی طور پر اس کا مطلب یہ ہوا کہ حقیقتاً دونوں ملکوں نے جنگ بندی لائن پر ہونے والی کشمیر کی موجودہ تقسیم کو مستقل حل تسلیم کر لیا ہے۔ اب اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ کسی بھی تنظیم کو اس طور پر سر اٹھانے کا موقع نہیں دیا جائے گا کہ وہ دونوں ملکوں کے تعلقات میں کشیدگی کا باعث بنیں تو یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ بادی النظر میں نیشنل لبریشن فرنٹ، لبریشن فرنٹ محاذ رائے شماری اور این ایس ایف جیسی تنظیموں کو مختلف بہانوں اور مختلف طریقوں سے نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ شملہ معاہدے پر دستخط کئے جانے کے بعد "آزاد کشمیر" کی ریگولر فوج پر پابندی عائد کر دی گئی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب کشمیریوں کی اپنی کوئی فوج باقی نہیں رہی۔ ایک دوسرا اقدام یہ اٹھایا گیا کہ "آزاد کشمیر" میں پی پی پی کو لایا گیا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح جموں و کشمیر میں کانگریس (آئی) کو لایا گیا تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو نے اس بات کی کوشش کی کہ "آزاد کشمیر" کو پاکستان کا ایک صوبہ بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے تحت انہوں نے پورے "آزاد کشمیر" کا دورہ کیا۔ "آزاد کشمیر" کے اندر اور باہر لوگوں نے "آزاد کشمیر" کو پاکستان سے مربوط کرنے کے خیال کی مخالفت کی۔ لیکن 1974ء کا "عبوری دستور" دراصل غلامی کی ایک ایسی دستاویز ہے جس کے تحت "آزاد کشمیر" کو پاکستان کی کالونی بنا دیا گیا۔ اس مسئلہ پر پاکستان کی اندرونی حالت بھی کچھ بہتر نہیں ہے۔ نوبت ایں جا رسید کہ بعض لیڈر کھلم کھلا کہتے ہیں کہ ہم کشمیر کے معاملے میں بے بس ہیں اور خود کشمیریوں کو ہی یہ مسئلہ حل کرنا ہوگا۔

ان کا کہنا ہے کہ اس مسئلہ پر وہ ہندوستان کے خلاف جنگ چھیڑ کر پورے ملک کو داؤں پر نہیں لگانا چاہتے۔ کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان کے چاروں صوبوں کے رویے مختلف ہیں۔ سندھ کسی بھی زاویے سے اپنے آپ کو اس سے وابستہ نہیں کرتے۔ بلوچستان اور صوبہ

سرحد کے لئے یہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے البتہ پنجابی بالشبہ 1960ء تک کسی حد تک اس کے تئیں جذباتی تھے لیکن ان کے نزدیک بھی رفتہ رفتہ یہ اپنی اہمیت کھوتا جا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستان نے گلگت اور بلتستان پر اکتفا کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور اس پر شملہ معاہدہ میں تقریباً اتفاق کر لیا گیا تھا۔

بہر حال اگر یہ مسئلہ پاکستان میں کسی بھی طبقے کے لئے کسی اہمیت کا حامل رہ گیا تھا تو وہ فوجی حکمرانوں یا فوج کا فورم تھا جو ہندوستان کو کشمیر میں پریشان کرنے کے لئے کسی بہانے کی تلاش میں رہتا تھا۔ اس مقصد کے لئے فوج کشمیر کے ہندوستانی حصہ کے کچھ لیڈروں کو وقتاً فوقتاً کچھ نقد رقم دیا کرتی ہے۔ اس کی پوری تفصیل سے میں واقف ہوں۔ پاکستانی فوج نے جے کے لبریشن فرنٹ (امریکہ) کو استعمال کرنا چاہا۔

ہندوستانی قبضہ والے کشمیر میں بھی یہی کھیل کھیلنا چاہا۔ مئی جون 1985ء میں ہماری تنظیم کے ایک عہدہ دار کے توسط سے انہوں نے ہم سے رابطہ قائم کرنا چاہا۔ اس وقت میں جے کے ایل ایف (پاکستان) کی آرگنائزنگ کمیٹی کا چیئرمین ہوا کرتا تھا اور تمام باتیں میری ہی لیڈرشپ میں ہوئیں۔ یہ گفتگو تین ماہ تک جاری رہی۔ میں نے اور انصاری نے ان سے دو ٹوک لفظوں میں کہا کہ ہم کشمیر کو آزاد اور خود مختار دیکھنا چاہتے ہیں اور مسئلہ کشمیر کا یہی واحد حل ہے۔ تین ماہ تک بات ہوتی رہی اور ایسا محسوس ہوا کہ گویا اب پاکستانی فوج کچھ کچھ سمجھنے لگی ہے کہ ہماری جدوجہد کا مقصد کیا ہے۔ اس پوری گفتگو کے دوران ہم نے یہی سمجھا کہ پاکستان ہماری حمایت دوست کی طرح کر رہے ہیں لیکن اس وقت ہم ہکا بکا رہ گئے جب گفتگو کے آخری مرحلہ کی ایک نشست میں ایک سینئر فوجی افسر نے اچانک ہم سے یہ کہا کہ ہمیں اپنی توجہ ہندوستانی قبضہ والے کشمیر کے نوجوانوں کو بھرتی کرنے پر مرکوز کرنی چاہئے یعنی یہ کہ انہیں جنگ بندی لائن کی کچھ سرحدی پوسٹ پر لا کر ان کے (فوج کے) حوالے کیا جانا چاہئے تاکہ وہ انہیں ٹریننگ دے کر کشمیر واپس بھیج دیں۔ ہماری ٹیم چار افراد پر مشتمل تھی جس میں فاروق حیدر، رشید حسرت، زبیر الحق انصاری اور خود میں شامل تھا۔ ہم سب کو پاکستانی فوجی افسر کی اس بات پر بہت غصہ آیا۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم ایجنٹ نہیں بلکہ فریڈم فائٹر ہیں نہ تو ہم ان کے ایجنٹ کا کام انجام دے سکتے ہیں اور نہ انہیں اس طرح لا سکتے ہیں۔

بہر حال بات وہیں اور اسی وقت ختم ہو گئی۔

اس گفتگو کی ناکامی کے بعد پاکستان میں میری زندگی ایک عذاب بن کر رہ گئی۔ کشمیری ہونے کے باوجود مجھے ہندوستانی کشمیری کہا جانے لگا۔ اس بات کی بھی کوشش ہوئی کہ مجھے ہندوستانیوں کے حوالے کر دیا جائے۔ مجھے اپنے خاندان اور بچوں کے ساتھ بھاگنا پڑا۔ لیکن میرے ذرائع نے مجھے حال ہی میں اطلاع دی ہے کہ "آزاد کشمیر" کے لبریشن فرنٹ نے پاکستانی فوجیوں سے سمجھوتہ کر لیا ہے اور اندر ہی اندر یہ کوشش ہو رہی ہے کہ کشمیریوں کو فریڈم فائٹر بنانے کے بجائے انہیں پاکستان کا ایجنٹ بنا دیا جائے۔ اس سلسلے میں مجھے سری نگر سے بھی کچھ خبریں موصول ہوئی ہیں۔

لیکن قطعی تجزیہ کرنے سے قبل میں ہندوستان کے حکمرانوں اور باشعور طبقے کو یہ یاد دلانا چاہتا ہوں کہ ان کے ملک نے ہمیشہ مظلوم ملکوں کی آزادی کی بھرپور حمایت کی ہے۔ نوآبادیت تحریک میں ہندوستان کی پالیسی اور اس کی قیادت کے رول نے بین الاقوامی برادری میں وقار حاصل کیا ہے لیکن کشمیر کے سلسلے میں ہندوستان کی یہ شکل مسخ ہوئی ہے اور اسے کشمیر کی حد تک ظالم تصور کیا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ میں ہندوستان نے نہ صرف کشمیریوں کے حق خود اختیاری کا وعدہ کیا ہے بلکہ اس کے وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے جو مظلوم ملکوں کے ہمدرد تصور کئے جاتے تھے اور نوآبادیت تحریک کے بانیوں میں سے ایک تھے یہ تک کہا تھا کہ وہ کشمیریوں کو آزادی دلائیں گے۔ انہوں نے خود کشمیریوں کے حق خود اختیاری کی وکالت کی تھی۔ 15/ جنوری 1948ء کو اقوام متحدہ میں تقریر کرتے ہوئے ہندوستانی نمائندے نے کہا تھا۔ "آیا کشمیر ہندوستان سے الحاق واپس لے لے یا پاکستان سے الحاق کرے یا پھر آزاد رہے اور اقوام متحدہ کا رکن بننے کا دعوی کرے، ان میں سے کوئی بھی فیصلہ وہاں معمول کے حالات بحال ہو جانے پر خود ان کا اپنا ہو گا" ہندوستانی پنڈت نہرو کی بڑی عزت کرتے ہیں اور دنیا کے بہت سے ملکوں میں انہیں کچلے ہوئے مظلوم ملکوں کی تحریک آزادی کا بہت بڑا حامی اور علمبردار تصور کیا جاتا ہے۔ سری نگر کے لال چوک میں انہی جواہر لال نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر یہ وعدہ کیا تھا کہ ہندوستان کبھی بھی کشمیریوں پر یہ دباؤ نہیں ڈالے گا کہ وہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کریں یا پاکستان کے ساتھ۔ 9/ جولائی

1957ء کو جواہر لال نہرو نے انڈین نیشنل کانگریس کمیٹی کے سامنے ایک رپورٹ پیش کی تھی اور اس میں بھی یہی وعدہ کیا گیا تھا۔

یہ بات انتہائی قابل افسوس ہے کہ جواہر لال نہرو اور ہندوستان کے جمہوریت پسند عوام نے کشمیر کو ہندوستان کے لئے ایک انعام تصور کیا اور کشمیری عوام کی رائے لئے بغیر اس پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ دنیا کے سامنے کئے گئے وعدوں کو فراموش کر دیا گیا لہذا میں ہندوستان کے دانشوروں اور قانون کی جانکاری رکھنے والے افراد سے یہ اپیل کروں گا کہ اگر عالمی برادری کی نظر میں ہندوستان کی بہتر تصویر کو برقرار رکھنا ہے اور اگر جواہر لال نہرو کو دنیا کے سامنے آزادی کی شمع روشن کرنے والے کی حیثیت سے پیش کرنا ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ اگر انصاف کرنا ہے تو انہیں اپنی حکومت پر دباؤ ڈالنا چاہئے کہ وہ کشمیر کے عوام کو خود ارادیت کا حق عطا کرے۔

(یہ مضمون ہفتہ وار چٹان سرینگر 14 تا 20 / نومبر 1988ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔)

☆☆☆☆

باب نمبر 2

مہاترے کے قتل سے مقبول کی شہادت تک

فروری 1984ء میں امان اللہ خاں نے کشمیر لبریشن آرمی نام کی ایک تنظیم کے ذریعہ لندن میں مقیم ایک ہندوستانی سفارتکار رویندر مہاترے کے اغوا کا انتظام کیا تھا اس وقت پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے ایک دوست افضل طاہر کے ساتھ میں بھی یو۔ کے میں تھا۔ اس معاملہ کی تحقیقات کے سلسلہ میں لندن کی پولیس نے کچھ دیگر افراد کے ساتھ مجھ کو بھی گرفتار کر لیا تھا۔ لیکن میرے خلاف کچھ ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مجھے 72 گھنٹے کے اندر رہا کر دیا تھا۔

مجھے معلوم نہیں تھا کہ مہاترے کو اغوا کر لیا گیا ہے۔ میں اور افضل طاہر لیوٹن میں امان اللہ کے گھر میں ہی رہ رہے تھے لیکن اغوا کے واقعہ سے ایک دن قبل ہم دونوں کو ایک اور دوست کے یہاں بھیج دیا گیا تھا۔ امان اللہ کی حرکات سے مجھے شبہ تھا کہ کوئی اہم بات ہو رہی ہے یا ہونے والی ہے۔ پھر خبر ملی کہ اغوا شدہ سفارتکار کو قتل کر دیا گیا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی تہاڑ جیل میں مقبول بٹ کو پھانسی پر لٹکانے کے لئے راہ ہموار ہو گئی تھی۔

مہاترے کا قتل مقبول بٹ کی پھانسی کا محرک بن گیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ کیا مہاترے کا قتل واقعی ضروری تھا؟ یہ مقبول بٹ کی شہادت کا چوتھا سال ہے۔ یہاں میں کشمیری قوم اور تمام آزادی پسند لوگوں کو ان حالات اور واقعات سے واقف کرانے کی کوشش کر رہا ہوں جن کی وجہ سے اس کو سزائے موت دی گئی تھی تاکہ غلام قومیں یہ سبق حاصل کر سکیں کہ عظیم مجاہدین آزادی کی زندگیوں کی کوشش کر رہا ہوں جن کی وجہ

سے اس کو سزائے موت دی گئی تھی تاکہ غلام قومیں یہ تلخ سبق حاصل کر سکیں کہ عظیم مجاہدین آزادی کی زندگیوں کو سستے میں نہیں بیچا جانا چاہئے۔ میں اس بات کو کافی واضح کر چکا ہوں کہ میں کسی کے بھی خلاف کوئی سیاسی یا ذاتی بغض نہیں رکھتا۔ میں صرف حقائق بیان کر رہا ہوں کیونکہ یو۔ کے (انگلینڈ) میں ہندوستانی ہائی کمیشن کے اسسٹنٹ ہائی کمشنر کے قتل کے موقعہ پر میں لندن میں تھا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ نے مجھے اپنی تحقیقات کے لئے پکڑ لیا تھا لیکن جب مجھے ملوث کرنے والی کوئی بات نہیں ملی تو مجھے 72 گھنٹے کے اندر اندر رہا کر دیا تھا۔ اب میں مہاترے قتل کیس میں ملوث اصل کرداروں سے پوری طرح واقف ہو چکا ہوں۔ اس کیس کی داستان کے ساتھ میں دستاویزی ثبوت بھی پیش کر رہا ہوں اور فیصلہ کا کام کشمیری قوم پر چھوڑ رہا ہوں جس سے محض تھی شہرت اور اپنے آپ کو آگے رکھنے کی خواہش کی بدولت خاک کشمیر کا ایک شاندار اور عظیم ترین فرزند چھین لیا گیا تھا۔

مقبول بٹ کو ہندوستانی سیکورٹی فورسز نے 1976ء میں بارہمولہ کے نزدیک گرفتار کر کے تحت پہرے میں تہاڑ جیل میں ایک تاریک کوٹھری میں بند کرنے کے لئے دلی پہنچایا تھا۔ ان کو 1968ء میں ایک پولیس انسپکٹر کے مبینہ قتل کے جرم میں سزائے موت کا حکم دیا گیا تھا حالانکہ اس انسپکٹر کا قتل اورنگ زیب نام کے ایک شخص نے کیا تھا کیونکہ وہ بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اورنگ زیب اگلے ہی دن ہندوستانی فوج کے ساتھ ایک مڈبھیڑ میں ہلاک ہو گیا تھا۔ ہندوستانی حکام نے بٹ صاحب کو دی گئی سزائے موت 1976ء میں ان کی دوسری مرتبہ گرفتاری کے بعد بھی برقرار رکھی۔ اس سزا پر عمل درآمد دسمبر 1968ء میں ان کے جیل سے فرار ہونے کے بعد ملتوی تھا۔ انہوں نے ہندوستان کی سپریم کورٹ میں اس سزا کے خلاف اپیل دائر کی تھی جسے تکنیکی وجوہ پر رد کر دیا گیا تھا۔ انہوں نے سپریم کورٹ آف انڈیا میں درخواست دی تھی کہ خصوصی عدالت نے سزائے موت دینے کے سلسلہ میں ضروری قانونی لوازمات پورے نہیں کئے تھے۔ لہٰذا ان کی استدعا تھی کہ ان کے مقدمہ سے متعلق تمام ریکارڈ ہائی کورٹ کے سامنے رکھا جائے۔ 1984ء میں یہ درخواست ابھی سپریم کورٹ کے زیر غور تھی۔ ہندوستانی حکام نے 1976ء سے 1984ء تک انہیں پھانسی کی کوٹھری میں تو بند رکھا تھا لیکن سزائے موت کے حکم پر عمل نہیں کیا تھا۔

مہاترے کے قتل کے رد عمل کے طور پر حکومت ہند نے تمام سیاسی، اخلاقی اور قانونی ذمہ داریوں کو نظر انداز کر دیا اور ان کو پھانسی پر چڑھانے میں دیر نہیں لگائی۔ اپنی زندگی کے آخری لمحات میں بٹ صاحب نے کہا تھا۔

"مجھے مہاترے کے قتل کے فوراً بعد انتقامی سیاست کے نتیجے میں پھانسی دی جا رہی ہے۔ مجھ کو اس قتل کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے جو میری جیل کی کوٹھری سے آٹھ ہزار میل دور برمنگھم میں کیا گیا ہے۔"

مجھے پورا یقین ہے کہ اگر مہاترے کو قتل نہ کیا جاتا تو حکومت ہند بٹ صاحب کو پھانسی نہ دیتی۔ شمیم احمد شمیم (ممبر پارلیمنٹ) مرحوم کے بھتیجے ظفر معراج نے بھی 1986ء میں راولپنڈی میں اس خیال کی تائید کی تھی۔ ظفر معراج کشمیر ٹائمز کے نامہ نگار اور ہفت روزہ آئینہ کے مدیر تھے۔ ان کے الفاظ یہ تھے: "اندرا گاندھی حکومت کے نمائندوں نے مقبول بٹ کے ساتھ جیل کے اندر دو مرتبہ ملاقاتیں کی تھیں۔ لیکن وہ ریاست کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھے۔ اس کے برعکس وہ آزادیٔ کشمیر کے حق میں بحث کرتے اور کہتے تھے کہ برصغیر میں پائیدار امن لانے کے لئے آزاد کشمیر ضروری ہے"

ہم نے کئی مرتبہ ہندوستان کے خلاف مختلف قسم کی کارروائیوں کو محض اس وجہ سے ملتوی کر دیا تھا کیونکہ ہم جانتے تھے کہ حکومت ہند جوابی کارروائی کے طور پر مقبول بٹ کو پھانسی دے دیگی۔ یہ سوال کرنے سے قبل کہ ہم نے منصوبہ تیار کر کے موثر طور پر کوئی کارروائی کیوں نہیں کی؟ ہم اس قانونی لڑائی کو بھول جاتے ہیں جو ہندوستانی عدالتوں میں مقبول بٹ کی رہائی کے لئے لڑی جا رہی تھی۔ ان کی پھانسی کے خلاف بین الاقوامی رائے کو ہموار کرنا بھی ضروری تھا۔

اس سے قبل کہ میں کوئی موثر اور قابل عمل کارروائی کا منصوبہ بناتا، لبریشن فرنٹ نے مہاترے کا قتل کر دیا جو اگر کسی سازش کا نتیجہ نہیں تھا پھر بھی سستی شہرت حاصل کرنے کا گندا کھیل اور احمقانہ مہم ضرور تھا۔

مقبول بٹ کی شہادت سے عوام کے اندر جو جذبات پیدا ہوئے تھے لبریشن فرنٹ انہیں کشمیری قومی تحریک آزادی کو آگے بڑھانے کے لئے استعمال نہیں کر سکی۔ اس سے بھی زیادہ یہ کہ فرنٹ کے چیئرمین نے بدقسمتی سے ان تمام افراد اور پارٹی ممبران کو غدار اور کمیونسٹ قرار دینا شروع کر دیا جو اس کی رائے سے اختلاف یا اس سے بہتر تجویز پیش کرتے تھے اور اس طرح اس نے پارٹی کے اندر گروہ اور تضاد داخل کر دیئے۔ میرا قومی فرض بن جاتا ہے کہ میں مہاترے قتل کیس پر پڑا ہوا پردہ ہٹاؤں اور اس مہم کی تحریک دینے والے عوامل کو افشا کر دوں۔ اب کھلے عام آنا ضروری ہے کیونکہ مہاترے کے قاتل ہی در حقیقت مقبول بٹ کے قاتل ہیں، کشمیر کے لیڈروں کے طور پر شہرت حاصل کرنے کی خواہش کی تکمیل کی خاطر کشمیری نوجوانوں کے جذبات کا استحصال جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چونکہ مہاترے کے قتل کے موقع پر اتفاق سے میں لندن میں موجود تھا اس لئے کچھ لوگوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اس قتل کے ساتھ میرا بھی تعلق تھا لہذا یہ وجہ بھی مجھے ہماری تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں اور آئندہ نسلوں کے لئے ریکارڈ کو درست رکھنے اور اصل حقیقت بیان کرنے پر اکسا رہی ہے۔

میں لبریشن فرنٹ کے سیاسی محاذ پر کئے گئے کام کی بات نہیں کروں گا لیکن مسلح جدوجہد کے دائرے میں اس کی کارروائیوں سے افسوسناک بچگانہ پن کی بو آتی تھی کیونکہ یہ خطرناک نتائج سے پر تھیں۔ سیاست کے کھیل کے ابتدائی اصولوں کی معمولی شد بد رکھنے والا کوئی شخص بھی نہ تو خود ایسا کوئی کام کرے گا اور نہ ہی دوسروں کو ایسی احمقانہ حرکت کرنے کی اجازت دے گا۔ اس حوالے سے میں نے 1985ء میں امان اللہ خان کو جو خط لکھا وہ در اصل رویندر مہاترے کے قتل سمیت امان اللہ خان کے مسلح تحریک کے نام پر کئے گئے کئی اعمال کے خلاف میرا صاف گویانہ اظہار احتجاج تھا۔ جس بچگانہ طریقے سے پارٹی کے سنجیدہ امور پر کام کیا جا رہا تھا میں نے پارٹی کے اندر اس کی سخت ترین الفاظ میں مذمت کی تھی۔ بٹ صاحب کی شہادت کے وقت تو میں نے امان اللہ کو گریبان پکڑ کر کہا تھا "تم ہی مقبول بٹ کے قاتل ہو"

میں 1984ء سے ہی مہاترے قتل کیس کے متعلق پارٹی کے اندر عملاً جنگ کر رہا ہوں۔ مگر امان اللہ خان کے چیئرمین بننے کے بعد سے ہی یہ مسئلہ بن گیا ہے کہ پارٹی میں

اختلاف رائے اور مسائل پر کھلی بحث کے لئے کوئی جگہ نہیں رہنے دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ محض امان اللہ خان کے ساتھ اختلاف کے اظہار کی وجہ سے ایک سو سے زیادہ کارکن یا تو پارٹی سے خارج کئے جا چکے ہیں یا پھر وہ خود ہی چلے گئے ہیں۔ ان سب کو غدار سے کم کا تو لقب ہی نہیں دیا گیا۔ ماضی میں اختلاف رائے کی گستاخی کی وجہ سے میرے نام کے ساتھ بھی کمیونسٹ کا لفظ جوڑا جا چکا ہے۔ مسائل پر بحث کی اجازت کا جمہوری ہاتھ قبول نہ کرنے کی وجہ سے لبریشن فرنٹ آج درجنوں گروہوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اپنے خط کے آخر میں میں نے لکھا تھا کہ اگر مرکزی کمیٹی کے اراکین حالات کو تبدیل کرنے کے اہل نہیں ہیں تو میں اپنا یہ خط اپنے استعفے کے ساتھ پارٹی کارکنوں اور پریس کو جاری کر دوں گا۔ آخر کار فروری 1986ء میں مجھے مجبوراً لبریشن فرنٹ کے ناظم اور رکن مرکزی کمیٹی کے طور پر مستعفی ہونا پڑا۔ مرکزی کمیٹی اور کارگذار کونسل نے ستمبر 1986ء میں میری پاکستان سے روانگی کے وقت تک منظور نہیں کیا تھا۔

مہم پسندی

مہاترے کیس پر مفصل بحث کرنے سے قبل مجھے ایک مسافر بردار طیارے کے اغوا سے متعلق مجوزہ منصوبے کے بارے میں بات کرنی چاہئے۔ مقبول بٹ کی رہائی حاصل کرنے کے لئے ایسا منصوبہ موجود تھا۔ سیاسی اور عسکری حکمت عملیوں سے نابلد ہونے اور سستی و فوری مقبولیت حاصل کرنے کے لئے بے صبری کی وجہ سے امان اللہ نے سارے منصوبے کو تباہ کر ڈالا تھا۔ اس نے پیرس سے دو افراد کو اور دو افراد کو لندن سے منتخب کیا تھا۔ بہر حال پیرس والی ٹولی اتنی بڑی مہم کے لئے طویل عرصہ تک امان اللہ سے نہیں ملی اور نہ ہی اس کو اس موضوع پر کچھ بتایا ہی گیا تھا۔ البتہ پیرس کے لوگوں کو لانے کے لئے لندن سے جو لوگ بھیجے گئے تھے انہیں ہدایت کی گئی تھی کہ پیرس والوں کو سفر کے دوران جانکاری دے دیں۔ اس بات کا انکشاف امان اللہ نے میرے اور ڈاکٹر فاروق حیدر کے نام لکھے گئے اپنے خطوط میں کیا تھا۔ اس نے لکھا "وقت کی قلت اور ملاقات کا کوئی موقع نہ ہونے کی وجہ سے میں قیوم اور دوسروں کو جانکاری نہیں دے سکا تھا۔ دوسرے دو افراد اس کو سمجھا نہیں سکے۔ قیوم قانونی مجبوریوں کی وجہ سے نہیں آ سکا اور میں وقت کی کمی کی بدولت پیرس نہیں جا سکا۔"

اس قدر زبردست بڑے کام کے لئے امان اللہ نے چار اشخاص کی ایسی ٹیم منتخب کی تھی جنہیں نہ تو طیارہ اغوا کرنے کی تکنیک کا کوئی علم تھا اور نہ ہی وہ ایک دوسرے سے واقف تھے۔ ان کو جو کام سونپا گیا اس کی کوئی تربیت بھی نہیں دی گئی تھی۔ ان میں سے کسی نے کبھی پستول یا بندوق کو ہاتھ میں بھی نہیں پکڑا تھا۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ جذبات سے بھرے ہوئے تھے۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ 9 تا 11 مارچ 1983ء کو نئی دلی میں منعقد ہونے والی ناطرفدار ممالک کی کانفرنس کے موقعہ پر اغوا کیا جائے۔ اس سے قبل یہ پروگرام تھا کہ نئی دلی میں ناطرفدار ممالک کے وزرائے خارجہ کی کانفرنس میں دھماکہ کیا جائے۔ اس سے یہ ہوتا کہ ہم لوگوں کو امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے ایجنٹ قرار دے دیا جاتا۔ آخر امریکی سامراج اور دنیا میں اس کے حامی ناطرفدار تحریک کے مخالف تو سمجھے ہی جاتے تھے۔ طیارہ اغوا کرنے کا مجوزہ پروگرام اس وجہ سے ناکام ہو گیا کیونکہ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے، چاروں افراد کو نہ صرف اس کام کی تربیت نہیں تھی بلکہ انہیں اچھے طور پر سمجھایا بھی نہیں گیا تھا۔ عین آخری وقت پر یعنی طیارہ پر سوار ہونے کے وقت وہ گھبرا گئے اور طیارہ میں ہتھیاروں کے بغیر سوار ہو کر ہندوستان پہنچ گئے۔ ان میں سے تین لوگ سڑک کے راستے واپس آئے اور راولپنڈی میں میرے یہاں پہنچ گئے۔

امان اللہ خان نے میرے نام اپنے 5 اپریل 1983ء کے خط میں اس منصوبہ کی ناکامی کا جواز پیش کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس نے لکھا "ہمارا مشن ناکام ہو گیا ہے۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اچھا ہی ہوا کہ یہ ناکام ہو گیا۔ حالیہ دنوں میں گارڈین میں ایک طویل مضمون شائع ہوا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ سی آئی اے نے ناطرفدار ممالک کی کانفرنس کو ناکام بنانے کی کوشش کی تھی۔ اگر ہمارا مشن ہمارے منصوبہ کے مطابق کامیاب ہو جاتا تو ہو سکتا ہے کہ اس کو سی آئی اے کی کارکردگی کے ساتھ جوڑ دیا جاتا۔ اس سے ہمیں اتنا زبردست نقصان پہنچتا جو کبھی دور نہیں ہو سکتا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے گنگا کے اغوا کے متعلق الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ پاکستان کو تقسیم کرنے کے لئے ہندوستان کی سازش تھی۔ اگر خدانخواستہ ہم کو سی آئی اے کی ناطرفدار کانفرنس کو ناکام بنانے کی کوششوں کے ساتھ جوڑ دیا جاتا تو اس الزام کے بے بنیاد ہونے کے باوجود ہم تباہ ہو گئے ہوتے۔ ہم کو بین الاقوامی

برادری کے سامنے اپنے سروں کو شرم سے جھکانا پڑتا۔ اور اندرونی طور پر ہمارے مخالفین نے اس کو ہمارے خلاف اشتہار کی طرح استعمال کیا ہوتا۔ ہمارے مشن کی ناکامی کا یہ پہلو بھی بے حد اہم ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ امان اللہ خان کو بین الاقوامی سیاست کی اتنی سمجھ بھی نہیں تھی کہ وہ گارڈین کے تبصرے پر اپنے طور پر کوئی جواب دے سکتے۔ ان کو معلوم ہونا چاہئے تھا کہ ناطرفدار کانفرنس میں ایسے ملک بھی شامل تھے جنہوں نے خود بھی آزادی کی جنگیں لڑی تھیں۔ بہر حال طیارہ اغوا کی اس ناکام کوشش کا ایک مثبت پہلو یہ تھا کہ سازش کا پتہ نہیں چلا اور اس پر دوبارہ عمل کرنے کا امکان باقی رہا۔ یہ امکان کچھ مزید عرصہ تک قائم رہا ہوگا کیونکہ جب 19 جنوری 1984ء کو میں جائزہ ویزا پر لندن پہنچا تو امان اللہ اور مہاترے کے اغوا میں شامل دو افراد کے ساتھ ایک ملاقات کے دوران اغوا کے منصوبے کا ذکر ہوا تھا۔ امان اللہ خان کے ساتھ تفصیل کے ساتھ خیالات کا تبادلہ کرنے کے بعد میں نے مجوزہ طیارہ اغوا کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور اس میں ساتھ دینے کے لئے چار افراد کے نام بھی تجویز کئے تھے۔ امان اللہ خان کے ساتھ تو سب کچھ طے ہو گیا۔ اخراجات کے لئے چھ ہزار پونڈ کی ضرورت تھی۔ انہوں نے منظور کر لیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ چار افراد کی ایک ٹیم ہاشم قریشی کی کمان میں اس مشن کو سرانجام دے گی۔ یہ بھی فیصلہ کیا گیا کہ پوری سکیم کے نازک ترین رول یعنی طیارہ میں ہتھیار لانے کے لئے جن چار افراد کو ذمہ داری سونپی جانے والی تھی ان کو انگلینڈ میں طلب کر لیا جائے۔ 23-24 جنوری 1984ء تک تمام منصوبہ کو حتمی شکل دے جانے کے بعد امان اللہ خان نے متعلقہ شخص کو ٹیلیفون کیا جس نے 28-29 جنوری تک پہنچنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا۔ تمام تیاریوں کو روبہ عمل لانے کے لئے میں لیوٹن میں امان اللہ خان کے گھر سے نکل کر لندن میں ایک دوست کے یہاں ٹھہرنے کے لئے چل دیا۔ تین روز بعد امان اللہ نے مجھے فون پر بتایا کہ متعلقہ شخص پہنچ گیا ہے لہذا میں فوراً لیوٹن لوٹ آؤں۔ اگلے روز میں لیوٹن میں تھا جہاں امان اللہ خان کے گھر میں میں نے اس شخص کے ساتھ تفصیلی بات کی جو طیاروں کے اندر ہتھیار لے جانے والا تھا۔ ہم نے ایئرپورٹ پر سیکورٹی وغیرہ کے بارے میں طویل گفتگو کی۔ اس شخص کے ذہن کو کریدنے اور یہ یقین

ہو جانے کے بعد کہ اس منصوبے پر عمل کیا جا سکتا ہے (کم از کم اغوا تو بغیر کسی مشکل کے ہو جاتا لیکن اس کے بعد کیا ہوتا یا اس کا رد عمل کیا ہوتا وہ دوسری بات ہے) میں نے آگے بڑھنے کا فیصلہ کر لیا۔

میرے پاس اس مشن میں شرکت اور اس کی کمان سنبھالنے کی مضبوط وجوہات تھیں۔ میری دانست میں بٹ صاحب کو ہندوستانی جیل سے آزاد کرانے کے لئے طیارہ کے اغوا سے زیادہ موثر اور بہتر منصوبہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ حکومت ہند مقبول بٹ کی رہائی سے انکار کر کے جہاز میں سوار 33 مسافروں کی زندگی کو جوکھم میں ڈالنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔ اس سے تحریک آزادی کو ایک نئی جہت مل سکتی تھی اور ہم پاکستان کی فوجی آمریت اور بیوروکریسی کی جانب سے عائد کردہ یہ الزام بھی دھل سکتا تھا کہ گنگا کا اغوا پاکستان کو توڑنے کی ایک سازش تھی۔ یہ بھی ستم ظریفی ہے کہ لبریشن فرنٹ کے چیئرمین امان اللہ خان نے پہلے تو اغوا کے منصوبے کو قبول کیا مگر 2/ فروری کو شام چھ بجے اچانک مجھ کو اور ایک اہم پارٹی کارکن اور میرے دوست افضل طاہر کو مرکزی کمیٹی کے رکن ملک اعجاز کے گھر جانے کی ہدایت کر دی۔ اعجاز ہمیں لینے آ گئے۔ لیکن جب میں نے امان اللہ خان سے اصرار کیا کہ وہ ہمیں بھیجنے کی وجہ بیان کرے تو اس نے یہ کہا تھا:

"مہربانی کر کے چلے جاؤ۔ کچھ ہونے والا ہے۔ اور میں نہیں چاہتا کہ میرے گھر میں تمہاری موجودگی ثابت ہو" لیکن جب میں نے بحث کو طول دینے کی کوشش کی تو افضل طاہر اور اعجاز ملک نے مجھے جسمانی طور پر گھسیٹنے کی کوشش کی۔ افضل طاہر اور اعجاز ملک نے پہلے ایک ویڈیو لیباریٹری میں جانے کا فیصلہ کیا جہاں میں نے طیاروں کو اغوا کے موضوع پر تیار کی گئی تین فلمیں کرائے پر حاصل کیں۔ ہم نے اعجاز کے گھر میں کھانا کھایا جس کے بعد اس نے ہمیں ایک پارٹی کارکن الیاس کے مکان پر پہنچا دیا جو آزاد کشمیر میں واقع کھوئی رٹہ مقام کا رہنے والا ہے۔ رات کو ہم نے اغوا والی فلمیں دیکھیں۔ میں طیاروں کے اغوا کے نئے طریقوں سے واقفیت حاصل کرنا چاہتا تھا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر امان اللہ خان کو مہاترے کے اغوا کا کوئی علم نہیں تھا تو اس نے مجھے اور افضل کو اپنے گھر سے کسی دوسرے گھر میں کیوں بھیج دیا تھا؟ اس روز

(جمعرات کے دن) مہاترے کا اغوا نہیں کیا جا سکا۔ اگلے روز تقریباً دو بجے سہ پہر کے وقت میں اور افضل طاہر امان اللہ خان کے مکان پر لوٹ آئے تھے۔

اس نے کہا "وہ لڑکے کل کام نہیں کر سکے"۔ میں نے پوچھا کہ جب وہ طیارہ اغوا کرنے کا تہیہ کر چکا تھا تو پھر اس نے وہاں ہی کچھ کیوں کیا؟ میں نے دریافت کیا کہ وہ کن لڑکوں کی بات کر رہا تھا اور گذشتہ روز وہ کیا کرنے والے تھے جو وہ نہیں کر سکے؟ اس پر اس نے جواب دیا کہ "میں نہیں جانتا۔" اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا کہ "میں تم کو جواب دہ نہیں ہوں" اس دن یعنی جمعہ کو اس نے لیوٹن ٹریولز کے مالک اور پیپلز پارٹی کے رکن زمان صاحب کو اپنے گھر میں بلایا۔ ملک شفیق، لیاقت، تصدق حسین اور دوسرے لوگوں نے مجھے شام 4 بجے سے رات 10 بجے تک کشمیر کے سوال پر طویل بحث میں الجھائے رکھا۔ ظاہر ہے کہ جس وقت لیوٹن سے 90 میل دور برمنگھم میں مہاترے کو اغوا کیا جا رہا تھا اس دوران امان اللہ خان نے مجھے اور افضل طاہر کو پانچ چھ افراد کی تحویل میں رکھنے کی سازش کر رکھی تھی۔ جمعہ کے روز بھی اس نے مجھے اور افضل کو اپنے گھر میں نہیں رہنے دیا ملک شفیق کے یہاں بھیج دیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ امان اللہ خان اس بات کا ثبوت رکھنا چاہتا تھا کہ افضل اور میں اس جرم میں ملوث نہیں تھے۔ اس نے خود اس کا اظہار کیا تھا۔ ختم ہفتہ والے دن ملک شفیق کے گھر سے واپسی پر اس نے ہمیں بتایا کہ ہندوستانی ہائی کمیشن کے اسسٹنٹ ہائی کمشنر رویندر مہاترے کو کچھ لوگوں نے برمنگھم میں اغوا کر لیا ہے اور انہوں نے مجھے ایک خط لکھا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ان کے مطالبات کی تکمیل کے لئے میں رابطہ کا کام کروں۔ سنیچر کے روز پولیس آ گئی۔ اس نے میرے بارے میں بھی دریافت کیا اور چلی گئی۔ اگلی صبح اتوار کے روز تقریباً 11 بجے ایک نوجوان امان اللہ کے گھر آیا۔ یہ مسرت اقبال ملک تھا جو مہاترے کے اغوا میں بھی شامل تھا۔ جس وقت امان اللہ خان اور میں اس کے مکان سے نکلے تو اس نوجوان نے بتایا کہ پولیس صدیق مرزا کے گھر میں جہاں مہاترے کو رکھا گیا تھا، پہنچنے ہی والی تھی۔ اس نے امان اللہ خان سے ہدایات طلب کی۔ امان اللہ خان نے ایک منٹ کی بھی تاخیر نہیں کی اور کہہ دیا "گولی مار دو اور اسکی لاش کہیں پر بھی پھینک دو۔ کیونکہ اگر ہم پکڑے گئے تو

تباہی آجائے گی اور ہم سب ملوث کر لئے جائیں گے۔" میں نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "امان صاحب گولی مارنے کا مطلب صورتحال کو مزید خراب کرنا ہوگا۔ اس کو آزاد کیوں نہ کر دیا جائے۔ اس طرح اگر لوگ پکڑے گئے تو ان پر صرف اغواکاری اور یرغمال بنانے کا ہی الزام لگے گا قتل کا نہیں۔ قتل کی صورت میں ہندوستان انتقام لے گا۔ بٹ صاحب پھانسی کی کوٹھڑی میں بند ہیں۔ سب سے اہم یہ ہے کہ اگر آپ کو یہی سب کرنا تھا تو مجھ کو یہاں بلانے اور طیارہ کے اغوا کا منصوبہ تیار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟"

اتوار کو تقریباً دو بجے سہ پہر پولیس پھر امان اللہ خان کے گھر پر آگئی۔ وہ مجھ کو اور امان اللہ کو پہلے لیوٹن اور پھر برمنگھم کے پولیس تھانہ میں لے گئی جس کا نام اسٹیل ہاؤس (فولاد گھر) ہے۔ وہاں مجھے بدھوار تک 72 گھنٹے حراست میں رکھا گیا۔ اسکاٹ لینڈ یارڈ کے علاوہ دو ہندوستانی افسروں نے بھی مجھ سے کچھ سوالات پوچھے چونکہ مجھ کو اس معاملے کی جو بھی جانکاری تھی وہ صرف مابعد از اغوا کے واقعات سے متعلق ہی تھی اس لئے میں نے اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش کی۔ البتہ اسکاٹ لینڈ یارڈ اور ہندوستانی اہلکاروں نے جواب میں اس بات پر اصرار کیا کہ جو کچھ بھی ہوا وہ میرے انگلینڈ پہنچنے کے بعد ہی رونما ہوا تھا۔ اتوار کی شام کے 5 بجے جس وقت مہاترے کو ہلاک کیا گیا اس وقت میں پولیس کی حراست میں تھا۔ ہم دونوں کو رہا کر کے لیوٹن لایا گیا جہاں افضل طاہر امان اللہ کے گھر میں موجود تھا۔

مہاترے کے قتل کے بعد مجھے پہلا اندیشہ یہ ہوا تھا کہ مقبول بٹ کو پھانسی دی جا سکتی ہے۔ امان اللہ نے یہ کہہ کر میرے اندیشہ کو دور کرنے کی کوشش کی کہ "ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے۔ اور اس کی گراں ترین املاک بین الاقوامی سطح پر اس کی اعتباریت ہے۔ حکومت ہند مہاترے کے قتل کے جواب میں مقبول بٹ کو کبھی پھانسی نہیں دے گی کیونکہ دنیا اس کو انتقامی پالیسی قرار دے گی اور ہندوستان کی بدنامی ہوگی" امان اللہ کی سیاسی بصیرت کی یہ حد تھی۔ اسی شام بی بی سی کے خبرنامہ کی پہلی سرخی یہی تھی کہ وزیراعظم اندرا گاندھی کی صدارت میں ہندوستانی کابینہ کی میٹنگ نے مقبول بٹ کی سزائے موت کے حکم پر عمل کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے۔

اس خبر پر میرا پہلا ردعمل پرتشدد تھا۔ میں امان اللہ کو کالر سے پکڑ کر چلایا تھا۔ "تم مقبول بٹ کے قاتل ہو میں تمہیں ننگا کر دوں گا" مگر افضل طاہر نے مجھے گھسیٹ کر پرے کیا اور نچلی منزل کے ایک کمرے میں بند کر دیا۔ اس نے یہ کہہ کر مجھے پرسکون کرنے کی کوشش کی کہ اس موقعہ پر میرے جذباتی ہو جانے سے تحریک کو نقصان پہنچے گا اور مقبول بٹ کی شہادت کے نتیجے میں ابھرنے والے جذبات کے لئے بھی نقصان دہ ہوگا۔ اس نے دلیل دی کہ مقبول بٹ کو تو پھانسی ہوگی ہی لیکن اگر میں نے اس شہادت کی ذمہ داری امان اللہ خان پر ڈال دی تو مہاترے کے قتل میں شریک تمام لوگ گرفتار کر لئے جائیں گے اور مقبول بٹ کی قربانیاں رائیگاں ہو جائیں گی۔ میں نے وہ ساری رات روتے اور جلتے ہوئے گذار دی۔

فرنٹ کا پریس کے ساتھ رابطہ

امان اللہ خان نے لندن میں ایک پریس کانفرنس بلائی جس میں افضل طاہر اور میں دونوں موجود تھے اس میں برطانوی ہندوستانی اور پاکستانی نامہ نگاروں نے شرکت کی تھی۔ برطانوی پولیس کی کارروائیوں گرفتاریوں اور تحقیقات وغیرہ بیان کرنے کے بعد اس نے کہا "مہاترے کے اغوا اور قتل کے پیچھے ہندوستانی ایجنسی "را" کا ہاتھ تھا۔ انہوں نے ہی اپنے سفارتکار کو اغوا اور قتل کرنے کی سازش تیار کی تھی۔" میں نے اس کو محتاط رہنے کا اشارہ کرنے کے لئے اپنے پیر کے انگوٹھے سے اس کے پاؤں کو سختی کے ساتھ دبایا۔ ایک نامہ نگار نے سوال کیا کہ اس کے خیال میں ہندوستانی ہائی کمیشن کو اپنے ہی ایک اہلکار کو اغوا کر کے اور پھر اس کو قتل کر کے کیا فائدہ مل سکتا تھا؟ امان اللہ خان نے اپنے بیان کی تائید کے لئے دلائل دینے شروع کر دیئے اور کہا کہ "ہم لوگ کسی کشمیری لبریشن آرمی کو نہیں جانتے اور میں نے تو اس کا نام آج پہلی مرتبہ سنا ہے" اس نے کہا کہ ہندوستان کا اولین مقصد تو یہ ہے کہ دنیا بھر میں لبریشن فرنٹ کی سفارتی اور سیاسی پیشقدمی کو روکا جائے۔ لہذا اس نے لبریشن فرنٹ کا تعلق لبریشن آرمی کے ساتھ اور مہاترے کیس کے ساتھ جوڑنے کا منصوبہ بنایا تھا اور اس طرح ہندوستان لبریشن فرنٹ کو ایک دہشت گرد تنظیم قرار دینے کے لئے راہ ہموار کر دی تھی۔ اس کے بعد انگلینڈ (یو کے) میں بھی اس کو دہشت

گرو قرار دے دیا جائے گا۔ اس نے مزید کہا کہ ہندوستانیوں کے پیش نظر دوسرا اہم مقصد مقبول بٹ کی سزائے موت پر عمل درآمد کرنا ہے۔ اس نے کہا کہ لبریشن آرمی کو لبریشن فرنٹ سے وابستہ کر کے لندن میں موجود فرنٹ کے ہر ایک رکن کو پولیس تھانہ میں بلا کر وارننگ دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی مقبول بٹ کی پھانسی کی خبر کا اعلان بھی کیا جا چکا تھا۔ لیکن ٹائمز آف انڈیا کے نامہ نگار نے پھر بھی سوال کر دیا کہ

"مقبول بٹ 1976ء سے ہندوستان میں پھانسی کی کوٹھڑی میں قید ہے اور اسے 1968ء میں دی گئی سزائے موت کے تحت پھانسی دی جا رہی ہے۔ کیا ہندوستانی اتنے بے وقوف اور پاگل ہیں کہ وہ بین الاقوامی سطح پر اپنے ہی سفارت کار کو اغوا کروا کر قتل کروا دیں اور اس طرح مسئلہ کشمیر کو تازہ کر دیں جبکہ وہ مقبول بٹ کو کسی بھی وقت پھانسی پر لٹکا سکتے ہیں؟" امان اللہ نے وقت ختم ہونے کا بہانہ کر کے سوال کو ٹال دیا۔ افضل اور میں چپ چاپ بیٹھے امان اللہ کے "سیاست دارانہ" جوابات سنتے رہے۔

لندن کے اخبار جنگ نے 9 فروری 1984ء کے شمارہ میں اس پریس کانفرنس کی خبر شائع کی تھی اس میں لکھا تھا کہ "امان اللہ خان کے خیال میں اس قتل کا انتظام ہندوستانی خفیہ ایجنسی نے کیا تھا جو اسی ایجنسی کے ایک اعلیٰ افسر کی تحریر کردہ ایک کتاب کے مطابق اس قسم کے قتل کرواتی رہتی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ پولیس حراست کے دوران پولیس کے ایک افسر نے انہیں بتایا تھا کہ مہاترے قتل کیس پر نظر ڈالیں تو امان اللہ کے بیان سے بہت کچھ آشکار ہو جاتا ہے۔ مہاترے کے قتل کے پلاٹ کے ٹکڑے اکٹھے کر کے جوڑتے ہوئے شہید رہنما مقبول بٹ کی روح اپنی قبر میں بے چینی سے کروٹیں بدل رہی ہو گی"

انجام کار

اس اور پچھلے صفحات میں مہاترے کے اغوا اور قتل سے متعلق واضح طور پر بیان کیے گئے واقعات سے ہٹ کر میں عرض کروں کہ امان اللہ خان کے ساتھ میرے اختلافات ذاتی نوعیت کے نہیں تھے۔ میں نے کسی سیاسی شہرت کی کبھی خواہش نہیں کی اور چونکہ میں شہرت کا خواہشمند نہیں تھا اس لئے میں نے اپنے کارکنوں اور سرگرم ورکروں کا خون کبھی

نہیں بہنے دیا۔ میں نے امان اللہ یا اس کے ورکروں پر فنڈز کے غلط استعمال کا الزام کبھی نہیں لگایا۔ مقبول بٹ کی چوتھی برسی پر میں نے صرف یہ کہا ہے کہ اس کی پھانسی کے متعلق حقائق کے چہرے سے نقاب کو ہٹا دیا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کشمیر لبریشن آرمی خود امان اللہ خان نے ہی قائم کی تھی اور اس کے تمام کاموں کی تمام تر ذمہ داری اس کی ہی تھی۔ میرے پاس امان اللہ خان کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ایک خط موجود ہے جو اس نے انگلینڈ کے شہر لیوٹن سے 5 اپریل 1983ء کو میرے اور ڈاکٹر فاروق حیدر کو تحریر کیا تھا۔ یہاں یہ بھی ذکر کر دیا جائے کہ جس وقت ایک برطانوی عدالت میں امان اللہ خان پر یورپ میں دہشت گردی پھیلانے کا مقدمہ چل رہا تھا اس وقت میں ہالینڈ میں تھا اور یہ خط میری تحویل میں تھا۔ میں انتقامی سیاست میں یقین نہیں رکھتا ورنہ اگر میں نے یہ خط برطانوی عدالت کو دے دیا ہوتا تو امان اللہ کو ہمیشہ کے لئے ملک بدر کیا جاتا بلکہ وہ اس کی جیلوں میں سڑ رہا ہوتا۔ اگر امان اللہ کے اس دستی خط کی عکسی تصویر اس کتاب میں شامل ہے۔ پھر بھی اپنے بیان کی صداقت کا قائل کن ثبوت دینے کے لئے ہم اس خط کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں۔

"آپ کی اطلاع کے لئے بتا دوں کہ مرکزی عاملہ کمیٹی کی 13 جنوری والی میٹنگ میں مجھے ورکنگ کمیٹی سے یہ اختیار حاصل ہو گیا تھا کہ میں تحریک آزادی میں تیسرا عنصر (مسلح جدوجہد) داخل کرنے کے لئے جو قدم بھی قابل عمل سمجھوں اسے اٹھا سکتا ہوں۔ ہمارا برمنگھم والا مشن جو واقعی اثر دار تھا اسی فیصلہ کا ایک حصہ تھا۔ اب صورت یہ ہے کہ آپ لوگوں کو بھی سختی کے ساتھ ان معاملات کو محدود رکھنا ہو گا۔ یہ شاخ رسمی اور باقاعدہ طور پر لبریشن فرنٹ کا حصہ نہیں ہے اور اس کو (سردست) کشمیر لبریشن آرمی (کے ایل اے) کا نام دیا گیا ہے۔ اس کی رکنیت انتہائی احتیاط کے ساتھ قبول کی جائے گی اور وہ بھی خون کے ساتھ حلف پر دستخط کرنے کے بعد کسی کو ممبر بنایا جائے گا۔ میں نے باقاعدہ طور پر آپ دونوں اور مظفر کو اس میں شامل کر لیا ہے۔ خون میں لکھی ہوئی خفیہ دستاویز مجھے بھیج دی جائے لیکن انتہائی احتیاط کے ساتھ۔ اگر آپ مناسب سمجھیں تو اشرف، عارف کمال اور دوسروں کو بھی اس میں شامل کر لیں۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ تینوں اس پر رضامند ہوں۔ یہ

معاملہ (لبریشن آرمی) لبریشن فرنٹ سے الگ ہے اور فرنٹ کے فنڈ اس کے لئے استعمال نہیں کئے جائیں گے۔ کیونکہ فرنٹ کے فنڈ کا حساب کونسل میں پیش کیا جاتا ہے اور اس میں ہونے والے اخراجات کونسل کے سامنے پیش نہیں کر سکتے ...... عسکری بازو کو لازمی طور پر سیاسی بازو سے الگ رکھنا ہوگا۔ جس طرح فرنٹ کے ناظم متین انصاری صاحب نیشنل لبریشن فرنٹ کے رکن نہیں ہیں، اسی طرح لبریشن فرنٹ کے کئی سینئر ممبر بھی نہ تو اس کے رکن ہیں اور نہ ہی انہیں اس کی تفصیلات کے بارے میں کوئی علم ہے۔ لیکن فرق صرف یہ ہے کہ محاذ رائے شماری کی قیادت کو این ایل ایف کی مسلح جدوجہد سے الرجی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کے۔ ایل۔ کے ہائی کمان کے علم اور اجازت سے وجود میں آئی۔ اس کی تین آپریشنل، مالی اور رابطہ شاخیں ہیں۔ آپریشن یعنی کارروائی کرنے والی شاخ میں شامل لوگوں کو کارروائی سے متعلق صلاحیتوں کے علاوہ سیاسی تربیت بھی دینی ہوگی ورنہ انہیں صرف کرائے کے سپاہی سمجھا جائے گا ...... دیگر مصروفیات کی بدولت ...... میں اس ڈھانچہ پر تحقیق سے کام نہیں کر سکا لیکن مستقبل میں یہ بہت کڑا اور سخت ہوگا۔ بٹ صاحب کو درپیش خطرات کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہوں نے این ایل ایف سے شروعاتی فیصلوں پر پوری طرح عمل نہیں کیا تھا (مراد یہ کہ این ایل ایف کے ممبروں کی بھرتی میں مکمل طور پر سخت احتیاط اور توجہ کی۔ 1998 میں پیدا ہونے کا ایک خصوصی شخص ممبر بن گیا تھا اور اسی نے کشمیر میں ہندوستانی فورسز کی رہنمائی کی تھی۔ اس نے فورسز کے لئے اس مکان کی نشاندہی کی تھی جس میں بٹ صاحب پوشیدہ تھے ...... اگر آپ کو کوئی ایسا شخص ملے جو لبریشن فرنٹ کا ممبر نہ ہو لیکن کے ایل اے کا ممبر بننا چاہتا ہو تو آپ کو پہلے اس کو لبریشن فرنٹ میں شامل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے اور اس کے بعد کے۔ ایل۔ اے میں لانا چاہئے ورنہ مشکلات پیدا ہو جائیں گی اور ان سے تنظیم کا مکمل کنٹرول نہیں ہو سکے گا ...... میری خواہش ہے کہ کچھ لوگ یہاں آجائیں۔ وہ شاید برطانیہ میں نہیں آسکیں گے۔ البتہ دوسرے یورپی ممالک میں آسکتے ہیں۔ لیکن وہ بھی عارضی طور پر مستقل رہائش یا روزگار کے لئے نہیں۔ کچھ مالی مجبوریاں ہیں جو بھی یہاں آئے وہ لازمی طور پر کے۔ ایل۔ اے کا ممبر ہونا چاہیے۔ میں عسکری بازو کو نیشنل لبریشن فرنٹ کا نام دینا چاہتا تھا لیکن اس میں عملی دشواریاں ہیں۔ لہذا اس کا نام کے۔ ایل۔ اے رکھا گیا ہے۔

کراچی والے جی ایم میر کے پاس کچھ اچھی خبر ہے۔ (سرینگر ٹائمز کے مطابق) اون نے کہا ہے کہ گنگا کے اغوا کا پروگرام ہندوستان نے تیار کیا تھا اور نہ ہی پاکستان نے بلکہ یہ ہاشم اور اشرف کی ذاتی مہم تھی۔ اگر ہاشم اور اشرف کی بجائے یہ کام این ایل ایف نے کیا ہوتا تو بہت زیادہ بہتر ہوتا ...... امان اللہ خان"

کشمیر لبریشن آرمی جس کے کارکنوں کی مہاترے کے قاتلوں کے طور پر پہچان ہوئی ہے اس کی بھی کہانی ہے کے۔ ایل۔ اے کی تخلیق میں امان اللہ خان کے رول کا اس کے اپنے ہاتھ سے لکھے گئے الفاظ سے زیادہ قابل اعتبار اور قائل کرنے والا اور کوئی ثبوت نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ ہے کہ وہی امان اللہ اپنی کتاب "جہد مسلسل" میں محض مقبول بٹ کی پھانسی کا باعث بننے کا کے الزام سے بچنے کے لئے کے۔ ایل۔ اے کے بارے میں مکمل لاعلمی کا اظہار کرتا ہے۔ ہم ان کی کسی کتاب سے درج ذیل اقتباس نقل کر رہے ہیں جو صفحہ نمبر 150-51 پر موجود ہے۔

"1982ء اور 1983ء میں بٹ صاحب کی رہائی کے لئے جاری کوششوں میں ہم نے بھی اپنا حصہ ادا کیا تھا۔ 1982ء میں ہم نے نئی دلی میں ایک مہم کی کوشش کی جس نے حکومت ہند کو پاگل کر رکھ دیا۔ بہر حال ہم مقبول بٹ کی رہائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ جرات، رندانہ والی ایک اور مہم بھی ناکام ہو گئی۔ اس ناکامی کی وجہ کچھ حد تک کارکنوں کے مابین غلط فہمی تھی۔

دوسری طرف لبریشن فرنٹ کے کچھ اراکین نے میری اور تنظیم کے علم و اجازت کے بغیر کشمیر لبریشن آرمی نام کی ایک خفیہ جماعت قائم کر لی۔ اور برمنگھم سے ہندوستان کے اسسٹنٹ ہائی کمشنر کو اغوا کر لیا۔ اغواکاروں نے اعلان کیا کہ اگر حکومت ہند نے مقبول بٹ اور ان کے ساتھیوں حامد ریاض اور ہندوستانی انتظام والے دیگر مجاہدین آزادی کو 24 گھنٹے کے اندر رہا نہ کیا تو مہاترے کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ یہ اطلاع ملنے کے فوراً بعد میں نے اس معاملہ پر سنجیدگی کے ساتھ غور کیا اور اس مسئلہ کا کوئی حل نکالنے کے لئے ہندوستانی ہائی کمشنر سے رابطہ قائم کرنے کی بہت کوشش کی۔ مگر اس نے یہ کہہ کر مجھ سے بات کرنے سے انکار کر دیا کہ امان اللہ خان کے ساتھ بات کرنے کا مطلب لبریشن فرنٹ کو

تسلیم کرنا ہوگا۔ ہندوستانی ہائی کمیشن مسئلہ پر گفتگو کرنے سے مسلسل گریز کرتا رہا۔ پھر اگلے دن زبیر انصاری، ہاشم قریشی مجھے اور لبریشن فرنٹ کے کچھ دوسرے کارکنوں کو گرفتار کیا گیا۔ اس کی وجہ سے میری کوشش ختم ہو گئی۔ دوسری طرف 24 گھنٹے کی میعاد 54 گھنٹے تک بڑھانے کا بھی کوئی رد عمل نہیں ہوا۔ مہاترے کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس کے متعلق اطلاع مجھ کو پولیس نے تھانہ کے اندر حراست کے دوران دی۔ پولیس حراست سے رہائی کے تھوڑی دیر بعد زبیر الحق نے ہائی کورٹ میں میری گرفتاری کے خلاف رٹ داخل کر دی۔

مجھے اور ہاشم قریشی کو 72 گھنٹے کے بعد عدالتی حکم کے تحت رہا کر دیا گیا۔ اسی رات کو بی بی سی نے اپنی خبروں میں اعلان کیا کہ حکومت ہند نے 11 فروری 1984ء کو مقبول بٹ کو پھانسی دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس خبر نے مجھ کو توڑ کر رکھ دیا۔ اس وقت ہاشم قریشی اور افضل طاہر بھی میرے پاس تھے۔ 9 فروری کو میں نے لندن میں ایک پریس کانفرنس کی۔ اس میں میں نے کہا کہ مقبول بٹ کو ناکردہ گناہوں کی پاداش میں پھانسی پر لٹکایا جا رہا ہے۔ مہاترے کے اغوا میں اس کا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔ بٹ صاحب کے وکیل مظفر بیگ نے مہاترے کے قتل کے فوراً بعد جلدی میں سزائے موت پر عمل درآمد کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی مگر اس کو نامنظور کر دیا گیا۔ (جہد مسلسل از امان اللہ خان مطبوعہ 1992ء، صفحات نمبر 150 وغیرہ۔"

آخر میں یہ کہنا چاہئے کہ مہاترے کے قتل سے سخت رنج ہوتا ہے کیونکہ وہ بے قصور اور معصوم شخص تھا۔ جس کو کسی بھی گناہ کے بغیر اپنی قیمتی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس کے ساتھ ہی مقبول بٹ کو بھی ناکردہ گناہوں کی سزا دے دی گئی تھی۔ ان کا واحد جرم، اگر اسے جرم کہا جا سکتا ہے تو یہ تھا کہ ان کو کشمیر اور کشمیر کے عوام کے ساتھ عشق تھا۔ پھانسی سے ایک روز پہلے مقبول بٹ نے کہا تھا

"مجھے ایسے قتل کے لئے سزا دی جا رہی ہے جو یہاں سے آٹھ ہزار میل دور کیا گیا اور جس میں میں بالکل ملوث نہیں ہوں۔"

ہمیں انتقام کی سیاست کو بند کرنا ہوگا اور جدوجہد آزادی کے نام پر معصوم افراد کو

ہست و نابود ہونے کے کنارے پہنچا دینے کے کھیل کو بھی ختم کرنا ہوگا۔ یہ کہنا چاہئے کہ مہاترے کے قتل والے کیس میں جن لوگوں کو سزائے عمر قید دی گئی تھی (ان میں سے دو شخص اب بھی جیل میں ہیں) ان کو بھی امان اللہ کی سیاست کے گندے کھیل میں استعمال کیا گیا تھا۔

مہاترے کیس کا میں نے 1985ء میں لبریشن فرنٹ کی مرکزی کمیٹی میں انکشاف کیا تھا لیکن عوام کی نظروں کے سامنے اس کو 1988ء میں لایا گیا۔ پاکستان کے اخبارات نے 1990-91ء میں اس کی پوری داستان شائع کی تھی۔ کشمیر اور پاکستان میں وہ تمام لوگ جو 1994ء تک امان اللہ خان کے ساتھ تھے اس کہانی سے پوری طرح واقف تھے اگرچہ وہ کبھی کبھی "مقبول بٹ زندہ باد" کا نعرہ بھی لگاتے رہتے تھے۔ جب انہیں کارکنوں پر ذاتی مفادات اور خود نمائی کا جذبہ حاوی ہو گیا تو انہوں نے ہی لبریشن فرنٹ کو پارہ پارہ کر دیا تھا۔ اگر کشمیری کارکنوں نے امان اللہ خان کی احمقانہ مہم پسندی اور آئی ایس آئی کے ساتھ اس کی ساجھے داری کی وجہ سے مقبول بٹ کی پھانسی کے فوراً بعد اس کو رد کر دیا ہوتا تو کشمیر اس مسلسل خون سے بچ گیا ہوتا جو اس کے نوجوانوں پر تھوپا گیا تھا۔

☆☆☆☆

باب نمبر 3

قوم کشمیر۔ بقا اور آبرو کے لئے لوازم

کشمیری قوم کو تلخ تجربہ ہو چکا ہے۔ میرے سامنے کشمیر کے چند اخبارات پڑے ہیں۔ جن میں سے ہفت روزہ چٹان کے ایڈیٹوریل میں لکھا ہے کہ "ایک ایسے مرحلے پر جب کشمیریوں کا قومی وجود داؤ پر لگا ہوا ہے پاکستان کا میدان سے فرار کشمیریوں سے دھوکہ دہی اور غداری کے مترادف ہوگا۔ گزشتہ دو سال کے حالات و واقعات کا جائزہ لینے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پاکستان نے کشمیری نوجوانوں کی مدد کشمیریوں کو آزاد کرانے کے لئے نہیں بلکہ بھارت کو پریشان کرنے کے لئے شروع کی تھی کچھ نوجوانوں کو وہاں ایسی کارروائیوں کی ہدایت دی گئی جن سے صرف کشمیریوں کو نقصان اٹھانا پڑا اور تحریک مزاحمت کا کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔ بلکہ وادی میں گروہ بندی کی ذمہ داری بھی پاکستانی حکام پر عائد ہوتی ہے۔ پاکستانی لیڈروں کے رویہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں کشمیریوں کی بقاء سے نہیں بلکہ اپنے سیاسی مفادات سے دلچسپی ہے جس کے لئے مسئلہ کشمیر کا بے دریغ استعمال کیا جارہا ہے۔

ہفت روزہ چٹان کے بعد چھ روزہ "جنگ" سرینگر میں ایک مضمون "کشمیر کا تقاضہ" کے عنوان سے لکھا گیا ہے جس میں قومی آزادی کے لئے جدوجہد پر زور دیا گیا ہے کہ اس سال کے اوائل میں سرینگر میں 15 لاکھ لوگوں کا پرہجوم مظاہرہ ہوا تھا۔ اس مرحلے پر ایسا ہی ایک اور مظاہرہ ایک سال کی اس اذیت ناک اور کربناک لڑائی سے زیادہ بہتر نتائج کا حامل ہو سکتا تھا جو موجودہ طرز پر وادی کے گلی کوچوں میں لڑی جائے گی۔ اور پھر



ہاشم قریشی۔ ایمسٹرڈم 1998

آگے چل کر لکھا ہے کہ فی الحال کشمیری عوام کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے مطالبے کی عوامی حیثیت کا بین الاقوامی سطح پر اعادہ کریں اور بندوق کو ایک ناگزیر جزوقتی ضرورت کا درجہ دیں۔"

مندرجہ بالا حوالہ جات کا مقصد صرف یہ تھا کشمیری قوم اور حریت پسندوں کو یاد دلایا جائے کہ موجودہ تحریک مزاحمت کی ابتداء سے ہی میں نے اپنے طویل تجربوں کو پاکستان کے حکمرانوں، سیاستدانوں اور "آزاد کشمیر" کی بھانت بھانت کی سیاسی پارٹیوں اور حکمرانوں سے حقیقی واقفیت ہونے کی وجہ سے ہی اصل حقائق اور آزادی کے اصل تقاضوں کے بارے میں خبردار کرتا رہا، میں نے کسی بھی وقت جذبات میں بہہ کر سچائی کا راستہ نہیں چھوڑا اگر کشمیری قوم اور دانشور 1988ء سے میرے آرٹیکل اور مضامین کا مطالعہ دوبارہ کریں تو ان کے سامنے یہ حقیقت آجائے گی کہ کشمیر کے صحافیوں، حریت پسندوں اور عوام نے جو تجربات دو سال کی کربناک اور لہو لہان جدوجہد کے بعد حاصل کئے ہیں، ان تجربات کا تذکرہ میں جدوجہد کی ابتداء میں ہی کرتا رہا کہ ہم اپنی منزل آزادی سے بھٹک کر کسی کے مفادات کی بھینٹ نہ چڑھیں مگر بد قسمتی یہ ہے کہ میرے مشوروں پر غور کرنے اور منصوبہ بندی کرنے کے بجائے میری سچائی اور میری جدوجہد پر الزامات کی بارش کر دی گئی لیکن چونکہ میں سچا تھا اور سچا ہوں اسی لئے آج کشمیر کے در و دیوار وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو میں عرصہ دو سال سے کہہ رہا تھا۔

کشمیری نوجوانوں کو اس بات پر غور کرنا ہو گا کہ کسی منصوبہ بندی اور دور بینی اور کسی ہمدرد طاقت کی مکمل امداد کے بغیر چند بندوقوں کو ہی آزادی حاصل کرنے کی ضمانت سمجھنا حقائق اور تحریک آزادی کے اصل تقاضوں سے لاعلمی ہو گی اگرچہ اس بندوق کی ابتداء کرنے والے ہم ہی تھے کہ قائد انقلاب شہید مقبول بٹ کی لازوال قائدانہ صلاحیتوں کے تحت ہم نے بندوق سے آزادی کی جنگ جیتنے کی ابتداء کی تھی کیونکہ اس دور میں سامراج اور اس کے حواری بندوق کی زبان ہی سمجھتے تھے اور پھر دنیا کی عوامی رائے عامہ بھی کسی غلام قوم کی جدوجہد آزادی کو بندوق کی زبان سے نہ صرف پہچان لیتی تھی بلکہ تیسری دنیا کے اکثر ممالک جو خود طویل خونریز جدوجہد کے بعد آزادی حاصل کر چکے

تھے اس جدوجہد میں مظلوم اور آزادی کی جنگ لڑنے والی قوموں کی حمایت کرتے تھے اور پھر کشمیر کے ارد گرد کے حالات و واقعات بھی ہماری تحریک آزادی کے حق میں جاتے تھے مثلاً چین ہندوستان کا جانی دشمن بن چکا تھا اور روس اور ہندوستان کی گہری دوستی کی وجہ سے امریکہ بھی ہندوستان سے ناراض تھا کیونکہ امریکہ اور روس کے درمیان دنیا میں اپنی چوہدراہٹ یا تھانے داری قائم کرنے کی دوڑ لگی ہوئی تھی جبکہ چین کی طرف سے اس وقت ہمیں مکمل حمایت بھی مل چکی تھی لیکن یہ کشمیری قوم کی بدقسمتی ہی کہی جا سکتی ہے کہ اس وقت پوری قوم شیخ عبداللہ اور اس کے بیٹے کی سیاسی جادوگری اور شیر بکری کے فسادات میں الجھ گئی تھی اور قوم کی اس لاپرواہی سے کشمیر کے اندر صدیوں کے بعد پیدا ہونے والے عظیم سپوت مقبول بٹ شہید کو چند "مفاد پرستوں" نے ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا۔ لیکن اس کے باوجود ہم نے تاریخ سے سبق حاصل نہیں کیا کیونکہ اس تحریک کو کنٹرول کرنے والے اور امداد دینے اور ہدایت دینے والے اصل میں کشمیری قوم کے نہ کبھی ہمدرد اور وفادار رہے ہیں اور نہ رہ سکتے ہیں۔ اس لئے تحریک مزاحمت کی مکمل منصوبہ بندی کے بجائے مساوات اور وقتی جذباتی عمل کو ترجیح دی گئی ورنہ ارد گرد کے حالات اور بین الاقوامی صورت حال کو ہر صورت میں مد نظر رکھ کر تحریک کو چلایا جاتا کیونکہ آج بندوق کی آواز سے زیادہ موثر اور قابل توجہ آواز بین الاقوامی سطح پر عوامی احتجاج کو سمجھا جاتا ہے جبکہ بندوق کو دہشت گردی کا نام دے کر ریاست کو کچلنے کے تمام جائز اور ناجائز حربے استعمال کرنے کی اجازت خاموش رہ کر دی جاتی ہے البتہ میں اس بات سے اتفاق ضرور کرتا ہوں۔ کہ کشمیر کے اندر بندوق کی ضرورت تھی تاکہ عوام کے جذبہ حریت کو بیدار کیا جاتا مگر جب کسی بھی تحریک کو عوامی حمایت حاصل ہوتی ہے تو تحریک کے میر کاروانوں کے لئے یہ لازم ہوتا ہے کہ آپ لمحہ لمحہ اپنی تحریک مزاحمت کی منصوبہ بندی کریں تمام گروپ اور پارٹیاں فوجی ہیڈ کوارٹر کا روپ دھار کر دشمن کی پالیسی "دوستوں کی دھوکہ دہی" اپنے نقصانات دو دشمن کے لئے عوام کی سوچ اور عوام کے اقتصادی مسائل اور عوام کو طویل عرصہ کے لئے تحریک مزاحمت میں شامل رکھنے کی منصوبہ بندی اور دیگر معاملات کو مدنظر رکھ کر پالیسی بناتے تو آج مسئلہ کشمیر بین الاقوامی سطح پر "ہندوستان کے اندر مسلمان کی انتہا پسندی اور دہشت گردی اور پاکستان کی مدد سے پیدا کردہ ایک لا اینڈ آرڈر کا مسئلہ نہ بنا ہوا

ہو تا بلکہ کشمیریوں کی قومی آزادی کو جدوجہد کے طور پر پہچانا جاتا" ہمیں اس مرحلے پر جس بات کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ ہم بحیثیت ایک قوم کے دو سالہ جدوجہد کا محاسبہ کریں۔ اپنی غلطیوں اور اپنی کامیابیوں کا موازنہ کریں اپنے نام نہاد دوستوں کے مفادات کا کھیل سمجھ کر ان کے دو سالہ اعمال کو انصاف اور حق کے ترازو میں تول کر اپنی تحریک آزادی کو اپنے بھروسے اور عوامی وسائل کی بنیاد پر منظم کریں اور ریاست سے باہر محفوظ مقامات پر تحریک کے دعوے داروں کو مسترد کریں کیونکہ تحریک مزاحمت کے دائرے سے باہر رہنے والا فرد یا لیڈر شپ قطعی طور پر درست فیصلے جو بھی قوم اور ملک کے لئے بہتر ہوں، بھی نہیں کر سکتے کیونکہ وہ اپنے ارد گرد آگ اور خون کے کھیل کو نہیں دیکھتے بلکہ وہ اپنی ذات، اپنی نیابت اور اپنی لیڈر شپ اور اپنے مفادات کو مد نظر رکھ کر فیصلہ کریں گے۔ خواہ وہ فیصلہ وادی کے اندر، تحریک کے لئے انتہائی نقصان دہ کیوں نہ ہو جیسے مشیر الحق کے قتل کے وقت نیویارک میں اس قتل کی ذمہ داری قبول کرنے کا امان اللہ خان کا فیصلہ تھا جس کی بنیاد پر تحریک مزاحمت کو پوری دنیا میں قبولیت ہونے کے باوجود یکدم پوری دنیا نے یونیورسٹی کے وائس چانسلر جیسی علمی اور ادبی شخصیت کو قتل کرنے پر اسے دہشت گردی کا نام دیا اور ہندوستان نے طویل کرفیو نافذ کر دیا۔ بہر حال باہر سے تحریک آزادی کی قیادت کو مسلط کرنا تحریک آزادی کے بنیادی تقاضوں کے خلاف ہے، قیادت جنگ لڑی جانے والی سرزمین پر ہی موجود ہوتی ہے جو ارد گرد کی حالت لمحہ لمحہ بدلنے والی صورت حال، لوگوں کے مسائل اور اپنی طاقت، وسائل اور بدلتی ہوئی دشمن کی حکمت عملی کو مد نظر رکھ کر فیصلے کریں، ہاشم قریشی ہالینڈ میں یا مظفر آباد یا راولپنڈی میں تحریک مزاحمت کے بارے میں کوئی بھی درست فیصلے نہیں کر سکتا جو فیصلہ یاسین ملک یا اعظم انقلابی یا حمید شیخ جدوجہد کے میدان میں رہ کر کر سکتے ہیں وہ باہر بیٹھ کر نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے قیادت جدوجہد کے دوران، جدوجہد کے اندر سے ابھرنی چاہئے اور حقیقی کنٹرول بھی اسی قیادت کے ہاتھ میں ہونا چاہئے دوسرا اہم اور فوری توجہ طلب مشورہ یہ ہے کہ وادی کے اندر سے 10 سال کی عمر سے لے کر بچے اور نوجوان تربیت کے لئے بارڈر کراس کر کے مظفر آباد اور گلگت وغیرہ جانے کی کوشش کرتے ہوئے جنگ بندی لائن پر بے دریغ شہید ہو رہے ہیں اس سلسلے میں تحریک مزاحمت کی قیادت کرنے والوں اور قوم کے ساتھ پیوند تعلق رکھنے

چاہتا ہوں کہ تربیت کے حوالے سے مظفر آباد یا کہیں اور یہ 9 دن سے لے کر ایک ہفتے کی کلاشنکوف اور گرینیڈ کی تربیت دی جاتی ہے اور ایک ہفتے کے بعد اگر واپس وادی میں "تربیت" دینے کے بعد بھیج دیا جائے تو بے شک حریت پسندوں کو چھ ماہ بھی کیمپوں میں بسر کرنے پڑتے ہیں اور مزید کوئی تربیت نہیں لیتے کیونکہ ان کو آٹھ دن سے زیادہ تربیت نہیں دی جاتی ہے جبکہ جدید ٹریننگ لے کر ہی مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ اور جو لوگ صرف آٹھ دن کی تربیت دے کر ہندوستان کی آرمی کے مقابلے میں کشمیری نوجوان کو لے آتے ہیں، کہیں وہ اپنے مفادات کا کھیل تو نہیں کھیل رہے ہیں کہ کشمیری قطعی طور پر مکمل تربیت حاصل نہ کر سکیں کیونکہ اگر کشمیری مکمل تربیت حاصل کر کے جدید اسلحہ سے لیس ہو کر ہندوستان جیسی طاقت کو شکست دیں گے تو اس کے بعد پاکستان کو بھی شکست دینا مشکل نہیں ہو گا یہی وجہ ہے کہ نوجوانوں کو صرف چند دنوں کی تربیت کے بعد وادی میں واپس بھیج دیا جاتا ہے۔ 10 اور 15 کے گروپ میں صرف ایک یا دو آدمیوں کو پستول یا کلاشنکوف دی جاتی ہے کہ "باقی اسلحہ وادی میں ملے گا" اور جب یہ بارڈر کراس کرتے ہوئے سیکورٹی فورسز یا آرمی کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں تو ان حریت پسندوں کے پاس مقابلہ کرنے کے لئے اسلحہ نہیں ہوتا اور یوں وہ مادر وطن پر اپنے "دوست نما دشمنوں کے مفادات کی وجہ سے شہید ہو جاتے ہیں۔ مثلاً 23 جولائی 1990ء کو 30 حریت پسند بارڈر کراس کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ پھر 6 ستمبر کو 12 معصوم کشمیری بارڈر کراس کرتے ہوئے شہید ہوئے 16 اور 15 اکتوبر کو 17 حریت پسند شہید کر دیے گئے اور دسمبر کے مہینے میں 38 کے قریب شہیدوں کی لاشیں برف میں دبی ہوئی پائی گئیں اور پھر جنوری کے پہلے ہفتے میں دس سالہ بچے سمیت تین نوجوان بارڈر کراس کرتے ہوئے شہید کر دیے گئے۔ یہ آٹے میں نمک کے برابر مثالیں ہیں نہ جانے کتنی ماؤں کے لال اور جگر گوشے، کتنی ہی جوان بہنوں کے پیارے بھائی اور کتنے والدین کے بڑھاپے کے سہارے اور کتنی ہی سہاگنوں کے سہاگ اور کتنے ہی معصوم بچوں کے باپ بارڈر کراس کرتے ہوئے اندھی گولیوں کا نشانہ بنے، کس لئے؟ صرف آٹھ دن کی ٹریننگ کے لئے؟ کیا وادی میں یہ خون ناحق روکنے والا کوئی نہیں ہے؟ کشمیریوں کے درد اور دکھ اور ان کے مقدس لہو کا تحفظ کرنے والے ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی عصمتوں کا محافظ کوئی نہیں رہا؟ کشمیر کے اندر لیڈری کی دعویدار اور

قوم کے غمگسار کیوں سرحد پار دل و دماغ اور جد و جہد کو رکھے ہوئے ہیں اور پھر کشمیر کے حریت پسند اپنی قوم کو مظفر آباد کے کیمپوں میں مقیم ان پانچ ہزار حریت پسندوں کی حالت زار سے آگاہ کیوں نہیں کرتے جو حالت بقول جاوید میر کے "مظفر آباد میں حریت پسندوں کی حالت بھکاریوں جیسی ہے۔ سردی سے بچنے کے لئے گرم کپڑے نہیں ہیں۔ پاؤں میں جوتی نہیں ہے، پیٹ بھر کے کھانا نہیں ملتا" یاد رہے کہ جاوید میر صاحب چیف آف دی لبریشن فرنٹ نے 29 دسمبر کو مجھ سے 50 منٹ فون پر بات کر کے یہ کیفیت بیان کی بلکہ اب بہت سے ذرائع اس بات کی بھی تصدیق کر چکے ہیں کہ شہادت اور آزادی کے جذبوں سے سرشار کشمیری گھرانوں کے لاڈلے اب مایوسی کا اس قدر شکار ہو چکے ہیں کہ وہ چرس اور دوسری نشہ آور چیزیں استعمال کرنے لگے ہیں جبکہ پاکستانی صحافی کشمیر سے بھارت کا قبضہ اس لئے لینا چاہتے ہیں تاکہ بھارت کو سلال ڈیم اور وولر بیراج بنانے سے روکنے کے علاوہ دریائے سندھ کو بھی بچایا جائے؟ اور پھر حریت پسندوں کی مایوسی کی انتہا تو اس وقت یعنی دسمبر کے تیسرے ہفتے میں سامنے آئی جب کشمیری حریت پسندوں نے مظفر آباد کے گلی کوچوں میں زبردست مظاہرے کئے، جماعت اسلامی، پیپلز لیگ، حزب مجاہدین اور لبریشن فرنٹ امان اللہ کے دفاتر توڑ پھوڑ دیئے اور ایک سینما پر پتھراؤ کیا اور اگلے روز سردار قیوم نے مسلم کانفرنس کے ذریعہ حریت پسندوں کے خلاف جلوس نکلوایا اور حریت پسندوں کے خلاف نعرے لگوائے کہ ان کو نکالو یہاں سے جبکہ حریت پسندوں نے پاکستان اور آزاد کشمیر کی حکومتوں کے خلاف نعرے لگائے تھے کہ کشمیر کے شہیدوں کے لہو سے غداری نہ کرو (اس سلسلے میں روزنامہ جنگ لندن میں حامد میر کا مضمون شائع ہوا 8/ جنوری 1991ء کو جو اس آرٹیکل کے ساتھ منسلک ہے)۔ اس لئے آنکھیں بند کر کے اپنے ذاتی مفادات کے کھیل کے لئے کشمیری لہو کو مت بیچئے وہ تربیت کے بہانے مفادات کے کھیل کی بھینٹ نوجوانوں کو چڑھانا بند کرو وہ تربیت جو چار دن کی مظفر آباد میں ملتی ہے اگر وہی تربیت دے کر آرمی کے ہاتھوں کشمیری قوم کی نسل کشی کروانی ہے تو وادی کے اندر وہ تربیت سینٹر ارا کین بھی دے سکتے ہیں تاکہ بارڈر کراس کرتے ہوئے جو کشمیری لہو، دشمن کو کوئی نقصان پہنچائے بغیر پہاڑوں، ندی نالوں اور جنگلوں میں بہایا جا رہا ہے وہ بند ہو جائے اور تحریک مزاحمت کی لیڈری کے دعویدار بتائیں کہ جس قدر بارڈر کراس کراتے

ہوئے کشمیری نوجوانوں کو شہید کروا دیا گیا اگر ان شہیدوں میں سے چوتھا حصہ ہی کشمیر کے اندر عوامی مظاہروں کے دوران ہندوستانی سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں شہید ہوئے ہوتے تو ساری دنیا کے عوام اور خود ہندوستان کے عوام ضمیر کی خلش سے کانپ کر ہندوستانی حکمرانوں کے خلاف آواز اٹھاتے جبکہ بارڈر کراس کرنے والے معصوم اور انتہائی قابل فخر قوم کے سرمایہ کشمیری نوجوانوں پر دہشت گردی کا لیبل چسپاں کر کے دنیا کو خاموش کر دیا جاتا ہے کہ "پاکستان سے تربیت پانے والے تخریب کاروں کو ہمارے خلاف استعمال کیا جاتا ہے" کاش کشمیر کے اندر قیادت کرنے والے عناصر ایک جگہ جمع ہو کر خالص کشمیر کے مفادات کے نقطہ نظر سے یہ سوچ کر کہ کشمیری قوم کو "دوستوں" کے مفادات کی بھینٹ نہ چڑھنے دیں گے بلکہ قومی آزادی کی جنگ لڑیں گے۔ اس سلسلے میں میری قوم کو یہ بھی اطلاع ہو کہ جناب اعظم انقلابی صاحب نے چند دن پہلے پاکستان اور آزاد کشمیر کے ارباب اختیار کے رویوں اور پالیسیوں کے خلاف مظفر آباد میں بھوک ہڑتال بھی کی تھی۔

اب آئیں اہم بات کی طرف کہ میں دو سال سے چیخ چیخ کر کہہ رہا ہوں کہ گوریلا جنگ لڑنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنے سے بہت بڑے دشمن کا نقصان اپنے سے دس گنا زیادہ کرتے ہیں کیونکہ دشمن باہر سے آیا ہوتا ہے جبکہ آپ اپنے وطن سرزمین کے چپے چپے سے واقف ہوتے ہیں چونکہ آپ آزادی کی جنگ لڑ رہے ہوتے ہیں اور وہ بھی طاقتور اور تربیت یافتہ اور تعداد میں اپنے سے اسی فیصد گنا بڑے دشمن سے لڑ رہے ہیں اس لئے آپ دشمن کی قوت کو جنگلوں، پہاڑوں، ندی نالوں اور ایسی وادیوں میں اپنا تعاقب کرنے پر مجبور کرتے ہیں جہاں پر آپ اچانک اس پر حملہ کر کے اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ آپ دشمن کی قوت کو بہت بڑے علاقے میں پھیلا کر اپنی پسند کا میدان جنگ چن کر "وار کرو اور بھاگ جاؤ" کے عمل سے بہتر نتائج حاصل کر سکتے ہیں اور دشمن کے پاس پہاڑوں جنگلوں اور غیر آبادی علاقوں میں بے گناہ اور معصوم لوگوں کو قتل کرنے، ان کے گھر جلانے، ماؤں اور بیٹیوں کی عصمتیں تار تار کرنے کے فوری اشتعال کی وجہ سے کوئی آبادی سامنے نہیں ہوگی اور اس طرح جنگ میں کشمیر کے شہری علاقے چونکہ زیادہ متاثر نہیں ہوں گے اور وہ آپ کے لئے سپلائی لائن بننے کے علاوہ عوامی قوت کے مظاہروں اور سول نافرمانی کی وجہ

سے بہترین اور فیصلہ کن فتح سے ہمکنار کرانے والے بنیادی میں بن سکتے تھے لیکن دو سال سے جب آپ گنجان آباد شہروں اور دیہاتوں میں گھروں میں اور شہروں میں آبادی والے علاقوں میں سے سیکورٹی فورسز کے لئے آپ نہتے اور معصوم اور بے گناہوں کو زندہ جلتے، گولیوں کا نشانہ بنوانے اور عصمتیں تار تار کروانے کے لئے ہندوستان کے خلاف آپ نفرت تو پیدا کر سکتے ہیں لیکن ہندوستان کے خلاف اس نفرت کو منظم اور طاقتور کئے بغیر فتح حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ اگر آپ گوریلا وار فیئر کے بجائے "اربن وار فیئر" یعنی شہری علاقوں میں جنگ لڑنے کے طریقہ پر عمل پیرا ہوں تو اس کے لئے سب سے ضروری یہ ہے کہ آپ شہر آبادی، محلوں اور گلی کوچوں میں فورسز پر حملہ کرنے سے پہلے عوام کو مسلح کریں ورنہ آہستہ آہستہ آپ اپنے ہی لوگوں کا حوصلہ اور ان کی قوت کا امتحان لے کر ان کی قوت سے زیادہ بوجھ ڈال دیتے ہیں اور جب اس بوجھ کی انتہا ہوتی ہے تو عوام آہستہ آہستہ مایوسی کا شکار ہوتے ہیں۔ وہ 15 لاکھ کی تعداد میں باہر آنے کے بجائے 40 سے 20 ہزار اور آخر میں پانچ ہزار کی تعداد سے بھی نیچے آجاتے ہیں کبھی ان عوامل پر غور تو کرو؟ کہ عوام کے مسائل کیا ہیں اور اگر میرے معزز اور قابل عزت حریت پسندوں نے اپنی حکمت عملی کو نہ بدلا اور ڈاکٹر شیمن کول اور ان کی اہلیہ اور مشیر الحق جیسے اقدام کئے اور چند عناصر اس ساری تحریک آزادی کو فرقہ پرستی اور دو قومی نظریہ کے ساتھ منسلک رکھتے رہے تو مجھے یہ کہنے دیں کہ اس تحریک کے بدلے میں ہم کشمیریوں کو آزادی کے بجائے دکھوں، مصیبتوں، شہادتوں، جلاوطنیوں، عصمتوں کو تار تار کروانے اور بے انتہا ظلم و تشدد کی کہانیوں کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ کہیں عوام کی مایوسی اس حد تک نہ بڑھنے پائے کہ کل عوام یہ سوچنے لگیں کہ ہمارے مسائل اور عذاب کا باعث حریت پسند ہیں؟ اور یہ مایوسی کسی بھی سیاسی بازی گر کو سمجھوتہ کرنے کا بہانہ مہیا کر سکتی ہے؟ کیونکہ کشمیریوں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی بقاء اور وقار اور زندگی و موت کی جنگ لڑ رہے ہیں جبکہ ہندوستان و پاکستان اپنے اپنے مفادات کے حوالے سے کشمیریوں کو لہو میں ڈبو کر اپنا کھیل کھیل رہے ہیں جبکہ پاکستان کے حکمرانوں کو یہ فائدہ حاصل ہے کہ افغان جنگ میں ملنے والی بھیک کی کلاشنکوفوں سے کشمیریوں کے لہو کو بے دریغ بہا کر اپنے مفادات کی جنگ جیتنا چاہتا ہے اور درمیان میں ہندوستان اور پاکستان کے مفادات کے کھیل میں مر تو کشمیری رہا ہے

اور کسی مخلص اور دیانتدار کشمیری کو ہی کشمیریوں کے مفادات کی جنگ لڑنے کے لئے آگے آکر یہ جنگ کشمیریوں کی بقاء کے لئے لڑنی ہوگی کیونکہ یہ جنگ طویل بھی ہوگی اور انتہائی لہورنگ بھی ہوگی اور جو لوگ یہ سوچتے ہیں کہ یہ چند ماہ یا چند سالوں کی جنگ ہوگی وہ غلطی پر ہیں اور نہ صرف اس خوش فہمی کی وجہ سے پوری قوم کو خودکشی کی راہ پر ڈالا ہے وہ قوم کو مایوسی اور شکست کی راہ پر ڈالنے کا باعث بن رہے ہیں۔

سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر ہم دو سالوں میں ہندوستان اور اپنے نقصانات کا موازنہ کریں تو ہم بہت زیادہ نقصان اٹھا کر بھی بین الاقوامی سطح پر رائے عامہ کو بھی بیدار نہ کر سکے اور جانی طور پر اور مالی طور پر ہم زیادہ بلکہ بہت زیادہ نقصان اٹھا چکے ہیں اور اگر ہم اسی طرح اس حساب سے جنگ جاری رکھ سکے تو ہندوستان اس جنگ کو سفارتی، سیاسی اور فوجی لحاظ سے پچاس سال تک جاری رکھ سکتا ہے جبکہ ہم کشمیری اسی حساب سے پانچ سال بھی یہ جنگ جاری نہیں رکھ سکتے کیونکہ نہ تو ہم منظم ہیں اور نہ ہی حریت پسندوں کو مکمل کمانڈو ٹریننگ حاصل ہے اور نہ ہی ہم ابھی تک کسی بے لوث مددگار ملک کی مدد حاصل کر سکے ہیں اور ہم تو ابھی ہندوستان کی ریگولر آرمی کو بھی سڑکوں پر لانے میں ناکام رہے ہیں ابھی تک سیکورٹی فورسز اور BSF ہی ہمارے خلاف لڑ رہی ہیں اور ان کو بھی ہم اپنے گھروں اور شہروں میں گھسیٹ کر اپنا سب سے زیادہ نقصان کروا رہے ہیں اس لئے میں آخر میں پھر یہی اپیل کروں گا کہ کسی کے مفادات کی بھینٹ نہ چڑھو۔ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے سیاسی لیڈروں نے ہماری موت اور ہماری بربادی کو اپنی سیاسی دکانداری چمکانے اور پیٹ پالنے کا ذریعہ بنایا ہوا ہے اب بھی وقت ہے۔ بندوق کو ناگزیر جزوقتی ضرورت کا درجہ دے دو اور لتھوانیا کی طرح عوامی قوت کو منظم کر کے سول نافرمانی کی تحریک کو طاقت بخشو کیونکہ سول نافرمانی کی تحریک اپنی تحریک ہوگی۔ آپ کے ہاتھوں میں ہوگی اور ہار وڑ کر اس کرتے ہوئے شہید ہونے والوں میں سے دس فیصد اگر سول نافرمانی میں شہید ہوں تو پوری دنیا تحریک کی طرف توجہ دے گی کیونکہ آپ نہتے ہوں گے!

(15-01-1991)

تبصرہ!

آج 5 سال گزرنے کے باوجود اگر کشمیری عوام میرے اس مضمون کو غور سے پڑھیں اور ان پانچ سالوں کا تجزیہ کریں تو یہ مضمون اور اس کا ایک ایک حرف آئینہ اور پیشگوئی بن کر سامنے آئے گا کہ آج بھی کشمیری نوجوانوں کی لاشوں کا سودا جاری ہے اور مفادات کے پجاری اپنے مفادات کے لئے کشمیر کو افغانستان کی طرح کھنڈرات میں بدلنے پر تلے ہوئے ہیں۔

(مئی 1996ء)

☆☆☆☆

باب نمبر 4

کیا مسلح جدوجہد سے آزادی ممکن ہے؟

کسی بھی قوم کی جدوجہد میں بنیادی عنصر اس قوم کا اتحاد ہوتا ہے اور اتحاد کے علاوہ کسی قوم کی جدوجہد کو اس کے موضوعی اور معروضی حالات کو مدنظر رکھ کر جدوجہد کے دوران پیدا ہونے والے گمبھیر مسائل سے نمٹنے کے لئے اور جدوجہد کو منزل مقصود تک پہنچانے کے لئے ایک مضبوط، منظم اور نظریاتی پختگی سے بھرپور تنظیم کی ضرورت ہوتی ہے اور خاص طور پر جب کوئی قوم بندوق سے لڑ کر آزادی حاصل کرنے کا فیصلہ کرتی ہے تو بندوق کو متعارف کرانے سے پہلے قوم کے ایک بڑے حصے کو منظم کیا جاتا ہے اور نہ صرف پہلی گولی چلانے سے پہلے جنگی حکمت عملی ترتیب دی جاتی ہے بلکہ حالات اور دشمن کے ردعمل اور جنگی حکمت عملی کو مدنظر رکھ کر اپنی منصوبہ بندی میں وقتاً فوقتاً تبدیلی بھی کی جاتی ہے اور چونکہ مسلح جدوجہد میں غاصب قوت کے بجائے آزادی کی جنگ لڑنے والی قوم کا زیادہ نقصان ہوتا ہے۔ اس لئے جنگ آزادی لڑنے والی تنظیم قوم کے روزمرہ معمولات کے بارے میں بھی منصوبہ بندی کر کے یتیم بچوں کی پرورش و نگہداشت کرتے ہیں۔ شہید ہونے والے گھروں میں ان کی ضروریات زندگی کے بارے میں بھی مسائل حل کرتے ہیں دشمن کی قید میں جانے والے مجاہدوں سے گھروں کی ضروریات بھی پوری کی جاتی ہیں اور قیدیوں کی نہ صرف قانونی جنگ بھی لڑی جاتی ہے بلکہ قیدیوں کی نفسیات کا خیال رکھتے ہوئے قیدیوں سے ملنے اور ان کے رشتہ داروں کو ان تک پہنچنے کے لئے راستے بھی تلاش کرنے پڑتے ہیں۔ سب سے بڑی بات ایک حریت پسند تنظیم کے اراکین کو آہنی ڈسپلن کا پابند کیا جاتا ہے کیونکہ بنیادی طور پر غاصب فوجی قوت کی نسبت حریت پسند قوم کا نجات

دلدوز داستانیں کر سامنے آتا ہے اور ایک جرأت پسند اور حریت پسند تنظیم کو قدم بہ قدم اپنا اور اپنے اراکین کا محاسبہ کر کے قوم کے سامنے اپنا امیج نہ صرف بڑھانا ہوتا ہے اور اس امیج کو برقرار رکھ کر قوم کے جذبہ جدوجہد کو اس قدر پرجوش بنانا ہوتا ہے کہ پوری قوم منزل آزادی تک لڑتی رہے۔ اس کی مثال ہمیں جدید دور میں ویتنام کی جنگ میں ملی ہے جہاں پر ویت نامی قوم نے کم از کم 38 سال تک پہلے جاپانی سامراج پھر فرانسیسی سامراج اور آخر میں امریکی سامراج کے خلاف جنگ لڑی اور آزادی حاصل کی۔ ویتنام کے علاوہ الجزائر، لیبیا اور افریقہ کی بہت سی قوموں نے مسلح جدوجہد کے ذریعے آزادی حاصل کی لیکن دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلح جدوجہد کے ذریعہ آزادی کی جنگ لڑی گئی وہاں پر ہمیں ایک منظم تنظیم کا باضابطہ وجود نظر آتا ہے اور جہاں پر مسلح جدوجہد خلفشار کا شکار ہوئی وہاں پر ہمیں مختلف کثیر تعداد میں وجود میں آنے والی تنظیموں کا ایک دوسرے کے خلاف لڑنے کا عمل نظر آتا ہے یعنی قومی اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے بہت ساری قوموں کی جدوجہد چند یتیموں کی دلدوز کہانیوں، شہیدوں کے کارناموں اور لٹی ہوئی عصمتوں کے المناک حادثوں کے سوا کچھ نہ بن سکی۔ میں نے دو سال پہلے بھی کشمیر کے اندر ہونے والی مسلح جدوجہد کے خفیہ گوشوں "آزاد کشمیر" کے پاکستان کے مفادات ہندوستان کے رد عمل اور مسلح جدوجہد کی غلط ڈگر پر چلنے کی نشاندہی کی تھی مگر افسوس بندوق کے زور پر راتوں رات بننے والے "لیڈروں" نے قومی کاز کی پرواہ کئے بغیر اپنی "لیڈری" کو بچانے کے لئے میرے مشوروں پر عمل بھی نہیں کیا بلکہ مجھے طویل قربانیوں، جدوجہد، جلاوطنی اور عظیم قائد مقبول بٹ کا ساتھی ہونے کا جو صلہ دیا وہ بھی میری قوم کے سامنے ہے لیکن میں تو کشمیری قوم کی محبت اور عزت و آزادی کے لئے 22 سالوں سے جدوجہد میں مصروف ہوں اور ہمیشہ یہ سوچ کر جدوجہد کرتا ہوں کہ "میں اپنی قوم کو کیا دے سکتا ہوں" میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ "میری قوم نے مجھے کیا دیا" اس لئے آج بھی اسی جذبے کے تحت قومی آزادی کی جدوجہد کو المناک اور دردناک انجام کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر قوم کے باشعور طبقوں کے سامنے اس مسلح جدوجہد کا نہ صرف تجزیہ رکھنا چاہتا ہوں بلکہ کشمیری قوم کی نجات اور عزت و وقار کے خاطر دردمندانہ استدعا بھی کرنا چاہتا ہوں کہ کشمیری قوم میرے اس تجزیہ کو مد نظر رکھ کر ایک دفعہ پھر جذباتی پن سے نکل کر یتیموں کے چہروں، شہیدوں کے خون رنگ بدن اور تار تار ہونے والی

عصمتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ "کیا ہم موجودہ مسلح جدوجہد کے ذریعے آزادی اور عزت کی منزل پا سکیں گے؟ اور اگر نہیں تو پوری قوم کو تباہی کے کنارے تک لے جانے کے بجائے جدوجہد کا کوئی اور راستہ اختیار کریں کیونکہ مسلح جدوجہد کے بارے میں کشمیری قوم کا انداز فکر بدل رہا ہے مثلاً سرینگر سے کثیر تعداد میں شائع ہونے والا ہفت روزہ "چٹان" افغانستان فلسطین اور کشمیر کے ایک تقابلی جائزہ میں لکھتا ہے کہ "کشمیر کی عسکری تحریک کا سب سے حیران کن پہلو یہ ہے کہ یہ تحریک بے شمار ٹولیوں میں بٹی ہوئی ہے جن میں اتحاد نام کی کوئی چیز موجود نہیں، ڈسپلن اور کنٹرول مفقود ہے اور ایک با اختیار کمان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ کشمیر کی عسکری تحریک کو اگر ایک بے لگام تحریک قرار دیا جائے تو غلط نہ ہوگا اس میں حکمت عملی اور منصوبہ بندی کا عمل دخل نہیں جس کے جی میں جو آئے کر گزرتا ہے جس کے ہاتھ میں بندوق ہے وہ خود کو دانائے دہر اور مختار کل سمجھتا ہے"

اس کے بعد سلیم وانی صاحب چیف کمانڈر "المصطفیٰ لبریشن کا فائٹرز" کا خط کشمیر کے اخباروں میں شائع ہوا ہے اس کے اقتباسات پیش کرتا ہوں لکھتے ہیں۔

"پوری قوم نے تحریک حریت کا زبردست ساتھ دیا لیکن کہیں ہم ان قربانیوں کا ناجائز فائدہ تو نہیں اٹھا رہے ہیں؟ جن لوگوں نے اپنی جان، مال اور عزت تک قربان کی بھلا ان پر کیا گزرتی ہوگی جب انہیں ہم بندوق دکھا کر دھمکاتے ہیں جو اپنے ہی لوگوں کو بندوق دکھا کر دھمکاتے ہیں وہ حریت پسند کیسے کہلائیں گے؟ ہم نے بندوق قوم کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے اٹھائی ہے نہ کہ بندوق دکھا کر لوگوں کو اپنا غلام بنانے کے لئے؟ بدقسمتی سے کشمیری قوم کو ہمیشہ بھیڑ بکریوں کی طرح ہانکا گیا۔ ان کو کبھی بھی عزت نفس کی تعلیم نہیں دی گئی، کبھی مہاراجہ نے ہانکا، کبھی کانگریس نے تو کبھی نیشنل کانفرنس نے اور عسکری جماعتوں نے بھی انہیں نہیں بخشا۔ یہ عسکری جماعتیں عوام کو تکلیف دیتی ہیں یہ کہہ کر کوئی کسر نہیں چھوڑی کہ "اگر یہ کرو گے تو مارے جاؤ گے اگر وہ نہیں کرو گے تو ٹانگیں توڑ دی جائیں گی" آگے چل کر اسی خط میں سلیم وانی صاحب لکھتے ہیں کہ "بھارتی فوج کے ہاتھوں سے شاید کوئی بچ سکے لیکن اگر ہمارے پلے کوئی پڑا تو اس کی ہیبت ناک موت ہوتی ہے۔ مخبروں کے ساتھ ہم کوئی رعایت برتنے کے قائل نہیں ہیں۔ مخبر کی سزا ہماری کتاب میں عبرتناک

موت ہے لیکن یہ دنیا کی پہلی مثال ہے جہاں مجاہد مخبر بن جاتا ہے۔ ہماری گرفتاری کے دوسرے ہی دن ہم بنکروں "سیکورٹی فورس کے بنکروں" میں نشاندہی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیا آج تک ہم میں سے کسی ایک نے بھی گرفتاری کے وقت زہر کھایا؟

اس طرح تین قسطوں میں "آیئے شرمندہ ہو جائیں" کے عنوان سے اسلام آباد کشمیر سے کشمیری قوم سے جاوید کو قوال صاحب پوچھتے ہیں اور تمام حالات کا تجزیہ کرنے کے بعد سوال کرتے ہیں کہ "کاش بندوق بردار دور اندیش ہوتے اور غور کرتے کہ عوام کی مشکلات میں کس قدر اضافہ ہوگا۔ منافق تو منافق عام لوگ بھی مجاہدین اور تحریک سے دور ہوں گے اور ایک دن ایسا بھی آئے گا جب عوامی سطح پر انہیں تو کیا باعمل مجاہدین کو بھی نفرت و حقارت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس وقت لوگ بھارت سے آزادی نہیں صرف بندوق مانگیں گے اور آزادی والوں سے صرف اور صرف "آزادی" خدا نہ کرے کہ ایسا وقت آئے۔"

اور ہفت روزہ "چٹان" کشمیر کا مشہور اور کثیر تعداد میں شائع ہونے والا اخبار ہے۔ Kashmir Situation کے تحت "اس طرز تغافل کا انجام کیا ہوگا" کے عنوان سے مضمون نگار نے قوم کے حالات کا اس طرح جائزہ لیا ہے کہ "آج یہ قوم اگر مایوس و پریشان ہے تو اس کا اصلی سبب بھارت کا جبر و قہر نہیں بلکہ مجاہدین قوم کا وہ طرز عمل ہے جس نے عام کشمیری کو انتشار و اضطراب کے بھنور میں پھینک دیا ہے کسی کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہاں جنگ آزادی کا ایسا دستور اپنایا جائے گا کہ بھارت کو کشمیر سے نکالنے کے لئے اٹھائی گئی بندوق اپنے لوگوں کے خلاف بھی استعمال ہوگی، اسکول و کالج جلائے جائیں گے۔ گنجان بستیوں میں بھارتی فورسز کو معصوم لوگوں پر اپنا قہر ڈھانے کا بہانہ فراہم کیا جائے گا۔ مخبری اور غداری کے الزام میں اپنے لوگوں کی گردنیں کاٹی جائیں گی اور کوئی تحریک کی بھلائی کے لئے اجتماعی سوچ اور اصلاح احوال کے لئے مخلصانہ مشورہ دینے کی کوشش کرے تو اسے قبول نہیں کیا جاتا الٹا مایوسی پھیلانے والے بھارتی ایجنٹوں میں شامل بتلا کر ایسے شخص کے خلوص اور قومی فریضے کی ادائیگی پر قدغن لگائی جاتی ہے" اسی مضمون میں مضمون نگار آگے چل کر لکھتا ہے کہ "کشمیر کی موجودہ تحریک مزاحمت یقیناً ایک بھرپور تحریک ہے اور سرزمین وطن کا ہر فرد

اس تحریک میں پوری بساط سے شامل ہے مگر شومیٔ تقدیر دیکھئے کہ اس قوم کا روایتی مزاج اب بھی بدل نہیں رہا ہے اس مزاج کا سامنا حد سے بڑھی ہوئی جذباتیت اور اندھی تقلید ہے جس کے باعث بروقت غلطیوں کا حساب نہیں ہو پایا، ازالے کی تو بات نہیں، مرحوم شیخ محمد عبداللہ نصف صدی تک کشمیر کی سیاسی تاریخ پر چھائے رہے ان سے کئی سنگین غلطیاں سرزد ہوئیں لیکن تاریخ گواہ ہے کہ پوری قوم بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی طرح ان کے پیچھے چلتی رہی اور تادم حیات کسی کو بھی ان کی غلطیوں کا حساب چکانے کی بروقت جسارت نہ ہو سکی۔" آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "کشمیریوں کی بدلی ہوئی روش کے چرچے ہونے لگے (یعنی دو سال کی لہو رنگ جنگ کے دوران) مگر دو سال کی جاں گداز جنگ لڑنے پر بھی پھر یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اس قوم کا بنیادی کردار اس کے روایتی مزاج کا بدنصیب پہلو تبدیل نہیں ہوا کل اگر یہ قوم کسی شیخ عبداللہ سے مرعوب تھی اور ان کی غلط روش پر انہیں بروقت ٹوک نہ سکی تو آج یہی قوم اپنے نئے رہنماؤں سے خوفزدہ ہے"

قارئین حضرات! یہ تو مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق کشمیر کے اندر رونما ہونے والے حالات اور تحریک کا غلط ڈگر پر جانے کے سلسلے میں تھا اور میں نے ابتدا سے ہی تحریک کے اندر پیدا ہونے والے اور پیدا کئے جانے والے غلط عناصر کی نشاندہی کی تھی اور ہر کشمیری کو ایک بات یاد رہے کہ شیخ عبداللہ نے کشمیر کے اندر 1952ء میں جو جاگیرداری قانون اور چکداری قانون کا خاتمہ کر دیا اس قانون سے عملی طور پر لاکھوں کسان جاگیرداری کی غلامی سے راتوں رات آزاد ہو کر زمین کے مالک بن گئے تھے جبکہ اس وقت ہندوستان کے اندر جاگیرداری کے خاتمے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور پاکستان میں تو اسلامی نظام کے دعویداروں نے ابھی تک زرعی ٹیکس بھی نہیں لگایا جاگیرداری کا خاتمہ تو دور کی بات ہے پاکستان میں اب بھی جاگیرداروں کی زمینوں پر مزدوری کرنے والے لوگوں کی جان و عزت بھی جاگیردار کی ملکیت تصور ہوتی ہے اگر لاکھوں انسانوں کو زمین کا مالک بنا کر اور ان کو پیٹ بھر کر روٹی کھلانے کا باعث بننے والا شیخ عبداللہ کشمیری قوم کے سامنے عزت کا باعث نہ رہ سکا اور لوگ ان کی قبر کو مٹانے کے درپے رہے (حالانکہ اسلام میں مرنے والے کو برا کہنا ناجائز قرار دیا گیا اور مرنے والے کے اعمال خدا کے حوالے ہونے کا فیصلہ سنایا گیا) تو بندوق

کے ذریعے کشمیریوں کو مسائل میں مبتلا کرنے والے لوگ، ہزاروں نوجوانوں، بچوں اور بوڑھوں، عورتوں کے مرنے کے باعث بننے والے حریت پسند اور سینکڑوں باعزت ماں بہنوں کی عصمتیں لٹنے کے باوجود اگر کشمیر بقول منزل آزادی سے ہمکنار نہ ہوئی تو جس قوم نے شیخ عبداللہ کو نہیں بخشا وہ قوم آج کے حریت پسند رہنماؤں کو کہاں بخش دے گی؟ حالانکہ شیخ عبداللہ کے تمام افعال میں پوری قوم شامل رہی ہے اور دہلی معاہدہ کرنے کے بعد سرینگر میں 12 لاکھ سے زیادہ لوگوں نے استقبال کیا اور مرنے پر دنیا کا دوسرا بڑا جنازہ صدر ناصر کے بعد نکالا گیا؟

میرا مندرجہ بالا حوالوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ کشمیری عوام کو بندوق نے آزادی تو نہ دی اور نہ ہی فی الحال دور دور کہیں منزل آزادی نظر آرہی ہے البتہ کشمیری عوام معاشی بدحالی، اقتصادی تباہی کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔ ہزاروں کی تعداد میں جیل خانوں اور تشدد گاہوں میں تڑپ رہے ہیں اور اس سب کے باوجود یہ سب مصائب آزادی کی کوئی منزل نظر آتی۔ اگر کشمیری قوم اپنے نظریات پر متفق ہو کر جنگ لڑتی اور اگر 124 مسلح گروہوں کے بجائے ایک منظم اور آہنی ڈسپلن میں پابند تنظیم کے تحت جنگ لڑ رہے ہوتے اور سب سے بڑی بات کہ اگر کشمیر کے اندر مسلح جنگ لڑنے والے دعویداروں کی سوچ اور عمل (سوائے چند کے) دوسروں کی سوچ اور عمل بلکہ حکم کے تابع نہ ہوتے اور اس سے بھی بڑی بات کہ کشمیر کی مسلح جدوجہد کے لئے خارجی عوامل کشمیریوں کے حق میں ہوتے۔ یہ بات یاد رہے کہ 1970ء تک یا اس کے بعد چند سالوں کو چھوڑ کر جہاں کہیں بھی مسلح جدوجہد کے ذریعے آزادی کی جدوجہد کامیاب رہی ہے یا دنیا میں جہاں کہیں بھی مسلح تصادم ہوئے ہیں۔ اس کے پیچھے دنیا میں موجود سرد جنگ کی کیفیت کا سب سے بڑا عمل دخل رہا ہے یعنی کمیونسٹ بلاک اور امریکہ کی سربراہی میں مغرب کے کشیدہ تعلقات کی وجہ سے جہاں پر روس کے مفادات کو نقصان پہنچ سکتا تھا۔ وہاں پر امریکہ اور اس کے حواریوں نے ہر قسم کا اسلحہ دیا اور مشیر بھی بھیج دیتے تھے اور اسی طرح جہاں امریکہ اور مغربی مفادات کو نقصان پہنچ سکتا تھا وہاں پر روس، چین اور کمیونسٹ بلاک عملی طور پر ویتنام کی مدد کرتے رہے اور اس سے پہلے کوریائی جنگ میں تو چین نے عملاً بھی حصہ لیا اور امریکہ کی اسرائیل کی

پشت پناہی کرنے پر سالوں تک روس عربوں کی حمایت بھی کرتا رہا۔ اسلحہ بھی دیتا رہا اور مشیر بھی مشرق وسطیٰ میں موجود رہے اور تو اور جمال عبدالناصر یاسر عرفات کی انگلی پکڑ کر اسے روس لے گیا تھا اور روس کی بھرپور اور عملی مدد سے فلسطین کی تنظیم آزادی ایک بہت بڑی طاقت بن کر سامنے آئی تھی اور اسی طرح افریقہ کے اندر روس اور امریکہ وہاں کے لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف لڑانے کے لئے بھرپور مدد دیتے رہے اور جب ویت نام کی جنگ کا بدلہ لینے کے لئے امریکہ کو موقع ہاتھ آیا تو اس نے افغانستان میں روسی فوج کے خلاف افغانوں کو جدید ترین اسلحہ اور اربوں ڈالر تک دیئے یعنی دنیا میں جو بھی علاقائی یا قومی آزادی کی جنگیں لڑی گئیں ان میں "سرد جنگ" کے ماحول کا بڑا دخل رہا ہے اگر عراق کویت تنازعہ کے وقت بھی سرد جنگ کا ماحول باقی ہوتا۔ روس کی پالیسی نہ بدلی ہوتی یا پھر مشرق وسطیٰ کے اندر عراق کے خلاف جنگ ہی نہ ہوتی یا پھر عالمی جنگ کا بڑا خطرہ ہوتا ایک بات یہ بھی یاد رہے کہ دنیا کے کسی بھی خطے میں جب بھی کوئی قومی آزادی کی جنگ کوئی ہوئی وہ کسی دوسرے ملک کے ساتھ الحاق کے نظریات پر نہ ہوئی بلکہ مکمل آزادی کے نظریات پر ہوئی تاکہ دنیا کے اکثر ممالک اس کی حمایت کریں۔ ویتنام کی بھرپور مدد کی گئی مگر روس یا چین کے ساتھ الحاق کے نام پر نہ ہوئی امریکہ اور مغربی بلاک نے افغانوں کی بھرپور مدد کی مگر افغانستان کی جنگ لڑنے والوں کو کسی نے بھی الحاق امریکہ یا الحاق یورپ کی شرط پر اسلحہ نہیں دیا۔ اسی طرح فلسطین عربوں کا حصہ ہے یعنی عرب قومیت کا حصہ ہے مگر کسی بھی عرب ملک نے فلسطینیوں کو اپنے ملک کے اندر ضم ہونے یا الحاق کرنے کی شرط کے ساتھ مدد نہ دی اور پھر قومی آزادی کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ ایک قوم ایک مکمل آزاد و خودمختار ملک قائم کرنے کے لئے جدوجہد کر رہی ہو تب جا کر عالمی رائے عامہ ان کی آزادی کے سلسلے میں حمایت کی بات کرتی ہے مگر ہمسایہ ملکوں سے الحاق کرنے کی خواہش مند قوم یا قوم کے بڑے حصے کے بارے میں عالمی رائے عامہ کو کوئی فکر نہیں ہوتی۔ اب اگر ہم کشمیری مسلح تحریک کا تجزیہ کریں تو مسلح تحریک کے لئے سب سے بڑی یہ ضرورت ہوتی ہے کہ اس مسلح جدوجہد کے لئے اسلحہ برابر ملتا رہے مسلح جدوجہد کے لئے ایک منظم تنظیم ہو جو اپنے ارکان پر وہی قانون لاگو کریں جو ایک مسلح افواج پر نظم و ضبط کے سلسلے میں لاگو ہوتا ہے۔ مسلح جدوجہد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے محفوظ ٹریننگ سینٹروں اور مسلح

جدوجہد کرنے والی تنظیم کے ماتحت ہوں اور یہ سب سے بڑی بات بین الاقوامی رائے عامہ کی حمایت اس جدوجہد کو ہر صورت میں حاصل ہو اگر مکمل طور پر نہیں مگر اس قدر تو ہو کہ دنیا آپ کے جائز حق کی زبانی اور عملی طور پر حمایت تو کریں۔

اب اگر ہم دونوں ملکوں روس اور امریکہ کو دیکھیں تو روس اور امریکہ کے مفادات کشمیر کے اندر نہیں ٹکراتے ہیں۔ اس لئے دونوں میں سے ایک بھی ہماری حمایت یعنی عملی حمایت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور نہ ہی مغربی ممالک کے مفادات کشمیر کے اندر ہندوستان سے الگ کرکے ہیں بلکہ اس وقت امریکہ اور یورپی ممالک کو ہندوستان کے اندر بزنس کے مفادات حاصل ہیں۔ صرف ہالینڈ کو دریا گنگا صاف کرنے کا اربوں روپوں کا ٹھیکہ حاصل ہے۔ اب امریکہ یا مغربی ممالک کو پاکستان کے ساتھ الحاق کشمیر کی صورت میں کوئی مفادات حاصل ہوتے ہیں۔ (بسبیل تذکرہ، پاکستان کے حکمران افغان روس کی جنگ کے دوران مصری حکمرانوں سے بھی زیادہ کوتاہ اندیش نکلے۔ جنہوں نے عراق کے خلاف جنگ میں امریکہ کی حمایت کرنے کے عوض 10 بلین ڈالر معاف کروائے اور پاکستانی حکمران قومی قرضے معاف کروانے کے بجائے CIA سے ذاتی حیثیت سے تنخواہ وصول کرتے رہے) روسی بلاک کے ممالک ہندوستان کے موقف کے حامی رہے ہیں اور ہندوستان کو جمہوری ملک کی حیثیت سے عالمی رائے عامہ اچھی نظر سے دیکھتی ہے۔

اسی طرح ہمارے بڑے ہمسایہ ملک چین کو بھی اب کشمیریوں کی مدد کرنے کا کوئی مفاد نظر نہیں آتا کیونکہ چین کے اندر بھی اصلاحات نافذ ہورہی ہیں اور چین کی بڑی مدت سے پالیسی مرتب ہو چکی ہیں کہ "اپنے سرحدوں سے باہر ایسے حالات اور معاملات میں ملوث نہ ہوا جائے جس کا اثر ان کے اندر اپنے ملک پر یا اپنے ملک کے خارجہ مفادات پر پڑتا ہو۔" اس لئے چین بھی چونکہ اب ہندوستان کا دشمن نہ رہا اور پھر چین نے خود بھی تو قبضہ کیا ہوا ہے۔

اب صرف پاکستان ہماری "مدد" کے لئے اپنی شرائط اور کشمیر کی جدوجہد کا الحاق پاکستان کے دائرے کے اندر رکھنے پر کرنے کے لئے تیار ہے بلکہ پاکستان نے "آزاد کشمیر" کو جو 1972ء میں Interim Constitution دیا ہے اور اس کے پیراگراف نمبر 7 شق نمبر 2 میں واضح طور پر لکھا ہے کہ

"No person or political party in "Azad Kashmir" shall be permitted to propagate against, or take part in activities prejudicial or detrimental to the ideology of the state's accession to Pakistan"

اس لئے پاکستان کی امداد کے سلسلے میں یہ بات واضح ہو کہ وہ کشمیر کے اندر اپنے مفادات کی جنگ اس وقت تک لڑنا چاہتا ہے جب تک اس کے مفادات کے تحفظ کا یقین نہیں ہوتا اس لئے پاکستان کی ملٹری انٹلی جنس نے ابتداء میں لبریشن فرنٹ کی مدد کی کیونکہ کشمیر کے اندر مسلح جدوجہد کے اقدامات صرف لبریشن فرنٹ کر رہا تھا۔ جن میں 1983ء میں 15 اگست کو اقبال قریشی، الطاف قریشی، حمید اللہ وغیرہ کا بھارتی فوج پر آزادی ہند کی پریڈ کے دوران بم سے حملہ بھی شامل تھا اور مقبوضہ کشمیر کے اندر لبریشن فرنٹ کی ابتداء اسی حملے سے ہوئی تھی۔ جبکہ جماعت اسلامی بھارتی آئین کے حلف وفاداری کے تحت کشمیر اسمبلی میں بھی موجود تھی اور بھارتی پارلیمنٹ کے الیکشن میں بھی حصہ لیتی رہی چونکہ ISI نے لبریشن فرنٹ کی ابتداء میں مدد کی۔ لبریشن فرنٹ کی کوتاہ اندیش قیادت کا قصور ہے کہ انہوں نے اپنے شرائط پر یہ مدد حاصل نہ کی اور جب ISI کو کشمیر میں الحاق کی حامی تنظیمیں مل گئیں تو انہوں نے نہ صرف ان کی بھرپور مدد کی بلکہ لبریشن فرنٹ کے لاتعداد ٹکڑے کرنے میں طاقت، پیسے اور لالچ کا بھرپور استعمال کیا اور آخر میں مدد بھی بند کردی۔ (برسر تذکرہ ISI کی لبریشن فرنٹ کی مدد بند کرنے کے بعد میں نے پاکستان میں لبریشن فرنٹ کے ایک چیئرمین کو جب یہ یاد دلایا کہ موجودہ واقعات اور حالات سے اب میرا موقف درست ثابت ہوا۔ ہمیں اپنی جنگ آزادی میں دوسروں کی مدد اپنی شرائط پر منظم ہونے کے بعد لینی چاہئے اور میں نے 1984ء میں ISI کے ساتھ اسی لئے کام کرنے سے انکار کیا تھا تو ان حضرات نے پھر بھی نہیں مانا اور جواب جو دیا اس کے بعد میں نے گھنٹہ بھر اپنا سر پیٹا ہے جواب دیتے ہیں کہ "نہیں کم از کم کشمیر کے اندر بے شمار اسلحہ تو چلا گیا اب صرف وہاں لوگوں کو منظم کرنے کی ضرورت" یعنی لوگوں کو اسلحہ پہلے دو جب وہ انفرادی طور پر ٹولیوں کے لیڈر بن کر مفادات حاصل کریں تو ان کو یہ مفادات چھوڑنے کے لئے کہہ کر ایک ڈسپلن والی پارٹی کے تحت منظم ہونے کی دعوت دی جائے۔ یہ ہے کشمیر کے اندر گوریلا

جنگ لڑانے والوں کی گوریلا جنگ اور قومی آزادیوں کے بارے میں علم کا حل؟ بہر حال پاکستان نے لبریشن فرنٹ سے اپنے مفادات پورے کر کے انہیں چھوڑ کر اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے اپنے لوگ پیدا کئے اور وہ بھی متحدہ کئے بلکہ ان کو بھی مختلف پارٹیوں کے پرچم تلے رکھا تاکہ وفاداریوں کے بدلنے پر دوسرا گروپ تو ساتھ ہو۔یہی نہیں کہ بندوق کی ابتدا کرنے والی تنظیم لبریشن فرنٹ کی ہر قسم کی مدد بند کرادی بلکہ لبریشن فرنٹ کے نظریات خود مختار کشمیر کو ہندوستان کا ہی دوسرا منصوبہ قرار دے کر نشریات کو لبریشن فرنٹ کے اراکین پر مسلح حملے کرائے بلکہ اسلام کے نام پر اپنے پیٹ پالنے والے لوگوں کے ذریعے خود مختار کشمیر کو اسلامی نظام کے خلاف کہہ کر فتوے جاری کرائے حالانکہ اسلامی نظام کے یہ دعوے دار کل تک ہندوستان کے آئین کی قسمیں کھاتے رہے۔ آج یہ لوگ آئی ایس آئی کے صوبیدار میجر اور کیپٹن میجر کی ہدایت پر 25 سالوں سے قومی آزادی کی جنگ لڑنے والوں پر اسلامی فتوی بازی کے ذریعے جدوجہد کے دھارے سے الگ کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

چونکہ پاکستان کشمیر کے اندر صرف اپنے مفادات کے تحت مدد دے رہا ہے بلکہ کشمیر کی قوم آزادی کی مذہب کا رنگ دے کر خود ہی دنیا کے اندر کشمیر کی قومی جدوجہد کو آزادی پسند اقوام کی حمایت سے محروم کرایا اور تو اور اسلامی ممالک نے بھی کشمیری پالیسی کے سلسلے میں پاکستان کی کھل کر حمایت نہیں کی البتہ "اسلامی اخوت کا رشتہ" سنبھالنے کے لئے یہ اسلامی ممالک کشمیر کے اندر قتل وغارت ہوتے وقت امریکہ اور مغربی ممالک کو اربوں ڈالر دے کر عراق کی نسل کشی کرا رہے تھے اور پھر اسلامی ممالک کی اکثریت تو وہی "کلمہ" پڑھتے ہیں جو امریکہ بہادر ان کو پڑھنے کے لئے کہتا ہے اسی لئے "اسلامی ممالک" بھی عملی اور ٹھوس شکل کے اندر نہ ہی کشمیریوں کی مدد کر سکے اور نہ ہی پاکستان کی کشمیر پالیسی سے کھل کر متفق ہوئے۔اس لئے یہ بات اب عرصہ ڈھائی سالوں سے عملی طور پر ثابت ہوئی ہے کہ کشمیر کی موجودہ مسلح جدوجہد کی پاکستان کے علاوہ کسی نے بھی مدد نہیں کی اور پاکستان بھی اپنے مفادات کے حوالے سے مدد دے رہا ہے۔دوسری بات اور اہم ضرورت مسلح جدوجہد کو کامیابی سے ہمکنار کرانے کے لئے ایک منظم اور مضبوط تنظیم ہو اور اس

سلسلے میں مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ آگ اور خون میں زندگی بسر کرنے والی کشمیری قوم جانتی ہے کہ 24 تنظیموں کے لگ بھگ آزادی کی جنگ لڑنے والی تنظیمیں موجود ہیں اور ہر تنظیم اپنے آپ کو دوسری تنظیم سے مخلص اور دیانتدار سمجھتی ہے جبکہ اکثریت میں ڈسپلن نام کی کوئی اور چیز نہیں ہے اور مسلح جدوجہد کو جاری رکھنے کے لئے تیسرا اہم ستون ٹریننگ سینٹروں کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ٹریننگ سینٹروں سے مسلسل تربیت یافتہ حریت پسند نکلتے رہیں مگر بدقسمتی سے کشمیر کے اندر لڑنے والوں کے پاس محفوظ ٹریننگ سینٹر بھی نہیں ہیں۔اب یہ بات ایک کھلا راز ہے کہ کشمیر کی تحریک آزادی کو کنٹرول کرنے کے لئے مسلح گروپوں کو سرحد پار مظفر آباد یا افغانستان کے قبائلی علاقوں میں چند دنوں کی تربیت دے کر فارغ کر دیا جاتا ہے اور یہ تربیت انتہائی سطحی قسم کی ہوتی ہے اور جب بھی کشمیری نوجوان سرحد پار کرنے لگے ہیں اور ہندوستان کے تربیت یافتہ فوجی ان کو للکارتے ہیں تو یہ معصوم، جذبہ حریت سے لبریز نوجوان جنگی صورت حال اور Heavy Fire سے گھبرا کر 80 اور 90 اور 50 کی تعداد میں سرحد کراس کرتے ہوئے شہید ہوتے ہیں کیونکہ تربیت کے حوالے سے ان نوجوانوں کو ہفتہ دو ہفتہ کی تربیت تک ہی محدود رکھا جاتا ہے اور ان نوجوانوں کے اندر اس قدر جذبہ حریت بھرا ہوا ہے کہ کھاتے پیتے گھرانوں کے بہن بھائیوں اور ماں اور باپ کو چھوڑ کر اونچے نیچے پہاڑوں اور بھارتی فوج سے لڑتے مرتے جب سرحد پار کیمپوں میں پہنچ جاتے ہیں تو ان کیمپوں میں ان معصوم نوجوانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ کشمیر کے ان لوگوں کے لئے عبرتناک ہے جو الحاق پاکستان کو جذباتی اور اندھی تقلید میں اپنا ایمان سمجھتے ہیں (چند مہینے پہلے سرینگر کے دو نوجوان مظفر آباد میں مارے گئے مقامی لوگوں کی سیاست بازی کی وجہ سے) اس لئے چونکہ سرحد پار ٹریننگ سینٹروں سے بھی لوگ نہیں آتے اور نہ ہی اب ٹریننگ کے لئے جاتے ہیں اس لئے مسلح جدوجہد کی سب سے اہم ضرورت تربیت یافتہ افرادی قوت بھی اب کشمیر کی مسلح تحریک کو میسر نہیں کیونکہ اگر کشمیریوں کو صحیح معنوں میں گوریلا جنگ کی تربیت دی گئی ہوتی تو کشمیری حریت پسند دیہاتوں اور شہروں کے بجائے مسلسل جنگلوں، دیہاتوں، پہاڑوں میں لڑتے ہوئے یا ہندوستان فوجی قوت کو پورے کشمیر کے اندر بکھیر کے رکھتے مگر تربیت یافتہ جنگلوں میں لڑتے ہوئے یا ہندوستان کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید نہیں ہوتے بلکہ بارڈر کراس کرکے شہروں میں

چھپنے کی تگ و دو میں بارڈر پر شہید ہوتے ہیں۔ خدا کے لئے کشمیر کے اندر لیڈری اور رہنمائی کے دعویدار اپنے معمولی مفادات کے لئے ان خفیہ گوشوں پر پردے کیوں ڈالتے ہو؟ جن خفیہ گوشوں اور سازشوں کی وجہ سے آج کشمیری قوم اس قدر قربانی دینے کے باوجود ہر لحاظ سے ابھی تک تحریک کے ابتدائی سفر کو بھی طے نہ کر سکی یعنی اپنی تحریک اپنی جدوجہد اور اپنے سیاسی مقاصد کی بھرپور اور عملی مدد بھی حاصل نہ کر سکی، اسلحہ، دوائی اور بے گھروں کو پھر سے بسانے کے لئے ٹھوس مدد تو دور کی بات ہے ابھی تک بین الاقوامی سطح پر اخلاقی مدد بھی حاصل نہ کر سکے اور نہ ہی یتیم ہونے والے بچوں کی پرورش اور ان کی تعلیم کا کوئی بندوبست ہے اور نہ ہی شہید ہونے والے خاندانوں کا کوئی پرسان حال ہے اور نہ ہی دنیا کی واحد مسلح جنگ میں جنگ سے بیکار اور بے روزگار ہونے والوں کی بھوک اور بیماری کا کوئی منظم بندوبست ہے اور نہ ہی قیدوالوں کے خاندانوں کی دیکھ بھال کا کوئی منظم بندوبست موجود ہے۔ قوم کو اقتصادی تباہی کے کنارے پر کھڑا کرنے کے بعد پوری قوم کو بندوق کے زور پر مسلح تحریک میں ملوث کرنے کے بعد کیا پوری قوم زیادہ دیر تک اس جدوجہد کو قائم رکھ سکتی ہے؟ کیونکہ پوری قوم کی اقتصادیات کو ہم نے برقرار بنایا نہ تو ٹورازم (سیاحت) کے ذریعے ملک کے اندر پیسہ آ رہا ہے اور نہ ہی فیکٹریاں چل رہی ہیں اور نہ ہی گھریلو صنعت اور اسمال انڈسٹری کے کام کو کوئی خریدنے والا رہا اور مزدوری کرنے والا اور صبح سے شام تک کام کر کے شام کو اہل و عیال کو کھلانے والوں پر کیا گزر رہی ہے۔ کیا مسلح جدوجہد کے رہنماؤں نے بھی اس بارے میں سوچا ہے؟ اور پھر مسلح جدوجہد کے دعویداروں نے کبھی یہ سوچا ہے کہ ابھی تک بھارت کا کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا ہے۔ 2۔ بھارت کے سیکورٹی فورس یا فوج کا جو بھی نقصان ہوا ہے یا ہو رہا ہے، ہم کشمیریوں کا اس سے دس گنا زیادہ نقصان ہو رہا ہے۔ 3۔ بھارت کی اقتصادی حالت بھی ہم تباہ نہ کر سکے کیونکہ جنگ بھارت میں نہیں بلکہ کشمیر کے گلی کوچوں اور گھروں میں لڑی جا رہی ہے اور ہماری پیداواری قوتیں کم و بیش سب تباہ ہو گئی ہیں اور پھر بھارت کی فوج کے مقابلے میں ہمارے نوجوانوں کی تربیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ گلی کوچوں اور شہری آبادی کی آڑ میں سیکورٹی فورسز پر حملہ کر کے کسی گھر میں بھاگ کر چھپنا اور بات ہے اور گوریلا جنگ کا سپاہی بن کر شہروں سے دور لڑنا دوسری بات ہے۔

جنگلوں اور فوج کو اس کے بیرکوں اور چھاؤنیوں میں جا کر لڑنے کی دعوت دینا اور بات ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ہم تین ہزار لوگوں کی قربانی دینے کے باوجود ابھی تک عالمی رائے عامہ کی 5 فیصد حمایت بھی حاصل نہ کر سکے۔ عالمی رائے عامہ یا اسلامی ممالک کی ٹھوس حمایت دور کی بات ہے ہم ابھی تک بین الاقوامی طور پر اخلاقی حمایت بھی حاصل نہ کر سکے اور دنیا کے اندر کوئی بھی قوم آزادی کی جدوجہد میں زبردست بین الاقوامی رائے عامہ کی حمایت کے بغیر کامیاب نہ ہو سکی۔ دنیا کی رائے عامہ کا تصور کریں ذرا کہ چند دن پہلے ئی (International Monetary Found) نے ہندوستان کے لئے چار سو ملین پونڈ کا قرضہ منظور کیا اور بین الاقوامی حمایت کا ذرا تصور کریں کہ امریکہ نے بھارت کو پریسلر ترمیم سے مستثنیٰ قرار دے کر امداد جاری رکھی جبکہ اس ترمیم کے تحت پاکستان کی تمام امداد کو فوری طور پر روک دیا گیا۔ پاکستان کے اندر امریکی سفیر نے کھلم کھلا پریس کانفرنس میں کہا کہ "بے شک کشمیر کے اندر کشمیریوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے مگر پاکستان کشمیری نوجوانوں کو اسلحہ مہیا کر کے آگ کے اوپر تیل چھڑک رہا ہے اور ہم اس کے خلاف ہیں۔" اس کی کیا وجہ ہے بھارت پوری دنیا کو یہ باور کرا چکا ہے کہ کشمیر کے اندر پاکستان بنیاد پرست مسلمانوں کو اسلحہ مہیا کر کے کشمیر کے مسلمان آبادی والے اکثریتی علاقوں کو اپنے ساتھ ملانے کے لئے بھارت کے خلاف لڑ رہا ہے۔ یہ کشمیر کی لڑائی بنیاد پرست مسلمان لڑ رہے ہیں اور وادی کے اندر تمام غیر مسلموں کو نکال کر جموں اور دہلی میں کیمپوں میں رہنے پر مجبور کیا گیا۔ کشمیر کے اندر بھارت کو دہشت گردی کا سامنا ہے وہاں پر لڑکیوں کو اغوا کیا جاتا ہے۔ (ناہید سوز کی مثال دی جاتی ہے) اور پھر بھارت نے اسلامی ممالک کو یہ کہہ کر کشمیر کی جدوجہد آزادی سے دور رکھا ہے کہ بھارت میں 18 کروڑ سے زیادہ مسلمان رہتے ہیں اگر ہم نے کشمیری مسلمانوں کو ہندوستان سے الگ کر کے پاکستان کو دیا تو ہندوستان کے اندر 18 کروڑ مسلمانوں کا مستقبل تاریک ہو جائے گا اور یہ بات بھی اسلامی ممالک میں سنی گئی ہے اور دنیا کے ممالک اور حقوق انسانی تنظیموں نے بھارتی فوج کے ظلم و ستم اور سول شہریوں پر تشدد کرانے کے واقعات کی مذمت ضرور کی ہے مگر کشمیری قوم کے حق خود ارادیت کی کسی نے کھل کر حمایت نہیں کی اور نہ ہی مسئلہ کشمیر کو کشمیریوں کی آزادی کی جدوجہد سے تعبیر کیا ابھی تک البتہ ہندوستان اور پاکستان کو شملہ معاہدے کے تحت مسئلہ حل کرنے کا مشورہ

ضرور دیتے رہے۔ اس کی ایک اور بھی وجہ ہے کہ "دنیا اب کسی بھی صورت میں ہتھیاروں کے ذریعے کسی بھی جدوجہد کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے چاہے وہ کسی کی جائز اور حق پر بھی جدوجہد ہی کیوں نہ ہو اس کو ہم اس طرح بھی کہہ سکتے ہیں کہ طاقت کا توازن ہم کشمیریوں کے خلاف ہے کیونکہ دنیا والوں کے مفادات کویت کی طرح کشمیر میں نہیں ہیں۔ اس لئے یہ ہماری مشروط مسلح جدوجہد (مشروط کا مطلب الحاق پاکستان) کو دہشت گردی قرار دے رہے ہیں اور انڈیا کے سیکورٹی فورسز کے ظلم اور غیر انسانی اقدامات کو لا اینڈ آرڈر کا نام دیتے ہیں۔

اور اس لئے ہماری قربانیوں کے باوجود عالمی رائے عامہ ہمارے حق میں نہ ہو سکی اس کی ایک اور وجہ الحاق پاکستان کی جدوجہد کے ذریعہ باور کرایا گیا کہ یہ سب پاکستان کرا رہا ہے اور انڈیا کو وادی میں دہشت گردی اور مسلمان بنیاد پرستی کا سامنا ہے جس سے انڈیا کی جمہوریت خطرے میں ہے۔ اور انڈیا کے غلط موقف کو کشمیر کے اندر لڑنے والے مختلف گروپوں نے بھی دھمکیاں دے کر وادی سے بھاگنے پر مجبور کرنے کے عمل نے سچ ثابت کر دکھایا اس کے مقابلے میں پاکستان نے بین الاقوامی سطح پر مسئلہ کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان متنازعہ مسئلہ بنا کر پیش کیا۔

قارئین کرام! میں کشمیر کے اندر کسی بھی گروپ کے خلاف کچھ کہنا نہیں چاہتا البتہ میرے نزدیک کسی پارٹی یا گروپ سے زیادہ افضل اور اعلیٰ میری کشمیری قوم ہے اور میں بحیثیت ایک کشمیری کے قوم کو تباہی کے کنارے پر نہیں دیکھ سکتا۔ میں نے اس سے پہلے بھی تحریک کے اندر غلط رجحانات کی نشاندہی کی مگر میرے دلائل سے بھرپور اور حقائق پر مبنی مضمونوں کو بھی دھمکیاں دے کر شائع نہ کرنے کی ہدایت دی گئیں اور مجھی میری 22 سالہ طویل جدوجہد کو سچ کہنے کے "جرم" میں حرف تنقید بنایا گیا حالانکہ جو لوگ آج جدوجہد کر رہے ہیں میں نے مقبول بٹ شہید کے ساتھ ان کی عمروں سے زیادہ جدوجہد آزادی میں حصہ لیا ہے اور میں نے پاکستان، آزاد کشمیر میں لبریشن فرنٹ کی بنیادیں ڈال کر اسے منظم کیا تھا اور سرینگر کے اندر بھی میرے بھائی اقبال قریشی، اشرف قریشی کے بھائی الطاف قریشی نے سب سے پہلے 1938ء میں لبریشن فرنٹ کی بنیاد ڈالی ہے اور یہ بات بھی یاد رہے کہ

کشمیر کے اندر مسلح جدوجہد کی بنیاد ڈالنے والوں میں، میں بھی شامل تھا مگر ہم نے بخدا موجودہ قسم کی مسلح جدوجہد کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اس لئے کسی بھی گروہ، فرد یا پارٹی کو کشمیری قوم کی لیورنگ جدوجہد اور درخشاں قربانیوں کے ساتھ کھیلنے کی اجازت ان کے ذاتی مفادات یا بیرونی آقاؤں کے اشاروں اور ان کے مفادات کے لئے نہیں دی جا سکتی اس لئے ہم نے بحیثیت قوم اپنی بقا اور اپنی برحق جدوجہد کو جاری رکھنے اور منزل مراد تک پہنچانے کے لئے پوری جدوجہد کا تجزیہ کرنا ہے۔ میری گزارشات پر غور کریں۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مندرجہ بالا تمام حالات، حقائق، رد عمل اور تجزیہ ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ ہم مسلح جدوجہد کی بجائے اپنی قومی آزادی کے مقاصد پرامن اور سول نافرمانی کی جدوجہد کر کے حاصل کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ اگر ایک ڈاکٹر اپنے مریض کی بیماری کو ایک دوائی سے ٹھیک نہیں کر سکتا تو اس کی بیماری کا دوبارہ بھرپور تجزیہ کر کے دوائی بدل دیتا ہے تاکہ مریض ٹھیک ہو جائے۔ اس لئے کشمیر کی جدوجہد آزادی کو سب سے بڑی اور اہم ضرورت ہے۔ سیاسی پلیٹ فارم کی، کیونکہ سیاسی پلیٹ فارم کے بغیر کبھی بھی کسی قوم نے اپنی منزل نہیں پائی ہے یہاں تک کہ مسلح جدوجہد بھی سیاسی پلیٹ فارم اور سیاسی قائدین کے تحت لڑی جاتی ہیں، قومی آزادی کے لئے دس اور چند روزہ کی تربیت لے کر لیڈر بننے والوں کے تحت پوری قومی آزادی کو تاریخ کے اوراق پر پہلی دفعہ دیکھا اور سنا ہے۔ اس لئے تاریخ سے سبق حاصل کریں۔ آپ سب تاریخ کو جھوٹا ثابت نہیں کر سکتے، تاریخ کے دھارے کے خلاف چلنے والے بھی منزل نہیں پا سکتے۔ اس لئے بندوق کو اپنے کندھوں سے الگ کئے بغیر بندوق کو سیاسی پلیٹ فارم کے تحفظ کے لئے رکھتے ہوئے عوام کو، اپنے کشمیری عوام کو سول نافرمانی کی صورت میں تحریک میں شامل کریں تاکہ سب سے پہلے عوام اپنے بل بوتے پر تحریک چلانے اور اس کے متعلق فیصلہ کرنے کے قابل ہو جائیں یہ پوری دنیا کو یاد ہو جائے کہ کشمیری قوم ایک سیاسی پلیٹ فارم کے تحت پرامن جدوجہد قومی آزادی کے لئے کر رہی ہیں۔ آج بھارتی فوج پر پتھر پھینکنے کے جرم میں کشمیری گولیوں کا نشانہ بن جاتا ہے تو اس کا رد عمل مسلح جدوجہد میں ایک ہزار افراد کے شہید ہونے سے زیادہ ہوگا کیونکہ بین الاقوامی قانون کے تحت بھارتی افواج کو پتھر پھینکنے والے نعرہ لگانے ہڑتال کرنے والے اور سڑکوں پر لیٹنے والوں کے خلاف گولی چلانے کا کوئی حق نہیں ہے اس طرح گولی کے بدلے گولی چلانے

کا جواز ہندوستان کے پاس باقی نہیں رہے گا۔

سول نافرمانی کے ہزاروں طریقے ہیں۔ ہڑتالیں، پہیہ جام، قلم چھوڑ، دفتر چھوڑ اور ہندوستانی مال کا بائیکاٹ، اس طرح ہزاروں شکلیں ہیں، سول نافرمانی جس سے ایک تو بھارت کو اخلاقی جواز سے محروم کریں گے یعنی گولی کے بدلے گولی چلانے کا اخلاقی جواز اور اپنے ہزاروں جوانوں کو بارڈر پر سرحد پار کرتے ہوئے شہید ہونے سے بچا لیں گے اور کراس فائرنگ اور کریک ڈاؤن کی صورت میں پاک باز خواتین کی عصمتوں کو تار تار ہونے سے بچا سکتے ہیں اور سب سے بڑی بات بین الاقوامی رائے عامہ کو اپنے مقاصد کی حمایت میں بیدار کر سکتے ہیں مگر یہ مشورہ صرف کشمیری قوم کے اندر اپنی جڑیں ہونے والے افراد یا پارٹیاں ہی مان سکتی ہیں۔ میں یہ مشورہ ان لوگوں کو نہیں دے رہا جو دوسروں کے مفادات کی جنگ دوسروں کے اشاروں پر لڑ رہے ہیں بلکہ صرف ان لوگوں کے لئے یہ مشورہ ہے جو کشمیری قوم سے اپنی وفاداریاں وابستہ کئے ہوئے ہیں اور یہ مشورہ لبریشن فرنٹ کے لئے ہے کہ کشمیری قوم کو ہم نے لبریشن فرنٹ کے پلیٹ فارم سے صدیوں کے خوف اور ڈر سے نکالنے کے لئے بندوق تھما دی اور آج یہ لبریشن فرنٹ صحیح فرنٹ کو نہیں مل رہی ہے اور بندوق کی سیاست بھی منزل آزادی تک نہیں لے جا سکتی اس لئے لبریشن فرنٹ ہی کشمیری قوم کی بقا اور قومی آزادی کو منزل تک پہنچانے کے لئے سول نافرمانی کی ابتداء کرے کیونکہ بندوق کی وجہ سے پوری ہندوستانی قوم بھی ہمارے خلاف متحد ہو کر لڑ رہی ہے کیونکہ ان کا پاکستان کے حوالے سے جواز موجود ہے جبکہ سول نافرمانی کی صورت میں ہندوستان کے اندر بھی انسانی اقدار سے محبت کرنے والے بھارتی فوج کے ظلم اور جبر کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور سول نافرمانی کی صورت میں وادی سے بھاگے ہوئے اقلیتی فرقے کے افراد بھی واپس آئیں گے اور جب ان کو احساس ہو گا کہ یہ مذہب یا پاکستان کی لڑائی نہیں بلکہ قومی آزادی کی تحریک ہے تو وہ بھی یعنی پنڈت لوگ بھی اس میں شامل ہوں گے۔ سیاسی جدوجہد اس خلاء کو پورا کرے گی جو سیاسی خلاء 124 گروپوں کے بندوق اٹھانے اور جدوجہد اور کشمیریوں کی قربانیوں کو اپنے اپنے معنی پہنانے سے پیدا ہوگا اور سیاسی جدوجہد کی صورت میں ایک عام آدمی بھی اپنے اظہار خیال کو بیان کر سکتا ہے اسے بھی تحریک میں جدوجہد

میں شمولیت کا احساس ہو گا۔ ویتنام سے امریکی فوج کے نکلنے کی ایک بڑی وجہ امریکی عوام کا ویتنام پر غاصبانہ قبضے کے خلاف آواز بلند کرنا بھی تھا اور کشمیر کے اندر لڑنے والے گروپوں نے ہندوستان کے تمام عوام کو اپنا دشمن جان کر ہندوستان کی عوام کو اپنے جائز حق یعنی حق آزادی کے سلسلے میں قائل کرنے کی کوشش نہیں کی۔

سول نافرمانی کی تحریک سے سیاسی عمل جاری ہوگا اور آپ عدالتوں کے ذریعے پر امن سیاسی دباؤ کے ذریعے ان گرفتار شدہ مجاہدین کا تحفظ کریں گے جو اس وقت ہندوستان کے تشدد خانوں، جیل خانوں میں مقید ہیں، یہ بات یاد رہے کہ 50 یا 60 قتل کے الزام میں مقید مجاہدین کا تحفظ سیاسی پلیٹ فارم کے بغیر کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہے۔ سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا فیصلہ کرنا بھی بڑا فیصلہ ہے مگر قومی درد رکھنے والے لوگ کسی بھی مجبوری کو سامنے نہیں رکھتے مگر قومی کاز کے فائدے اور بقا اور تحریک کی بقا اور منزل تک پہنچنے کے لئے یہ فیصلہ ضروری ہے البتہ اس فیصلے میں رکاوٹ بننے والے سرحد پار آئی ایس آئی کے لوگ یا وادی کشمیر میں گرنے والی لاشوں اور تار تار عصمتوں کا سودا کرنے والے آزاد کشمیر کے وہ سیاست دان بن جائیں گے جن کی سیاست اور جن کی روٹی کشمیر کے اندر چلنے والی گولی اور گرنے والی لاشوں پر ہی چلتی ہے۔ وادی کشمیر کے لوگ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ آزاد کشمیر کے اندر سیاست دانوں کو کشمیر کی آزادی سے کوئی غرض نہیں ہے سوائے اس کے کہ اس مسئلے کو زندہ رکھ کر خود سیاسی طور پر عوام کا استحصال کریں اور یہی حال بیرونی ممالک میں رہنے والے آزاد کشمیر کے لوگوں کا ہے جو سوائے چند کے اپنے کاروبار میں مصروف ہیں اور آزاد کشمیر کے سیاست دان عوام سے چندہ لے کر اپنی سیاسی دکانداری چلا رہے ہیں۔ ان کی سیاسی دکانداری بھی کشمیر کے اندر سول نافرمانی کی صورت میں بند ہو گی ایک بات یاد رکھنے والی ہے کہ بین الاقوامی ادارے کشمیر کی آزادی کے سلسلے میں ہر جگہ یہ سوال کرتے ہیں کہ کشمیر کے اندر اگر آپ قومی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں تو پاکستان کے خلاف آپ سڑکوں پر کیوں نہیں آتے؟ آزاد کشمیر کے اندر پاکستان کے خلاف سیاسی جدوجہد کیوں نہیں ہے؟ اور جب تک کشمیر کے دونوں خطوں میں سیاسی جدوجہد بھرپور طریقے سے نہیں ہو گی تب تک مسئلہ کشمیر کو بین الاقوامی رائے عامہ کی

حمایت حاصل نہیں ہو گی اور بین الاقوامی رائے عامہ کو اپنی جدوجہد سے ویڈیو کیمروں کے ذریعے روشناس کراؤ!

قارئین کرام اگر کشمیر کے اندر اعظم انقلابی اور نیشنل فرنٹ اب بھی سیاسی پلیٹ فارم اور سول نافرمانی کی ابتداء نہیں کریں گے جو مجھ سے زیادہ حالات جانتے ہیں تو اس تحریک کا انجام ایک المناک قومی المیہ کے سوا کچھ نہیں ہو گا اور بھارت پاکستان کے درمیان ایک خوفناک جنگ ہو گی اور برصغیر کے لاکھوں لوگ ایندھن بن جائیں گے۔ کیا بھارت اور پاکستان کے درمیان جنگ کا باعث بننے والے الحاق پاکستان کے لوگ پاکستان کے بھی کیا ہو گا!؟ ہم کشمیریوں کو کیا ملے گا؟! ایک اور تاشقند یا شملہ معاہدہ اور دونوں ملکوں کو اقتصادی تباہی سے دوچار ہونا پڑے گا۔ اس لئے کشمیری عوام اپنی قومی آزادی کی جدوجہد کو بھارت اور پاکستان کے درمیان کسی بھی صورت میں جنگ کا باعث بننے نہ دیں اور اس کی ایک یہ صورت ہے کہ ہم سیاسی پلیٹ فارم کے تحت سول نافرمانی کی تحریک کے تحت آزادی و خود مختاری کی جدوجہد کریں ورنہ جنگ کی صورت میں کشمیر کا موجودہ نقشہ بھی مزید ٹکڑوں میں تقسیم ہو گا اور کشمیری نیشنلسٹوں کو دو ٹکڑوں کے بجائے نہ جانے کتنے ٹکڑوں کو اکٹھا کرنے کی جدوجہد کرنی ہو گی۔ اس لئے کشمیر کی یکجہتی پر ایمان رکھنے والے دونوں طرف کے لوگ، سیاسی کارکن اور محب وطن کشمیری مصلحتوں کی زنجیریں توڑ کر اور ڈر اور خوف کو خیرباد کہہ کر اپنے چھوٹے چھوٹے مفادات کی قربانی دے کر کشمیر کی تحریک آزادی کے لئے اپنا رول ادا کریں ورنہ تاریخ کسی کو بھی معاف نہیں کرتی چونکہ کشمیری عوام بھی ابھی تک جدوجہد آزادی کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں مگر وہ 124 ٹولیوں سے تنگ آ چکے ہیں اور بندوق کی بجائے سیاسی عمل کے ذریعے تحریک آزادی میں بھرپور رول ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے عوام کی خواہشات کا احترام کر کے تحریک آزادی کو فتح کی منزل تک لے جانے کے لئے کشمیری عوام کی سوچ اور خواہش کی راہ اپنانا ہو گی ورنہ تاریخ اور قوم ہمیں اور ہمارے اعمالوں کو بھی قبروں سے نکالنے کے درپے ہو گی اور اس وقت ہماری قبروں پر سیکورٹی کا کوئی پہرہ دار لانے والا بھی نہیں ہو گا۔

☆☆☆☆

باب نمبر 5

اقوام متحدہ کی کشمیریوں سے ناراضگی

"بطروس غالی امریکہ کا ایجنٹ ہے۔" "بطروس غالی عیسائی ہے اس لئے مسلمانوں کا دشمن ہے" "بطروس غالی شرم کرو" "اقوام متحدہ مغربی ملکوں کا حاشیہ بردار ہے" "اقوام متحدہ کشمیر کے معاملے میں ذمہ داریاں پوری نہیں کرتا"۔

مندرجہ بالا آوازیں پاکستان کی سیاسی پارٹیاں بھی لگا رہی ہیں اور کشمیریوں کے ذمہ دار حلقوں سے بھی یہ آوازیں اور غیر شائستہ نعرے بلند ہو رہے ہیں۔ کسی نے بھی سنجیدہ طور پر کشمیر کے بارے میں اقوام متحدہ کے کردار کا نوٹس نہیں لیا اور تو اور کشمیریوں کی عہدیدار لیڈر شپ بھی اقوام متحدہ اور بطروس غالی کو گالی دے کر مظلوم کشمیریوں کے لئے اقوام عالم کی رہی سہی ہمدردیاں بھی گنوا رہی ہے۔ اصل میں ہم کشمیریوں کا ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کا المیہ مسئلہ جذبات کا رہا ہے ہم ہر مسئلے کو اپنے جذبات کی تسکین میں دیکھنا چاہتے ہیں اور اسے اپنے جذبات کے دائرے میں ہی حل کرنا چاہتے ہیں۔ بے شک حقائق ہمارے جذبات کے بالکل خلاف ہی کیوں نہ ہوں یقینی مثال کے طور پر جماعت اسلامی والوں نے 1971 میں Crush India کے نعرے لگائے پورے پاکستان کے در و دیوار پر یہ نعرے لکھے گئے مگر اس کا نتیجہ کیا نکلا!؟ مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بن گیا اور 95000 پاکستانی فوجی جنگی قیدی بن گئے اور آج بھی جماعت اسلامی اور دیگر جماعتیں Crush India کے نعرے لگا کر لوگوں کو جذباتی بنا کر ان سے چندے بھی وصول کرتے ہیں۔ اور بجائے کوئی ٹھوس لائحہ عمل بنانے کے نوجوانوں کو شہید بھی کرایا جاتا ہے لیکن نہ تو کوئی یہ بات بتاتا ہے کہ ہم انڈیا کو کس طرح Crush کریں

گے اور نہ ہی کوئی یہ پوچھتا ہے کہ انڈیا کو ہم سے کس طرح Crush کرانا چاہتے ہو؟ بس جذبات کی تسکین کرائی جاتی ہے اور کی جاتی ہے۔ اس طرح اب اقوام عالم کے سب سے بڑے ادارے اقوام متحدہ کے سب سے بڑے باشعور اور باعزت عہدہ دار جنرل سیکریٹری کو سرعام گالیاں دی جاتی ہیں کہ بطروس غالی نے یہ کیوں کہا کہ "اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں تب تک کوئی کردار ادا نہیں کر سکتا جب تک ہندوستان و پاکستان اقوام متحدہ کے پاس لے کر آئے گا تو بھی اقوام متحدہ اس مسئلے میں کوئی رول ادا نہیں کر سکتا اور ہم مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں مداخلت کی اپیل نہ کریں اور اگر دونوں میں سے ایک مسئلہ کشمیر کو لے کر اقوام متحدہ کے پاس آئے گا تو اقوام متحدہ اس مسئلے میں کوئی رول ادا نہیں کر سکتا اور ہم لوگ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کے اس بیان کو حقائق اور بین الاقوامی قوانین اور اقوام متحدہ کے اپنے چارٹر کے قوانین کے دائرے میں دیکھنے کے بجائے بس "جذبات" کی تسکین کے لئے گالیاں دے رہے ہیں کیونکہ ہمارا مسئلہ حقائق کی تلاش کے بجائے جذبات کی تسکین ہے، چاہے یہ کسی کو گالیاں دے کر ہی حاصل ہو۔ اس لئے آیئے ہم بطروس غالی کے بیان کو حقائق کے ترازو میں ڈال کر جائزہ لیں، ہم مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں بھارتی عوام، دنیا کی اقوام اور ان کے ادارے یعنی U.N.O کو اپنا دشمن بنا کر کشمیر کے مظلوم اور بے کس اور مصائب اور ظلم و جبر کے نیچے دبے ہوئے عوام کے اوپر مزید مسائل کا بوجھ لاد رہے ہیں؟ ہم کیوں نہ حقائق پر مبنی راستے پر اس سلسلے کو ڈال کر اقوام عالم کی حمایت حاصل کریں جبکہ ہندوستان کے عوام کے سامنے بھی ہندوستانی سیکورٹی فورسز اور ہندوستان کی فوج کے ظلم و ستم کو بے نقاب کریں تاکہ مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں اور انسانی حقوق کو ملیا میٹ کرنے کے سلسلے میں ہم کشمیریوں کو حمایت حاصل ہو۔

بطروس غالی صاحب نے سب سے پہلے اقوام متحدہ کی عمارت میں اپنی پہلی پریس کانفرنس میں ایک اخباری نمائندے کے سوال کے جواب میں کہا کہ "اقوام متحدہ کو کشمیر کے اندر انسانی حقوق کی پامالی کے سلسلے میں تشویش ہے مگر اقوام متحدہ اس سلسلے میں تب تک مداخلت نہیں کر سکتا جب تک مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں دونوں فریق یعنی ہندوستان اور پاکستان اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ لے کر نہیں آتے اور اگر ان میں سے ایک بھی فریق مسئلہ کشمیر لے کر آئے گا تو اقوام متحدہ پھر بھی اس سلسلے میں مداخلت نہیں کر سکتا"

سیکریٹری جنرل کا رول

سب سے پہلی بات اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے مسئلہ کشمیر کے اصل فریق یعنی کشمیریوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اقوام عالم کے ادارے میں پاکستان کے حکمرانوں نے پہلی غلطی یہ کی کہ اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر سے متعلق عنوان کا نام "جموں و کشمیر کی صورتحال" تھا اور پاکستان نے اس عنوان کو جنوری کے تیسرے ہفتے 1948ء کو "بھارت اور پاکستان کا مسئلہ" کا عنوان دے کر تبدیل کروایا اور اس پر پاکستان کے حکمرانوں نے قناعت نہیں کی بلکہ 13/ اگست 1948ء کو اقوام متحدہ نے جو قرارداد پاس کی تھی جس پر ہندوستان و پاکستان دونوں متفق ہوئے تھے اس میں واضح طور پر کہا گیا تھا کہ "کشمیری عوام اپنے مستقبل کا تعین کریں گے" اور اس پر اقوام متحدہ نے "اقوام متحدہ کا کمیشن برائے جموں و کشمیر" تشکیل دے دیا تھا لیکن پاکستان نے 5/ جنوری 1949ء کو اقوام متحدہ میں مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں ایک ترمیم پیش کی جس کے تحت سب سے پہلے "کشمیری عوام اپنے مستقبل کا تعین کریں گے" کے بجائے پاکستان نے تجویز پیش کی کہ "کشمیری عوام بھارت اور پاکستان میں سے کسی ایک سے ریاست کے الحاق کا فیصلہ کریں گے" اور اس تجویز پر بھارت نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور اس طرح اقوام متحدہ میں "اقوام متحدہ کا کمیشن برائے جموں و کشمیر" کا نام تبدیل کر کے "اقوام متحدہ کا کمیشن برائے بھارت و پاکستان" رکھ دیا اور مسئلہ کشمیر کا نام اقوام متحدہ میں "انڈیا پاکستان مسئلہ "India Pakistan Question" پڑ گیا اب اسی حوالے سے اقوام متحدہ کے آئین کے حلف اٹھانے والے اس کے سیکریٹری جنرل نے اگر اس مسئلہ کو بھارت اور پاکستان کا مسئلہ قرار دے کر صرف "دونوں فریقوں" کی بات کی ہے تو اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔ اصل "مجرم" تو وہ ہیں جو کشمیر اور پاکستانی عوام کی آنکھوں پر جذبات کی چادر چڑھا کر اپنے چہرے چھپا لیتے ہیں۔ بہر حال یہ علمی اور عملی حقائق کی باتیں ہیں جن کی وجہ سے اقوام متحدہ مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں کشمیریوں کو اصل فریق کے طور پر نہ جانتا ہے اور نہ ذکر کرتا ہے۔

2۔ اب اصل موضوع پر آتے ہیں کہ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے کشمیر کے اندر ہندوستانی فوج اور سیکورٹی فورسز کے بے دریغ قتل و غارت اور انسانی حقوق کی ذلت آمیز

پامالی کے باوجود اس مسئلہ کو "انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے اندراج کیوں رکھا اور مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں "دونوں فریق" یعنی ہندوستان اور پاکستان کے اکٹھے اس سلسلے کو اقوام عالم میں پیش کیے بغیر اقوام متحدہ کی مداخلت کو خارج از امکان قرار دیا۔

قارئین کرام! اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کے اس موقف کی وجہ 1972ء میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان شملہ معاہدہ ہے کیونکہ U.N.O (اقوام متحدہ) کے چارٹر (قوانین) کے مطابق "اقوام متحدہ کے ممبران ممالک کے درمیان ہونے والے کسی بھی معاہدے کو بین الاقوامی قانون کا تحفظ حاصل ہوگا مثلاً جب شملہ معاہدہ کو ابتدا میں ان الفاظ سے شروع کیا گیا...... "اور پھر اس شملہ معاہدے میں ہندوستان و پاکستان نے مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں تیسرے فریق اور اقوام متحدہ یا کسی بھی انٹرنیشنل فورم کو یوں رد کر دیا ہے......؟

قارئین کرام کشمیر کے سلسلے میں شملہ معاہدے میں جب دونوں ملکوں نے معاہدہ میں تسلیم کیا کہ

(1) حد متارکہ جنگ بندی لائن کو کنٹرول لائن کا نام دیا جائے گا۔

(2) دونوں فریق کنٹرول لائن کے دونوں طرف کنٹرول لائن کے تقدس کو پامال نہیں ہونے دیں گے اور اپنی اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں گے۔

(3) دونوں فریق مسئلہ کشمیر کو بات چیت کے ذریعے حل کریں گے۔

(4) دونوں فریق ایک دوسرے کی رضامندی کے بغیر کسی بھی انٹرنیشنل فورم میں مسئلہ کشمیر کو نہیں لے جائیں گے جب تک دونوں فریق اس کے لئے رضامند ہوں۔

اپنی غلطیاں

ان حالات میں جبکہ اقوام متحدہ کے سامنے دونوں ملکوں کے درمیان ہونے والے معاہدے کا جواز موجود ہو تو پھر کس طرح اقوام متحدہ اس مسئلے کو اپنے ہاتھ میں لے۔ ہاں البتہ اقوام متحدہ کے چارٹر میں ایک دفعہ ایسی ضرور ہے۔ "جس کے تحت اقوام متحدہ کسی

ملک میں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزی پر مداخلت کر سکتا ہے لیکن اس کا جواب صرف اور صرف مختصر سا یہ ہے کہ بے انتہا قربانیاں دینے کے باوجود ہم نے خود اتنی غلطیاں اغوا، کاری اور چند توں کے نکلنے وغیرہ کی وجہ سے کی ہیں کہ اقوام عالم ہماری تحریک آزادی کا حامی نہ بن سکا اور پھر اس شملہ معاہدے کی وجہ سے ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس شملہ معاہدے کو بھٹو صاحب کے بعد جنرل ضیاء اور پھر بے نظیر بھٹو اور نواز شریف سبھوں نے قبول کیا اور سیز فائر لائن کو کنٹرول لائن تسلیم کرکے اس کا تقدس برقرار رکھا جس کی مثال 11 فروری 1992ء اور اس سے پہلے 1990ء میں ملتی ہے اور پھر پاکستان اگر شملہ معاہدے کا پابند نہ ہوتا تو قارئین کو غور کرنا چاہئے کہ پاکستان نے تکنیکی طریقے سے مسئلہ کشمیر کو کسی بھی بین الاقوامی فورم پر نہیں اٹھایا بجز انسانی حقوق کے حوالے اسلامی کانفرنس وغیرہ میں ضرور بات کی گئی مگر کسی اسلامی کانفرنس میں جہاں پر اکثر ممالک، عراق کے بچوں کے قتل اور تباہی کے لئے خود کھربوں ڈالر مغربی ممالک کو دے چکے ہیں اور دے رہے ہیں اور نا جانے کتنے سال تک دیتے رہیں گے اور پھر ایک بات یاد رہے کہ پاکستان کے بارے میں امریکہ اور اس کے حلیف ملکوں میں بھی بے انتہا بدگمانیاں موجود ہیں اور ہمارے سامنے عراق کا حال ہے کہ عراق کو خود مسلمانوں نے کھربوں ڈالر دے کر تباہ کرایا اور اب لیبیا کے خلاف پابندیاں لگنے کی ابتدا ہو چکی ہے مگر کون سا ایسا ملک ہے دنیا میں جو لیبیا عراق کے ساتھ کھڑا ہے؟ کوئی بھی نہیں کیونکہ کوئی بھی خودکشی کرنے کے لئے تیار نہیں کیونکہ اب امریکہ کے سامنے کھڑا ہونے کا مطلب خودکشی کے سوا کچھ نہیں، میں یہاں "انتہا پسند" مذہبی لوگوں کو یاد دلاتا ہوں کہ روس کو کافر اور کمیونسٹ قرار دے کر گالی بھی دیتے رہے ہو اور اس کے خلاف امریکہ کے اشاروں پر استعمال بھی ہوتے رہے ہو جبکہ روس پوری دنیا میں طاقت کے توازن کا ایک پلڑا تھا اور جب سوویت یونین نہیں رہا تو امریکہ کو پوری دنیا میں من مانی کرنے کا پورا حق مل گیا اور اگر یہ حق وہ ہمارے خلاف بھی استعمال کر رہا ہے تو ہمیں اب شکوہ کس بات کا؟ اور پھر جو بھی پاکستان کو "جذباتی" بنا کر امریکہ کے خلاف ڈٹ جانے کا مشورہ دے رہے ہیں بخدا وہ پاکستان کے بدترین دشمن ہیں کیونکہ پاکستان کی اقتصادی حالت جو ہے اس کا حساب بزرگ صحافی حبیب الرحمان نے 27/اپریل کو "اسلام آباد ڈائری" کے عنوان سے جنگ میں دیا ہے میں اس کو یہاں نقل کر رہا ہوں "وفاقی وزیر خزانہ جناب سرتاج عزیز نے اعلان کیا ہے کہ

پاکستان کو سو ارب یعنی نو کھرب روپے سے بھی زیادہ کا مقروض ہو چکا ہے اس میں ستر ارب ڈالر سے زیادہ کے بیرونی قرضے بھی شامل ہیں" ان حالات میں پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جنگ دونوں ملکوں کے لئے تباہی کے سوا اور کسی بھی مسئلے کا حل لے کر نہیں آ سکتی اس لئے کشمیریوں کو شملہ معاہدہ سمیت پاکستان کی تمام مجبوریوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ تک کشمیر کے سلسلے میں یا تو پاکستان ہندوستان کے ساتھ تمام تعلقات ختم کرے اور شملہ معاہدہ کو منسوخ کرنے کا اعلان کرے تب جا کے آپ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر لے کر جا سکتے ہیں اور اس کے لئے بھی سلامتی کونسل کے پانچ ممبروں کی حمایت آپ کو حاصل ہونی چاہئے۔ اس لئے نہ صرف کشمیریوں کو پاکستان کی مجبوریوں کو نظر میں رکھ لینا چاہئے بلکہ پاکستان کے حکمرانوں اور سیاست دانوں کو بھی مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں انتہائی تدبر کے ساتھ کام لے کر پاکستان کو جنگ کی تباہی سے بچانا چاہئے اور وہ بھی اس وقت جب پاکستان قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے اور مغربی ممالک بھی پاکستان کے خلاف بدگمانیاں رکھتے ہیں اور ہندوستان کے حکمرانوں کو بھی ہوش کے ناخن لینے چاہئیں اور ہندوستان کے غریب عوام کے لئے اپنے ملک کو ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لئے مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں برصغیر میں امن اور وہ بھی پائیدار امن قائم کرنے کے لئے لچک پیدا کرنی چاہئے کیونکہ دونوں ملک کھربوں روپیہ دفاع پر خرچ کر رہے ہیں اور اگر مسئلہ کشمیر حل ہو جائے تو دفاع پر خرچ ہونے والے اخراجات برصغیر کے غریب عوام کے علاج اور ان کا پیٹ بھرنے کے کام آ جائیں اور اس سلسلے میں ہندوستان کے باضمیر عوام، دانشوروں، سیاست دانوں اور گاندھی کے پیروکاروں پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کشمیر کے اندر سیکورٹی فورسز اور بھارتی فوج کے بے گناہ عوام بچوں اور عورتوں کے خلاف قتل، تشدد اور عصمت دری کا سلسلہ بند کروائیں اور معصوم عوام کے خلاف بے دریغ طاقت سے گریز کریں اور حالات کو نارمل کرنے کے لئے گرفتار شدہ تمام کشمیریوں کو رہا کریں۔ مقدمات واپس لیں، گلی کوچوں سے بنکر اور سیکورٹی فورسز واپس بلا لیں، فوج اور سیکورٹی والوں کے ہاتھوں ہونے والی زیادتیوں کے خلاف عدالتی کمیشن تشکیل دیں اور بے گناہ مرنے والوں کو معاوضہ ادا کیا جائے اور دونوں ملکوں کے حکمران مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں جھوٹی انا کو چھوڑ کر حقائق کا سامنا کریں۔

اصل مسئلہ

جہاں تک مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں اصل فریق یعنی کشمیریوں کا تعلق ہے تو کشمیریوں کے لئے سب سے پہلی اور اہم ضرورت یہ ہے کہ ہر مسئلے کو جذباتی پن کے بجائے حقائق کی نظر سے دیکھیں اور "کنویں" سے باہر آ کر "سمندر" میں رہنا سیکھ لیں کیونکہ اگر کنویں میں نہ رہتے ہوں گے تو مسلح جدوجہد کرنے والے اپنے کارکن دوستوں اور ساتھیوں کو رہا کرانے کے لئے لڑکیوں اور سول آبادی کے لوگوں کو اغوا نہ کرتے۔ میں نے بار بار کہا کہ مسلح جدوجہد کو مقامی تناظر میں دیکھنے کے بجائے عالمی تناظر میں دیکھو اور دنیا آج اغواکاری اور اغوا کے بعد قتل کو دہشت گردی اور سب سے گھناؤنا فعل قرار دے رہی ہے اور مجھے اپنی درماندہ اور مصائب اور ظلم و ستم کے کوہ کے نیچے دبی ہوئی قوم کی طرف سے مسلح گروپوں پر یہ بات واضح کرنے دیجئے کہ کشمیر کے اندر معصوم بچوں عورتوں اور مردوں کی شہادت اور عصمت دری اور جائیداد کی تباہی اور تشدد خانوں اور جیل خانوں اور انٹیروگیشن سینٹروں میں تڑپ کر شہید ہونے والوں کی حمایت اگر بین الاقوامی سطح پر نہ بڑھ سکی تو وہ صرف اور صرف بندوق کے غلط استعمال کی وجہ سے نہیں بڑھی۔ نیویارک میں مشیر الحق اور ان کے دو ساتھیوں کے قتل کا اقرار پریس کانفرنس میں کر کے کشمیر کے ایک نام نہاد لیڈر نے (جس کو اپنے گاؤں میں اب تک دس آدمیوں کی حمایت حاصل نہ ہو سکی) پوری کشمیر کی تحریک کو بین الاقوامی سطح پر دہشت گردی کی تحریک قرار دلوایا۔ میں نے سابقہ آرٹیکلوں میں تمام معاملات پر روشنی ڈالی ہے البتہ چند دن پہلے جب ایمنسٹی کے حکام سے ملا اور جاوید احمد شالہ کے گمشدگی اور ممکن قتل کے سلسلے میں تشویش کا اظہار کیا تو ایمنسٹی کے حکام نے مجھے ایک ویڈیو کیسٹ دکھائی جو India Today والوں نے مارچ میں News Track کے نام سے جاری کی ہے (انڈیا ٹوڈے ہر ماہ ویڈیو پر بھی انڈیا کی خاص خبریں جاری کرتا ہے۔ اس ویڈیو میں اغوا ہونے والے کسی پنڈت کا انٹرویو لیا ہے اور جاوید شاہد اور اخوان المسلمین کے "ملٹری ایڈوائزر" جناب یاسین بٹ کا انٹرویو لیا ہے دونوں نے اغوا ہونے اور اغوا کر کے قتل کرنے والوں کے بارے میں تفصیل دی ہے) مثلاً دونوں نے پروفیسر مشیر الحق اور ان کے قتل کے بارے میں بیان دیا ہے کہ "ہم نے ان کو سڑک پر کہا کہ تم لوگ جاؤ تم آزاد ہو اور

جب وہ چلنے لگے تو پیچھے سے ان کو گولی مار دی گئی" اور اپنی طرف سے اس طرح مارنے پر جواز بھی پیش کیا مگر دنیا میں ایسے طریقے سے قتل کرنے کو بے رحمانہ ہی قرار دیا جاتا ہے کہ آپ مرنے والے کو آزادی کا جھانسہ دے کر پیچھے سے گولی مار دیتے ہیں۔ یہ ظلم دکھا کر مجھ سے ایمنسٹی والے نے سوال کیا کہ "آپ تم جو جاوید شالہ کی بے گناہی کا رونا روتے آرہے ہو میں کس طرح جاوید شالہ کے لئے اپیل کروں اور ہندوستان پر دباؤ ڈالوں جبکہ جاوید شالہ ویڈیو انٹرویو میں تین بے گناہ انسانوں کے قتل کا اقرار کر رہا ہے اور مسٹر قریشی تم پہلے بھی بار بار بھارتی ظلم کی کہانیاں سناتے آئے ہو۔ بے شک وہ بے انتہا ظلم کر رہے ہیں مگر کشمیر کے اندر مسلح جدوجہد کرنے والے وہی کچھ کر رہے ہیں جو بھارتی فوج کر رہی ہے اگر تم اپنی قوم کی جدوجہد کو بین الاقوامی جدوجہد کے معیار کے مطابق رخ دے دو تو ساری دنیا کے عوام آپ کے مقاصد اور جدوجہد کی حمایت کریں گے" یہ تھے ایمنسٹی انٹرنیشنل کے ایک نمائندے کے خیالات۔ اس سے اگر اب بھی کشمیر کے اندر مسلح گروپوں کو عقل نہیں آئی جو روز اغوا کاری کر کے اصل میں تحریک آزادی کی جڑوں میں کلہاڑی مار رہے ہیں۔

وجہ کیا ہے؟

میں حیران ہوں کہ اب تک کشمیر کے اندر لڑنے والے مختلف گروپوں کے ارکان اس بات کا تجزیہ بھی نہیں کر سکے کہ کیا وجہ ہے کہ کشمیر کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں مرنے والے بے گناہ لوگوں کے باوجود اور وادی کی تمام تر آبادی ہندوستان کے خلاف ہو جانے کے باوجود اور مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ کے ایجنڈے پر ہونے کے باوجود دنیا کی رائے عامہ اور دنیا کے ادارے مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں ہمارے ہمنوا نہ بن سکے جبکہ انڈونیشیا میں غیر مسلح مظاہرین پر فوج کی فائرنگ کرنے کے خلاف پوری دنیا نے سخت رد عمل کا اظہار کیا اور اقوام متحدہ نے اپنا ایک مبصر تحقیقاتی حوالے کے طور پر انڈونیشیا روانہ کیا اور اسی طرح چند ہفتے پہلے ترکی نے اپنی کرد اقلیت پر گولی چلا کر پچاس آدمی مار دیئے جس پر صرف پوری دنیا نے مذمت کی بلکہ جرمنی نے فوراً ترکی کو ہتھیار دینے بند کر دیئے کیونکہ دونوں صورتوں میں مظاہرین غیر مسلح تھے اور دنیا میں غیر مسلح مظاہرین پر گولی چلانا سب سے بڑا ظلم اور ناقابل قبول اقدام سمجھا جاتا ہے جبکہ ہمارے ہاں کشمیر میں راتوں رات بندوق اور پستول کے زور پر

"لیڈر" کہلانے والے نوجوان، صحافیوں کو انٹرویو بیان دیتے وقت بھی پستول اور بندوق کی نمائش کو ضروری سمجھتے ہیں۔ ان حالات میں دنیا کے ممالک ہندوستان کے اس موقف کو تسلیم کرتے ہیں کہ کشمیر میں ہندوستان کو دہشت گردی کا سامنا ہے مثلاً ایک مثال اور دے رہا ہوں کہ میں نے ہندوستان ٹائمز کو انٹرویو دیا تھا جس میں میں نے کشمیری پنڈتوں سے اپیل کی تھی کہ وہ واپس وطن اور وادی میں اپنے گھروں میں واپس آجائیں جس کی تائید میں اخوان المسلمین نے بھی بیان دیا تھا کہ پنڈت واپس آجائیں مگر اس بیان کے جواب میں کشمیر کی ایک پارٹی نے بیان دیا ہے کہ "کشمیری پنڈتوں کو واپس بلانا غیر اسلامی فعل ہے" اب اگر کشمیری عوام میں اس جماعت سے یہ پوچھنے کی جرات ہو کہ اسلام میں کس جگہ یہ کہا گیا ہے کہ لوگوں کو مذہب کی بنیاد پر نکالا جائے تو کیا آپ اس کو درست تسلیم کریں گے؟ خدا کے لئے پنڈتوں کے گھروں اور ان کی جائیداد پر قبضہ کرنے کے عمل کو اسلام جیسے مقدس اور محبت کرنے والے مذہب کے ساتھ منسلک نہ کرو کیونکہ دنیا کا کوئی بھی مذہب نفرت، تشدد اور حقارت کا درس نہیں دیتا ہے اس لئے وادی کے اندر کشمیریوں کو بھی اپنے طرز عمل میں تبدیلی لانا ہو گی اور اپنے مسائل کو "جذباتی پن" کے حوالے کرنے کے بجائے حقائق کی آنکھوں سے تجزیہ کر کے اپنا طریقہ کار طے کرنا ہو گا ورنہ اگر تین سال تک غیر منظم مسلح تحریک ہزاروں جانیں لے کر اور ہزاروں عصمتیں قربان کرنے کے باوجود بھی دنیا کی رائے عامہ کو وہ فیصد بھی ہماری جدوجہد کا حامی نہ بنا سکی تو کیا گارنٹی ہے ہمارے نوجوانوں کے پاس کہ مزید تین سال میں ہزاروں آدمیوں کی قربانیاں دے کر ہم رائے عامہ کی حمایت حاصل کر سکیں گے۔ موجودہ راستے پر گامزن رہ کر؟ جبکہ اب بندوق کے زور پر مسلح نوجوان بھی سیکیورٹی فورسز کی طرح معصوم اور بے گناہ عورتوں کی عصمت دری کرنے لگے ہیں اور عصمتیں لوٹ کر ان کو قتل کرنے لگے ہیں جیسا کہ مارچ کے آخری ہفتے میں کاؤکدل کے علاقے میں کشمیری پنڈت موہن لال کے گھر میں گھس کر تین مسلح نوجوانوں نے موہن کی بیوی اور ان کی 19 سالہ لڑکی روزی کی پہلے عصمت دری کی اور بعد میں موہن لال اور ماں بیٹی کو گولی مار دی اور موہن لال کی بیوی نے مرتے وقت بیان دیا تھا اور پھر مسلح گروپ انسانی خدمت کرنے والے ڈاکٹروں کو بھی اغوا کرنے لگے مثلاً ڈاکٹر ایس این ڈر جو کہ Chest Specialist ہیں، ان کو بھی اغوا کیا جبکہ لوگوں کو سوچنا چاہئے کہ ایک پنڈت اور ڈاکٹر کا کیا مذہب تھا؟ آخر سرینگر میں ٹھہرنے کے اور

مسلسل ہسپتال میں لوگوں کی خدمت کرنے کے اور پھر ہسپتال سے ہی ان کو اغوا کیا گیا؟ کیا ان اقدامات سے آپ کہیں خود جان بوجھ کر تحریک آزادی کو تیزی کے ساتھ کشمیریوں کی بے بہا قربانیوں کو مصائب کی بھٹیوں میں تو نہیں بدل رہے ہیں؟ کیا کہیں آپ ہندوستان کی فوج اور سیکورٹی فورسز کے بجائے خود اپنی قوم کے دشمن تو نہیں ہیں؟ خدا کے لئے اپنے طرز عمل پر محاسبہ کیجئے اور کشمیری عوام سے ایسی قربانیاں نہ مانگیں جس کا حاصل قبروں اور جیل خانوں کے سوا اور کچھ نہ ہو؟ اپنی پالیسی بدل دیجئے ماضی کا تجزیہ کیجئے اور خاص طور پر دانشور اور باشعور اور تعلیم یافتہ لوگوں کو آگے آکر اپنی قوم کو موجودہ دہشت زدہ اور گھٹن زدہ ماحول سے باہر لانا ہوگا اور جذبات سے باہر نکلنا ہوگا جیسا کہ گزشتہ دنوں کابل میں مجاہدین کے پہنچنے کے بعد وادی میں جشن منایا گیا اور کابل میں مجاہدین کے پہنچنے کو فتح قرار دیا گیا جبکہ حقائق یہ ہیں کہ اقوام متحدہ کے تحت نجیب اللہ نے اقتدار سے دستبرداری اختیار کی اور افغان فوجوں نے نئی بنائی گئی کونسل کے احکامات ماننے شروع کئے اور پھر بھی حزب اسلامی کے حکمت یار نے کسی بھی معاہدے کو ماننے سے انکار کیا اور اس طرح افغانستان کے دارالخلافہ کابل میں خون ریز جنگ ہو رہی ہے اور دونوں گروہ اسلام کی جنگ اب ایک دوسرے کو قتل کر کے لڑ رہے ہیں۔ اصل میں افغانستان میں اب ایک دوسرے کے ساتھ قبائلی اور نسلی بنیادوں پر جنگ جاری رہے گی اس لئے اپنی ہر غلطی کو اور اپنی ہر خواہش کو اور اپنے ہر عمل کو اسلام کا لیبل نہ لگایا کریں اس طرح آپ خود اسلام جیسے انصاف اور محبت کرنے والے مذہب کو دوسروں کے سامنے غلط رنگ میں پیش کر کے اسلام کے اصولوں سے روگردانی کر رہے ہیں جبکہ ہمیں اپنی تحریک آزادی کی حمایت کے لئے ہر مدد کی ضرورت ہے اور دنیا کے عوام اور دنیا کی حکومتوں اور عالمی اداروں کو اپنی منصفانہ جدوجہد کا قائل کرنا ہوگا ورنہ موجودہ حالات کی بنیاد پر تو ہم غالباً ایک صدی تک بھی اپنی منزل تک نہیں پہنچ سکتے اس لئے مسائل حل کرنے کے لئے ٹھوس لائحہ عمل بنا کر چلیں نہ کہ مسائل کو گالی دے کر جذبات وقتی طور پر ٹھنڈے کریں۔ یہ گالی آپ اقوام متحدہ کو دیں یا امریکہ کو دیں یا ہندوستان کو دیں یا بطرس غالی کو دیں، آپ کی گالی سے کسی کو فرق نہیں پڑے گا البتہ اگر آپ صحیح اور منظم اور پر امن جدوجہد کریں گے تو قوم کو ضرور فرق پڑے گا، قوم مسائل سے نجات حاصل کرے گی، خوف و دہشت کے ماحول سے باہر آئے گی، اقتصادی بربادی سے بچ جائے گی اور سب سے بڑی بات قوم کو منزل مل جائے گی۔

اس لئے میں نے ہندوستان ٹائمز کے ایک سوال کے جواب میں کہا تھا کہ ”ہندوستان و پاکستان ’’آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر کے آئین سے الحاق ہندوستان اور الحاق پاکستان کی شقیں نکال کر کشمیر کے دونوں طرف کے کشمیریوں کو اپنے نمائندے چننے کا حق دیں اور پورے کشمیر کے یہ منتخب نمائندے ایک جگہ جمع ہو کر کشمیر کے مسئلہ میں کسی حتمی موقف کی تلاش میں جستجو کریں اور کوئی حل نکال کر ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ مذاکرات کریں اور کشمیر کے بارڈر کشمیریوں کے لئے کھول دیئے جائیں مگر اس تجویز کی مخالفت وہ لوگ کرنے لگے جن کو اپنے گاؤں میں دس ووٹ ملنے کی توقع نہیں ہے اور وہ لوگ بھی مخالفت میں بیان بازی کرنے لگے جن کو معلوم ہے کہ ہم پستول اور بندوق کی بنیاد پر لیڈر کہلائے جا رہے ہیں اور اس طرح کوئی تعمیری تجویز پیش کرنے کے بجائے ذاتی مفادات کی خاطر برائے مخالفت کا عمل دہرانے لگے۔ یاد رہے فلسطین کے سلسلے میں بھی اقوام متحدہ نے 424 قراردادیں پاس کی تھیں مگر پھر بھی فلسطینیوں کو مذاکرات کی میز پر جانا پڑا حالانکہ فلسطین کا مسئلہ اور فلسطینیوں کی قومی آزادی کا مسئلہ دنیا کی رائے عامہ کے سامنے ہے اور کوئی شملہ معاہدہ بھی نہیں ہے اور کوئی قرارداد الحاق اردن یا الحاق شام بھی نہیں کہتا مگر ہم ہیں کشمیری قوم جو بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں اور جن کا مسئلہ قومی آزادی کے بجائے اقوام عالم کے سامنے اسے ہندوستان اور پاکستان کا مسئلہ بنا کر پیش کرنا رہ گیا ہے اور پھر بھی ہم کسی واضح موقف کے بغیر غیر منظم طریقے سے چل کر اقوام متحدہ کو بھی گالیاں دے رہے ہیں آخر اس طرح ہم کیا حاصل کر سکیں گے۔

(16/ مئی 1992ء)

اضافہ

قارئین کرام یہ بات بھی یاد رہے کہ شملہ معاہدہ کو پاکستان کی پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر منظور کیا اور جب تک شملہ معاہدے کو پاکستان کی پوری پارلیمنٹ متفقہ طور پر رد نہیں کرتی تب تک پاکستان شملہ معاہدہ سے باہر نہیں نکل سکتا اور شملہ معاہدہ کی رو سے ہی دونوں فریق جب تک راضی نہیں ہوں گے، بین الاقوامی فورم پر مسئلہ کشمیر نہیں اٹھا سکتے!

☆☆☆☆

باب نمبر 6

کشمیری قوم۔ سہ طرفہ یرغمال

تاریخ کشمیر کا بغور جائزہ لینے سے پتہ چلتا ہے کہ گذشتہ چار صدیوں سے یہ قوم کئی ناقابل برداشت اندرونی مصائب سے دوچار رہی ہے۔ بیش قیمت قدرتی وسائل کی بدولت یہ سرزمین غیر ملکی حملہ آوروں کی بھی نظروں میں کھٹکتی رہی ہے، مغل، افغان اور ڈوگرے یکے بعد دیگرے اس زمین میں دراندازہو کر یہاں کے عوام کو اپنی حرص و ہوس کا نشانہ بناتے رہے۔ ان حملہ آوروں کی مزاحمت کی جرات کرنے والے کشمیریوں کو زندہ کھال ادھیڑنے جیسی انسانیت سوز سزاؤں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ "مہذب" کہلانے والے انگریزوں نے سونے کے چند سکوں کے عوض اس سرزمین اور اسکے باشندوں کو فروخت کر دیا۔ برصغیر سے نکلتے وقت یہ سامراجی ملک (برطانیہ) مسئلہ کشمیر کا ایک ایسا ورثہ چھوڑ گیا جو صرف کشمیری عوام کے لئے اذیت اور احتیاج کا باعث بن چکا ہے بلکہ اس کی وجہ سے ہندوستان اور پاکستان کے کروڑوں عوام تین جنگوں کی تباہ کاریوں کا شکار بن چکے ہیں۔ برطانوی سامراجی یہی کرنا چاہتے تھے یعنی دونوں نے ممالک کو مسلسل دشمنی کی حالت میں رکھنا تاکہ وہ آپس میں لڑتے رہیں اور ان کے ہتھیاروں کی فروخت کے لئے منڈی فراہم کرتے رہیں۔ جب یہ دونوں لڑتے لڑتے بے حال ہو جاتے ہیں تو یہ لوگ ان پر دھونس جما کر ثالث کا کردار ادا کرتے ہیں اور ایسا کرتے وقت برصغیر کی معیشت کو کنٹرول کر لیتے ہیں۔

دونوں ممالک کے عوام دشمن حکمرانوں نے اپنی فوجوں کو ایک دوسرے کے سامنے صف آرا کر کے سامراجیوں کو اپنے مقاصد حاصل کرنے میں مدد دی۔ یوں دونوں

ممالک ترقی و تعمیر کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے اور معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ چوتھی مرتبہ جنگ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ برصغیر کی ایک کھرب سے زیادہ آبادی اپنی کم سے کم بنیادی ضروریات کی تکمیل کی خوفناک جدوجہد میں مصروف رہنے کے ساتھ ساتھ جابر حکمرانوں کی غلامی میں زندگی اور موت کے بڑھتے ہوئے بادلوں کے سائے میں اپنی زندگی کے دن گزار رہی ہے۔ بالآخر سارا بوجھ ہندوستان، پاکستان اور کشمیر کے غریب عوام کو ہی برداشت کرنا پڑتا ہے۔

کشمیر کے ایک طرف کنواں اور دوسری طرف کھائی ہے۔ ایک طرف ہندوستان کی سیکورٹی فورسز نے معصوم عوام پر ظلم برپا کر رکھا ہے تو دوسری جانب 150 سے زیادہ مسلح گروہوں نے اپنے ہی ہم وطنوں کو بندوق کا یرغمال بنا رکھا ہے پھر تیسری طرف سے پاکستان نے کنٹرول لائن کے دونوں جانب رہنے والے کشمیریوں کو پاکستان کے ساتھ الحاق کے لئے یرغمال بنایا ہوا ہے۔ اس مقالہ کو جو عنوان دیا گیا ہے اس کی وجہ یہی ہے۔

پوری کشمیری قوم اس وقت ہندوپاکستان اور مسلح گروہوں کی یرغمال بنی ہوئی ہے۔ یہ تینوں اغوا کار اپنے شہریوں کی طرح کشمیریوں کو ایک تباہ کن جنگ کے دہانے پر لا کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ آزادی، یکجہتی، سلامتی اور مذہب جیسے خوشنما الفاظ کا شور پیدا کر کے برصغیر کے لاکھوں ناخواندہ جاہل عوام کو مویشیوں کی طرح ہانکنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ تینوں عوام دشمن فریق اپنی خامیوں، کمزوریوں اور ظالمانہ حربوں کا قصور ان لوگوں پر ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں جو مسئلہ کا پرامن حل کھوجنے کے علمبردار ہیں۔

آئیے ہم ان تینوں میں سے ہر ایک فریق کا الگ الگ جائزہ لیں۔ پہلے ہم ہندوستان کے موقف کا تجزیہ کرتے ہیں۔ عالمی قوموں کی برادری میں عموماً ہندوستان کو عزت سے دیکھا جاتا ہے (اگر ہمارے یہ کہنے سے کسی پاکستانی کو غصہ آتا ہو تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ البتہ حقیقت پھر حقیقت ہے)۔ حتیٰ کہ اسلامی ممالک میں بھی ہندوستان کی کچھ عزت ہے۔ ہندوستانی معیشت کی رگوں میں مشرق وسطیٰ کے ممالک سے آنے والی ایک بڑی ندی بھی بہہ رہی ہے۔ لیکن ایک طاقتور ملک اور ایک بہت بڑی جمہوریت ہونے کی وجہ سے ہندوستان کا جو عکس قائم ہے، کشمیر کی بدولت وہ آلودہ ہو سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے

کہ ہندوستانی حکمران افسر شاہی اور سیاستدان تاریخ سے کوئی سبق حاصل کرنا نہیں چاہتے یا پھر وہ حاصل کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ وہ وحشیانہ طاقت، جبر اور جیلوں میں ٹھونسنے کی سامراجی پالیسی کے ذریعہ ہی عوامی بغاوت کو کچلنا چاہتے ہیں۔ نتیجتاً ہندوستان کو اپنی غیر جانبداری اور جمہوریت کی وجہ سے جو عزت و احترام حاصل تھا وہ سیکورٹی فورسز کے ظالمانہ سلوک کی وجہ سے گھٹ گیا ہے کیونکہ اس سلوک سے کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ کئی انسانی حقوق تنظیمیں کشمیر میں سیکورٹی فورسز کی طرف سے روا رکھی گئی خلاف ورزیوں کی تفصیل پر مبنی رپورٹیں جاری کر رہی ہیں۔

ایمنسٹی انٹرنیشنل نے 1992ء میں "انڈیا: ٹارچر، ریپ اینڈ ڈیتھس ان کسٹڈی" (ہندوستان: تعذیب، عصمت دری اور حراستی اموات) کے عنوان سے 195 صفحات پر مشتمل ایک رپورٹ جاری کی تھی جس رپورٹ میں ہندوستان بھر میں ٹارچر، حراستی اموات اور عصمت دری کے واقعات جیسی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے واقعات شامل ہیں۔ کشمیر کے متعلق رپورٹ میں لکھا ہے۔ "کل میں نے 18-20 سال کی عمر کے ایک مریض کو ہسپتال سے چھٹی دے دی جو تین ماہ سے یہاں داخل تھا اس کے جسم کے 20 فیصد زیادہ حصہ گرم استری سے جلنے کے گہرے زخم تھے۔ جلنے کے زخم اس قدر خطرناک تھے کہ میں اور دوسرے ڈاکٹر مشکل سے اس کی زندگی کو بچا سکے۔ اس کی بغل میں گولی بھی ماری گئی تھی۔ کپڑے پریس کرنے والی استری سے اسے سوپور میں پوچھ تاچھ کے دوران آرمی نے ٹارچر کیا تھا"۔ انٹرویو سرینگر کے ہسپتال میں ایک ڈاکٹر نے دسمبر 1990ء میں دیا تھا۔ رپورٹ کے صفحہ نمبر 21 پر لکھا ہے کہ "مبینہ غنی نے ایک رپورٹر کو بتایا: "ہم زار و قطار رو رہے تھے میں نے انہیں بتایا کہ میں نے اپنے شوہر کو نہیں دیکھا لیکن انہوں نے میری بات نہیں سنی۔ میرے خیال میں چار چھ لوگوں نے میری آبرو ریزی کی۔ "حراستی اموات" کے زیر عنوان 27 ایسے لوگوں کی تفصیل دی گئی ہے جو سیکورٹی فورسز کی حراست کے دوران ٹارچر کی وجہ سے ہلاک ہو گئے تھے۔ یہ تو کشمیر میں ہو رہا ہے جہاں لڑائی جاری ہے۔ لیکن بتایا گیا کہ دلی میں بھی 73 لوگ اور مدھیہ پردیش میں 61 آدمی پولیس حراست کے دوران مارے گئے تھے۔ اس لئے ان داستانوں کے گشت کرتے ہندوستانی حکام کے اس بیان سے

اتفاق کرنا بعید از حقیقت ہوگا۔ کشمیر میں ایسا کچھ نہیں ہو رہا۔ ہندوستانی سیکورٹی فورسز کے ذریعہ کشمیریوں پر ظلم کی کہانیوں کے عالمی سطح پر ثبوتوں کی موجودگی کے باوجود حکام کا کہنا ہے کہ یہ سب سیکورٹی فورسز کو بدنام کرنے کے لئے پروپیگنڈہ ہے۔ یہ ناقابل قبول ہے۔ روزنامہ الصفا کے 18 ستمبر کے شمارہ میں جموں کے ایک پناہ گزین کیمپ سے کسی کے ایل کول کی اپیل شائع ہوئی تھی جس پر پنڈت فرقے کے کئی معزز افراد نے بھی دستخط کر رکھے تھے۔ (یہاں یہ بات دھیان میں رکھنا ہوگی کہ یہ وہی کشمیری پنڈت ہیں جنہیں مسئلہ کشمیر کی وجہ سے ہی اپنے گھربار چھوڑ کر بے گھر ہونا پڑا ہے) اپیل میں لکھا تھا "شری کول کے ساتھ ہم سب ان مظالم کی شدید مذمت کرتے ہیں جو ہندوستانی قابض فورسز ہمارے بھائیوں پر ڈھا رہی ہیں"۔

یہی نہیں بلکہ خود ہندوستان کے مختلف انسانی حقوق اداروں نے بھی ہندوستانی حفاظتی عملہ کے ہاتھوں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے خلاف احتجاج کیا ہے۔ سول لبرٹیز گروپ اور جسٹس تارکنڈے کی رپورٹیں ہندوستانی جمہوریت پر ایک داغ ہیں۔ گاندھی اور نہرو کے سکھائے عدم تشدد والے ملک کے طور پر ہندوستان کی جو شناخت قائم تھی عالمی رائے میں وہ بھی مسخ ہو رہی ہے۔ کلکتہ کے ہندو مسلم فسادات کو روکنے کے لئے گاندھی جی نے مرن برت رکھ لیا تھا۔ انہوں نے کشمیر کے متعلق برملا کہا تھا۔

"کشمیریوں کو ان کی خواہشات کے مطابق ان کا حق دینا ہوگا۔ اگر اس کی وجہ سے علاقائی رقبہ کے لحاظ سے ہندوستان کو سکڑنا بھی پڑتا ہے تو پڑے۔ اگر ہندوستان کی روح پاک اور منصفانہ ہے تو یہ اہنسا کا گہوارہ بن سکتا ہے۔ اگر ہندوستان کشمیری عوام کو مطمئن نہیں رکھ سکتا تو عالمی برادری کی نظر میں اس کی شبیہ خراب ہو جائے گی۔"

کیا ہندوستان کے دانشور، امن پسند عوام اور گاندھی جی کے پیروکار گاندھی جی کے (حوالہ: آتش چنار) کے ان الفاظ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس ظلم و تشدد پر غور کریں گے جو ہندوستانی سیکورٹی فورسز نے کشمیریوں پر روا رکھا ہوا ہے؟ کیا وہ بین الاقوامی سطح پر اس ظلم کی مذمت کو ذہن نشین رکھ کر یہ احساس کریں گے کہ گاندھی جی کی پیش گوئیاں سچ ثابت ہو رہی ہیں۔ کیا ہندوستان کا امن پسند جمہوری چہرہ مسخ نہیں ہو رہا؟ ہندوستان کو پنڈت

جواہر لال نہرو کا وہ اعلان بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے جس میں انہوں نے کشمیریوں کے حق خودارادیت کو قبول کرتے ہوئے کہا تھا:

"کشمیری قوم بھیڑوں کا گلہ نہیں ہے جسے ہندوستان یا پاکستان اپنی مرضی کے مطابق ہانک لیں۔ کشمیری عقلمند اور بہادر لوگ ہیں جنہیں آزادانہ طور پر اپنی مرضی کے مطابق رہنے کا پورا اختیار ہے۔"

ان حقائق کی روشنی میں ہندوستانی سیاستدانوں، ہمدردوں، دانشوروں اور حکمرانوں کو کشمیر کے متعلق اپنی پالیسی پر نظر ثانی کرنے اور کشمیریوں کے حق خودارادیت کو تسلیم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ گاندھی جی کے بھارت کا چہرہ مسخ نہ ہو۔

آیئے اب ہم اس دوسرے فریق کی پوزیشن پر نظر ڈالیں جس نے کشمیریوں کو اپنے عزائم کے لئے یرغمال بنا رکھا ہے۔ کشمیر میں ہندوستان کو بنیادی طور پر آزادی کے حصول و حفاظت، خودارادیت اور کشمیریوں کے انسانی و دیگر حقوق کی حفاظت کے لئے اٹھایا گیا تھا لیکن عوام کی آزادی اور حقوق کی حفاظت کرنے کے بجائے وہی بندوق بتدریج ظلم و جبر کا ذریعہ بن گئی۔ کشمیر میں کم از کم 154 تنظیمیں پیدا ہو گئیں۔ متحد ہونے کے بجائے کشمیری لوگ معمولی اختلافات کی بنا پر مزید گروہوں میں تقسیم ہوتے گئے۔ عوام کی مشکلات کو کم کرنے کے لئے "انہیں کوئی پروگرام دینے کے بجائے ان پر بڑے تاوانوں کا بوجھ بھی ڈال دیا گیا۔ مکمل گوریلا تربیت کی جگہ صرف چند روز کی ٹریننگ حاصل کر کے کچھ جوانی کے جوش والے کچھ مجاہدین جذبات کی رو میں بہہ گئے اور بھیڑ میں شامل ہو کر سیکورٹی فورسز پر گولیاں چلانے لگے۔ اس طرح انہوں نے سویلین گروہوں کو سیکورٹی فورسز کی گولیوں کا نشانہ بنانا شروع کر دیا۔ یہی نہیں بلکہ انہوں نے وادی کے اندر سکولوں اور کالجوں کی عمارتوں کے علاوہ اسلامیہ کالج سرینگر کی نایاب نسخوں والی لائبریری اور سائنس لیبارٹری کو بھی سپرد آتش کر دیا۔ دلیل یہ تھی کہ ان میں سیکورٹی فورسز قیام پذیر ہوتی ہیں۔ ان عمارتوں میں واقعی حفاظتی فورسز ہی ٹھہری تھیں اور انہیں تباہ بھی کر رہی تھیں۔ لیکن سکول اور کالج جو قوم کے لئے تحفہ تھے راکھ کا ڈھیر بنا دیئے گئے۔ درگاہ حضرت بل کی لائبریری کے اندر چھپ کر سیکورٹی فورسز کے ساتھ گولیوں کا تبادلہ کرنے کا فیصلہ حکمت عملی اور سوجھ بوجھ

کے افلاس کی وجہ سے کیا گیا تھا جس کے نتیجے میں درگاہ کا شاندار کتب خانہ تباہ ہو گیا۔

آیئے اس تحریک کے سماجی کردار پر بھی نظر ڈالیں۔ آزادی کے عظیم مقصد کے حصول کے لئے شروع کی گئی تحریک کی صفوں میں شامل سرگرم کارکنوں نے لوگوں کے خانگی، ذاتی اور دنیاوی معاملوں میں دخل اندازی شروع کر دی۔ دو میاں بیوی کے جھگڑوں میں فریق بننے لگے۔ بندوق بردار نوجوانوں نے وہی کرنا شروع کر دیا جو پہلے کانگریس اور نیشنل کانفرنس کے غنڈے کیا کرتے تھے۔ عمارتی لکڑی کے سمگلر جنگلات کے پیڑوں کو کاٹ کر ٹرک میں بھر بھر کر شہروں قصبوں میں لاتے اور کہتے کہ یہ لکڑی فلاں مجاہد یا فلاں تنظیم کی ہے۔ اس طرح جنگلات کا صفایا کر دیا گیا جو عوام کی املاک ہوتی ہیں اور جن پر آئندہ نسلوں کا مستقبل منحصر ہے۔ بھاری رقوم حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو اغوا کیا جانے لگا۔ مجاہدین کے عقیدے پر غور کرنا بھی ضروری ہے۔ جو لوگ خود کو ببانگ دہل مجاہد کہتے تھے، وہی گرفتار ہونے کے اگلے دن سے ہی سیکورٹی فورسز کے مخبر بن جاتے اور اپنے ہی ساتھیوں کی شناخت کے لئے فورسز کی گاڑیوں میں سوار ہونے لگتے تھے۔

شہروں کو شدید اقتصادی دباؤ کے زیر کیا جانے لگا۔ سینکڑوں لوگ بنیادی ضرورتیں پوری نہ ہونے کی وجہ سے مشکلات کا سامنا کرنے لگے اور محرومیت اور افلاس کا شکار بن گئے۔ کئی بزرگ شہریوں کو اغوا کیا جانے لگا وائس چانسلر اور سرکاری ملازموں کو اغوا اور قتل کر کے یہ خونی تحریک ایک قومی آزادی تحریک کے طور پر بین الاقوامی حمایت حاصل کرنے میں ناکام ہو گئی۔ انسانی حقوق کی صرف چند تنظیمیں ہی انسانی حقوق کی ان پامالیوں کا تذکرہ کرتی ہیں۔ پھر اس کے بعد بین الجماعتی اغوا اور ایک دوسرے کے کارکنوں کی ہلاکتیں شروع ہو گئیں جن کی بدولت قومی آزادی تحریک کو سخت نقصان پہنچا۔ 90 سالہ بزرگ مولانا مسعودی کو قتل کر دیا گیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جماعت اسلامی کے قائد سید علی شاہ گیلانی نے نہ صرف مولانا کی قبر پر فاتحہ خوانی کی بلکہ ان کے قتل کی مذمت بھی کی۔ یہیں پر اکتفا نہیں کی گئی۔ مولانا کے جسمانی طور پر معذور بیٹے کی ساری جائیداد کو جلا کر راکھ کر دیا گیا۔ میر واعظ مولانا محمد فاروق کو بھی گولیوں سے بھون ڈالا گیا۔ الصفا اخبار کے مدیر محمد شعبان وکیل کو سچ تحریر کرنے کی پاداش میں ان کے دفتر کے اندر گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

میر مصطفیٰ کا خون بہایا گیا اقلیتی فرقے کے ایک معالج ڈاکٹر کول کو گھر سے باہر بلایا گیا اور پھر اس کو اور اس کی بیوی کو گولیوں سے بھون دیا گیا۔ اس کے علاوہ ذاتی انتقام کی خاطر لوگوں کو ہلاک کیا جانے لگا اور قتل کے بعد انہیں مخبر قرار دے دیا جاتا۔ اقلیتی فرقہ کی ایک دوشیزہ روزی کی پہلے عصمت دری کی گئی اور اس کے بعد اسے اور اس کے باپ اور ماں تینوں کا قتل کر دیا گیا۔ کشمیر کے عوام اس بہیمانہ قتل پر احتجاج کرنے کے لئے گھروں سے باہر نکل آئے تھے مگر انہیں یہ بتا کر خاموش کر دیا گیا کہ مقتولین "ہندوستانی ایجنٹ" تھے۔ اس طرح انصاف کرنے اور ظلم و بربریت کے خلاف لڑنے کے بجائے ایسے وحشیانہ جرم اور درندگی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن کشمیری خواتین کی داد دینی چاہئے جنہوں نے روزی اور اس کے والدین کے قتل کے خلاف احتجاج کے لئے سڑکوں پر زبردست مظاہرہ کیا تھا۔ ظلم آخر ظلم ہے چاہے اس کا ارتکاب کرنے والا کوئی بھی کیوں نہ ہو انصاف اور اسلامی نظام کے دعویداروں کو یہ بات خاص طور سے ذہن میں رکھنی چاہئے کہ حضرت عمر کے دور میں مصر کے گورنر نے ایک عام آدمی کو بے گناہ کوڑے مارے تھے جس پر حضرت عمر نے اس عام آدمی کو گورنر کی پیٹھ پر کوڑے مارنے کا کہا تھا۔ بلکہ ایک بار حضرت عمر نے اپنے بیٹے کو کوڑے مارے تھے اور کوڑے کھاتے کھاتے وہ وفات پا گئے تھے۔ مگر آج اسلام کے دعویدار کشمیر کے اندر ایک دوسرے کے آدمیوں کو اغوا کر کے قتل کرنے کو اسلام کا نام دے رہے ہیں؟

اختر رسول اور محمد رشید کو جن کو اغوا کر کے قتل کر دیا گیا۔ دونوں عربی زبان میں پی ایچ ڈی تھے اور پھر مولوی جاوید کے بھائی کو اغوا کر کے قتل کرنے سے اسلام کی کونسی خدمت ہوئی۔ آپریشن بالاکوٹ کے ملک مقبول کو انتہائی بے دردی سے نہ صرف یہ کہ قتل کیا گیا بلکہ ان کی آنکھ نکالی گئی اور ان کی داڑھی کو جلایا گیا اس وحشیانہ کارروائی پر لوگوں نے بھرپور احتجاج کیا اور اعظم انقلابی نے "تحریک حریت" کے سیکریٹری جنرل کے عہدے سے یہ کہہ کر استعفیٰ دے دیا کہ جب تک مولوی فاروق، شعبان وکیل اور ملک مقبول کے قاتلوں کو لال چوک میں پھانسی نہ دی جائے تب تک ہم تحریک حریت کے اتحاد سے باہر رہیں گے۔ اعظم انقلابی جنہوں نے ساری زندگی قومی مفادات کے لئے وقف کر دی ملک مقبول کے قتل پر اشکبار تھے اس سلسلہ میں ہمیں رسول اکرم کی اس تاکید کو یاد رکھنا چاہئے جو انہوں نے

بار بار کی کہ "لاشوں کی بے حرمتی مت کرو" اور یہ کہ "وحشیانہ طریقے سے قتل نہ کرو" قرآن پاک میں بھی بے گناہ کے قتل سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔

مگر میرے کشمیر میں آزادی کے نام پر مسلح گروپ چنگیزی دور کے ظلم و ستم روا رکھے ہوئے ہیں۔ ملک مقبول کو جس طرح آٹھ دن تک اغوا میں رکھ کر تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور پھر بے دردی اور سفاکی سے قتل کیا گیا اس پر کیا کشمیری قوم "مجاہدین" آزادی سے یہ سوال پوچھنے کی جرات کرے گی کہ کیا کشمیر ایک دوسرے کو اغوا اور قتل کرنے سے آزاد ہوگا؟؟ یہ تحریک کسی ٹھوس منصوبہ بندی اور دور رس حکمت عملی کے بغیر اچانک شروع کی گئی تھی۔ چنانچہ ایسے تحریک دشمن واقعات کو ہونا ہی تھا۔

میں نے 1990ء میں لکھا تھا کہ "بندوق سے ہم نے بہادری مثالی ہے مگر اب بندوق سے زیادہ سول نافرمانی کی ضرورت ہے تاکہ بین الاقوامی حمایت حاصل ہو" اور یہ صاف نظر آرہا تھا کہ غیر منظم اور ڈسپلن سے عاری مسلح گروپ آگے چل کر آزادی کی بجائے اپنے ذاتی، شخصی اور گروہی مفادات کی زد میں آکر ایک دوسرے کو قتل کریں گے اور یہی کچھ وہ کر رہے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ خطرناک صورت جو سامنے آئی ہے وہ یہ اس تحریک میں پاکستان کے ملوث ہونے کے بارے میں ثبوت فراہم کرنے کی۔ مثلاً چودہ اگست منانا، گروپوں کے نام "ضیاء ٹائیگر" رکھنا۔ اس چیز کو عالمی سطح پر ہندوستان کیا اس انداز میں پیش نہیں کر رہا کہ دیکھو جی یہ سب کچھ پاکستان کروا رہا ہے۔ یہ کشمیریوں کی آزادی کا مسئلہ نہیں ہے۔ یاد رہے کہ کشمیری قوم آزادی اور خود مختاری کی بجائے الحاق کی جدوجہد کے نام پر مزید ایک صدی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کسی باشعور انسان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مذہبی رواداری کو اپنانے کی بجائے مذہبی جنونیت کو ترجیح کیوں دی جارہی ہے؟ جبکہ بنیادی طور پر یہ جنگ قومی آزادی کی جنگ ہے۔ مثلاً اخباروں میں ترسیم لال کو مسلمان ہو جانے کی دعوت دینے کا کیا مطلب ہے؟ افغانستان اور دیگر ممالک کے "مجاہدین" کو کشمیر کی جنگ آزادی میں شامل کر کے جماعت اسلامی والے کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ کیا اس طرح یہ پاکستان کو جنگ میں دھکیلنا چاہتے ہیں؟ اور ہندو پاک کو جنگ سے برباد کرنا چاہتے ہیں؟ کیونکہ ایک بات تو طے ہے کہ ایسے اقدامات کر کے اور ایسے عناصر اس جدوجہد میں شامل کر کے یہ تاثر

دے گا کہ جنگ کشمیریوں کی آزادی کی بجائے کسی اور ملک کی ہے۔ یہ اقدام نہ صرف یہ کہ کشمیریوں کے لئے مصائب اور تباہی کا باعث بنے گا بلکہ عالمی سطح پر اتنی بے بہا قربانیاں دینے کے باوجود کشمیر کی تحریک کو آزادی کی تحریک کی حیثیت سے حمایت نہیں ملے گی۔

اس کی ایک وجہ اس طرح کے غیر حریت پسندانہ اقدامات بھی ہیں اور کیا جماعت اسلامی والوں کو افغانستان کے عوام کا قتل عام کروا کر تسکین حاصل نہیں ہوئی کہ اب انہوں نے بندوقوں کا رخ کشمیر کے اندر کر دیا ہے؟ جماعت اسلامی اور پاکستان سے الحاق کی حامی تنظیموں کا پچھلے تین سال کا ریکارڈ دیکھئے۔ معلوم ہو گا کہ یہ بھارتی سیکورٹی فورسز کے خلاف کم اور کشمیر کی آزادی پسند تنظیموں کے خلاف زیادہ لڑے ہیں اور محب وطن کشمیریوں کو نہ صرف یہ کہ قتل کیا بلکہ ان کی آنکھیں نکالیں، داڑھی جلائی اور ان کے جسموں کے ساتھ بم باندھ کر انہیں دھماکوں سے اڑا دیا۔

تحریک کو اس قتل عام کے بھنور سے نکالنے کے لئے کشمیر کے دونوں طرف کی محب وطن اور آزادی پسند (قوم پرستوں یا نیشنلسٹوں) کے اتحاد کی اشد ضرورت ہے جو کشمیر کو آزاد اور خود مختار دیکھنا چاہتے ہیں اور جنہوں نے اس کے لئے بے بہا قربانیاں دی ہیں ورنہ کشمیر مذہب کے نام پر تقسیم در تقسیم ہو کر کبھی اس کا تو کبھی اس کا غلام بنتا رہے گا۔ کیا کشمیری قوم پرست اور آزادی پسند اپنے فروعی اختلافات اور اپنی اپنی انا کو چھوڑ کر متحد نہیں ہو سکتے؟ ان محب وطن اور باشعور کشمیریوں کو اس غیر منظم جنگ سے پیدا ہونے والے اقتصادی اور سماجی مسائل کا بھی ادراک کرنا چاہئے۔ مثلاً ہمارے پنڈت بہن بھائی جو نکالے گئے یا خوف کی وجہ سے نکلے ہیں نہ صرف کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں بلکہ یہ بھی سنا ہے کہ ان کی خواتین کو ایسے بھی کام کرنے پڑ رہے ہیں جو کسی بھی ہم وطن کو دیکھتے ہوئے سر شرم سے جھک جانا چاہئے۔ کیونکہ یہ بات یاد رہے کہ قومی حوالے سے کشمیری پنڈت ہمارے بھائی بہنیں ہیں۔ پنڈت خواتین ہماری مائیں بہنیں ہیں اور کشمیر میں پیدا ہونے اور بسنے والے یہ کشمیری کشمیر کے اتنے ہی وارث ہیں جتنے وہ لوگ جو کشمیر کی قومی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

اس کے علاوہ وادی کے اندر دیگر اقتصادی مسائل بھی پیدا ہو رہے ہیں مثلاً روز

کی مزدوری، ٹورازم اور وادی کے اندر مختلف اشیاء کی تیاری پر زندگی بسر کرنے والے کشمیری محنت کشوں کے مسائل انتہائی شدت اختیار کر رہے ہیں۔ اور اب تو نوبت فاقوں تک جا پہنچی ہے اندر کی طاقت کے غلاموں نے ان تباہ حال ہم وطنوں کے ان مسائل پر بھی غور نہیں کیا ہے؟ ان پہلوؤں پر غور صرف اس لئے ہی ضروری نہیں کہ اس سے عوام کی طرف سے جدوجہد کو حاصل حمایت برقرار رہتی اور بڑھتی ہے بلکہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اس سے ہندوستان لوگوں کو بھگا نہیں سکے گا۔ ورنہ ان مسائل کو نظر انداز کرنے کی پالیسی سے یہ ہوگا کہ ہندوستان کے حکمران کشمیریوں کے جذبے کو کمزور کر دیں گے۔ اس کو مسخ کر دیں گے۔ اور پھر لوگوں کو یرغمال بنانے اور ان کو اظہار کی آزادی کا حق نہ دے کر بھی آپ خود تحریک آزادی کے دشمن بن رہے ہیں۔

اس لئے میں بڑی دردمندی سے آپ کو اپیل کرتا ہوں کہ اس طرز عمل سے ہم آزادی تو نہیں حاصل کر سکیں گے ہاں بہادری کی کہانیاں، دلدوز ظلم و ستم کی داستانیں اور یتیموں اور بیواؤں کی لاچارگی کا ایک طویل اور دردناک باب رقم کرنے میں ضرور کامیاب رہیں گے۔ اس لئے میں ہی نہیں بلکہ کشمیر کا ہر باشعور انسان اس وقت کشمیر کے اندر بندوق کی بجائے سول نافرمانی کو کامیابی کی ضمانت سمجھتا ہے کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ بندوق نے کشمیری عوام کو یرغمال بنایا ہوا ہے اور جب تک حقیقی مجاہدین عوام کو اس یرغمالی سے آزادی نہیں دیں گے کشمیری عوام بھارت اور پاکستان سے آزادی حاصل نہیں کر سکیں گے۔ آخری تجزیہ کرنے سے پہلے میں کشمیری عوام کو یرغمال بنانے والے تیسرے فریق یعنی پاکستان کے حکمرانوں کے کشمیر کے بارے میں رویے اور پالیسی اور پاکستان کے اقتصادی حالات کے بارے میں حقائق پیش کرنا چاہتا ہوں جو بے شک کچھ اندھے عقیدت مندوں کے لئے تکلیف دہ ہوں گے۔ لیکن حقائق سورج کی طرح روشن ہوتے ہیں کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ سورج کی کرنوں کو روشنی تو دینی ہوتی ہے نا! اور پھر فصل خزاں کو فصل خزاں کہنے کا مطلب...... گلشن سے غداری نہیں ہے۔

عام اور عقیدت مند کشمیری اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ پاکستانی حکمران کشمیریوں کے حق خود ارادیت کے حامی ہیں۔ جبکہ یہ صرف پروپیگنڈہ ہے۔ عملی طور پر اس کا تجزیہ کیا

جائے تو پاکستان کے حکمرانوں کا کردار کشمیر کے حوالے سے ہندوستانی حکمرانوں سے مختلف نہیں ہے۔ اس کے حق میں بھی دلیل یہ ہے کہ اگر مقبوضہ کشمیر کے آئین میں الحاق ہندوستان سے وفاداری اور کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ کہنے کا حلف شامل ہے تو آزاد کشمیر کے عبوری آئین 1974ء کی دفعہ 7 جز 2 کے تحت ریاست کے الحاق پاکستان سے وفاداری بشرط استواری شامل ہے۔ یعنی اس کے تحت کسی فرد یا جماعت کو ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے نظریہ کے خلاف کام کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور پھر آزاد کشمیر میں کوئی فرد الحاق پاکستان کے حلف نامے پر دستخط کئے بغیر الیکشن نہیں لڑ سکتا۔ 1984ء میں جب مجھے مری میں کشمیری مہاجرین کی سیٹ سے انتخاب لڑنے کی پیشکش کچھ ساتھیوں نے کی تو اسی حلف نامے کی وجہ سے میں نے انکار کیا تھا۔ جس کے بعد وہاں سے فاروق شاہ صاحب الیکشن لڑے اور کامیاب رہے)

اس کے علاوہ آزاد کشمیر کے صدر، وزیر اعظم اور وزیروں کو اسی آئین کے صفحہ 48 اور 47 پر درج حلف نامے کے الحاق پاکستان اور پاکستان سے وفاداری کا حلف اٹھانا پڑتا ہے۔ ان حالات میں دنیا کے کسی قانون کے تحت یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی ملک ایک طرف کسی قوم کے حق خود ارادیت کی حمایت کا دعویٰ کرتا ہو اور اسی سانس میں خود ارادیت کا مطلب خود سے الحاق قرار دیتا ہو۔

پاکستان کے حکمرانوں کے اس رویے کو کسی بھی صورت میں ہماری آزادی کی حمایت نہیں قرار دیا جا سکتا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پاکستان ہمیں اپنی غلامی میں لینے میں ہماری مدد کر رہا ہے۔

کشمیریوں کو پاکستان کے حکمرانوں کے گلگت، بلتستان کے ساتھ آزاد کشمیر کے حوالے سے سلوک پر بھی غور کرنا چاہئے۔ اگر تو حقیقت پر غور نہیں کرتے کہ 1947ء سے لے کر آج تک یہاں کیا ہوا؟ تو بے ادبی معاف! آپ کو باشعور کشمیری نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ نرم ترین الفاظ میں آپ کو اندھا عقیدت مند اور معقول ترین معنوں میں آپ کو بیرونی ممالک کا اپنے وطن کے خلاف آلۂ کار کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ پاکستانی حکمرانوں نے سب سے پہلے گلگت اور بلتستان کو آزاد کشمیر سے الگ کر کے دونوں خطوں کے عوام کے درمیان

نظریاتی اور سیاسی اخوت کے رشتوں کو کمزور کیا اور پھر گلگت اور بلتستان میں پچیس سال تک یعنی (غالباً) 1975ء تک F.C.R (فیڈرل کرائمز ریگولیشن) کے تحت پاکستان سے ایک سیکریٹری یا ڈپٹی سیکریٹری کے عہدے کے آدمی کو ریذیڈنٹ بنا کر اس کے ذریعہ حکومت کی۔ اور انگریزوں کے نوآبادیاتی اور سامراجی تسلط کی طرح یہی سیکریٹری یا ڈپٹی سیکریٹری کے عہدے کا شخص عدالت بھی تھا قانون بھی حکومت بھی۔ اس کے بعد جب F.C.R کا شخصی آمریت کا دور ختم ہوا تو بھی گلگت بلتستان کے لوگوں کو سیاسی حقوق نہیں دیے گئے۔ صرف اتنا فرق پڑا کہ "ریذیڈنٹ" کی بجائے حاکم کو ایڈمنسٹریٹر کا نام دے کر اس کو وہاں کے لوگوں کی تقدیر کا مالک بنا ڈالا گیا شاید یہ بات دنیا کے بہت سے لوگوں کے لئے حیرت کا باعث ہو گی کہ آج بھی گلگت و بلتستان کے لوگوں کو جن کی تعداد 15 لاکھ کے قریب ہے، ان کو پاکستان یا آزاد کشمیر کہیں بھی ہائی یا سپریم کورٹ میں سے انصاف مانگنے تک کا حق نہیں ہے۔ یعنی گلگت و بلتستان کے لوگوں کے لئے سیشن کورٹ کے بعد انصاف کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور اس کے بعد وہ ایڈمنسٹریٹر کے رحم و کرم پر ہوتے ہیں۔

اقتصادی حالت یہ ہے کہ کوئی انڈسٹری یا کارخانہ نہیں۔ پیداوار کے دیگر ذرائع بھی مفقود ہیں۔ تعلیمی میدان میں یونیورسٹی یا میڈیکل و انجینئرنگ کالج خوابوں کی باتیں ہیں۔

اگر کوئی ذہین طالبعلم اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ہزاروں میل دور پاکستان کے کسی کونے کے شہروں میں کوٹے کے حساب سے داخلہ عنایت کیا جاتا ہے اور وہاں وہ گلگتی یا بلتی اپنے ماحول اپنے کلچر اور اپنے لوگوں سے کٹ جاتا ہے اور اکثر واپسی کا راستہ گم کر دیتا ہے۔ مختصر الفاظ میں یہ کہ گلگت و بلتستان کے لوگوں کے ساتھ پاکستان کے حکمرانوں نے وہی پالیسی اپنا رکھی ہے جو انگریزوں نے پرانی نوآبادیوں بشمول ہندوستان کے ساتھ روا رکھی ہوئی تھی۔ اور پاکستانی حکمرانوں نے گلگت و بلتستان کے لوگوں کو انگریزوں کی طرف سے ورثے میں ملنے والے غلام سمجھ کر ان کو ان کے بنیادی انسانی، سیاسی اور شہری حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔ یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ 1947ء میں گلگت و بلتستان کے لوگوں نے کسی کی مدد کے بغیر مہاراجہ کے خلاف بغاوت کر کے پورے علاقے کو آزاد کروایا تھا لیکن بدقسمتی سے پھر خود پاکستان کے حکمرانوں کو دعوت دی کہ "یہاں اپنا نمائندہ

بھیج دو" اور آج تک گلگت و بلتستان کے لوگوں کو اس دعوت کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے۔

اب آزاد کشمیر کے ٹکڑے کو دیکھئے جہاں سیاسی بازی گروں کو آپس میں لڑانے اور پاکستان کے ایک سیکریٹری کے ماتحت رکھنے کے لئے ایک وزارت امور کشمیر قائم کی گئی اور اسی وزارت کا ایک معمولی کلرک بھی آزاد کشمیر کے وزیروں اور مشیروں کو اپنی دھن پر ناچنے پر مجبور کرتا چلا آرہا ہے۔

آزاد کشمیر کے ساتھ پاکستانی حکمرانوں کا کس طرح کا "بھائی چارہ اور اسلامی اخوت اور ہمدردی" ہے؟ اس کی حقیقت خود آزاد کشمیر کے سیاستدانوں کے بیانوں کی روشنی میں دیکھئے (یاد رہے کہ کشمیر کا کوئی بھی آزادی پسند کشمیری، آزاد کشمیر کو آزاد کشمیر نہیں بلکہ "پاکستانی مقبوضہ کشمیر" کہتا ہے) بہر حال آزاد کشمیر کے سیاستدانوں کے بیانات کی چند جھلکیاں دیکھئے۔

21 راگست 1991ء کو ڈان کراچی میں شائع ہونے والے ایک بیان میں آزاد کشمیر کے سابق وزیر اعظم نے پاکستان سے منگلا ڈیم رائلٹی کا مطالبہ کیا جو کہ چالیس ارب روپیہ بنتی ہے۔ اس بیان کی مزید دلچسپ تفصیلات یہ تھیں کہ حکومت پاکستان نے آج تک سنٹرل ریونیو ٹیکس میں سے آزاد کشمیر کو کوئی حصہ نہیں دیا۔ جبکہ پاکستان کے آئین کے مطابق پاکستان کے ہر صوبے اور پاکستان سے وابستہ علاقوں کا آبادی کے تناسب سے سنٹرل ریونیو میں سے حق بنتا ہے۔ آزاد کشمیر کا یہ حصہ جو حکومت پاکستان نے نہیں دیا یہ 32 ارب روپیہ بنتا ہے۔ اسی بیان میں آزاد کشمیر کے سابق وزیر اعظم یہ مطالبہ بھی کرتے ہیں کہ حکومت آزاد کشمیر کی جو جائیداد پاکستان میں ہے اس کی مالیت بھی کروڑوں میں بنتی ہے۔ اس کا کرایہ آج تک آزاد کشمیر حکومت کو نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد 23 راگست کو وزیر اعظم آزاد کشمیر ممتاز راٹھور نے پاکستان حکومت سے ایک پریس کانفرنس میں مطالبہ کیا کہ گلگت اور بلتستان کو آزاد کشمیر میں ضم کرے اور پاکستان اپنی فوجیں وہاں سے باہر نکالے۔

کراچی کے ڈان نے خبر شائع کی کہ سردار سکندر نے میرپور میں ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے وزارت امور کشمیر کو ختم کرنے کا مطالبہ کیا اور کہا کہ یہ کشمیری قوم

کے مفادات کے خلاف کام کر رہی ہے۔ (ڈان کراچی) لندن کے جنگ اخبار نے 11 راگست 1991ء کو لکھا کہ "سردار قیوم نے لاہور میں کہا بیرون ملک پاکستانی سفارت خانوں میں نہ تو کشمیر کے مسئلہ کے بارے میں کوئی لٹریچر موجود ہے اور نہ ہی سفارتی عملہ اس مسئلہ کے بارے میں کوئی ٹھوس معلومات فراہم کرنے کی زحمت گوارا کرتا ہے"

اسی طرح وقتاً فوقتاً آزاد کشمیر کے سیاستدان پاکستان کے منگلا کی رائلٹی گلگت بلتستان آزاد کشمیر میں شامل کرنے، وزارت امور کشمیر ختم کرنے اور کشمیر کی املاک کا کرایہ ادا کرنے کے مطالبات کرتے رہتے ہیں۔ یاد رہے کہ حال ہی میں صوبہ سرحد کے عوام کے مطالبہ پر اس کو تربیلا ڈیم کی چار ارب رائلٹی دی گئی ہے۔ لیکن کشمیر کے عوام منگلا ڈیم کی رائلٹی کی بات کریں تو ان کو پاکستان کا غدار قرار دیا جاتا ہے۔ مزید غور کیجئے شملہ معاہدہ کے بعد آزاد کشمیر کی اپنی ریگولر آرمی کو ختم کر کے اسے پاکستان کی آرمی میں ضم کر دیا گیا اور پھر الحاق پاکستان کے حلف ناموں پر زبردستی ان کی خواہشوں کے خلاف دستخط کرانے والوں نے آج تک آزاد کشمیر کو اور گلگت بلتستان کے چالیس لاکھ سے زیادہ لوگوں کو کوئی میڈیکل ٹیکنیکل یا انجینئرنگ کالج نہیں دیا۔ جو انٹر میڈیٹ کالج سے بہتر نہیں ہے۔ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سٹیشن تو خواب و خیال کی باتیں ہیں۔

صنعتی صورتحال یہ ہے کہ آزاد کشمیر میں بھی گلگت بلتستان کی طرح کوئی ایسی انڈسٹری نہیں لگائی گئی۔ جو یہاں کے عوام کے روزگار کا مسئلہ حل کر سکے البتہ پاکستانی سرمایہ داروں نے ٹیکس بچانے کے لئے ویسپا موٹر سائیکل کے پرزے جوڑنے والی فیکٹری لگا رکھی ہے۔ یا بجلی پلاسٹک کے تھیلوں کے چند کارخانے ہیں۔ آزاد کشمیر میں فش پالی، شیپ فارم، کیٹل فارم اور اس طرح کے فارمز بنائے جا سکتے تھے۔ جو پاکستان کے علاوہ مشرق وسطی کو بھی گوشت، مکھن اور دودھ وغیرہ سپلائی کر سکتے تھے۔ لیکن وہاں جان بوجھ کر عوام کو اقتصادی طور پر پاکستان کے علاقوں کا غلام رکھا گیا ہے اور آزاد کشمیر کے شہریوں کو پاکستان کے شہروں میں چوکیداری، بیرا گیری، برتن مانجھنے اور بیرون ملک نقل مکانی کرنے پر مجبور کر دیا گیا ہے۔

بیرون ملک جانے والوں کی دربدری اور دن رات کی خون پسینے کی محنت سے پاکستان کے حکمران زر مبادلہ ہڑپ کر کے ایک تیر سے کئی شکار کرتے ہیں اور کشمیر کے یہ

بکھرے ہوئے باشندے وطن بدری کی کوکھ سے جنم لینے والے تب نئے مسائل کے بوجھ کے دب کر اپنے دیس کی آزادی کے بارے میں سوچنے کے قابل نہیں رہتے اگر کچھ لوگ سوچتے بھی ہیں تو وہ بھی پاکستانی ذرائع ابلاغ کے زیر اثر صرف بھارتی مقبوضہ کشمیر کی آزادی اور وہاں ہونے والے ظلم وستم کے بارے میں شور مچانے میں ہی مصروف رہتے ہیں۔ اور اگر کوئی سرپھرا اس جال میں نہ آئے تو اس کو بھارتی ایجنٹ، اسلام دشمن اور کمیونسٹ قرار دے دیا جاتا ہے۔

ہندستانی مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے نام پر آج تک کشمیر، گلگت اور بلتستان کے لوگوں کو سیاسی اور اقتصادی طور پر بدترین غلامی میں رکھا گیا علاج معالجے سے محروم، اقتصادی لحاظ سے بدحال بدنصیب کشمیری عوام کو آپس میں لڑا کر ایک یا دوسرے شخص کو سیاسی قیادت کی کرسی پر بٹھانے کا کام کیا جاتا ہے یہ سب ہندستانی کشمیر کی آزادی کے نام پر ہوتا ہے اور کون کم ظرف ہے جو آزاد کشمیر کے ان 'مایہ ناز' سیاستدانوں کے اس فریضہ کو بہ احسن وخوبی انجام دینے پر تعریف نہیں کرے گا۔

یہ غالباً جولائی 1983ء کا واقعہ ہے جب مجھے گرفتار کر کے راولپنڈی لے جایا گیا اور مجھ پر آزاد کشمیر میں داخلے کی پابندی لگا کر چھوڑ دیا گیا میں سیمنٹ کی بوریوں کے ایک ٹرک میں بوریوں کے درمیان لیٹ کر رات کی تاریکی میں راولاکوٹ پہنچ گیا۔ اور وہاں ایک عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے یہ بات کہی "کشمیر کے لوگو! تم یوروپ اور مشرق وسطی میں پھیلے ہوئے ہو اور وہاں سے کروڑوں ڈالر زرمبادلہ بھیج رہے ہو۔ جو پاکستان کی معیشت کے لئے خون سے بھی زیادہ قیمتی ہے لیکن تمہیں یہاں آزاد کشمیر میں کوئی صنعت لگا کر نہیں دی جارہی جو کل کی تمہاری نسلوں کے لئے روزگار اور اپنے وطن میں ٹک کر رہنے کا وسیلہ بن سکے۔ اس لئے یاد رکھو کہ جب کل بیرون ممالک میں تمہارا روزگار ختم ہو جائے گا۔ یا وہاں سے رقم آنی ختم ہو جائے گی تو تم اپنے فریج، ٹی وی اور زیورات راولپنڈی جا کر فروخت کرو گے۔ مگر اس کے لئے بھی کرایہ ادھار مانگنا پڑے گا۔

"لیکن سوچو اپنی اگلی نسلوں کے بارے میں جن کے پاس بیچنے کو کچھ بھی نہیں

ہوگا اور وہ ادھر ادھر لٹیرے بننے پر مجبور ہوں گے۔ یاد رہے کہ اس وقت مشرق وسطی یوروپ اور امریکہ میں اکثریت آزاد کشمیر کے لوگوں کی ہے جو کٹھن حالات سے گزر کر سخت محنت ومشقت کر کے ایک ایک پائی بچا کر پاکستان کی حکومتوں کو کروڑوں روپیہ سالانہ زرمبادلہ بھیجتے ہیں۔ مگر آج تک ان محنت کش کشمیریوں کو کوئی بھی ایسی سہولت روزگار مہیا نہیں کی گئی جو ان کی آئندہ نسلوں کو در در بھٹکنے کے عذاب سے بچا سکتی ہے۔ آج بھی یہ صورت حال ہے کہ جب مشرق وسطی میں کام کرنے والے کسی کشمیری مزدور کی نوکری چھوٹ جاتی ہے یا چھوڑ کر آتا ہے تو ہنر مند اور محنت کش ہونے کے باوجود یہاں اسے کوئی کام نہیں ملتا اور وہ بیرون ملک قیام کے دوران اپنی جمع پونجی پر کچھ عرصہ گذرتا ہے پھر بیوی کا زیور یا گھر کی قیمتی اشیاء فروخت کر کے پھر کسی ریکروٹنگ ایجنسی کے چکر لگانے نکل پڑتا ہے۔ یہ سلسلہ گذشتہ پچیس سالوں سے جاری ہے اور اب تو تارکین وطن کی دوسری نسل بھی اس شکنجے میں جکڑتی جارہی ہے۔"

آزاد کشمیر میں علاج معالجے کی صورت حال یہ ہے کہ آج تک یہاں ماں بچوں کے لئے کوئی زنانہ ہسپتال نہیں ہے۔ شہروں میں گنی چنی خواتین ڈاکٹرز ہیں لیکن دیہاتوں میں اور پہاڑی علاقوں میں جہاں خواتین مرد، بچے، بوڑھے اور جوان بے شمار موذی امراض میں مبتلا ہیں وہاں علاج کا کوئی بندوبست نہ ہونے کے باعث ایڑیاں رگڑ رگڑ کر اپنے پیاروں کی آنکھوں کے سامنے جان دے ڈالتے ہیں۔ میرے بہت سے دوست اور جاننے والے جو بیرون ملک مقیم ہیں۔ وہ جب کبھی وطن واپس آتے ہیں تو گھر کے جن مصائب اور پریشانیوں کو دور کرنے میں جت جاتے ہیں ان میں ایک یہ ہوتی ہے کہ اپنے بزرگوں، خواتین اور بچوں کو راولپنڈی اور لاہور کے ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کو دکھاتے ہیں۔ اسی چکر میں آدھی چھٹیاں اور پوری کمائی ختم کر کے واپس چلے جاتے ہیں۔ اپنے لئے گھر سے دوری کا عذاب سہتے اور پاکستان کے حکمرانوں کے لئے زرمبادلہ اور پاکستان کے ماہرین کے لئے فیس اکٹھی کرنے والے میرے ہم وطنوں کو پاکستان کے حکمرانوں کی طرف سے اس بدترین اقتصادی غلامی میں جکڑا ہوا دیکھنے کے باوجود جو لوگ پوری ریاست کے پاکستان سے الحاق کی باتیں کرتے ہیں وہ دراصل کشمیری قوم کے گرد استحصال اور سیاسی اور اقتصادی غلامی کی زنجیروں کو مزید تنگ کرنے اور ان کو قانونی شکل دینے اور کشمیریوں کی لوٹ کھسوٹ کو مزید

بے رحم بنانے کی بات کرتے ہیں۔ اس لئے تھوڑی سوچنے کہ ان کو کشمیر کے مفادات کی جنگ سے دیکھنے پر کیا کشمیر کے عوام اور کشمیری قوم کا محب قرار دیا جا سکتا ہے؟؟

کشمیر قوم کو بے قتال بنانے والے اس تیسرے فریق کی طرف سے کشمیریوں کے ساتھ پاکستان کے مذہبی اشتراک کی بات بھی کی جاتی ہے اس سلسلے میں یاد رہے کہ حکمت یار، ربانی اور احمد شاہ مسعود وغیرہ بھی مسلمان ہیں اور افغانستان کے عوام بھی بلکہ ان سب نے نجیب اور روس کے خلاف بارہ سال تک جنگ کی ہے۔ لیکن وہاں اب یہ مجاہدین "جذبہ جہاد" سے سرشار ہو کر افغان بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کا بے دریغ قتل کر رہے ہیں۔ اور جس طرح حکمت یار نے کابل پر راکٹوں کی بارش کر کے کئی بے گناہ افغانوں کا خون بہایا اور ہزاروں کو بے گھر کر دیا۔ اس میں کشمیریوں کے لئے یہ سبق ہے کہ یہاں بھی اگر مذہب کی بنیاد پر نفرت کا بیج بویا گیا تو یہاں بھی اسلام محض سیاسی مقاصد کے لئے استعمال ہوگا۔ اور نہ صرف یہ کہ کشمیر مستقل تباہی اور فرقہ ورانہ فسادات کی زد میں آجائے گا بلکہ اسلام بھی دنیا بھر میں مزید بدنام ہوگا کیونکہ جب مسلمانوں کے مختلف فرقے آپس میں لڑ رہے ہوں۔ اور ایک غیر مسلم ان سے یہ اپیل کرے کہ "خدا را ہسپتالوں پر تو حملے نہ کریں۔ تاکہ وہاں پر ڈاکٹر مریضوں کا علاج کر سکیں۔" (افغانستان میں جب مسلمان کمانڈر آپس کے سیاسی اختلافات کی بنیاد پر ایک دوسرے کے حامیوں پر راکٹ برسا کر معصوم افغانیوں کو قتل کر رہے تھے۔ تو ریڈ کراس کے نمائندہ برائے ایشیاء "ژاں مشل موتو" نے ان سے اپیل کی تھی کہ ہسپتالوں پر حملے نہ کریں) تو ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی۔

دوسری طرف دیکھئے عراق، کویت، سعودی عرب اور ایران والے بھی تو مسلمان ہیں۔ لیکن خلیج کی جنگ میں کس طرح پہلے عراقیوں نے کویتیوں کو ہلاک کیا۔ پھر کویتیوں اور سعودی عرب والوں نے امریکہ اور دوسری بڑی طاقتوں کے ساتھ مل کر عراقیوں کا قتل عام کیا اور ایک اسلامی ملک نے تو بڑی طاقتوں کو دس ارب ڈالر بھی دیئے اور عراقیوں کی نسل کشی کرائی اور پھر ایران اور عراق بھی دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف جنگ کرتے رہے ہیں اور بارہ لاکھ مسلمان قتل ہوئے۔

خدا کے لئے اسلام جیسے مقدس اور ساری انسانیت کی بھلائی کے علمبردار مذہب کو اپنے جماعتی مفادات اور Power Politics اور گروہی اور فرقہ بندی کی اندھی خواہشوں کے لئے استعمال کر کے دنیا بھر میں بدنام نہ کرو۔ اور جو واقعی بے لوث اسلام کے پھیلاؤ کے لئے کام کر رہے ہیں اور جو مسلمان مغربی ممالک میں ہیں ان کے کام اور زندگیوں کو مزید مشکل نہ بناؤ۔ یہ اسی فرقہ وارانہ اور گروہی خواہشات کی غلامی میں ایک دوسرے کو قتل کرنے کا چلن ہی ہے۔ جس کی وجہ سے پوری دنیا میں آج مسلمانوں کو اور اسلام کو خوف زدہ کرنے والی مخلوق اور مذہب قرار دیا جانے لگا ہے۔ جبکہ اسلام کی بنیاد انسانیت، رواداری اور ایک دوسرے کے احترام جیسے عظیم اصولوں پر ہے اور پھر قرآن پاک میں واضح طور پر لکھا ہے کہ ایک بے گناہ انسان کا قتل پوری انسانیت کو قتل کرنے کے برابر ہے۔ خدا کے پیارے رسول محمد ﷺ نے تو ایک جنگ میں قید ہونے والوں میں سے ایک خاتون کے لئے اپنی چادر بچھا کر انہیں اس پر بٹھایا تھا اور خواتین بچوں اور بوڑھوں کو قیدی بنانے سے منع کر دیا تھا۔ لیکن ملک حتمول جیسے صالح انسان کو قید میں رکھنے اور ان پر تشدد کرنے انہیں قتل کرنے اور ان کی داڑھی جلا دینے جیسی حرکات کس قرآنی آیت، حدیث کی روح سے جائز ہے؟؟؟ کیا یہ سوال کشمیری قوم اسلام کے دعویداروں سے پوچھ سکتی ہے؟

اصل میں یہ سیاستدانوں کا گندا کھیل ہے۔ ایک دوسرے پر برتری حاصل کرنے کا اور دھونس کی سیاست Power Politics اسی کا نام ہے چونکہ عام آدمی اکثر انصاف پسند، دیانتدار اور امن پسند ہوتا ہے اس لئے سیاسی گروہ عام آدمی کو اپنے اصل گھناؤنے عزائم بتا کر اپنے ساتھ نہیں ملا سکتے۔ اس لئے کبھی مذہب کے نام پر کبھی اقتصادی خوشحالی کے نام پر اور کبھی نیشنلزم کے نام پر ایک دوسرے کے قتل پر اکساتے ہیں۔

بدقسمتی یہ ہے کہ عام آدمی سادگی اور شرافت کے ہاتھوں نشانہ بن جاتا ہے۔ وہ مستقبل کے سنہرے خوابوں کے حوالے سے اسی گروہی سیاست کا شکار ہو کر صرف یہی نہیں کہ صحیح راستے سے بھٹک جاتے ہیں بلکہ قتل و غارت اور ظلم و تشدد کی راہوں پر نکل کھڑے ہوتے ہیں۔ قدرتی طور پر انہیں اپنے خوابوں کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ ایسا عام اور غریب آدمی کے ساتھ نسل در نسل ہوتا آرہا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ تاوقتیکہ عام اور غریب

عوام اپنی طاقت، اپنے حقوق اور اپنی قدر و قیمت کا احساس اور شعور حاصل کر کے استحصالی عناصر کا احتساب نہ کریں تب ہی وہ ان کو مختلف لبادوں میں پہچاننے کے قابل ہو جائیں گے۔

اس لئے مسئلہ کشمیر کو مذہبی مسئلہ بنا کر پورے برصغیر کو ہولناک جنگ کے شعلوں میں جھونک کر کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔ اعلان جہاد کرانے اور افغانیوں کو کشمیر میں دھکیلنے سے کشمیریوں اور پورے برصغیر کے عوام کو جنگ کی تباہ کاریوں کے سوا کچھ نہیں ملے گا اور اقتصادی بدحالی مزید گہری ہو جائے گی۔ اس سلسلے میں اسلام آباد سے بزرگ صحافی حبیب الرحمان کی گیارہ اگست کی ڈائری کا حوالہ مناسب رہے گا وہ لکھتے ہیں کہ "پاکستان اپنی تاریخ کے بدترین مالی بحران سے گذر رہا ہے۔ اور دیوالیہ کی دہلیز پر کھڑا ہے "ایشیائی ترقیاتی بینک نے بتایا ہے کہ پاکستان کے ذمہ بیرونی قرضہ جات بائیس ارب ڈالر تک پہنچ چکے ہیں۔ اندرونی قرضے پانچ سو ارب ڈالر یعنی پانچ کھرب روپے کی وحشت انگیز بلندی کو چھو رہے ہیں۔ تجارت میں گذشتہ سال دو ارب تیس کروڑ ڈالر کا خسارہ رہا۔ بیرونی قرضوں کے سود کی مدوں میں ایک ارب پچاس کروڑ ڈالر دینے پڑتے ہیں "وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "اگر اس تباہ کن سمت میں پیش قدمی کو روکا نہ گیا تو ہمارے دفاعی نظام کی ضرورتوں کو بھی پورا کرنا دشوار تر ہو جائے گا۔ نئے ہتھیار کی خریداری اور موجودہ ہتھیاروں کے پرزوں کے حصول کے لئے بھی زرمبادلہ نہ ہوگا" آگے چل کر حبیب الرحمان نے پاکستان کے اندر مذہبی جنون کے ابھار اور پاکستان کو عراق کی طرح تباہی کے دہانے پر پہنچانے کے رجحان کی مندرجہ ذیل الفاظ میں مذمت کی ہے اور خبردار بھی کیا۔

"ہماری نادانی اور کم عقلی اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ چند مہینوں سے قزاقستان کے ایٹمی ہتھیاروں کا بار بار ذکر کر رہے ہیں۔ اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جا رہی ہے کہ ضرورت پڑنے پر یہ ہمارے کام آسکیں گے۔ لہذا کسی سے ڈرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ یہ ایک پرلے درجے کی خود فریبی اور بھولے بھالے پاکستانیوں کو گمراہ کرنے کی سازش سمجھی جا سکتی ہے۔ ماضی میں کسی نے مصیبت میں ہماری مدد نہیں کی۔ اور اگر کوئی بھی افتاد پڑی تو کسی کو ہمارا ہاتھ بٹانے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ کوئی ایسی وجہ نہیں کہ ہماری خاطر دوسرے سردرد مول لیں۔ ہماری عافیت کے لئے ضروری ہوگا کہ خود شناسی اور

مفاہمت کا رویہ اختیار کیا جائے۔ افغانستان میں فتح کا سہرا ناحق اپنے سر نہ باندھا جائے۔ افغانستان فتحیاب نہیں ہوا ہے۔ افغانستان تباہ و برباد ہوا ہے اس کی اقتصادی تباہی کی حالت یہ ہے کہ وزیر دفاع اپنی فوجوں کی تنخواہوں کے لئے چندہ مانگنے پر مجبور ہے۔ خوراک کی قلت نے قحط کی کیفیت پیدا کر دی ہے باہر سے امداد نہ پہنچی تو تین لاکھ افغانیوں کے فاقوں مرنے کا خطرہ ہے۔ اقوام متحدہ کے ایک ادارے کی رپورٹ کے مطابق افغانستان میں لاکھوں بارودی سرنگوں کو نکالنے کے لئے درکار سرمایہ نہیں ہے۔ اگر سرمایہ مل بھی گیا تو ان کو نکالنے میں عرصہ دس برس درکار ہوں گے۔ افغانستان کی تمام سڑکیں ٹوٹی ہوئی ہیں۔ اور بیشتر پل تباہ ہو چکے ہیں مزید طرفہ تماشہ یہ ہے کہ کبھی افغانستان کے راستے گیس لانے اور کبھی ریلیں چلا کر وسط ایشیا تک پہنچنے کی باتیں کرتے ہیں۔ جنہیں فی الحال ہوائی قلعے بنانے کے زمرے میں ہی رکھا جا سکتا ہے۔"

"اس طرح کی باتوں کا ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پاکستان کے سیدھے سادھے پریشان حال عوام کی توجہ بڑھتی ہوئی مہنگائی سے ہٹائی جائے اور انہیں اپنے حقیقی مسائل کو سمجھنے کا موقع نہ دیا جائے۔"

چند ہفتے ہوئے ایک محفل میں پاکستان کی ایک پڑھی لکھی خاتون نے خود مختار کشمیر اور میرے مضامین کے حوالے سے بے اختیار مجھ سے یہ سوال پوچھا "کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم اس کشمیر کو بھول جائیں جس کے ہم نے بچپن میں ترانے گائے ہیں؟" "تو سوال ہی ایسا تھا لہذا میں نے جواباً یہ سوال پوچھ لیا کہ بی بی تو کیا آپ یہ چاہتی ہیں کہ چونکہ آپ نے کشمیر کے ترانے گائے ہیں لہذا ہم ان ترانوں کے بدلے کشمیر آپ کے حوالے کر دیں؟" اس پر انہوں نے یہ کہہ کر بات دوسری طرف لے جانا چاہی۔ ایک بار میں نے ہالینڈ میں پاکستانیوں پر ریسرچ کے سلسلہ میں آپ سے رابطہ کیا تھا۔ تو آپ نے جواب دیا تھا کہ بی بی میں پاکستانی نہیں بلکہ کشمیری ہوں اگر کشمیر کے حوالے سے بات کرنی ہے تو میں حاضر ہوں۔ بہر حال میں نے اس پر یہی کہا کہ اس پر تو مجھے فخر کہ میں اپنے آپ کو کشمیری سمجھتا ہوں اور اپنی پہچان کا اظہار بغیر کسی خوف کے فخر سے کرتا ہوں۔

کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی سوچ پاکستان میں موجود ہے کہ حضور ہم نے ترانے

گا کہ تھے اس لئے کشمیر تمہیں دے دیں یا پھر ہمارے نام میں کشمیر کے حوالے سے "ک" شامل ہے اور قائد اعظم نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ کہا تھا۔ اس لئے چاہے پاکستان کو کشمیر کے اپنے ساتھ الحاق کے لئے عالمی سطح پر حمایت نہ بھی ملے پھر بھی آپ ہم سے الحاق کریں۔ بے شک پاکستانی قوم جنگ میں ملوث ہو کر تباہ و برباد ہو جائے مگر پاکستان تو اور کشمیری الحاق پاکستان ہی کا نعرہ لگاتے رہیں گے ظاہر ہے کہ اس طرح کی سوچ پورے برصغیر کو تباہی اور بربادی کے سوا کچھ بھی نہیں دے سکتی۔

لہذا ان کو وہ تینوں گروہوں یعنی بھارت، پاکستان اور کشمیر کے "مسلح گروہوں کو اپنے طرز عمل کا احتساب کرنا ہوگا اور اس کے لئے ضروری ہے کہ جنوبی ایشیا کے تمام ترقی پسند، امن پسند، غریب عوام، دانشور، وکلاء، طلباء اور مخلص سیاستدان جنگ بازوں کے خلاف "امن بازوں" کا ایک مشترکہ محاذ بنائیں اور ہندوستان اور پاکستان دونوں کو کشمیر سے فوجیں نکالنے پر مجبور کریں۔ انہیں برصغیر سے جنگ کو زمین بدر کرنا ہوگا۔ ہندوستان کے لوگوں کو کشمیر کے اندر انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور فوج اور سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں بے انتہا ظلم و ستم ڈھائے جانے کے خلاف جدوجہد کرنی ہوگی اور کشمیر کی گلیوں اور بازاروں سے فوجی بنکرز ہٹانے ہوں گے۔ کیونکہ اگر گلی کوچوں اور سڑکوں پر بنکرز موجود نہیں ہوں گے تو مسلح گروپ وہاں حملے بھی نہیں کریں گے۔ اس کے علاوہ تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کر کے کشمیر کے اندر سیاسی عمل کو بھی آزاد کر دیا جائے تاکہ عام لوگوں کو اظہار کا موقع ملے۔

پاکستان کے لوگوں کو بھی مذہبی جنونیت کے خلاف اٹھ جانا پڑے گا اور تیس جہاد کے اعلان اور تیس ہزار افغان کشمیر میں بھیج دینے کے فیصلوں کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے تاکہ مسئلہ کشمیر پر پاک و ہند کے درمیان ایک اور تباہ کن جنگ شروع نہ ہو۔

مسئلہ کشمیر کو تقسیم کے ذریعے حل کرنے کے منصوبے بنانے کی حوصلہ شکنی کر کے اس کے بجائے کشمیر کے تمام علاقوں یعنی جموں، لداخ، گلگت، بلتستان، وادی اور آزاد کشمیر کے علاقوں پر مشتمل نمائندہ اسمبلی میں کشمیر کے مستقبل کا فیصلہ لیا جائے۔ کیونکہ یہ مسئلہ ریاست جموں کشمیر کی تقسیم ہونے، مختلف ملکوں کے قبضے میں ہونے اور مختلف علاقائی ثقافتیں سوچ و نظریات اور مذہب ہونے کی وجہ سے خاصا پیچیدہ ہو چکا ہے اس لئے اس کو

جنگ اور تباہی سے حل کرنے کی کوششوں کے ذریعے پورے کشمیر کو کھنڈر بنا دینے کی بجائے تدبر، تحمل اور باہمی مفاہمت کے جذبوں سے حل کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے اور دونوں طرف کے جنگ بازوں اور مذہبی جنونیوں کے تباہ کن جذبوں کے خلاف مزاحمت کا دور شروع کرنا چاہیے۔

جہاں تک کشمیر کے اندر مسلح گروپ میں ہیں ان سے بھی استدعا ہے کہ دکھانے والے کا منہ نوچنے یا اپنے عمل اور اپنی گذشتہ جدوجہد کا تجزیہ کیا جائے۔ اور وہ جو آج سول نافرمانی کی باتیں کرتے ہیں ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ 1990ء میں سول نافرمانی کی تحریک چلانے کا مشورہ دیا تھا ان تین سالوں میں ہزاروں لوگوں کا خون بہا کر آپ کو کیا ملا؟

بہر حال اب مزید قتل و غارت، اغوا کاری، ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی کر کے عوام کو مزید مسائل میں دھکیلنے کی بجائے عوام کو تحریک چلانے اور اپنے حقوق کے لئے اظہار رائے کی آزادی دی جائے۔ الحاق کی تحریکوں میں شریک کشمیری ان سے باہر آ جائیں۔ اور غیروں کے اشاروں پر چلنے کی بجائے اپنے عوام اور اپنے ملک کی بہتری اور مفاد میں سوچنا اور عمل کرنا شروع کریں۔

اور چودہ اگست منانے سے اور اس دن تیس سے زیادہ انسانی جانیں گنوانے سے ایک جذباتی تسکین تو شاید حاصل ہو جاتی ہو لیکن آزادی کی تحریک پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور بین الاقوامی برادری کی نظروں میں بھارت کی اس دلیل میں مزید وزن پیدا ہوتا ہے کہ یہ تحریک پاکستان کے اشاروں پر چل رہی ہے۔ اور پھر کیا ہم نے اپنے آپ سے بھی یہ پوچھا ہے کہ دوسروں کی آزادی کے دن کو اپنی آزادی کا دن سمجھ کر جشن منانا ذہنی غلامی نہیں تو اور کیا ہے؟

ایمسٹرڈیم

اگست 1992ء

☆☆☆☆

باب نمبر 7

مسلح تحریک کی بجائے ترکِ موالات کیوں نہیں؟

عرصہ چار سال سے وادی کشمیر کے لوگ خاک اور خون میں نہا رہے ہیں۔ دسمبر 1992ء میں سوپور جیسے واقعات جن میں ہندوستانی اخبارات کے مطابق سو سے زیادہ لوگ جو بے گناہ تھے، کو نہ صرف وحشیانہ طریقے سے قتل کر دیا گیا بلکہ لوگوں کو سیکورٹی فورسز نے زندہ جلایا یہاں تک کہ ایک بس میں سوار بے گناہ لوگوں کو بس میں ہی قتل کر دیا گیا جس پر جموں سے شائع ہونے والے "کشمیر ٹائمز" نے "وردی میں قاتل" کی عنوان سے اس قتل عام کے خلاف زبانی احتجاج بھی کیا اور بس کا نمبر اور اس قتل عام کی تمام تفصیل دے دی کہ 500 سو سے زیادہ مکانات اور دکانات راکھ کا ڈھیر بنا دیے گئے فائر بریگیڈ اور ہسپتال وغیرہ کے عملے کو بھی قریب نہ آنے دیا گیا اور ایک کار کے مسافروں کو بھی زندہ جلایا گیا۔ یہ موت کا کھیل وادی کشمیر میں روز کا معمول بن چکا ہے۔ خانیار میں مئی 1991ء میں اور چھوٹا بازار میں 11 جون 1991ء کو یہی کھیل کھیلا گیا ہندواڑہ میں تمام شہر کو راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا اور ایک معتبر ذریعہ کے مطابق اب تک کشمیر میں نو ہزار سے زیادہ لوگ عرصہ چار سال میں ہندوستانی سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں شہید ہوئے ہیں اور سینکڑوں لوگ ایسے ہیں جو لاپتہ ہیں اور لاتعداد لوگ بارڈر کراس کرتے ہوئے سیز فائر لائن پر یا تو ہندوستان کی فوج کی گولیوں کا نشانہ بن گئے یا برف کے تودوں کا شکار ہوئے اور ایسے لاپتہ نوجوانوں کے عزیزو اقارب اور والدین کس کرب اور عذاب سے گذر رہے ہوں گے، اس کا اندازہ وہی لوگ

کر سکتے ہیں جو ایسے حالات سے گذر رہے ہوں گے اس کے علاوہ کشمیر اقتصادی طور پر تباہی کا شکار ہو چکا ہے۔ لوگ نہ صرف بے کار ہو چکے ہیں بلکہ ہینڈی کرافٹ، قالین بافی، سیاحت، فروٹ انڈسٹری یعنی کشمیر کا اقتصادی ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہے اور کشمیر کے دوسرے فرقوں کے علاوہ ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان بھی ہندوستان کے دوسرے شہروں میں جا چکے ہیں اور کشمیر کے اندر تباہی اور بربادی کے "دیوتا" کا راج ہر طرف قائم ہو چکا ہے اور اس تباہی کے تمام اثرات کشمیری عوام پر گہری طرح محسوس کئے جا سکتے ہیں یہاں تک کہ تعلیمی نظام بھی ایسا تباہ ہوا ہے کہ آئندہ ڈر ہے کہ کہیں یہ کشمیری اگلی نسل ان پڑھ نہ پیدا کر دیں جبکہ اس سے پہلے پورے ہندوستان میں ریاست جموں و کشمیر واحد ریاست تھی جو 47% پڑھے لکھے لوگ پیدا کرتی تھی لیکن اس تباہی کے بارے میں جو قابل غور اور قابل توجہ بات ہے وہ یہ ہے کہ اس ساری جدوجہد میں نہ کوئی تنظیم اور نہ کوئی فرد یا کوئی ادارہ کشمیری عوام کو تباہی سے بچانے کا کوئی قابل عمل فارمولا یا منصوبہ بتا رہا ہے اور نہ کوئی ایسی راہ دکھا رہا ہے جو روشنی کی کرن بن سکے۔ کشمیری عوام کے لئے البتہ چند مخصوص عناصر "افغانستان کی آزادی" کے حوالے دے رہے ہیں جو افغانستان آج کھنڈرات بن چکا ہے اور آزادی کی جنگ لڑنے والی تنظیمیں آج وہاں ایک دوسرے کو قتل کر رہی ہیں اور کابل پر اس قدر راکٹ برسائے جا رہے ہیں کہ روزانہ سو دو سو لوگ اور وہ بھی بے گناہ لوگ مارے جا رہے ہیں اور آج لوگ وہاں سے روسی فوجیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ مجاہدین کی آپس میں لڑائی کی وجہ سے محفوظ مقامات کی طرف بھاگ رہے ہیں۔ پچھلے دو ہفتوں سے "آزادی اور اسلام" کے دعویداروں نے کم از کم ایک ہزار سے زیادہ غریب اور بے گناہ لوگوں کو قتل کیا اس لئے خدا نہ کرے کہ کشمیریوں کو افغانستان جیسی "آزادی" میسر ہو جس میں کھنڈرات، تباہی اور ایک دوسرے کو قتل کرنے کے سوا اور کچھ بھی نہ ہو!

اب سوال یہ ہے کہ کیا ان حالات میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کو اپنی جان کے تحفظ کے لئے یا سچائی کا اظہار کرنے پر "بدنامی" کے ڈر سے ایسے ہی ہوتے دیا جائے؟ یا کشمیر کے دانشوروں، تعلیم یافتہ لوگوں، استادوں، طالب علموں، وکلاء اور عقل و شعور رکھنے والے بچے قوم پرستوں اور مصائب میں مبتلا عوام کو دعوت دی جائے کہ آئیں ہم اس پوری تحریک اور

اس کے خدوخال اور چار سالہ کارکردگی کا جائزہ لیتے ہیں اور اپنا اور دشمن کے نقصانات کا مقابلہ کرتے ہیں، دوستوں کی امداد پر نظر ڈالتے ہیں یعنی اگر ہم سیاسی، سفارتی اور مسلح جدوجہد کی سطح پر بہتر پوزیشن میں ہوں اور ہماری موجودہ جدوجہد کو اسی ڈگر پر جاری رکھ لیں اور اگر ہم نقصان میں ہوں اور ہماری قوم تباہی کے کنارے پہنچ گئی ہو تو ہم سب اس ساری جدوجہد کا تجزیہ اپنے اپنے معمولی مفادات کو ایک طرف رکھ کر کریں اور اپنی پالیسی یعنی طریقہ کار کو بدلنے کے لئے کوئی ایسا راستہ تلاش کریں جس سے ہم بحیثیت قوم اس المیہ کے المناک حادثے سے بچ سکیں یعنی اس المیہ سے جو ہماری قوم کو مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈبونے کی طرف لے جا رہا ہے۔ ایک بات واضح کردوں کہ قوم کی بھلائی کے لئے غریب انسان کے مفادات کے تحفظ کے لئے اور جدوجہد کو صحیح اور سچے راستوں پر دیکھنے کے جذبوں نے مجھے ہمیشہ سچائی کا اظہار کھلے عام اور بے خوف و خطر کرنے کی ہمت اور حوصلہ دیا اور میں نے اس دور میں بھی جب کشمیر کی موجودہ جدوجہد میں "ایک آدمی" کو I.S.I نے "بہت بڑا لیڈر" بنا کر پیش کیا اس کے اعمال جو وقتی اور ذاتی مفادات کے جذبوں کے تابع تھے، کی دلائل کی روشنی میں مخالفت کی اور وقت نے ثابت کر دیا کہ نظریاتی دوستوں کے اتحاد کی بجائے مفادات کے اتحاد کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی گئیں اور کل جن کے سیکرٹری بنے ہوئے تھے آج ان کو اب "گریش چندر سکسینہ" کے نام سے پکارا جاتا ہے اس لئے چونکہ وقت سے پہلے بات کرنے والا اکیلا رہتا ہو مگر اس کے ضمیر پر اس کی گردن پر ندی کسی بے گناہ کا خون ہوتا ہے اور نہ ہی اس کو پچھتاوے کے سانپ ڈستے ہیں اور پھر میں جو دو سال پہلے کہہ رہا تھا جن حالات، نتائج اور مسائل کی نشاندہی میں نے اپنے مضمونوں، خطوط اور انٹرویوز میں کی، وہی حالات اور وہی مسائل آج پیش گوئی کی صورت میں قوم پرستوں اور عقل اور شعور رکھنے والے بے لوث لوگوں کے سامنے آچکے ہیں، اس لئے آئیں آج ہم پھر اپنی جانوں اور اپنے مفادات پر ضرب پڑنے کے خوف سے نکل کر موجودہ حالات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے وادی کشمیر کے اندر ہونے والی جدوجہد کے بارے میں پہلے وہاں کے لوگوں اور لیڈران کی سوچ کے بارے میں تجزیہ کرتے ہیں کہ آج کے حالات کے بارے میں وہاں کے راہنما کیا فرماتے ہیں اور اس سلسلے میں سب سے پہلے جناب اعظم انقلابی صاحب کے 4 فروری 1993ء کے انٹرویو کے بارے میں جو انہوں نے ہندوستان ٹائمز کو

دیا تھا کہ "پہلے 16 مہینوں میں بندوق کچھ کنٹرول میں تھی مگر اب یہ کنٹرول سے باہر چلی گئی ہے اور اب یہ دو سالوں سے آپس میں لڑائی، اغواکاری اور قتل و غارت کی کہانی بن چکی ہیں اور دوسری طرف ریاستی دہشت گردی کی نشانی بن چکی ہیں"

"In the last two years it has gone completely out of control" he said, "It has become a story of infighting, kidnapping and killing on one side and of state terrorism on the other."

وادی کشمیر جہاں پر عوامی جدوجہد کی وجہ سے ہندوستان کے تمام ادارے اپنا کنٹرول کھو چکے تھے، اب ریاستی نظام آہستہ آہستہ وہاں بحال ہو رہا ہے اور مختلف تنظیموں سے وابستہ لوگ روزانہ پکڑے جاتے ہیں اور گرفتاری کے بعد انتہائی ظالمانہ طریقے سے ان کو شہید کیا جاتا ہے اور پکڑوانے والے ہمارے اپنے ہی بھائی بند ہوتے ہیں اور جن میں اکثر پہلے "مجاہد" کہلاتے ہیں مگر گرفتاری کے بعد جن میں بہت سے لوگ "مخبر" بن کر اپنے ہی ساتھیوں کو پکڑواتے ہیں، جن کے ساتھ انہوں نے حلف لیا ہوتا ہے اور پھر عوام جو پہلے مجاہدین کو اپنے گھروں میں خوشی اور عزت سے پناہ دے رہے تھے وہ لوگ اب مجاہدین کو پناہ دینے سے کتراتے ہیں، اس کے علاوہ بہت سے محلے والوں نے اپنے محلوں کی گلیوں پر گیٹ بنا رکھے جو محلے والے اپنی مرضی سے کھولتے اور بند کرتے ہیں کیونکہ بہت سے مجاہدین کسی محلے کی گلی سے سیکورٹی فورسز پر فائر کر کے بھاگ جاتے تھے اور سیکورٹی والے بعد میں محلے کے بے گناہ لوگوں کو قتل کر دیتے تھے اور پھر بہت سے لوگوں اور تنظیموں نے تنظیموں کے اور عام لوگوں کو پیسوں کے اور ذاتی مفادات کے لئے اغوا کیا اور کر رہے ہیں اور پیسے دینے اور مفادات پورے ہونے کے بعد ہی ان کو رہا کر دیا گیا میں اس سلسلے میں بے شمار نام دے سکتا ہوں، اور جن لوگوں نے تاوان بھر کر رہائی حاصل کی، اور قسم بتا سکتا ہوں ایک اغوا ہونے والا مسلمان کشمیری مجھے ملا بھی تھا جو ماہانہ پانچ ہزار روپیہ چندہ خود دے رہا تھا کہ اس کا بیٹا دو دفعہ اور خود اس کو ایک دفعہ اغوا کیا اور پھر ایک دوسرے کو بھی پکڑوانے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس سلسلے میں "جنگ" کراچی کے حوالے سے "جنگ لندن" نے 7 فروری 1993ء کو خبر دی "مخالفین ایک دوسرے کا صفایا کروا کر دراصل علاقے میں بالادستی قائم کرنا چاہتے ہیں

اور پھر وہاں لوگوں کے لئے فرشتہ بننے کے بجائے اور بھارتی سیکورٹی فورسز کے مقابلے میں نجات دہندہ ثابت ہونے کے بجائے لوگوں کی عزت و ناموس کے دشمن نقلی مجاہدین بن گئے ہیں، مثلاً 26 جولائی 1991ء کو روزنامہ الصفا سرینگر میں حزب مجاہدین کی طرف سے ایک بیان جاری ہوا۔

"معصوم لڑکیوں کا اغواء اب معمول بن چکا ہے"

"حزب مجاہدین ضلع سرینگر سے وابستہ زعماء کا اجلاس جنرل موسیٰ کی صدارت میں ہوا اجلاس میں کہا گیا کہ کچھ گندم نما جو فروش مجاہدین کے نام کو استعمال کر کے اغواء لوٹ مار اور قتل جیسے جرائم کا ارتکاب کر کے موجودہ تحریک آزادی سے متنفر کرنا چاہتے ہیں۔ معصوم افراد کے خون ناحق سے ہاتھ رنگنے اور معصوم لڑکیوں کا اغواء اب روز مرہ کا معمول بن چکا ہے" یاد رہے جنرل موسیٰ کے بارے میں اچھی شہرت تھی اور وہ شہید ہو گئے ہیں۔ میں اس مضمون میں تین لڑکیوں کے اغواء کے ثبوت، نام اور تنظیموں کے نام بھی دے سکتا ہوں مگر ایسا کر کے اپنا ہی تن ننگا ہوتا ہے البتہ اس مضمون کے ساتھ ایسے ثبوت ضرورت قارئین کو تو نہیں البتہ ایڈیٹروں کو ارسال کروں گا۔

یاد رہے جو کچھ کشمیر میں ہو رہا ہے وہ تمام حقائق ہم تک نہیں پہنچتے اور اگر پہنچتے بھی ہیں تو ہم ان میں اپنے مفادات کی خبریں چھانٹ کر دیتے ہیں اور ہندوستانی اخبارات میں جو سیکورٹی فورسز کے ظلم و جبر اور زیادتیوں کی خبریں شائع ہوتی ہیں، ان کا حوالہ بڑھ چڑھ کر دیتے ہیں اور اگر ہندوستانی اخبارات "مجاہدین" کی زیادتی کی خبریں شائع کریں تو ہم لوگ اسے چھپاتے ہیں اور اسے ہندوستانی پروپیگنڈہ کہتے ہیں مگر میں نے اس مضمون میں وادی کشمیر کے اخبارات کے حوالے اس لئے دیئے کہ وہاں کے اخبارات اس قومی تحریک میں شریک ہیں۔ "آفتاب" میں آؤ شہید نور محمد کینو کے حوالے سے ایک خبر!

"باشندگان زرو پورہ محلہ بل کی طرف سے 25 مئی نو بجے شام کو بے لگام بندوق برداروں نے 22 سالہ نوجوان نور محمد کینو جو کہ شریف النفس، باکردار، ملنسار تھا کو بے دردی سے شہید کیا گیا جس سے پوری بستی میں صف ماتم بچھ گئی۔ نہ جانے کس بات پر اسے قتل کیا

گیا جبکہ ایک معروف تنظیم "الجہاد" کے قائد نے لال چوک اسلام آباد میں ہزاروں لوگوں کے سامنے اسے قتل ناحق قرار دیتے ہوئے مجرموں کو 24 گھنٹے کے اندر اندر پکڑنے کا وعدہ کیا اور پھر ایک اور بیان میں "الجہاد" کے لیڈروں نے "ہر جرم کی سزا قتل نہیں" کے عنوان سے ایسے اقدامات کی مذمت کی ہے کہ "کشمیر میں ہر جرم کی سزا موت کا رجحان برابر بڑھ رہا ہے جو سراسر غیر اسلامی فعل ہے اس وجہ سے تحریک حریت کی جڑیں کھوکھلی ہو رہی ہیں"

اور سب سے بڑا منفی اور نقصان دہ پہلو اور تحریک آزادی کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کا رجحان، ایک دوسرے کو یعنی مخالفین کو قتل کرنے کا ابھرا ہے وادی کشمیر کے اندر اس وقت تک مختلف تنظیموں نے ایک دوسرے کے آدمیوں کو 500 سے زیادہ کی تعداد میں قتل کر دیا ہے بلکہ ایسے واقعات بھی ہوئے کہ جب ایک تنظیم نے لبریشن فرنٹ کے ایک ایریا کمانڈر کو اغوا کیا اور اسے جب گولیاں ماری گئیں تو اس نے پانی مانگا تو ان مارنے والوں بدبختوں نے جوتے میں گندی نالی سے پانی لا کر شہید ہونے والے کے منہ میں ڈالا، میں اس معصوم بچے کو اچھی طرح جانتا ہوں اور یہ وہ لوگ کشمیریوں کی آزادی کے نام پر کر رہے ہیں جس پر کشمیری قوم نے اپنی جانیں، اپنا مال اور اپنی اولاد قربان کر دی تھیں تاکہ کشمیریوں کو آزادی ملے مگر افسوس اس عظیم تحریک کو، شہیدوں کے لہو کو چند لوگوں نے انتہائی ذاتی اور گندے مفادات کے عوض کھوکھلا کر دیا اور بدقسمتی سے مختلف تنظیمیں اپنے گروہی مفادات کی وجہ سے ایسے لوگوں کا احتساب بھی نہیں کرتیں اور ہم مسلمانوں کو شتر مرغ کی طرح ریت میں آنکھیں اور سر چھپانے کی عادت ہے کہ جس طرح 1971ء میں 15 دسمبر تک پاکستانی اور آزاد کشمیر کے ریڈیو اور ٹی وی اور اخبارات مشرقی پاکستان میں مکتی باہنی اور ہندوستانی فوج پر برتری اور فتح کی خبریں شائع کر کے قوم کو جھوٹی امیدوں میں مبتلا رکھا گیا اور 16 دسمبر کو جب اچانک پاکستانی فوج نے ہتھیار ڈالے تو یہ سب کے لئے ایک اچانک "جان لیوا صدمہ" ثابت ہوا اور بہت سے لوگوں کے لئے حقیقی معنوں میں جان لیوا صدمہ ثابت ہوا اور 15 دسمبر 1971ء کے اخبارات اٹھا کر دیکھیں تو جنرل یحییٰ خان "محافظ ملت" تھا اور 16 دسمبر کے بعد وہ غدار وطن اور قوم بن گیا اور اس کی تصویریں اخباروں میں ناچتے اور شراب پیتے ہوئے شائع ہو گئیں اور اس طرح آج بھی کشمیری اور پاکستانی اخبارات (کشمیری سے مراد وادی کشمیر

سے باہر کیونکہ وادی کشمیر کے اندر اخبارات اور اخبار نویس دو چکی کے پاٹوں میں پس رہے ہیں) کشمیر کی موجودہ جدوجہد کے منفی اور تباہ کن اقدامات پر یہ سوال کرو دراصل تحریک آزادی کے سچے مجاہدین کے ساتھ بھی دشمنی کر رہے ہیں اور کشمیر کی پوری تحریک کو تباہی کے راستے پر ڈال کر قوم کو مایوس کر رہے ہیں کیونکہ احتساب کے بغیر ہر تحریک بے لگام ہو جاتی ہے، چاہے وہ کتنی ہی مقدس کیوں نہ ہو اور ستم ظریفی یہ ہے کہ جب کوئی تحریک کے اندر ابھرنے والے ناسوروں کی نشاندہی کر کے نشتر چلانے کا مشورہ دیتا ہے تو ذاتی مفادات کے پجاری اور ایجنسیوں کے تنخواہ دار کشمیریوں کی لاشوں پر سیاست کرنے اور روٹی کمانے والے گھٹیا قسم کے لوگ اسے ہندوستان اور "را" اور نہ جانے کس کس کا ایجنٹ قرار دے دیتے ہیں لیکن کسی پر فرسودہ الزام، ثبوت دیے بغیر لگانا زمین پر حقائق کو نہیں بدل سکتا۔ پاکستان کی اپوزیشن لیڈر اور سابقہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو پر جب نقادوں نے خارجہ امور کی کمیٹی کے چیئرمین بننے پر اعتراض کیا تو انہوں نے جواب میں کہا تھا کہ "میں نے خارجہ امور کی کمیٹی کا چیئرمین بننے کا عہدہ اس لئے قبول کیا کیونکہ کل تک یہ لوگ مجھے ہندوستان اور "را" کا ایجنٹ کہتے تھے" پاکستان اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں سیاست میں یہ عام سی بات ہے کہ ہر سچ بولنے والے کو "غدار" اور ایجنٹ کہا جاتا ہے بقول شاعر

کان سن سن کے پک گئے واعظ
ایسے فتوؤں سے ہوگئے بیزار
بات جس نے کی کھری اس کو
یار لوگوں نے کہہ دیا غدار

اس لئے ہم تو سچ بات ہر حالت میں کہہ دیں گے کیونکہ کشمیر میں بندوق کے کنٹرول سے باہر ہونے، بین الاقوامی حالات اور کشمیریوں کی لاشوں پر سیاست چمکانے جیسے واقعات نے میرے جذبوں میں اور زیادہ شدت پیدا کی ہے کہ اگر کشمیری آزادی حاصل کر سکتے ہیں تو وہ صرف عوامی تحریک اور سول موومنٹ کے ذریعے حاصل ہو سکتی ہے اور میں نے عرصہ تین سال سے اس تحریک کے سلسلے میں جو بھی تجربے پیش کئے وہ آج ایک ایک

کر کے سچ ثابت ہوئے، وادی کشمیر کا بچہ بچہ ان تمام حالات سے گزر رہا ہے البتہ "آزاد کشمیر" کے قوم پرست حلقوں، پاکستان کے دانشوروں اور عقل و شعور رکھنے والے انسانوں کو یہ معاملات جاننے چاہئیں تاکہ ہم اپنی کمزوریوں کو مد نظر رکھ کر اپنی فتح کے لئے منصوبہ بندی کر سکیں۔ اس سلسلے میں میں کشمیر کی جماعت اسلامی کے ایک لیڈر، سید علی شاہ گیلانی کے مراسلہ "جنگجو تنظیموں کے نام گیلانی صاحب کا کھلا مکتوب" کا حوالہ دینا چاہتا ہوں جو روزنامہ "آفتاب" میں 24 نومبر 1992 کو شائع ہونے والی اپیل کے مندرجات پر مشتمل ہے، یہ خط ہفت روزہ "انصاف" راولپنڈی میں بھی شائع ہوا ہے۔ گیلانی صاحب فرماتے ہیں۔

"کلمہ حق ادا کرنے والے ایسے پاکباز اور بے لوث مجاہدین کی ضرورت ہے جنہیں کسی قسم کا لالچ تحریک سے بے وفائی پر آمادہ نہیں کر سکتا، ان صابر و شاکر سپاہیوں کی ضرورت ہے جو پیٹ پر پتھر باندھ کر لڑ سکتے ہیں مگر افسوس کا مقام ہے کہ اس ہراول دستے کی صف بندی کے لئے اتحاد و اتفاق جتنا ضروری اور لابدی ہے اسی قدر اس میں گروہ بندی ہے اس گروہ بندی نے جہاں سرفروشانہ جدوجہد کو متاثر کر رکھا ہے وہاں مظلوم اور بے بس عوام کی امیدیں اور تمنائیں بھی مضمحل اور پژمردہ ہو کر رہ گئی ہیں، ہم نے اتحاد و اتفاق کی بار بار کوشش بھی کی ہے مگر اس کے برعکس بعض اوقات سرفروشانہ جدوجہد اصل اہداف سے ہٹ کر باہمی تناؤ، ٹکراؤ اور تصادم کی شکل اختیار کر کے ملت کی بیش بہا قربانیوں پر اوس ڈالنے کا موجب بن رہی ہے" اس کے بعد گیلانی صاحب اس مکتوب میں فرماتے ہیں۔

"الحاق پاکستان اور اسلامی نظام کے قیام کا نصب العین رکھنے والے گروہوں کا الگ الگ وجود اور پھر آپسی ٹکراؤ اور تناؤ نہ صرف انتہائی رنجیدہ اور افسوسناک ہے بلکہ ان گروہوں کے خلوص اور جدوجہد کو بھی مشکوک بنانے کا سبب بن رہا ہے" اور پھر آگے لکھتے ہیں "عسکری تنظیموں کو بالعموم اس ضابطہ کو عملاً چاہئے کہ وہ لوگوں کے ذاتی اور گروہی مناقشات میں کسی قسم کی مداخلت نہ کیا کریں کیونکہ ایسے مناقشات میں الجھنے سے اصل اہداف اوجھل ہوتے ہیں"

"عسکری تنظیموں کو سرکاری دفاتر میں مداخلت اور سرکاری مراعات کے حصول کی کوششوں سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ پوری ملت اس غاصبانہ نظام کو اکھاڑ پھینکنے

اور اس کے ناجائز وجود کو ختم کر کے عوام کے بنیادی حق، حق خود ارادیت کے حصول میں شامل سر فروش نوجوانوں کے شانہ بشانہ بے مثال قربانی کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ سرکاری مراعات حاصل کرنے اور سرکاری دفاتر میں مداخلت کر کے وہاں اپنا حصہ تلاش کرنے کے عمل سے یہ تاثر پیدا ہو جاتا ہے کہ یہ سسٹم اور نظام دیرپا ہے اور یہ کہ اس کے خلاف جدوجہد کا کوئی سنجیدہ اور نتیجہ خیز عمل نہیں ہے اور غیر محسوس طور پر عوام اس پوری جدوجہد سے لاتعلق ہو جاتے ہیں اور عسکری تنظیموں کا سہارا لے کر اس سسٹم سے اپنے مفادات حاصل کرنے کے عمل میں ایک دوسرے سے سبقت لے جاتے ہیں" اور پھر اس مکتوب میں آگے جا کر فرماتے ہیں۔

"بنکوں پر ڈاکے اور رشوت اور دھاندلیوں میں حصہ دار بننا حصول حق خود ارادیت کی پوری جدوجہد کو ہی مشکوک و ملعون بنا رہا ہے" اور "عسکری تنظیموں کو ہڑتالوں کی اپیل کرانے پر غور کرنا ہو گا کہ اس طرح ہڑتالوں کا سلسلہ ہمارے دشمن کو نقصان پہنچانے کے بجائے مظلوم قوم کی مشکلات میں ہی اضافہ کا موجب بنتا ہے اور ہڑتالوں کا سہارا لیا جائے تو پھر نان شبینہ کے محتاج لوگ ارزق پانے سے محروم ہو جائیں گے اور اس کا مجموعی اثر پوری جدوجہد پر مرتب ہو گا"

گیلانی صاحب نے مندرجہ بالا خط میں کشمیر میں مجاہدین کی آپس میں ٹکراؤ، ڈاکے اور لوٹ مار اور لوگوں کے ذاتی معاملات میں مداخلت کی تصدیق کی ہے۔ اس لئے انگلینڈ یا دوسری جگہوں پر کشمیر کے حالات جانے بغیر کشمیریوں کی لاشوں پر سیاست کرنے والے لوگوں کو کشمیر کے حالات کی بھی اصلی خبر رکھنی چاہئے ورنہ مشرقی پاکستان والا المیہ ہمیں بار بار دیکھنا ہو گا اس کے بعد میں جناب شبیر شاہ پیپلز لیگ کے سربراہ کے انٹرویو کے اقتباسات پیش کرتا ہوں۔ یاد رہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے شبیر شاہ صاحب کو "ضمیر کا قیدی" قرار دیا ہے۔ انہوں نے 3 نومبر 1992ء کو T.N.S ٹریبون نیوز سروس کو ٹرسنگ ہوم میں انٹرویو دیا تھا جو "دا ٹریبون" میں 4 نومبر کو شائع ہوا ہے۔ انہوں نے کہا:

"کلاشنکوف جدوجہد کا حصہ تھا اصل میں ضرورت ہے سیاسی جدوجہد کی جو انڈیا کو بات چیت کی میز پر لانے کے لئے مجبور کرے کیونکہ کلاشنکوف مسئلے کا حل نہیں ہے اگر جنگجو

یہ سوچتے ہیں کہ ہم ان کو طاقت کے ذریعے باہر پھینک دیں گے تو وہ غلطی پر ہیں کیونکہ ہندوستان کی فوجی طاقت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اس لئے سہ فریقی بات چیت کے بغیر اس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے"

شبیر شاہ صاحب نے جہاں ہندوستانی فورسز کے ظلم و ستم اور جبر کے خلاف آواز اٹھائی وہاں پر انہوں نے نقلی مجاہدین کی عوام کے ساتھ زیادتیوں کے خلاف بھی احتجاج کیا اور مجاہدین سے اپیل کی کہ بندوق کو صحیح طور پر استعمال کر کے سیاسی لیڈروں (جن میں عبدالغنی لون، سید علی شاہ گیلانی، مولوی عباس صاحب اور عبدالغنی بٹ شامل ہیں) کو موقع دیا جائے کہ وہ اس موومنٹ کو سیاسی موومنٹ بنا دیں۔ انہوں نے کہا کہ "یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ تحریک آزادی کو ٹھیکیداروں، بزنس مینوں اور بیوروکریٹوں نے اغوا کیا جو کشمیری نوجوانوں کا استحصال کر کے پیسہ بنا رہے ہیں" انہوں نے کشمیریوں کو نمائندگی دینے میں لداخ اور جموں اور کشمیری پنڈتوں کی بھی وکالت کی۔ انہوں نے یہ تسلیم کیا کہ کشمیر میں پاکستان مخالف جذبات کی لوگ ترجمانی کر رہے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ لوگ ہندوستان کے حامی بن گئے۔ البتہ اکثریت خود مختار کشمیر مانگتے ہیں۔ شبیر صاحب نے کہا کہ

"Kashmir is were being used as guinea pigs in the war of wits between Islamabad and New Delhi"

اس کا آزاد ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "انڈیا پاکستان کے درمیان چالاکی اور مفادات کی جنگ میں ہمارے درمیان میں بیوقوف کشمیری مارے جا رہے ہیں" انہوں نے آخر میں فلسطینیوں اور اسرائیل کی مثال دی ہے کہ اگر وہ بات چیت کر سکتے ہیں تو انڈیا پاکستان اور کشمیری کیوں نہیں؟ شبیر صاحب نے میرے موقف کی حمایت کی ہے کہ "سیاسی جدوجہد کے ذریعے ہی ہم اپنی منزل پا سکتے ہیں" اور انہوں نے میرے اس موقف کی بھی حمایت کی ہے کہ "کشمیری پنڈت ہم پر بھروسہ کریں اور وہ وادی کشمیر میں واپس جائیں" اور اب سرحد یعنی کنٹرول لائن کے اس طرف پاکستانی "مقبوضہ کشمیر" سے کشمیر کے سیاست دان کیا کہتے ہیں کہ وہ اس کا بھی جائزہ لیں۔ اس سلسلے میں "تحریک حریت" کے چیئرمین جناب فاروق رحمانی نے ماہنامہ "کاوش" لندن و راولپنڈی میں "کشمیر اور بوسنیا عالم اسلام کا امتحان" کے نام

سے 15 ستمبر تا 15 اکتوبر کے شمارہ نمبر 11 میں مضمون لکھا ہے۔ موصوف فرماتے ہیں!

"جیسا کہ ہندوستان ابتداء سے ہی کشمیر کے بارے میں اپنے بین الاقوامی وعدوں کی دھجیاں اڑا رہا ہے لیکن اب پاکستان بھی ہمارے ساتھ اپنے وہ وعدے پورے نہیں کر رہا ہے جو اس نے ہمارے ساتھ 1988ء میں کئے تھے بلکہ اب تو یہ کہا جا رہا ہے کہ اس جہاد کو بند کیا جائے کیونکہ بقول ان کے اس پاکستان کی سالمیت کو خطرہ ہے" اور آگے لکھتے ہیں کہ "حیرت یہ ہے کہ ایک طرف پاکستانی حکمران، سیاست دان اور یہاں کے مذہبی علماء یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ پاکستان ساری دنیا کے مسلمانوں کا محافظ ہے تو دوسری طرف وہ کشمیر میں اپنی بیٹیوں اور بہنوں کو ظالم و بداخلاق ہندو سپاہیوں کے نرغے میں دیکھتے ہیں اور پھر بھی ان کی رگ حمیت نہیں پھڑکتی۔ پچھلے ایک دو مہینوں میں وادی کشمیر میں بھارتی سپاہیوں کے ذریعے مسلمان خواتین کی بے حرمتی اور مسلمان بچوں کے قتل میں غیر معمولی اضافہ ہوا ہے اور اگر ان خبروں کے بعد بھی پاکستان کے حکمران بھارتیوں کے ساتھ دہلی یا اسلام آباد میں لنچ اور ڈنر پارٹیوں میں شامل ہوں اور مختلف ثقافتی وفود کا تبادلہ کریں یا کشمیر اور پاکستانیوں کے دشمنوں کو یہاں مدعو کریں تو اس سے ہم کیا نتیجہ اخذ کریں، یہی نا کہ "مرنے والے مرتے رہیں لٹنے والے لٹتے رہیں ہم اپنا کاروبار چلاتے رہیں گے" سوچنے کی بات ہے کہ کشمیر کے عوام اور ان کے بچے ہندوستان کو یہ اجازت نہیں دے رہے ہیں کہ وہ نیوی گیشن کے نام پر دریائے جہلم پر ولر بیراج تعمیر کریں اور پاکستان کی آبی شہ رگ کاٹ لے لیکن خود پاکستان ولر بیراج پر بھارت کے ساتھ گفت و شنید کر رہا ہے اور ایک لحاظ سے کشمیر پر بھارت کے قبضے کو درست تسلیم کر رہا ہے" یاد رہے فاروق رحمانی صاحب زندگی بھر الحاق پاکستان کو اپنے ایمان کا جز قرار دیتے رہے اور سردار قیوم والے الحاق پاکستان کو نہیں، جو اقتدار کی شرط کو ساتھ لے کر چلتے ہیں بلکہ رحمانی صاحب نے وادی کشمیر کے اندر اپنے سیاسی نظریہ کے لئے بہت قربانی دی ہے اور پھر وادی کشمیر کے ایک اور محترم سیاسی راہنما "محاذ آزادی" کے راہنما جناب اعظم انقلابی صاحب نے "India Abroad News" کو انٹرویو دیا۔ جس کا حوالہ اس مضمون میں پہلے ہی دے چکا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ "پہلے پہل تو لوگوں نے بندوق کی حمایت کر لی مگر لوگ اب سیاسی حل چاہتے ہیں" وہ کہتے ہیں کہ

"We are aggrieved by what the security forces are doing but we are equally aggrieved by what our brothers are doing"

یعنی "ہمیں افسوس اور دکھ ہے کہ سیکورٹی فورسز کشمیریوں کے ساتھ کیا کر رہی ہے مگر پھر یہ بھی افسوس ہے کہ ہمارے بھائی ہمارے ساتھ کیا کر رہے ہیں اور پھر انہوں نے مقبول ملک کے حزب المجاہدین کے ہاتھوں قتل کے تمام واقعات پر روشنی ڈالی ہے اور پھر عالمی حمایت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ

We have been left to our own fate by the rest of the globe including the Islamic world.

ترجمہ "ہمیں پوری دنیا نے اس جدوجہد میں بشمول اسلامی ممالک کے اکیلا چھوڑ دیا"

انہیں حالات کے پیش نظر اعظم انقلابی صاحب نے "کشمیر بچاؤ تحریک" نامی تنظیم کی بنیاد ڈالی اور وہ دلائل دیتے ہیں کہ "چونکہ جموں، لداخ، آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے لوگ کشمیر کی موجودہ جدوجہد آزادی میں عملی طور پر شریک نہیں ہیں اور بظاہر وہ موجودہ سسٹم یعنی جموں و لداخ ہندوستان کے اور آزاد کشمیر و گلگت، بلتستان پاکستان کے ساتھ سے مطمئن ہیں اسی لئے فی الحال وادی کشمیر کو آزاد کرلیا جائے" انہوں نے سعودی گزٹ کو بھی اس سلسلے میں انٹرویو دیے اور اعظم صاحب کی سوچ اور دلائل کو مانا جائے تو زمین پر تو حقیقت کے حوالے سے بات بن جاتی ہے کیونکہ نہ تو جموں اور لداخ میں ہندوستان کے خلاف جدوجہد ہوئی اور نہ ہی آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان میں قومی آزادی کے حوالے سے جدوجہد پاکستان کے خلاف ہوئی ہے بلکہ ایک آدمی جو اپنے آپ کو کشمیر کا "ہوچی منہ" سمجھنے لگا ہے اس کو اپنے گاؤں میں حمایت حاصل نہیں ہے اور وہ بھی "بیچارے" وادی کشمیر کے لوگوں کی قربانیوں پر لیڈری کر رہے ہیں۔ یاد رہے اعظم صاحب نے زمین پر حقیقت کے حوالے سے جو جدوجہد شروع کی ہے اور سیاسی تحریک اور سیاسی پلیٹ فارم کی بات کی ہے۔ یہی باتیں میں 1990ء سے کر رہا ہوں اور اعظم صاحب کے خلاف بھی ان لوگوں نے جو وادی کشمیر کے لوگوں کی لاشوں پر روٹی بھی کھاتے ہیں اور سیاست بھی کرتے

ہیں، مہم شروع کی ہے اور کہنا شروع کیا ہے کہ "یہ ہندوستان کی سوچ کار فرما ہے" یعنی دوسرے لفظوں میں "کشمیر بچاؤ تحریک" ہندوستان نے شروع کی ہے؟ یہ لوگ "کشمیر برباد کرو تحریک" جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ جس طرح یہ "افغانستان برباد کرتے جاؤ" وزارت امور کشمیر کے کاسہ لیس ہر قوم پرست اور کشمیر کو تباہی و بربادی سے بچانے والوں کے خلاف برساتی مینڈکوں کی طرح ٹرٹر کرنے لگتے ہیں اور جب ان سے حقائق پر مبنی کوئی پروگرام وغیرہ کے بارے میں سوال کیا جائے تو آئیں بائیں شائیں کرنے لگتے ہیں اور بربادی اور تباہی اور نسلوں کے ٹکرانے کی باتیں کرتے ہیں اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ایسے لوگ کی اپنی اولاد محفوظ اور بہترین رہائش گاہوں میں کشمیر سے باہر رکھتے ہیں اور بہترین سکولوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ایک Argument یہ دیا جاتا ہے کہ "ہندوستان ماہانہ "ایک ارب روپیہ کشمیر پر خرچ کر رہا ہے۔ یہ کب تک کرے گا" جبکہ یہ لوگ جانتے ہیں کہ برصغیر کے حکمران جھوٹی انا کے خاطر اپنے عوام کو بنیادی ضروریات کے لئے ترساتے رہیں گے مگر وہ انا کی جنگ میں برصغیر کو تباہی کے کنارے تک پہنچائیں گے اور پھر ایک ارب روپیہ ماہانہ ہندوستان کے ایک ارب عوام کے لئے فی کس ایک روپیہ بنتا ہے جبکہ ہم نے اس کے مقابلے میں اپنا ستیاناس کر دیا۔ ہم نے اپنی تمام اقتصادیات اپنا تمام آرٹ اپنا تعلیمی نظام سب کچھ تباہ کر دیا۔ کسی نے اس کا بھی حساب رکھا ہے؟ کشمیری مجاہدین نے جنگی حکمت عملی سے ہٹ کر تمام چھوٹے بڑے پل جو عام انسانوں کے لئے بھی تھے؛ تباہ کر کے رکھ دیے یہ سوچ کر کہ "ہم ہندوستانی آرمی کو اس طرح حرکت کرنے سے روک لیں گے" جبکہ دنیا کے تمام لوگ جانتے ہیں کہ آج کل کے جدید دور میں آرمی کے لئے حرکت کرنا کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے اور پھر سکول اور پل قوم کے لہو سے بنے ہیں ان کو مت جلاؤ" اسلامیہ کالج جمشید خان نامی ایک مجاہد" نے جلایا اور جلتے ہوئے کالج کو بچانے کے بجائے بہت سارے لوگوں نے وہاں کی سائنس لیبارٹری اور لائبریری سے سامان اور کتابیں چرالیں! کوئی آکر اس کی تردید کردیں؟ میں ان لوگوں کے گھروں تک لے جاؤں گا جن کے پاس یہ کتابیں اور سامان ہیں اور پھر یہی "جمشید خان" جب گرفتار ہوا تو سیکورٹی فورسز کا سب سے "بڑا اور موثر" مخبر بن گیا اور پھر وادی کے اخبارات کے ساتھ مجاہدین کا رویہ جو رہا وہ جا کر ان سے پوچھ لو حالانکہ وادی کشمیر کے اخبارات ابتداء سے ہی تحریک آزادی کے حامی رہے مگر اس کے باوجود

مختلف گروپوں کی خواہش و منشاء کو پورا نہ کرنے کی پاداش میں سرینگر ٹائمز کے مالک کی کار کو بم سے اڑایا گیا۔ الصفا کے مالک شعبان وکیل کو سچ لکھنے کی پاداش میں قتل کر دیا گیا اور یہ مجھے ایک آدمی نے جو گواہ اور ایجنٹ ہے، شعبان وکیل کے حوالے سے دھمکی دی کہ شعبان وکیل کو اس لئے گولی ماری گئی کیونکہ وہ سچ لکھتا تھا جس سے ہمیں نقصان پہنچتا تھا۔ اس لئے آپ لکھتے تو سچ ہیں مگر اس بات کا خیال رکھیں کہ اس سچ سے ہمیں نقصان نہ پہنچے۔)

اور پھر روزنامہ آفتاب کو اخبار نکالنے نہ دیا اور ہفت روزہ "چٹان" کی عمارت کو نقصان پہنچایا اور اخبارات کو مسلسل دھمکیاں دی گئیں۔ یوسف جمیل کے گھر میں دو دفعہ گرینیڈ پھینکے گئے اور جب کوئی اخبار کسی اغوا اور قتل کی خبر شائع کرتا ہے تو اغوا کرنے والے اور قتل کرنے والے اس اخبار کے دشمن بن جاتے ہیں جس کی وجہ سے بہت دیر تک اخباروں نے اخبار نکالنا بھی بند کر دیا تھا کیونکہ اخبارات بھی سیاسی پلیٹ فارم اور سیاسی تحریک پر زور دے رہے ہیں۔ ہفت روزہ "چٹان" سرینگر نے 19 اکتوبر کے شمارے میں لکھا ہے اور اداریہ جو "چراغ طور جلاؤ بہت اندھیرا ہے" کے عنوان میں لکھا ہے۔ درج ذیل ہے۔

کشمیری عوام کی موجودہ مایوسی کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ عسکری حضرات نے ایک مشترکہ قومی تحریک کو مختلف تنظیموں کے خانوں میں بانٹ کر منتشر کر دیا۔ وہ بندوق کو بے لگام ہونے سے روک نہ سکے اور تحریک کے ابتدائی دور میں مجاہد کو عوام کی نظروں میں جو تقدس کا درجہ حاصل تھا اس کی حفاظت نہ کر سکے۔ انہوں نے تحریک کے آغاز پر اپنے قلب و ذہن میں امیدوں کا جو چمن سجایا تھا، اس پر مایوسی کی خزاں چھا گئی۔ "سیاسی قائدین" اسی ماحول میں جیلوں سے رہا ہوئے اور یہ بات روز اول سے ہی واضح تھی کہ وہ عسکریوں کی حمایت سے ہی کوئی موثر رول ادا کریں گے مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ زبانی جمع خرچ کے بغیر انہیں عسکریوں کی جانب سے کوئی ٹھوس تعاون حاصل نہ ہو سکا۔ بعض عسکری حضرات غالباً غیر شعوری طور پر اس وہم میں مبتلا ہو گئے کہ سیاسی قائدین بندوق کی بالادستی کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں چنانچہ انہوں نے سیاسی قائدین کو نظر انداز کرنے کا رویہ اپنایا مثال کے طور پر جب سیاسی قائدین نے ہڑتالوں کی مخالفت کی تو عسکریوں نے ہڑتالوں کا ایک طویل

سلسلہ شروع کر دیا جس کا مطلب خالصتان تحریک کے لیڈروں کو یہ پیغام دینا تھا کہ آپ کون ہوتے ہیں۔ یہاں تو ہمارا سکہ چلتا ہے۔ ہماری ہمسایہ ریاست پنجاب میں بھی یہی کچھ ہوا تھا جب سکھ جنگجو منظر پر ابھرے تو انہوں نے اکالی سیاسی لیڈروں کو وقت بے وقت ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ حال ہی میں جب بھارت کے سابق آرمی چیف جنرل ویدیا کے قتل کی پاداش میں دو سکھ جنگجوؤں جندا اور سکھا کو پھانسی دی گئی تو اکالی لیڈروں نے پنجاب میں احتجاجی ہڑتال کی کال دے دی لیکن کوئی ہڑتال نہیں ہوئی اور حد یہ ہے کہ سکھوں کی اکثریت نے بھی ہڑتال کی اپیل پر کوئی توجہ نہیں دی"

اس ایڈیٹوریل کے بعد میں نے دو سال پہلے جو لکھا تھا کہ "کشمیر کے اندر سیاسی پلیٹ فارم اور سیاسی تحریک خود مجاہدین کے تحفظ کی ضمانت بن جائے گی کیونکہ جب تک عام آدمی اس تحریک میں سیاسی پلیٹ فارم اور سیاسی تحریک کے ذریعے شامل نہیں رہے گا تب تک مجاہدین بھی غیر محفوظ رہیں گے کیونکہ مجاہدین انڈین سیکورٹی فورسز اور آرمی کے مقابلے میں کمزور ہیں ان کی طاقت ان کا دیانت دارانہ موقف اور ان کے عوام ہیں" کیا آج میرے دو سال پہلے دیے گئے مشورے کا ایک ایک لفظ سچائی کے اصول سچ ثابت نہیں ہو رہے ہیں؟ کیونکہ انڈین سیکورٹی فورسز ایک ایک کر کے مجاہدین کو پکڑ رہی ہے ان تمام حالات کے بعد اب چند پاکستانی سیاست دانوں کے بیانات کا حوالہ دے کر بین الاقوامی صورت حال کے آئینے میں کشمیر کے مسئلے کو سرسری طور پر دیکھ لیتے ہیں۔

پاکستان کی سابقہ وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو نے کراچی ایئرپورٹ پر 30 دسمبر 1992 کو لندن جاتے ہوئے بیان دیا کہ "مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں حکومت کی پالیسی ناکام ہو چکی ہے اور کشمیر کے سلسلے میں موجودہ حکومت بین الاقوامی سطح پر تنہا ہو چکی ہے اور کشمیر کے بارے میں موجودہ حکومت سیل کرنے کے بارے میں سوچ رہی ہے جو کشمیریوں کے لئے خطرناک ہے"

اسی طرح مولانا نورانی صاحب نے بھی "کشمیر کے بارے میں کشمیر پالیسی کو ناکام قرار دیا" اسی طرح پاکستان کے سیاست دان، ترقی پسند دانشور اور اخبارات تفصیل سے کشمیر کے بارے میں لکھ رہے ہیں اور سیاسی جدوجہد اور سیاسی حل پر زور دے رہے ہیں۔ ایک بات

کشمیر کے سلسلے میں "ہم جو لوگوں کو یاد رکھنی چاہئے کہ اگر انڈیا نے کشمیر سے پرامن اور بین الاقوامی دباؤ کے بغیر نکلنے کا فیصلہ کیا تو سب سے پہلے وہ پاکستان کے ساتھ جنگ کرے گا اور یہ جنگ ایٹمی جنگ ہو گی جو بہر حال دونوں طرف کے عوام کی تباہی اور بربادی پر منتج ہو گی۔ اس لئے اس بات کا خیال رکھا جائے کہ پاکستان کی اپنی سالمیت کے تحفظ میں بقول ایک پاکستانی محب وطن کے "اگر کشمیر مانگتے ہوئے خدانخواستہ پاکستان کا تشخص نہ رہا تو ہم کہاں جائیں گے کیونکہ پاکستان کو اگر دہشت گرد قرار دیا گیا تو ہندوستان کو پاکستان پر حملہ کرنے میں آسانی ہو گی کیونکہ دہشت گرد قرار دیے جانے کی وجہ سے پاکستان دنیا میں اکیلا ہو گا" اصل میں اس پوری تحریک کو جہاں کشمیری سیاست دان ناکامی کا باعث بنے وہاں پر پاکستان کی بیوروکریسی بھی ذمہ دار ہے جو اس عوامی تحریک کو سمجھنے سے قاصر رہی اور جنہوں نے سیاسی پلیٹ فارم بننے کی حوصلہ شکنی کی اور پھر اس سیاسی پلیٹ فارم اور سیاسی جماعت کو توڑنے اور ٹکڑے ٹکڑے کرنے میں اپنی صلاحیتیں ضائع کر دیں جو پاکستان کی ایجنسیوں اور بیوروکریٹوں نے ہمیشہ امان اللہ خان کی حوصلہ افزائی کی کیونکہ یہی تنظیم کشمیریوں کی آزادی اور خودمختاری کی ضمانت بن سکتی تھی۔ کاش کشمیر کے اندر سیاسی جدوجہد کی حوصلہ افزائی کی گئی ہوتی تو اس وقت یہ تحریک "پاکستان کی مداخلت" قرار دی گئی ہوتی بلکہ کشمیریوں کی اپنی تحریک کہلائی جا سکتی تھی۔ اب تو سردار قیوم نے بھی کہا کہ "پاکستان عالمی رائے عامہ کو اپنے حق میں کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا جنگ لندن 19 فروری 1993ء"۔

ظاہر ہے اسی پالیسی کی وجہ سے ہندوستان کے حکمران بین الاقوامی سطح پر کشمیر کے اندر عوامی تحریک کو "پاکستان کی مداخلت قرار دے رہے ہیں" ہندوستان بین الاقوامی سطح پر موقف اختیار کئے ہوئے ہے کہ پاکستان کشمیر کے اندر مسلح مداخلت کر رہا ہے ورنہ 1988ء تک تو کشمیری الیکشنوں میں حصہ لیتے رہے۔ یہاں تک کہ جماعت اسلامی والے بھی 1988ء تک کشمیری الیکشنوں میں حصہ لیتے رہے" چونکہ سرد جنگ کے خاتمے کی وجہ سے بین الاقوامی سطح پر پاکستان امریکی اور مغربی مفادات کے لئے اب کارآمد نہ ہونے پر پاکستان کی اہمیت مغربی ممالک اور امریکہ کی نظر میں پہلے والی نہیں رہی اور پھر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کی وجہ سے بھی مغربی ممالک میں پاکستان سے مسلسل "ہیروئن" اسمگل ہونے

کی وجہ سے بھی پاکستان سے شکایت ہے۔ (یاد رہے اس وقت تک 40 آدمیوں کی سعودی عرب میں گردن اتاری گئی جو پاکستانی شہریت رکھتے ہیں۔ دسمبر 92، فروری 1993ء تک)

ان وجوہات کے ساتھ کشمیر اور پنجاب کا مسئلہ بھی ہندوستان نے کھڑا کر دیا اسی لئے پاکستان دہشت گرد ملک کی لسٹ پر رکھنے کے بارے میں امریکہ نے شور مچایا۔ اسی لئے بار بار میں نے لکھا کہ "جب کشمیر کے اندر سول نافرمانی کی تحریک چلے گی تو وہاں کی مقامی لیڈر شپ کے تابع ہوگی اور پاکستان پر اس سلسلے میں الزام بھی نہیں لگ سکتا ہے کیونکہ چار سالہ مسلح مگر غیر منظم تحریک کا بین الاقوامی سطح پر جو فائدہ یا نقصان ہوا کہ انسانی حقوق کے حوالے سے ہم کشمیری مہاتما گاندھی جی کے عدم تشدد کی پیروی کرنے والے ملک اور اس لحاظ سے بین الاقوامی سطح پر بڑے ہی محترم اور قابل عزت ہندوستان کی شکل مسخ کر چکے ہیں (یاد رہے میں نے خود ایمسٹرڈیم ہالینڈ میں ایک بہت بڑے پارک میں مہاتما گاندھی کا مجسمہ دیکھا ہے اور نیویارک میں بھی ایک مین چوک میں مہاتما گاندھی کا مجسمہ ہے) مگر بدقسمتی سے بین الاقوامی سیاست اور ہماری اپنی لیکن وادی کے اندر بندوق کو رہبر بنانے کے عمل نے بین الاقوامی سطح پر ہندوستان کو بچائے رکھا کیونکہ بین الاقوامی سطح پر طاقتور قوتیں جواز دیتی ہیں کہ "چونکہ ہندوستان کو باہر سے لائی گئی ہوئی دہشت گردی کا سامنا ہے اسی لئے "دہشت گرد" اور سیکورٹی فورسز کے درمیان کراس فائرنگ میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوتی ہے یا کئی جگہوں پر انفرادی عمل کے تحت وقتی انتقامی جذبوں کے تحت سیکورٹی فورسز ظلم و زیادتیاں کرتے ہیں مگر ہم ان کو سزا دیتے ہیں" انسانی حقوق کی تنظیمیں تو نہیں مگر اکثر مغربی حکومتیں، حکومت ہندوستان کے اس غلط جواز کو مان لیتے ہیں اور جہاں تک انسانی حقوق کی تنظیموں کی بات ہے تو وہ ہمارے مجاہدین کی طرف سے زیادتیوں اور مخبر بنا کر سزا دینے کو بھی انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتے ہیں۔ ان حالات کی وجہ سے برطانیہ میں لیبر پارٹی نے دسمبر 1992ء کے ابتدا میں کشمیر پالیسی کا اعلان سرکاری طور پر کیا کہ "کشمیر ہندوستان کا حصہ ہے اور ہم کشمیر کے اندر باہر سے دہشت گردوں کی امداد کی مذمت کرتے ہیں" (جنگ لندن 2 دسمبر 1992ء) اور پھر ہندوستان کے یوم جمہوریہ پر برطانیہ کے وزیر اعظم جان میجر نے نئی دہلی میں دو ٹوک بات کی کہ "کشمیر میں سیاسی عمل شروع کیا جائے۔ کشمیر کے

علیحدگی پسندوں کو بیرونی امداد بند کرنے کا مطالبہ کیا اور بھارت اور پاکستان معاہدہ کے تحت مسئلہ کشمیر حل کرنے پر زور دیا اور انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کو بند کرنے کا مطالبہ کیا"

اور پھر چند دن ہوئے جان میجر نے برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر کے خط کے جواب میں کہا کہ "کشمیر کا اصل مسئلہ پاکستان کی مداخلت ہے۔ ہندوستان وہاں الیکشن کرا کر سیاسی عمل جاری کرنا چاہتا ہے" اور پھر روس کے صدر یلسن نے سوویت یونین کے ہی پرانے موقف کو دہرایا کشمیر کے بارے میں کہ "کشمیر بھارت کا حصہ ہے اور ہم بھارت کی سالمیت میں بھارت کا ساتھ دیں گے" اور پھر جرمنی کا چانسلر بھی انڈیا گیا اور اس نے بھی مسئلہ کشمیر کو کشمیریوں کی آزادی اور خودمختاری کا مسئلہ ماننے کے بجائے ہندوستان اور پاکستان کو شملہ معاہدہ کے تحت مسئلہ کشمیر حل کرنے پر زور دیا" کیونکہ ایک بات یاد رہے کہ مسئلہ کشمیر کو پاکستان کے حکمرانوں نے اپنے موقف کے لحاظ سے دو ملکوں کے درمیان سرحدی تنازعہ کے طور پر آج تک پیش کیا مثلاً (نواز شریف کا "تھرڈ آپشن" سے انکار کرنا۔ بینظیر بھٹو کا سعودی گزٹ میں طویل انٹرویو میں مسئلہ کشمیر کا حل الحاق پاکستان قرار دینا اور صدیق کانجو وزیر مملکت خارجہ امور کا مسئلہ کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان کا دو طرفہ مسئلہ قرار دے دینا شامل ہے۔ اس کے علاوہ وادی کے اندر الحاق پاکستان کے نعرے لگوانے اور 14 اگست کو منوانا وغیرہ شامل ہیں اور امریکہ جو اس وقت دنیا کی واحد سپر پاور ہے۔ انہوں نے بھی کشمیر کے سلسلے میں دو ٹوک رویہ نہیں اپنایا بلکہ الٹا کشمیر کی وجہ سے امریکہ پاکستان کو دہشت گردی کی لسٹ پر رکھنا چاہتا ہے اور پھر بین الاقوامی ذرائع ابلاغ پنڈتوں کے نکلنے کے بعد ان کے مکانوں پر ناجائز قبضہ کرنے اور ان کے مکانوں میں سے اکثر کو لوٹ مار کرنے اور مشیر الحق کے قتل اور دیگر سول لوگوں کے اغوا اور قتل کی وجہ سے کشمیر کے رستے ہوئے ناسور پر خاموش ہیں۔ آپ اندازہ لگائیں کہ چند دن پہلے سردار قیوم کے ایک حامی راجہ نجشی خان (جو ان خدمات کی وجہ سے آئندہ سردار کشمیریوں کی اسمبلی سیٹ کا امیدوار ہے) نے نوٹنگھم میں کشمیر کانفرنس بلائی جس میں چند برطانوی پارلیمنٹ کے ممبر بھی شریک تھے اور اس کی خبریں اردو اخبارات میں بڑھ چڑھ کر لگیں مگر برطانوی ذرائع ابلاغ نے اس کانفرنس یا سردار قیوم کے دورے کی خبر تک نہ دی اور بقول یوسف جمیل B.B.C سرینگر کے

تا ہے کہ "جو لوگ B.B.C کی اردو خبروں پر خوش ہوتے ہیں کہ B.B.C پر خبر آئی ہے، ان کو میں کہتا ہوں کہ یہ ہم لوگوں کی ہی ارسال کردہ خبریں ہم لوگوں کو ہی واپس سناتے ہیں"

اس لئے اس تمام تجزیے کا مطلب یہ ہے کہ کشمیریوں کے ہمدردوں کو، کشمیری لوگوں کو مصائب سے نجات دلانے کے دعویداروں کو کشمیر کے اندر موجودہ جدوجہد کے بارے میں نئے سرے سے غور کرنا چاہئے کیونکہ بندوق بے لگام ہو کر اغواکاری، قتل وغارت اور لوٹ مار کا ذریعہ بن چکی ہے اور اسی کے ساتھ میں ہندوستان کے دانشوروں، سیاست دانوں، عام سیکولر لوگوں، وکلاء اور انصاف پسند اور گاندھی جی کے پیروکاروں کی توجہ کشمیر کے اندر سیکورٹی فورسز نے پر امن جلوسوں پر وہاں چھوٹے بازاروں اور گلیوں میں جس طرح اندھا دھند فائرنگ، غیر مسلح عوام پر کی اور جس طرح بے گناہ لوگوں کو گھروں سے نکال کر سڑکوں پر قتل کر دیا جاتا ہے۔ کیا یہ ظلم و ستم اور بے گناہوں کا لہو ہندوستان کے ضمیر پر بوجھ نہیں بنے گا؟ کیا یہ گاندھی جی اور ہندوستان کے آدرشوں پر پانی پھیرنے کے برابر تو نہیں؟ دسمبر 1992ء میں سوپور میں ہندوستان کی سیکورٹی فورسز نے جس طرح بے گناہ لوگوں کو زندہ جلایا اور پورے شہر میں 3ارب روپیہ کا مالی نقصان بھی کیا اور 100 سے زیادہ قیمتی اور انمول جانیں بھی ضائع کر دیں تو ہندوستان کے اخبارات "خاکی وردی میں قاتل" کے نام سے چیخنے لگے۔ ایسے دلدوز اور بھیانک واقعات ہندوستان کی سیکولر اور جمہوری روایات کی کونسی شکل ہے؟

آج مہاتما گاندھی، سبھاش چندر بوس اور بھگت سنگھ کی روح بھی کشمیریوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف تڑپ رہی ہوگی۔ ہم کشمیری آج کے مہذب دور میں ہندوستان کے باضمیر اور باغیرت اور گاندھی جی کے آدرشوں کا پالن کرنے والے ہندوستانی دانشوروں، صحافیوں، وکلاء، طلباء، سیاست دانوں اور ہندوستان کے غریب دردمند عوام سے پوچھ رہے ہیں کہ کیا یہی ہندوستان کی جمہوریت، سیکولر اور غیر جانبدار پالیسی کے ستون ہیں کہ بندوق والوں سے لڑنے کے بجائے انتہائی وحشیانہ طریقے سے بے گناہوں، معصوم بچوں، عورتوں تک کو زندہ جلایا جائے اور گھروں کو بھی جلا کر راکھ کا ڈھیر بنایا جائے اور بسوں

اور کاروں میں سوار بے گناہ لوگوں کو ناکردہ گناہوں کی سزا دی جائے اور ان بندوق برداروں کے بارے میں یہ سوچیں کہ اس کا رد عمل پہلے کی طرح ہندوستانی سیکورٹی فورسز کے وحشیانہ انتقام کا بے گناہوں پر کیا ہو سکتا ہے؟ اور پھر اگر ہندوستان کے سیکولر اور انسانی آدرشوں سے محبت کرنے والے لوگ کشمیریوں سے یہ امید بھی رکھیں کہ "وہ ہندوستان کے وفادار بھی رہیں" تو یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اور پھر یاد رہے کہ حکام کا یہ اعلان بھی لوگوں اور انسانی حقوق کی تنظیموں کے سامنے کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ "سیکورٹی فورسز کی زیادتیوں پر ان کو سزا دی جاتی ہے" کیونکہ انصاف کھلے عام نہ کر کے اور مظلوم کو انصاف کی حقیقی شکل نہ دکھا کر بھی مظلوم کو مطمئن کئے بغیر انصاف انصاف نہیں بلکہ "وائٹ واش" کہلاتا ہے۔ ہندوستانی حکام کو سندھ پاکستان میں سانحہ ٹنڈو بہاول کیس کی مثال پر عمل کرنا چاہئے جہاں پر پاکستانی فوج کے ذمہ دار افراد کو بے گناہوں کے قتل کرنے پر کورٹ مارشل کر کے سزائیں دی گئیں اور ہندوستان کے عوام کے مفاد میں ہم ان سے اپیل کرتے ہیں کہ کشمیر کے خلاف ہونے والے ظلم و ستم اور نسل کشی کے خلاف آواز اٹھائیں اور مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں ہندوستان کے سیاست دان، دانشور اور محب وطن سیاست دان شتر مرغ کی طرح ریت میں سر دینے کے بجائے بہادرانہ طریقے سے اس ناسور کو نشتر دے دیں اور سہ فریقی بات چیت کے ذریعے اس مسئلے کے حل پر زور دیں۔ کشمیر کے لبرل اور سیکولر عناصر مسئلہ کشمیر کو کشمیری عوام کی خواہشات کے مطابق طے کرنے میں پاکستان اور ہندوستان کے جمہوریت پسند لوگوں کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے بروقت تیار ہیں اور آخر میں کشمیری عوام سے بھی اپیل کروں گا کہ چند مہم جوؤں کی خواہشات کے بھینٹ پوری قوم کو مت چڑھاؤ اور بین الاقوامی صورت حال اور حالات کو مدنظر رکھ کر کشمیر کے اندر سیاسی پلیٹ فارم کے تحت سیاسی تحریک چلائی جائے اور کشمیر سے نکالے گئے تمام فرقے کے لوگوں کو ان کے گھروں میں کسی پیشگی شرط کے بغیر آنے دیا جائے اور بے گناہوں کو اغوا اور قتل نہ کیا جائے تاکہ ہم اپنی قوم و ملک اور اپنی نسلوں کی بہتری کے وارث قرار دئے جا سکیں!!

(26/ فروری 1993ء)

☆☆☆☆

باب نمبر 8

افغانستان جہاد۔ خود احتسابی کی ضرورت

افغانستان کی بدقسمتی کی کہانی 1979ء میں شروع ہوئی جب ببرک کارمل نے اس وقت کی سوویت یونین کی لیڈرشپ کے ساتھ ایک معاہدے کے ذریعے روس کی فوج کو افغانستان میں بلا لیا اور یوں غیر ملکی فوج کی آمد سے افغانستان کا آزاد انسان غیر ملکی فوجیوں اور وہاں پر بغاوت کے ذریعے اقتدار میں آئے ہوئے حکمرانوں کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی قومی آزادی کے لئے افغانستان میں روسی فوجوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے۔ چونکہ افغانستان مختلف قومیتوں کا ملک ہے اس لئے وہاں کی اکثر قومیتیں روس کے خلاف جنگ میں افغانستان کی آزادی کے لئے کھڑی ہوئیں۔ لیکن خلق اور پرچم پارٹی نے افغانستان میں صدر داؤد خان کے خلاف بغاوت کو انقلاب کہہ کر انقلاب کے دفاع کے لئے روسی فوجوں کو بلا کر ان کا ساتھ دیا اور یوں ابتدا سے ہی افغانستان میں افغان اپنے ہی بھائی افغان کا خون بہاتا رہا۔ جوں جوں افغانستان میں جنگ بڑھتی گئی توں توں امریکہ اور اس کے مغربی اتحادیوں اور دیگر مسلمان ملکوں نے افغانستان کی جنگ میں دلچسپی لینی شروع کی اور افغانستان کی جنگ کو روس کے خلاف ویتنام کا بدلہ لینے کے لئے سی آئی اے نے ایک مضبوط نیٹ ورک پاکستانی ملٹری انٹیلی جنس آئی ایس آئی (انٹر سروسز انٹیلی جنس) کے ساتھ قائم کیا۔ اور یوں اربوں ڈالر امداد کے طور پر پاکستان کی انٹر سروسز انٹیلی جنس کی وساطت سے اسلحہ اور نقدی کی صورت میں افغانستان کی جنگ لڑنے والے مجاہدوں کو دی گئی اور اس لڑائی کو مسلمان اور کافر کے درمیان جنگ قرار دے کر جہاد کا نام دیا گیا اور امریکہ نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری کے ساتھ اس جنگ میں روس کے خلاف مسلمانوں کو استعمال کیا۔ عرب کے امیر ممالک کے فنڈز بھی بے

دریغ مجاہدین کو دلائے گئے بلکہ روس اور چین کے تضادات کو بھی ابھار کر روس کے خلاف چین کو بھی استعمال کیا گیا اور چین سے اسلحہ پاکستان کے راستے مجاہدین کو سپلائی کیا گیا اور جن کی قیمت باقاعدہ طور پر سی آئی اے والے چین کو ادا کرتے رہے۔ اور مصر سے بھی وہ تمام روسی اسلحہ خریدا گیا جو روس نے مصر کو دیا تھا۔ افغان جہاد کی اندرونی کہانی آئی ایس آئی کے افغان سیل کے سربراہ بریگیڈیر محمد یوسف نے اپنی کتاب The Bear Trap میں تفصیل سے دی ہے۔ انہوں نے سی آئی اے کا کردار کے عنوان سے لکھا ہے "کہ 1984ء تک ہتھیاروں کی نوے فیصد سے بھی زائد خریداری چین سے کی جاتی تھی تاہم 1985ء سے فوجی سامان مصر سے بھی کافی مقدار میں خریدا جانے لگا اور پھر اسرائیل سے بھی خریدا گیا جسے امریکہ نے ہم سے پوشیدہ رکھا" بریگیڈیر یوسف صاحب اسرائیلی اسلحہ کو پوشیدہ رکھنے والی بات مسلمانوں کے جذبات کی وجہ سے لکھ گئے ورنہ اسلحہ اور ایمونیشن کے ماہرین کے لئے یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے کہ وہ اسرائیل کا اسلحہ نہ پہچانیں؟ جس بھی شخص کو یہ شک ہو کہ افغانستان کی جنگ کو امریکہ روس سے ویتنام میں اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے نہیں لڑ رہا تھا اس کے لئے بریگیڈیر یوسف اور میجر مارک ایڈکن کی مشترکہ کتاب The Bear Trap جس کا اردو ترجمہ جنگ پبلشرز نے شکست روس کے نام سے کیا ہے۔ یہ کتاب معلوماتی ثابت ہو سکتی ہے اس جنگ کے دوران یعنی افغانستان کے لاکھوں لوگ جب مہاجروں کی زندگی بسر کر رہے تھے ہزاروں کی تعداد میں لوگ روس کے ساتھ لڑائی میں کام آ رہے تھے۔ اس دوران بھی افغانستان کی جنگ کو جہاد کہنے والے اور عام مسلمان کو جہاد کے نام پر قربانی دلانے والے افغانستان کے لیڈران ایک دوسرے کے کمانڈروں اور سپاہیوں کو قتل کرتے تھے۔ سرعام پھانسیاں دیتے تھے۔ بریگیڈیر یوسف نے اپنی کتاب میں "باہمی خانہ جنگی" کے عنوان سے ایک طویل باب رقم کیا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ 1989ء میں جماعت اسلامی ربانی کی اسلامی عدالت نے حزب اسلامی (حکمت یار) کے مجاہدین کو تخار شہر میں سرعام پھانسی دی یہ پھانسی افغان کمانڈروں کے درمیان خانہ جنگی کے نتیجے میں دی گئی تھی۔ 1989ء میں احمد شاہ مسعود کے 36 آدمیوں کو جن میں اس کے بہترین سات کمانڈر بھی تھے حزب اسلامی (حکمت یار) نے قتل کر دیا دونوں کے درمیان علماء نے مل جل کر قرآن شریف کو درمیان میں رکھ کر صلح بھی کرائی۔ لیکن یہ صلح بھی عارضی ثابت ہوئی۔

یعنی موجودہ خانہ جنگی کے پس منظر میں ماضی کو رکھا جائے کہ افغان جہاد کے دوران جہاد کرنے والے ایک دوسرے کے لوگوں کو قتل کرتے تھے ہاتھ پاؤں کاٹتے تھے۔ حکمت یار کے آدمیوں نے غالباً 1987ء میں احمد شاہ مسعود کے آدمیوں کے پہلے زندہ ہاتھ پاؤں کاٹے اور بعد میں انہیں قتل کر دیا۔ بہر حال افغانستان میں افغان عوام کی اکثریت نے صدق دل سے یہ الگ بات ہے کہ افغان لیڈروں اور پاکستان کی ملٹری حکومت در پردہ جنگ امریکہ کے لئے لڑ رہے تھے اس کی قیمت وصول کر رہے تھے سوویت یونین میں گورباچوف کی آمد کے بعد انہوں نے افغانستان سے اپنی فوجیں نکالنے کا فیصلہ کیا اور 1989ء تک افغانستان سے روس کی تمام فوجیں واپس بلالی گئیں۔ اور روس کے لیڈروں نے دانشمندانہ فیصلہ کیا اور بریگیڈیر یوسف شکست روس میں لکھتے ہیں کہ "بلا شبہ روسی فوجوں کا انخلاء باعزت اور پروقار تھا۔ روسیوں کو اپنے سفارت خانے کی چھت سے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے نہیں بھاگنا پڑا جیسا کہ سولہ سال پہلے امریکیوں کے ساتھ سیگون (ویت نام) میں ہوا تھا۔ بغیر کسی شدید نقصان کے روسی فوج کا انخلاء اس کی پیشہ ورانہ مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھا" یاد رہے کہ روسی اپریل 1988ء میں جنیوا میں مذاکرات کے نتیجے میں افغانستان سے نکل گئے تھے۔ اور افغانستان میں روسیوں کے تیرہ ہزار فوجی مارے گئے تھے۔ تیس ہزار زخمی ہوئے اور 311 لاپتہ ہوئے اور افغان نے کیا کھویا؟ کہ ان کے گھر بار گاؤں کے گاؤں ملبے کے ڈھیر بن گئے۔ ان کے بیٹے، بیٹیاں، ماں اور باپ سب مارے گئے اور ایک اندازے کے مطابق افغانوں کی تعداد جو اس جنگ میں کام آئی دوتولاکھ سے زیادہ ہیں۔ اس کے علاوہ افغانستان کھنڈرات میں تبدیل ہوا لیکن روسیوں کے نکلنے کے بعد بھی افغانستان کی جنگ مجاہدین نہ جیت سکے اڑھائی سال تک یہ سب مل کر بھی نجیب اللہ کی حکومت کو کابل سے ختم نہ کر سکے۔ بلکہ 1989ء میں مجاہدین نے مل کر جب جلال آباد پر حملہ کیا تو مجاہدین نے کم از کم چھ ہزار آدمیوں کو مروا دیا اور شکست کھا کر جلال آباد سے بھاگ گئے یعنی جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ مجاہدین کی لڑائی سے افغانستان سے روس بھاگ گیا ان کے دعوے اس لئے کمزور ہو جاتے ہیں کیونکہ روس کے جانے کے ڈھائی سال تک مجاہدین نجیب اللہ کی حکومت کو نہ گرا سکے اور نہ ہی کابل فتح کر سکے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ افغانستان کی مختلف تنظیموں کے درمیان خانہ جنگی تھی اور افغانستان میں یہ تنظیمیں تب داخل ہو سکیں جب نجیب اللہ کے ایک جنرل نے نجیب اللہ کے

خلاف بغاوت کا اعلان کیا۔ اور جنرل دوستم نے احمد شاہ مسعود سے مل کر نجیب اللہ کو اقتدار سے الگ کر کے اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر میں پناہ لینے پر مجبور کیا اور یوں افغانستان کی جلا وطن حکومت کو کابل میں داخل ہونے کی دعوت دی اور پبلک مقامات بازاروں اور مسجدوں تک کو بھی تباہ کر دیا گیا۔

انٹرنیشنل لیگ برائے ہیومن رائٹس (مارچ 1994ء) کی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔

"Through much of the 1979-89 Red Army occupation . Kabul was spare the wrath of war, But since the arrival of the Mujahideen, however Kabul has suffered for more damage and casualities than during the entire Soviet Afghan war by mid summer 1993. Entire street section had been completely destroyed once boisterous residential areas turned into shattered and looted ghost towars"

اس رپورٹ میں آگے چل کر 1994ء کے بارے میں لکھا ہے کہ

"Since the begining of 1994, Kabul has once again taken the full Drunt of war"

حکمت یار اور افغانستان میں اسلامی نظام کا دعویٰ کر کے اسلام جیسے مکمل اور عوام کے تحفظ اور ان کی بہتری والے مذہب کو بدنام کرنے والوں کے بارے میں آگے چل کر رپورٹ میں لکھا ہے۔ (اردو ترجمہ) "افغانستان کے سیاسی گروپ مسلسل اپنی وفاداریاں اور اتحاد بدلتے رہتے ہیں ایک دن ایک کے ساتھ لڑائی لڑ رہے ہوتے ہیں اور دوسرے دن اپنے دشمن کے ساتھ اتحاد کر کے ایک دن پہلے والے اتحادی کے خلاف لڑ رہے ہوتے ہیں۔ جب کابل میں یکم جنوری 1994ء کو دوبارہ لڑائی شروع ہوئی تو نئے اتحاد دیکھنے میں آئے حکمت یار پشتون کے ساتھ ازبک ملیشیا کے چیف جنرل رشید دوستم نے اتحاد کر کے حکومت کے خلاف جو صدر برہان الدین ربانی اور احمد شاہ مسعود تاجک پر مشتمل ہیں لڑائی لڑ رہے ہیں۔ جبکہ دوستم پہلے حکومت کا سخت ترین حامی تھا باوجود اس کے دوستم نہ صرف غیر مقبول

ہے بلکہ وہ اور اس کی فورسز سب سے زیادہ کابل میں خون خرابے اور اغوا اور عصمت دری کی ذمہ دار ہیں۔ اور حکمت یار کی حزب اسلامی نے اس جنرل رشید دوستم کے ساتھ اب اتحاد کیا جبکہ ربانی صدر کے خلاف حکمت یار کا اختلاف اسی بات پر تھا کہ احمد شاہ مسعود اور برہان الدین ربانی کے اتحادی کمیونسٹ دوستم کی فورسز ہیں"

اس کے بعد اسی رپورٹ میں لکھا "افغانستان کے عوام پندرہ سالہ خانہ جنگی اور لڑائی سے تنگ آچکے ہیں۔ انٹرنیشنل ریڈ کراس کی رپورٹ کے مطابق 1994ء کے پہلے چھ ہفتوں میں 900 آدمی مارے جاچکے ہیں اور 10,500 زخمی ہو چکے ہیں۔ اس سے زیادہ تعداد بھی ہو سکتی ہے اور عوام کھلے عام کہہ رہے ہیں کہ افغانستان کے تمام جنگی سردار اقتدار اور دولت کی خاطر یہ جنگ اپنے ہی عوام کی جانوں اور جائیدادوں کی قیمت پر لڑ رہے ہیں۔

اسی رپورٹ میں احمد شاہ مسعود کے ایک انٹرویو کا حوالہ دیا گیا ہے کہ "حکومت کے لئے یہ ناممکن ہے کہ مسلح گروہوں کو کنٹرول کر سکے یہ لوگ چوری، ڈاکہ، لوٹ مار اور عصمت دری کے ذمہ دار ہیں۔ اور میرے خیال میں سوویت یونین افغانستان کو 2 سال پہلے چھوڑ گئے جبکہ مجاہدین حکومتی ذمہ داریوں کو سنبھالنے کے قابل ہی نہ تھے۔"

افغانستان کے لوگ اور انٹرنیشنل ریڈ کراس کے لوگوں کا خیال ہے کہ "جب تک طرفین میں سے کوئی ایک مکمل طور پر تباہ نہیں ہو گا یا طرفین لڑ لڑ کر تھک نہیں جاتے اور اسلحہ و بارود ختم نہیں ہو تا تب تک کابل یا افغانستان کے کسی حصے میں امن کی امید کرنا ناممکن ہیں" اسی رپورٹ میں پاکستان ایران اور سعودی عرب پر بھی الزامات لگائے گئے ہیں۔ "کہ یہ ممالک اپنی اپنی پسند کے جنگی سرداروں کی پیٹھ پر تھپکی دے کر امن کی بجائے جنگ کو طول دے رہے ہیں" اسی رپورٹ میں کابل کے ایک آدمی اور ایک خاتون سے اس جنگ کے بارے میں پوچھی گئی رائے درج کی گئی ہے بقول ایک آدمی کے جو کہ زخمی ہوا ہے "ہم نے روسیوں کے خلاف آزادی کی جنگ لڑی اور اب ہمارے نام نہاد لیڈر پیسے اور اقتدار کے لئے جنگ لڑ رہے ہیں مجھے اس لئے زخمی کر دیا گیا کیونکہ مجھ سے کہا گیا کہ قاتلوں کی مدد کرو جو اپنے ہی عوام کو سڑکوں پر قتل کر رہے ہیں۔" اسی طرح ایک مہاجر عورت سے جب پوچھا گیا کہ جس کا خاوند ایک سال پہلے مارا گیا اور اس سال اس کا بچہ مارا گیا اس نے اس خانہ جنگی کے

بارے میں کہا کہ "میں کابل میں نہیں رہنا چاہتی ہوں جہاں پر درندے بادشاہ بن گئے ہیں"

موجودہ خانہ جنگی میں جنگ زدہ علاقوں سے مہاجر ہونے والے لوگوں کی تعداد انٹرنیشنل ریڈ کراس کے مطابق دس سے پندرہ لاکھ تک پہنچ چکی ہیں۔ فروری 1994ء میں یہ جنگی سردار اقوام متحدہ اور انٹرنیشنل ریڈ کراس کی درخواست پر کابل کے لوگوں کو خوراک پہنچانے کے لئے بھی راضی نہ ہوئے۔ اور 50,000 سے زائد لوگوں کو صرف زندہ رہنے کے لئے خوراک کی شدید ضرورت ہے اور مہاجرین کے ساتھ جو جنگ زدہ علاقوں سے جان بچانے کے لئے بھاگے ہیں ان کو ناکوں میں روک کر ان سے پیسے طلب کئے جاتے ہیں لوٹ لیا جاتا ہے اور خواتین کی عزت لوٹ لی جاتی ہے۔ 1993ء میں کابل میں پشتون علاقے میں ایک پورا کنٹینر عورتوں کی لاشوں کا ملا جن کو پہلے ریپ کیا گیا تھا اور بعد میں قتل۔ اسی طرح اقوام متحدہ کے Prof Felix اپنی رپورٹ میں لکھتے ہیں۔ "کہ افغانستان میں مردوں کے پاس آٹومیٹک رائفلیں اور راکٹ لانچر بچوں کے پاس بھی ہیں مگر عورتوں کو اسلحہ نہیں دیا گیا۔ اور افغانستان میں جہاں مرد طاقت اور اقتدار کے لئے لڑ رہے ہیں۔ وہاں عورت اپنی روز مرہ زندگی بسر کرنے کے لئے لڑ رہی ہیں" اسی رپورٹ میں ایک فتویٰ کا ذکر کیا گیا جو متحدہ طور پر علماء نے دیا ہے کہ "لڑکیاں سکول نہیں جا سکتیں کیونکہ لڑکیاں سکول میں حاصل کی گئی تعلیم کو غلط طور پر استعمال کریں گی اور اگر لڑکیوں نے لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تو وہ ان لوگوں کو خط لکھیں گے "جن کو وہ دوست بنانا چاہیں گی۔ بہر حال افغانستان میں امریکہ نے افغانوں کو استعمال کر کے روس کے ساتھ اپنی لڑائی لڑی جس میں افغانستان تباہ ہوا۔ اور جب افغانستان سے روس چلا گیا تو امریکہ نے افغانستان کو بھلا دیا بقول ایک افغانی کے کہ "امریکیوں نے پہلے ہمیں بہت مدد دے کر مار دیا۔ اور اب مدد نہ دے کر مار رہے ہیں" "غرض افغانستان کے لوگ ہولناک تباہی سے دوچار ہو گئے ہیں۔ اور ان کے گھر ان کی گلیاں ان کے باغات اور ان کے سکول ہسپتال اور دیگر عبادت گاہیں مسمار ہو چکے ہیں۔ اور روس کے خلاف جنگ لڑنے سے زیادہ خانہ جنگی کے دوران یہ تباہی پھیلی ہے اور بدقسمتی یہ ہے کہ یہ سب تنظیمیں یہ ساری تباہی اسلام کے نام پر لا رہے ہیں جو اسلام بوڑھے، عورت، بچے اور بیمار اور زخمی کے خلاف کسی بھی صورت میں ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اور یہی اسلامی جنگ یعنی افغانستان

میں جو جنگ لڑی جا رہی ہیں اسی قسم کی جنگ مذہبی انتہا پسند میرے وطن کشمیر میں لڑانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کشمیر کے اندر بھی اب افغانی، سوڈانی اور دوسرے وہ لوگ ارسال کئے جا رہے ہیں جو افغانستان کو تباہ کرنے کے لئے بھیجے جا رہے ہیں بلکہ کشمیری تنظیموں میں بھی خانہ جنگی کی افغانی وباکی صورت میں پھیل چکی ہیں اور اس میں بدقسمتی سے جماعت اسلامی کی حزب مجاہدین پیش پیش ہیں جو البرق، الجہاد اور المجاہد فورس کے ساتھ بھی لڑتے ہیں۔ حالانکہ ان سب تنظیموں کے نظریات ایک ہیں یعنی الحاق پاکستان اور اسلامی نظام حزب مجاہدین نے خود مختار نظریہ رکھنے والی تنظیموں کے لوگوں کو بے دریغ قتل کیا اور اس سلسلے میں ملک مقبول شہید کو اغوا کر کے 5 دن تک تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور اس کے بعد ان کی ایک آنکھ نکالی گئی داڑھی جلائی گئی اور گولیاں مار کر سڑک پر پھینک دیا گیا اور اس طرح شیخ طارق کو مارا گیا اور کشمیری عوام میں یہ بات تو عام طور پر پائی جاتی ہے کہ ڈاکٹر گورو مولانا مسعودی اور مولانا فاروق کو بھی مذہبی انتہا پسندوں نے شہید کر دیا یہ الگ بات ہے کہ بندوق اور موت کے خوف سے لوگوں کی زبانیں بند کر دی گئی ہیں۔ مگر پھر بھی کشمیر کے لوکل اخباروں میں یہ روز کا معمول بن گیا ہے۔ مسلح پارٹیوں کے سربراہوں کے نام اپیلیں اور مضامین شائع کئے جاتے ہیں کہ فلاں تنظیم نے میرے بھائی، میری بہن یا میرے باپ کو اغوا کر کے قتل کروا دیا۔ فلاں عورت کو اغوا کر کے عزت لوٹی وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح اسلامیہ کالج جیسا شاندار کالج علم کی درسگاہ جمشید نامی ایک ملی ٹینٹ نے جلائی۔ اور گاؤں کے درمیان جو چھوٹے پل عوام کی آسانی کے لئے بنائے گئے تھے وہ بھی جلائے گئے۔ اور جو ان لوگوں کو نہیں ملے وہ ہندوستان کی سیکورٹی فورسز نے جلا ڈالے کیونکہ نقصان تو کشمیری عوام کا ہی کرنا ہے تو وہ کوئی نہ کوئی کر ہی رہا ہے۔ ان میں الاتحاد او مسلح گروپوں نے "نام نہاد اسلامی نظام" کی جنگ کشمیر کی قومی آزادی کی جنگ کو قرار دے کر کشمیری عوام کو بین الاقوامی حمایت سے محروم کر دیا گیا اور جس طرح افغانستان کی جنگ میں آئی ایس آئی نے افغان پریس ایجنسی بنا کر روز افغانستان میں ایک افغانی کے مقابلے میں ایک سو روسیوں کو ہلاک کرنے کا پروپیگنڈہ کر رہے تھے اسی طرح اب کشمیر میں کے پی آئی بنا کر روز ایک کشمیری کے بدلے میں 30 اور کبھی 40 ہندوستانی فوجیوں کو مروا رہے ہیں جبکہ حقیقت میں روز ایک ہندوستانی کے بدلے میں 30،20 کشمیری مر رہے ہیں اور اگر یہی تعداد جاری رہی تو مزید پانچ سال کے بعد شاید ہی

کشمیر میں کوئی نوجوان بچے۔ یعنی کشمیر کی جنگ آزادی کو افغانستان کی جنگ کی طرح "اسلامی جنگ" قرار دینے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ افغانستان کی جنگ امریکہ، مغربی ممالک، فرانس، جرمنی، برطانیہ اور مسلمان ملکوں نے روس کے خلاف لڑائی اور اہم قسم کا اسلحہ اور مالی مدد افغانوں کو دی گئی اور دنیا جہاں میں افغانستان کی جنگ کے بارے میں مغربی میڈیا نے روس کے خلاف میڈیا کی جنگ جاری رکھی۔ اقوام متحدہ اور تمام دنیا میں بین الاقوامی فورموں پر یہ جنگ روس کے خلاف لڑی گئی اور افغانستان کے چالیس لاکھ مہاجروں کی ضروریات پوری کی گئیں اور اس کے باوجود افغانستان کی جنگ کا نتیجہ خود افغانیوں کے ہاتھوں افغانستان کو کھنڈرات میں تبدیل کرنے کے سوا کچھ نہ نکلا کیا یہی کچھ کشمیریوں کی قومی آزادی یعنی جموں و کشمیر کے پانچوں یونٹوں کے عوام کی قومی آزادی کی جنگ کو مذہبی جنگ کا نام دے کر مذہبی انتہا پسند تنظیمیں کشمیر کو کھنڈرات میں بدل دینا چاہتے ہیں؟ بلکہ برصغیر میں تباہی و بربادی لانا چاہتے ہیں؟ جب کہ کشمیر کی موجودہ جنگ میں دنیا کا کوئی ملک کشمیریوں کی مدد نہیں کرتا اور تو اور مسلمان ممالک بھی اس کو اسلام اور کفر کی جنگ نہیں سمجھتے ہیں۔ اقوام متحدہ دنیا کا کوئی بھی بین الاقوامی فورم ابھی تک کشمیریوں کی جنگ میں ملوث نہیں۔ اور تو اور ہندوستانی سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں اخلاق سوز انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کے باوجود جینوا میں قرارداد کو تین سے زیادہ ملکوں کے ووٹ نہ مل سکے۔ اور پاکستان کو قرارداد واپس لینا پڑی آخر کیوں؟ کیونکہ مذہبی جماعتوں اور افغانستان کے جنگی سرداروں نے کشمیر کو بھی افغانستان بنانے کی کوشش کی حالانکہ وہ یہ بھول گئے کہ افغانستان میں اصل میں جنگ امریکہ اور روس کی تھی جبکہ کشمیر کا بین الاقوامی برادری کے لئے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان علاقائی مسئلے کے طور پر پیش کیا گیا اور جینوا کے واقعات اور 5 سال تک بین الاقوامی برادری اور بڑی طاقتوں کے رویے سے ثابت ہوا کہ ان کو ہندوستان کے مفادات کے حق میں فیصلہ دینے میں ہچکچاہٹ نہیں ہوتی؟ اس لئے جموں و کشمیر میں ایک اور افغانستان کا تجربہ دہرانے کے بجائے بہتر یہ ہے کہ تمام تنظیمیں ایک موقف اختیار کریں اور مسئلہ کشمیر کو پر امن طور پر ہر طرف بات چیت کے ذریعے حل کرنے کی جدوجہد کریں اور کشمیری عوام مختلف تنظیموں کے درمیان ہونے والی خون ریزی، اغواکاری، قتل و غارت اور مفادات کے لئے دیے جانے والے فتووں کے خلاف آواز بلند کریں۔ کیونکہ ریت میں سر دینے سے شتر مرغ محفوظ نہیں

ہوتا ہے اور مسلح تنظیمیں اور ہندوستان کے سیکورٹی فورسز جنیوا میں کئے گئے معاہدے کے بارے میں بھی سوچیں جو 12/اگست 1949ء کو دنیا کے تمام لوگوں پر لاگو ہو گیا۔

Person taking no active part the hostilities including members of armed forces who have laid down their arms or those placed combat by sickness, wounds, detention, or any orher cause, shall in all circumstances be treated humanely, without adverse distinction founded or race, colour, religion or faith, sex, birth, or wealth, or any other similar criteria. "To this end, the following acts are one shall remain prohibited at any time and in any place whatsoever with respect to the above mentioned persons.

(a) Violence to life and person, in particular murder of all kinds multilation cruel treatment and torture.

(b) Taking up hostages.

(c) Outrages upon personal dignity, in particular humiliating and degrading treatment.

(d) The passing on sentence and the carrying out of executions without previous judgment pronounced by a regularly constituted court affording all the judicial guarantees which are recognised as indispensable by civilized peoples.

ہندوستان کے دانشور سیاسی لیڈر، ہیومن رائٹس تنظیمیں اور ہندوستانی میں گاندھی جی (باپو) کے پیروکار ہندوستان کے ارباب اقتدار اور ہندوستانی سیکورٹی فورسز کے لیڈران سے پوچھ سکتے ہیں کہ جس جنیوا کنونشن پر انہوں نے دستخط کئے ہیں اس جنیوا کنونشن کے آرٹیکل 3 کے بارے میں سیکورٹی فورسز کو تربیت کیوں نہ دی گئی کہ کشمیر کے اندر بوڑھوں، بچوں، عورتوں اور گرفتار کئے گئے لڑنے والے نوجوانوں کو قتل نہ کیا جائے۔ اور نہ ہی تشدد

کیا جائے اور پرامن مظاہروں میں 40 اور 50 تک آدمیوں کو بے دریغ قتل نہ کیا جائے۔ جیسا کہ "بج بہاڑہ" کے حادثے کے بارے میں ہندوستان کے قائم کردہ کمیشن نے بھی سیکورٹی فورسز پر ذمہ داری ڈالی۔ رہی بات جنیوا کنونشن کا سبق یا مکمل فوجی ٹریننگ کشمیری نوجوانوں کو دی جاتی تو ہندوستان کی طرح پاکستان کے ارباب اختیار والوں کو تو کشمیر میں صرف Proxy power لڑائی لڑنی تھی۔ ورنہ قومی آزادی کی جنگ میں اغوا کاری، لوگوں کو قتل کرنا اور غیر فوجی علاقوں اور شہریوں میں گنجان آبادی میں لڑائی لڑنے کا کوئی جواز نہ تھا۔ اور میں پہلے کی طرح جس طرح عرصہ پانچ سال سے کشمیر میں جاری مسلح جدوجہد کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالتا رہا جن کی وجہ سے یہ ساری جدوجہد دن بدن فساد، مذہبی اور فرقہ وارانہ اور افغانستان کی طرح خانہ جنگی کی طرف جا رہی ہے۔ اسی طرح اب اس جنگ میں افغانستان اور دوسرے غیر ملکی مسلح افراد کے داخل ہونے سے یہ لڑائی بین الاقوامی سطح پر ہندوستان کے حق میں جا رہی ہے کیونکہ مذہبی انتہا پسندی کا سامنا مصر بھی کر رہا ہے، الجزائر بھی کر رہا ہے اور نیویارک میں ٹریڈ سینٹر میں مذہبی انتہا پسندوں نے دھماکہ بھی کیا۔ مغربی سفارت کاروں کے حوالے سے جو امریکی نائب وزیر خارجہ ٹالبوٹ کے ساتھ ہندوستان کے حکمرانوں نے بات چیت کی اس میں ان سے یہی کہا گیا کہ "جب امریکہ، مصر، الجزائر، اسرائیل اور ایران، سوڈان وغیرہ میں مذہبی انتہا پسندی کے خلاف ارباب اختیار کے لڑنے کو جائز سمجھتا ہے۔ انتہا پسندی کے خلاف حکومتوں کی مدد بھی کر رہا ہے تو کیا وجہ ہے کہ کشمیر میں مذہبی انتہا پسندی کے خلاف ہندوستان کی سیکورٹی فورسز کی لڑائی کو اہمیت نہیں دی جاتی" اور کشمیر کے اندر الحاق پاکستان اور مذہبی جماعتوں نے جو رول وہاں ادا کیا اس کے سارے ثبوت ٹالبوٹ کو دیئے گئے۔ اسی لئے رابن رافیل اور ٹالبوٹ کا موقف کشمیر کے سلسلے میں تبدیل ہو گیا کہ کشمیر میں گرفتار شدہ افغانی وغیرہ بھی سفارت کاروں کے سامنے پیش کئے گئے ان تمام واقعات سے جو دنیا میں روز بروز رونما ہو رہے ہیں اگر ہم ان سے سبق نہ حاصل کریں تو ہمارا انجام مکمل تباہی ہو سکتا ہے اور برصغیر کھنڈرات میں تبدیل ہو کر ہندو پاک کے عوام کے لئے زندگی عذاب بن جائے گی جہاں پر پہلے ہی لوگ غربت، بیماری، بیروزگاری اور علاج معالجہ نہ ہونے کی وجہ سے سسک سسک کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔
ایک بات جو کشمیریوں، پاکستانیوں اور ہندوستانیوں کیلئے جاننا نہایت ضروری ہیں وہ یہ کہ

بعض حالات کے بارے میں عوام کو جھوٹ، فریب اور ذاتی مفادات پر مبنی پروپیگنڈہ کے بجائے سچائی بتائی جائے اور اس سچ نہ سننے کا سبق پاکستان نے 1971ء میں بنگلہ دیش کی صورت میں دیکھ لیا ہے۔ جب ہتھیار ڈالنے سے 3 گھنٹے پہلے تک صدر پاکستان نے قوم سے خطاب کر کے ہزار سال تک جنگ لڑنے کا اعلان کیا اور 3 گھنٹے بعد مشرقی پاکستان میں ہتھیار ڈال دیے اور ہندوستان نے بھی کشمیر کے اندر مفاد پرست سیاستدانوں اور کرپٹ بیورو کریٹوں کا جھوٹ سن کر کشمیریوں کی بغاوت کا سامنا کیا۔ اور مسئلہ کشمیر کو وقتی تقاضوں اور مصلحتوں کے تابع رکھ کر کشمیر کے اندر انسانیت اور اخلاقیات اور انسانوں کا خون کروادیا اور خود کشمیریوں نے بھی اب جھوٹے پروپیگنڈے اور جھوٹے دلاسوں اور چھ مہینے میں کشمیر فتح کرنے والے پروپیگنڈے کا اچھی طرح نتیجہ دیکھ لیا۔ اب بھی خدا کے لئے سچائی اور سچ کہنے والوں کو پھانسی پر چڑھانا بند کرو اور دنیا کے اندر جو روزانہ تبدیلیاں آرہی ہیں ان کا تجزیہ کر کے اپنی جنگ آزادی اور اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کا رخ متعین کرو اور ہر صورت میں فرقہ واریت پھیلانے والی تنظیموں کا مقابلہ کرو آج جو طاقت کے سامنے خاموش رہتا ہے کل اس کے ساتھ بھی وہی ہوتا ہے جو آج کسی اور کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ کشمیر میں مذہبی جماعتیں سچ بولنے والوں کے ساتھ وہی کچھ کر رہی ہیں جو حکمت یار حزب اسلامی والے افغانستان کے دانشوروں اور قوم پرست افغانوں کے ساتھ کر چکا ہے پشاور کی گلیوں میں درجنوں قوم پرست افغانی حکمت یار کے کرائے کے لوگوں نے قتل کئے اور ان کے کیس ابھی تک کمشنر برائے افغانستان پشاور میں پڑے ہوئے ہیں اور پھر کشمیر کو افغانستان بنانے والے اس بات کو بھی نہ بھولیں کہ جموں و کشمیر کا باشندہ نظریاتی طور پر سیکولر ہے یعنی تمام مذاہب کا اسلام کے عین مطابق احترام کرنے والا اور تصوف کو ماننے والا پیروں، صوفیوں اور بزرگوں کی تعلیمات کا احترام کرنے والا کشمیری کبھی بھی مذہبی بنیادوں پر کشمیر کو تقسیم نہیں ہونے دے گا اور کشمیر میں افغانستان جیسا اسلام، کبھی بھی نہیں لایا جاسکتا۔ جس کے مطابق وہاں کی جماعتیں خود ہی اپنے مسلمان بھائیوں کو قتل کر رہے ہیں اور ہسپتالوں اور مسجدوں پر بھی بمباری کر رہے ہیں۔ مجھے کشمیر کی ایک ماں کی بات نہیں بھولے گی جس کا بیٹا جہاد کے جذبے کی بنیاد پر افغانستان میں شہید ہوا تھا اس نے موجودہ خانہ جنگی پر کہا کہ اگر حکمت یار کی حزب اسلامی اور برہان الدین ربانی اسلام کے نام پر ایک دوسرے کا خون بہانا جائز سمجھتے ہیں

تو میرا بیٹا کس لئے اور کیوں شہید ہوا۔ 10 جنوری 1994 کو حکمت یار اور دوستم کے بمبار جہازوں نے کابل کی قدیم اور تاریخی مسجد بلو مسجد "Blue Mosque" کو تباہ کیا اور پول خشتی کی مسجد (Poul-e-Khesti) بھی بمباری سے نذر آتش ہو گئی اور 400 لوگ مارے گئے (ڈان کراچی 11 جنوری) اس لئے کشمیر کے اندر قومی آزادی کی جنگ لڑنے والوں کو افغانستان سے سبق سیکھنا چاہئے اور کشمیر سے نکالے گئے تمام لوگوں کو چاہئے کہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں واپس بلالینا چاہئے اور جنیوا قرارداد کے بعد اب کشمیری لیڈرشپ کو مسئلہ کشمیر کے بارے میں حقائق تسلیم کر کے ہندوستان و پاکستان اور کشمیریوں پر مشتمل سہ فریقی بات چیت کر کے اس مسئلے کو حل کرانے پر زور دینا چاہئے۔ ورنہ کشمیر کی ہر ماں کل بھی سوال کرے گی کہ "میرا بیٹا کس کے لئے اور کیوں شہید ہوا؟" اور آخر میں حضرت عمر بن خطاب کے دو اقوال پر ختم کرتا ہوں!

(1) جو شر کے ذریعہ غالب آیا وہ غالب نہیں مغلوب ہے جو ناجائز طریقے سے کامیاب ہوا وہ کامیاب نہیں ناکام ہے۔ (2) کسی کے ثقہ اور قابل اعتماد ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ باہمی معاملات میں کھرا ہو نہ کہ وہ نمازیں بہت پڑھتا ہو۔

مئی 1994ء

ہاشم قریشی چیئرمین جموں و کشمیر

ڈیموکریٹک لبریشن پارٹی

☆☆☆

باب نمبر 9

قومی آزادی کے تناظر میں کشمیر کی جنگ

دنیا میں جب سے انسان نے انسان کا استحصال کرنا شروع کیا تب سے ہی استحصال اور ظلم وجبر کے خلاف مظلوم انسانوں نے جدوجہد شروع کی اور کہیں پر یہ جدوجہد انفرادی طور پر ہوئی اور جدوجہد کرنے والے تاریخ میں زندہ ہے مگر جوں جوں انسان شعور کی منزلیں طے کرتا گیا تو ظلم وجبر کے خلاف جدوجہد بھی منظم اجتماعی طریقے سے ہونے لگی۔ اور ریاستی جبر کے خلاف عوامی طاقت کو منظم کیا گیا تو قوموں نے منظم پارٹیوں کے ذریعے جبر و ظلم کے خلاف جنگیں جیتیں۔ ایک دور میں شمالی امریکہ، ایشیا، افریقہ اور مڈل ایسٹ میں قوموں اور ملکوں نے سامراجی قوتوں سے آزادی حاصل کی۔ اور ہمارے دور میں ویت نام اور الجزائر کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں ان دو ملکوں نے دنیا کی دو بڑی طاقتوں کو شکست دی کیونکہ بنیادی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ ویت نام اور الجزائر میں منظم پارٹیوں کے پلیٹ فارم سے جنگیں لڑی گئیں اور صرف قومی آزادی کی بات ہی کی گئی کہیں بھی الحاق اور مذہب کی بنیاد پر جدوجہد نہیں کی گئی۔

مذہبی جنون

افغانستان میں مذہب کی بنیاد پر افغانیوں کو امریکہ اور پاکستان نے جنگ لڑائی تو اس کا انجام اب سب کے سامنے ہے کہ وہاں پر مذہبی جنونی ایک دوسرے کا خون بہا رہے ہیں۔ اصل میں بدقسمتی یہ ہے کہ کشمیری قوم (جموں و کشمیر میں بسنے والی قومیں) کو آج تک کسی نے قومی آزادی یا قوم کے حقیقی معنی نہیں بتائے البتہ سیاستدانوں نے اپنے اپنے مفاد

کے لئے علاقوں اور برادریوں کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کیا۔ کوٹلی نے میرپور اور مظفر آباد نے پونچھ والوں کو دشمن گردانا۔ جموں اور لداخ میں وادی والوں کے خلاف نفرت ابھاری گئی جس کا انجام کشمیری قوم کی ذہنی اور فکری چپقلش کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ بدقسمتی سے نام نہاد سیاستدانوں، دانشوروں، اخبار نویسوں اور شاعروں نے بھی اپنے علاقائی مفادات کی بات کی اور آج نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ پونچھ کے دو ٹکڑے کر کے ضلع باغ وجود میں لایا گیا اور مظفر آباد، مہاجر اور مقامی لوگوں میں بانٹ دیا گیا پاکستان میں بسنے والے کشمیری دو خانوں میں بٹ چکے ہیں۔ بدقسمتی دیکھئے کہ وادی والے وادی سے باہر کسی کو کشمیری ماننے کیلئے تیار نہیں اسے کٹی کشمیری کہتے ہیں اسی طرح جموں والے وادی والوں کے خلاف بے شمار کہانیاں بنا چکے ہیں اور گلگت و بلتستان والے کشمیری کو "ہانجا کشمیری" کہہ کر پکارتے ہیں۔ اسی طرح پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے اندر وہاں کے نو آبادیاتی قوتوں اور اس کے دلالوں نے کشمیر کے اس طرف کے حصے کو ذہنی اور عملی طور پر ٹکڑوں میں بانٹ رکھا ہے۔ مجھے کے ایچ خورشید مرحوم کی ایک تقریر یاد ہے انہوں نے پونچھ میں ہزاروں لوگوں کے جلسے میں کہا تھا کہ "جو تقریر تو تم نے میری سنی ہے مگر ووٹ تم ہمیشہ سردار ابراہیم کو ہی دو گے" یاد رہے کہ مرحوم کے ایچ خورشید وادی سے تھے۔

فرقہ وارانہ جنون

اسی طرح اس طرف ہندوستانی کشمیر میں وادی کے سیاستدانوں نے کبھی مذہب کے نام پر تو کبھی الحاق کے نام پر وادی کے اندر لوگوں کو نفرت اور انفرادیت کا سبق دیا اور لداخ والوں کو وادی کے خلاف نفرت کا درس دیا۔ غرض تینوں صوبوں کو سیاستدانوں نے اپنے سیاسی مفادات اور اسمبلی میں سیٹ حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے سے نفرت، علاقائی پرستی اور مذہب دشمنی سکھائی اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج ہم قوم پرست کشمیری بہت شور مچا رہے ہیں کہ جموں و کشمیر ناقابل تقسیم ہے۔ لیکن عملی طور پر زمینی حقائق بڑے تلخ ہیں یعنی جموں و کشمیر ذات برادری، علاقائی پرستی اور فرقہ پرستی کی بنیاد پر تقسیم ہو چکا ہے اور کس قدر ستم ظریفی کی بات ہے کہ موجودہ جدوجہد کی ابتدا نام نہاد قوم پرست امان اللہ اور انکے چند حواریوں نے آئی ایس آئی سے مل کر شروع کی۔ جبکہ ایک آدمی جانتا ہے

کہ پاکستان کی ملٹری انٹیلی جنس (ISI) نے وادی یعنی مسلمانوں کے اکثریت والے علاقے میں جدوجہد کیوں شروع کی کیونکہ وہ جانتی تھی؟ کہ یہ مذہبی رنگ اختیار کرے گی ان سب باتوں کو مد نظر رکھ کر ہی 1984ء میں جب آئی ایس آئی کے جنرلوں اور بریگیڈیروں نے مجھے پیش کش کی تھی کہ "تم وادی سے نوجوان لا کر ہمیں ٹریننگ کیلئے دے دو تاکہ وہ انہیں چ کر ہندوستان کے خلاف لڑیں" لیکن میں نے ان سے پوچھا تھا "ہم تو خود مختار کشمیر پر یقین رکھتے ہیں اور ہماری نظریں گلگت، بلتستان اور آزاد کشمیر اور مقبوضہ کشمیر پر ہیں اور یہ کیسی آزادی کی جنگ ہوگی کہ آپ بھی قابض ہیں اور دوسرے قابض کے خلاف ہمیں ہتھیار دینا چاہتے ہیں یہ تو صرف آپ کے مفادات کی جنگ ہے۔ جس میں وادی کے جوان ایندھن بن جائیں گے۔ بلکہ یہ لڑائی کشمیر کو نفرت کی بنیاد پر مزید ٹکڑے ٹکڑے کر دے گی اور میں کسی بھی ایسے منصوبے میں شریک نہیں ہوں گا جس کا انجام میری قوم کی تباہی ہو سکتا ہے

یہ ایک طویل داستان ہے کہ کس طرح "آئی ایس آئی" اور اس کے حواری میرے قتل کے درپے ہوئے تھے اور مجھے جلاوطنی کی راہ بچوں سمیت اپنانی پڑی۔ آج دس سال بعد انجام کار وہی ہوا جو میں 1984ء میں کر گیا تھا بہر حال فوجی مشیروں نے گلگت کے ایک چھوٹے گاؤں سے امان اللہ کو اس کام کیلئے چن لیا کیونکہ بقول الطاف "آئی ایس آئی" کو ایسے آدمی کی ضرورت تھی جو وادی والوں سے نفرت کرتا ہو چونکہ امان اللہ خان کا بچپن وادی میں اپنے بہن کے ہاں گزرا ہے اور چونکہ امان اللہ خان شکل اور قد سے وادی کے لوگوں سے ملتا جلتا نہیں تھا۔ شاید اسی احساس کمتری کی وجہ سے امان اللہ خان "ایس۔ پی" کالج سے بھاگ کر گلگت چلے گئے اور وادی کے نوجوانوں کے خلاف اس کے دل میں آگ ساری زندگی جلتی رہی۔" اور اگر ہم الطاف اندرابی کے تجزیہ پر غور کریں تو امان اللہ خان والی لبریشن فرنٹ کی جدوجہد کا تجزیہ کرنا ہوگا کہ ابتدا میں اس نے "آئی ایس آئی" سے پیسہ اور ہتھیار لے کر وادی سے نوجوانوں کو ٹریننگ کے لئے منگوایا لیکن پاکستانی مقبوضہ کشمیر اور گلگت و بلتستان کے بارے میں آزادی کی بات ہی نہیں کی گئی۔ وادی میں کالج، یونیورسٹی، میڈیکل کالج اور انجینئرنگ کالج قائم ہیں جبکہ اس کے مقابلہ میں گلگت کے علاقہ استور میں جہاں کا امان اللہ ہے۔ وہاں تو آج تک مڈل اسکول بھی نہیں ہے اور نہ لوگوں کو ووٹ کا حق

ہے۔ نہ وہاں ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ تک ہیں۔ آج تک امان اللہ خان والی لبریشن فرنٹ نے وہاں نہ کوئی جلسہ کیا اور نہ ہی وہاں کے لوگوں کے جمہوری حقوق کے لئے ایک بھی جلوس نکالا۔ اور پھر 8 مارچ 1993ء کو آزاد کشمیر کی ہائی کورٹ نے گلگت و بلتستان کے بارے میں فیصلہ دیا۔ اس رٹ نے بھی امان اللہ کی "آئی ایس آئی" یا فوجی نظام کا آدمی ہونے کا ثبوت دیا۔ اس فیصلہ میں صفحہ 20 پر ہائی کورٹ کے جسٹس لکھتے ہیں ترجمہ "پیپلز پارٹی، لبریشن لیگ، مسلم کانفرنس، تحریک عمل پارٹی اور جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ یہ سب حاضر نہیں ہوئے اور ایسا لگ رہا ہے کہ ہجرت کر گئے البتہ امان اللہ خان ایک دفعہ کورٹ میں دلائل کے دوران موجود تھے۔

پاکستان کی سازش

وادی میں کسی کو خوش فہمی ہو تو آزاد کشمیر کے ہائی کورٹ میں رٹ پٹیشن نمبر 61/1990 دیکھ لیں جس کا فیصلہ 8-3-93 کو ہوا۔ پھر پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں گلگت بلتستان میں لبریشن فرنٹ نے وہاں قابض قوت کے خلاف جدوجہد ہی نہیں کی جب کہ بار بار پاکستانی سیاستدانوں اور حکام نے کشمیر کے بارے میں الحاق یا پاکستان کے حوالے سے کھل کر وضاحت کی۔ اور کشمیر کمیٹی کے چیئرمین نوابزادہ نصراللہ خان تو کھل کر خود مختار کشمیر کے حامیوں کو "ہندوستانی ایجنٹ" کہتے ہیں۔ پھر وادی کے لبریشن فرنٹ کے نوجوان اگر غور کریں تو ان کو صاف نظر آئے گا کہ کشمیر میں 11 فروری کو 9 آدمی پاکستانی فوج نے مار دیئے مگر پھر بھی وہاں لبریشن فرنٹ نے احتجاج نہیں کیا۔ بس وادی کے نوجوانوں کو ہی بندوق دے کر لڑنے کے لئے کہتے ہیں کیونکہ 11 فروری کا ڈرامہ پس پردہ "آئی ایس آئی" نے امریکہ سے دہشت گرد ملک قرار دینے سے بچنے کے لئے رچا تھا۔ اس کا اظہار راجہ مظفر خان نے پریس کانفرنس میں کیا تھا اس بارے میں اعظم انقلابی نے وحدت کے جون کے شمارے میں لکھا تھا۔ کہ جہاں تک آزاد کشمیر کے سیاستدانوں کا تعلق ہے انہیں کشمیر کے آزادی سے کم اور وادی کشمیر میں اثر و نفوذ پیدا کرنے سے زیادہ دلچسپی ہے"۔

وہ آزاد کشمیر کے سیاستدانوں اور لیڈروں سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ "تمہیں

مجاہدین اور مہاجرین کی امداد کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہاں تم جو بندوقیں کشمیر پہنچا رہے ہو وہ کشمیر جلانے کے لئے ہے نہ کہ کشمیر آزاد کرانے کے لئے ان بندوقوں سے کشمیر کی نوجوان ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں۔ اور اگر نظریاتی اختلاف کے نام پر لڑنا حق ہے تو الحاق اور خود مختاری کے حامی مظفر آباد میں آپس میں کیوں نہیں لڑتے؟ تم نے اس بدعت اور لعنت سے وادی کشمیر کو کیوں برباد کیا یعنی ابتداء سے ہی کشمیر کے نام نہاد نیشنلسٹوں نے وادی کشمیر کے معصوم اور محب وطن نوجوانوں کو اپنے مقاصد جن میں شہرت اور کال بنانے وغیرہ شامل تھا۔ کے لئے استعمال کیا۔ اور اس کے لئے امان اللہ اور اس کے حواریوں کو "آئی ایس آئی" کا ایجنٹ بننے میں شرم نہیں آئی اور اپنے آپ کو محب وطن بھی کہنے لگے اور لبریشن فرنٹ کو آئی ایس آئی کے منصوبوں کے لئے گروی رکھنے پر جس نے بھی احتجاج کیا اسے امان اللہ اور اس کے حواریوں نے "آئی ایس آئی" کا ایجنٹ ہونے کے باوجود اسے بھارتی ایجنٹ کہنا شروع کیا یہاں تک کہ جب پاکستان کے اداروں نے کشمیر کے اندر اچھی طرح سے اپنے پاؤں جمالئے تو انہوں نے لبریشن فرنٹ کے نوجوانوں کو مختلف ناموں سے نئی نئی پارٹیاں وجود میں لانے کا درس دینا شروع کیا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ کشمیر کے اندر 56 پارٹیاں بن گئیں اب بھی 76 کے قریب گروپ موجود ہیں اور "آئی ایس آئی" نے نیشنلسٹوں کو ایک طرف دھکیل کر الحاق پاکستان کی حامی پارٹیوں کی عملی مدد شروع کی اور ساتھ ہی وادی کشمیر کے اندر ان تمام افراد کو قتل کرنے کا حکم دیا جو قومی تحریک آزادی کو آگے بڑھا سکتے تھے۔

مولوی فاروق کا قتل

مجھے مولوی فاروق شہید کے ایک خاندانی دوست نے بتایا کہ مولوی فاروق کو صرف اس لئے شہید کرادیا گیا کہ انہوں نے تین باتوں کی تلقین کی تھی۔

(1) اگر بندوق اٹھانی ہے تو صرف آزادی کا نعرہ لگاؤ۔

(2) الحاق اور نظام مصطفیٰ کے نعرے مت لگاؤ اس طرح دنیا میں حمایت حاصل

نہ ہو سکے گی۔

(3) کشمیر کی اقلیت خاص طور پر کشمیری پنڈتوں کی حفاظت کرو تاکہ اس تحریک کو فرقہ واریت کا رنگ نہ لگے اس لئے مولوی فاروق کو شہید کرایا گیا کیونکہ "آئی ایس آئی" نے اس تحریک کی ابتداء ہی مذہبی رواداری ختم کرنے سے کی جب کہ امان اللہ اور اس کے حواری "آئی ایس آئی" کے آلہ کار بن گئے۔ ابتداء میں ہی وادی کشمیر کے مسلمانوں میں اس تحریک کو متعارف کرایا اور ان سے ہی نوجوان ٹریننگ کے لئے لائے گئے۔ گلگت، بلتستان اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر بھی تو غلام ہیں اگر امان اللہ خان یا پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں نیشنلسٹ تو تھیں حقیقی نیشنلسٹ ہوتے تو کردوں کی طرح اپنے اپنے علاقے میں قابض قوتوں کے خلاف لڑتے۔ جبکہ شام میں رہنے والے کرد شام کے خلاف ترکی میں رہنے والے کرد ترکی کے خلاف، ایران میں بسنے والے کرد ایران کے خلاف اور عراق میں بسنے والے کرد عراق کے خلاف لڑتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا میں جب 1993ء میں پاکستان میں نام نہاد آزاد کشمیر میں دو ماہ کے لئے گیا تھا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑی شرم آئی کہ چند لوگوں کو چھوڑ کر ہر نام نہاد نیشنلسٹ "آئی ایس آئی" یا کسی خفیہ ایجنسی کا آلہ کار بننے کے لئے تیار ہے۔ وادی کشمیر کے نام پر آزادی کی جدوجہد کے حوالے سے سب کو حالات کا یرغمال بنا ہوا ہے اس لئے آزاد کشمیر کے نوجوانوں کا تعلیمی، اقتصادی اور سیاسی استحصال عرصہ 50 سال سے ہوتا آرہا ہے۔ اور آزاد کشمیر میں نیشنلسٹوں کو جن لوگوں نے حقیقی نیشنلزم کا درس دینا چاہا ان کے خلاف آئی ایس آئی امان اللہ خان اور اس کے حواریوں نے بھرپور پروپیگنڈا شروع کیا کہ "یہ لوگ بھارت کے ایجنٹ ہیں" اب ذرا دیکھیں کہ بظاہر یہ حقیقی نیشنلسٹ لوگ کہتے ہیں کہ "قومی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ کشمیر کے پانچوں صوبوں میں بسنے والے لوگوں کو جموں و کشمیر کی مکمل آزادی و خود مختاری کے لئے سب سے پہلے ذہنی طور پر تیار کیا جائے۔ اور قومی آزادی کے اصولوں کے تحت یہ جدوجہد مذہبی بنیادوں پر نہ ہو اور پھر پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے لوگ اگر "را" یا سی آئی اے والوں سے پاکستان کے خلاف لڑنے کے لئے مدد لیں گے تو وہ محب وطن کشمیری نہیں کہلا سکتے۔ اسی طرح جب کوئی آدمی ہندوستانی

مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لئے آئی ایس آئی کا آلہ کار بنے گا تو یہ بھی حب الوطنی کے معیار کے مطابق محب وطن نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ دونوں گروہ اصل پاکستانی یا ہندوستان کے مقاصد کے لئے کام کرنے والے لوگ کہلائیں گے۔ اور یہ بات آج کل کشمیر کے ماحول میں کہاں ان لوگوں کو جو اپنے آپ کو نیشنلسٹ کہلواتے ہیں بری لگے گی۔ اصل میں مجھے یہ بات کہنے میں کوئی عار نہیں اور میں آئی ایس آئی اور پاکستانی اداروں کو اس بات پر مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے انتہائی عقلمندی سے آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان کے چند نام نہاد نیشنلسٹوں کو آلہ کار بنا کر آزاد کشمیر اور گلگت و بلتستان میں ہونے والی معاشی اور سیاسی استحصال کے خلاف ابھرنے والی نفرت کو وادی کشمیر میں ہونے والی جدوجہد کی طرف موڑ دیا۔ اور ہندوستان کے خلاف مشرقی پاکستان میں کھائی ہوئی شکست کا بدلہ وادی کشمیر کے نوجوانوں کے خون، ماؤں بہنوں کی عصمتوں اور ہماری جائیدادوں کی تباہی سے لیا اور لے رہے ہیں۔ اور میرے موقف کی تائید تو "وحدت" کے جون کے شمارے میں اعظم انقلابی اپنے مضمون "اخوت کا سراب" میں یوں کرتے ہیں کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ تم نے یہاں سپاہی اور فوجی کارکنوں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائی ہے کہ کشمیریوں نے 1947ء اور 1965ء میں غداری کی۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ موجودہ تحریک کے دوران ایسے کتنے مواقع آئے جب "دوست افسر" غصہ میں بھڑک اٹھے اور معصوم نوجوانوں سے کہنے لگے کہ ہم تم کشمیریوں سے 1965ء کا بدلہ لیتے ہیں۔ اس قسم کے ریمارکس ہمارے مجاہدین نے اپنے کانوں سے سنے لیکن وہ زہر کے گھونٹ نگلتے رہے بلکہ اس سلسلے میں آزاد کشمیر اور پاکستان سے جو نوجوان ٹریننگ کر کے آئے ہیں اب جیلوں میں مقید ہیں یا کشمیر کے اندر موجود ہیں۔

حقائق

ان کو یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر جس کو آزاد کشمیر بھی کہا جاتا ہے وہاں اور گلگت و بلتستان میں کیا حالات ہیں۔ نوجوان بے روزگار ہیں اور اکثر انگلینڈ اور مشرق وسطیٰ میں نوکریاں کرتے ہیں اور اس پوری جدوجہد میں جو وادی کشمیر میں ہو رہی ہے آزاد کشمیر اور پاکستان کے نوجوانوں نے مختلف یورپی ملکوں میں سیاسی پناہ کے طور پر استعمال کیا۔ کیونکہ آزاد کشمیر میں روزگار کے مواقع نہ ہونے کے برابر ہیں اور نوجوانوں کو

روزگار مہیا نہیں ہے اس لئے وہاں کے پڑھے لکھے لوگ روزگار کی تلاش میں بیرونی ممالک میں سرگرداں ہیں۔ اور پھر انٹرنیشنل پلیٹ فارم پر بھی نیشنلسٹوں نے حقیقی قومی آزادی کے لئے جدوجہد نہیں کی۔ آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے پاکستانیوں سے مل کر ہندوستانی مقبوضہ کشمیر کی آزادی کے لئے جلوس نکالے جلسے کئے۔ خودمختار کشمیر کی حامی کسی تنظیم نے کبھی بھی بیرونی ممالک میں پاکستانی سفارت خانے کے سامنے گلگت و بلتستان اور آزاد کشمیر پر پاکستانی قبضے کے خلاف مظاہرہ نہیں کیا حال میں کشمیر کمیٹی کے سربراہ نوابزادہ نصراللہ خان نے کھل کر پریس میں بیان دیا کہ خودمختاری کشمیر مانگنے والے "بھارتی ایجنٹ" ہیں اور محترمہ بے نظیر نے بار بار بیانات دیئے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کے صرف دو راستے ہیں یعنی الحاق ہندوستان یا الحاق پاکستان اور اسی طرح گلگت و بلتستان کے سلسلہ میں آزاد کشمیر کے ہائی کورٹ کا فیصلہ آنے کے بعد کہ گلگت و بلتستان جموں و کشمیر کا حصہ ہے اور اسے آزاد کشمیر کے حوالے کیا جائے جب حکومت پاکستان نے اس فیصلے پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی تھی تو بھی آزاد کشمیر کی کسی نیشنلسٹ تنظیم نے اس کے خلاف مظاہرہ نہیں کیا اور اب جب حکومت پاکستان نے گلگت و بلتستان میں اصلاحات کے نام پر وزارت امور کشمیر کی گرفت مضبوط کی تو کسی بھی نیشنلسٹ تنظیم یا خودمختار کا نعرہ لگانے والوں نے کسی سفارت خانے کے سامنے مظاہرہ نہیں کیا اور نہ ہی نام نہاد خودمختار کشمیر کے لیڈر امان اللہ خان یا اس کے لبریشن فرنٹ نے کوئی مظاہرہ کیا حالانکہ وہ خود گلگت و بلتستان کا رہنے والا ہے اسی لئے انٹرنیشنل پلیٹ فارم یا میڈیا پر ہماری قومی آزادی کی جدوجہد کو وہ حمایت نہ مل سکی جو فلسطین یا کسی اور قومی آزادی کی جدوجہد کو بین الاقوامی سطح پر مل چکی ہے کیونکہ ہم نے اس جدوجہد کو قومی آزادی کی جدوجہد کی لائنوں کے اندر رکھا ہی نہیں۔

پاکستان سے الحاق

فلسطین کا جو سفارتی نمائندہ انگلینڈ میں ہے وہ عیسائی ہے اور اسرائیل کے ساتھ جو بات چیت ہو رہی تھی اس کی نمائندگی عیسائی خاتون ہی فلسطین کی طرف سے کر رہی تھی۔ اس کے مقابلے میں ہم کشمیریوں نے جہاں بھی اپنا کیس پیش کیا اسلام میں پاکستان سے مسلمان ہونے کی بنیاد پر الحاق پاکستان کی بات کرلی اور اگر پاکستانی وفود پر نظر ڈالی جائے تو کشمیر کمیٹی

میں پاکستان کے لوگ ہیں اور جو بھی وفد باہر آتا ہے اگر پاکستان مہربانی کرے تو اس میں پاکستانی مقبوضہ کشمیر سے اپنے مخصوص لوگ یعنی جماعت اسلامی یا مسلم کانفرنس کے لوگ شامل ہوتے ہیں کیونکہ وہ الحاق پاکستان کے لئے جدوجہد کرتے ہیں اس سلسلہ میں ڈاکٹر غلام قادر وانی کی ایک تحریر کا حوالہ دینا ضروری ہے جو انہوں نے "مسئلہ کشمیر اور ہمارا مستقبل" کے عنوان سے 20 اپریل کو مظفر آباد میں ایک مجلس مذاکرہ میں کی ہے۔ "ہم نے ایک مکمل تحریک آزادی کا آغاز کیا تھا جسے ہائی جیک کرنے کے بعد شورش میں تبدیل کیا گیا اور اب اس کا داخلی اور آزادانہ کردار ختم کیا جارہا ہے اس سے نفسیاتی، سماجی اور سیاسی مسائل پیدا ہوتے ہیں آج کشمیری قوم بالخصوص نوجوانوں کی پوری نسل نفسیاتی امراض اور مسائل کا شکار ہوئی ہے اس سے اس کا مستقبل چھینا جارہا ہے اس کی خرید و فروخت اور نیلامی ہو رہی ہے۔ ایثار و قربانی کی سیاست کی بساط لپیٹ دی گئی ہے۔ وفاداریاں خریدنے کے لئے جمعہ بازار لگے ہوئے ہیں اور پھر آگے چل کر ڈاکٹر غلام قادر وانی فرماتے ہیں کہ "آخر یہ وہی قوم ہے جس نے موئے مقدس کی تحریک میں ایک لامثال اتحاد قائم کیا۔ اس قوم نے متحدہ محاذ کے مشترکہ پلیٹ فارم سے اپنے غصب شدہ حقوق کی تحریک کا آغاز کیا۔ اس قوم نے تحریک حریت کشمیر کا اتحاد وجود میں لایا۔ اسی قوم نے حالیہ تحریک کے آغاز میں اخوت، محبت، برادری، ہمدردی اور ایثار کے بے مثال نقوش قائم کئے لیکن اس کے ساتھ کھلواڑ کرنے والوں نے اس قوم کو اپنے تجربات کے لئے ایک تجربہ گاہ بنا دیا پہلے آزادی اور خودمختاری کے نام پر اسے استعمال کیا پھر الحاق کے سر من دیا اور دونوں نظریات کے حامیوں کو متصادم کرایا یہاں تک مولانا محمد فاروق، ڈاکٹر عبدالاحد گورو، پروفیسر عبدالاحد وانی، محمد مقبول ملک، غلام محمد راتھر اور غلام محمد گنائی جیسے حضرات اس تصادم اور پرخاش کی نذر ہو گئے۔ ہم نے کبھی آزاد کشمیر میں خودمختار کشمیر اور الحاق پاکستان کے حامیوں کو آپسی تصادم میں الجھتے نہیں دیکھا لیکن کیا وجہ ہے کہ آج یہ لڑائی اس حدود خطے میں جاری رکھی جارہی ہے جس کے بدقسمت عوام کو بھارت کی طرف نسل کشی کا چیلنج درپیش ہے"

آئی ایس آئی کے ایجنٹ

اصل میں ڈاکٹر غلام قادر وانی یہ بات کہنا بھول گئے کہ "آزاد کشمیر میں

خودمختاروں کی اکثریت آئی ایس آئی اور دیگر ایجنسیوں سے معاوضہ لیتی ہے اور الحاق پاکستان والے بھی ان کے ہی ہیں۔ سردار عبدالقیوم سے راجہ مظفر خان نے جنوری 1990ء میں 17 لاکھ 73 ہزار روپے کا چیک لیا تھا کہ آزاد کشمیر میں یہ لوگ بھی نہیں لڑیں گے۔ ان دونوں گروہوں کی روٹی اور سیاست وادی کشمیر کے نوجوانوں کے خون، ماؤں اور بہنوں کی لٹی ہوئی عصمتوں اور ہزاروں نوجوانوں کو جیلوں اور تشدد گاہوں میں بسر کرانے سے وابستہ ہے اور اگر یہ دونوں گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کی سیاست اور روٹی دونوں بند ہو جاتی ہیں جبکہ یہ دونوں چیزیں (سیاست اور روٹی) تو یہ لوگ وادی کشمیر کے نوجوانوں کی نعشوں اور ان کے کٹے ہوئے جسموں پر جاری رکھے ہوئے ہیں"۔ غلام قادر وانی آزاد کشمیر و پاکستان میں رہ کر آئی ایس آئی کے ساتھ سابقہ تجربوں کی بنا پر اس تقریر میں کشمیری حب الوطنی کے جذبے کے تحت چیخ پڑتے ہیں کہ ہم تحریک آزادی کشمیر کو ایک آزاد عوامی داخلی اور مکمل تحریک آزادی کے طور پر ہی اس کی شناخت قائم رکھنا چاہتے ہیں اور ہمیں یہاں آکر تجربے نے سکھایا کہ اگر زور اور زر کے بل بوتے پر ایک عوامی تحریک پر ڈاکہ ڈال کر اس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی طرح "استعماری" مقاصد کے لئے استعمال کیا جائے تو یہ ایک شورش رہ جاتی ہے اور اس کی ڈور اس کے چلانے والوں کے ہاتھ میں نہیں رہتی یہی نہیں بلکہ فاروق رحمانی وادی کشمیر میں ساری زندگی الحاق پاکستان کا کلمہ ہی پڑھتے رہے اور اس نظریہ میں ہمیشہ انتہا پسند رہے مگر اب وہ بھی اپنی کتاب "آزادی کی تلاش" کے مقدمہ ثانی میں لکھتے ہیں "میں گزشتہ تین سال سے پاکستان اور آزاد کشمیر میں ہوں اب تک خود کو مسافر ہی سمجھ رہا ہوں اور سفر جہاد جاری ہے اور غریب الوطنی کے زخم ہرے ہیں۔ میں آزاد کشمیر کو اپنا ٹھکانہ اور پاکستان کو اپنا ملک وطن سمجھ کر آیا تھا تاکہ یہاں بیٹھ کر سارے کشمیر کو پنجہ غیر سے آزاد کرانے کے لئے جدوجہد کر سکوں لیکن افسوس کہ آزاد کشمیر میں ہم غیر ملکی تصور ہوتے ہیں اور ہمیں اپنی شہریت اور کشمیریت ثابت کرنے کے لئے عدالتوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے تمام خواب چکنا چور ہو گئے ہیں ہم جو برسوں سے اپنے زخم سینوں میں سنبھالے چلے آئے تھے۔ میرے سینے میں اب بھی زخم ہرے ہیں اور محبت باقی ہے اور مجھے ترک محبت پر مجبور کیا جارہا ہے۔ کیا میں اس محبت کو جی بھر کے کوسوں؟" اور اسی مقدمہ ثانی میں پاکستانیوں سے مخاطب ہیں کہ "کیا بات ہے کہ کل تک دور ہونے کے باوجود جو

کشمیری آپ کے قریب تھے وہ آج قریب پہنچ کر دور ہو گئے ہیں۔ پہلے دلوں کے درمیان فاصلے نہیں تھے لیکن اب فاصلے کہاں سے اور کس نے پیدا کئے؟" پاکستان کا کلمہ دن رات پڑھنے والے فاروق رحمانی اب پاکستان کے بارے میں حقیقت کا اظہار یوں کرتے ہیں "پاکستان نظریاتی اور دستوری اعتبار سے ایک اسلامی قانونی اور جمہوری مملکت ہے۔ لیکن ابھی تک یہاں جاگیردارانہ نظام قائم ہے یا سرمایہ دارانہ نظام پھل پھول رہا ہے۔ اور مغربی کلچر اور عادات نے سماج کو مرعوب کر رکھا ہے اور میرے موقف کی تائید فاروق رحمانی یوں کرتے ہیں کہ "آزادی اور اسلام کی تحریک کا تقاضا ہے کہ بندوق پرستی، موقع پرستی اور عیاری کے سہارے عوام پر کوئی قیادت نہ ٹھونسی جائے" اور پاکستان کے بارے میں آگے چل کر فرماتے ہیں کہ "آج ہمیں ایسا لگتا ہے کہ سیاسی آزادی کے باوجود ایک بے سہارا اور بے بس قوم ہے اور زمین و آسمان کے درمیان معلق گذشتہ چند برسوں سے پاکستان کشمیر میں بھی لیڈر شپ کی تلاش کا طریقہ بگاڑتا رہا۔ آزاد کشمیر کا خطہ تو برسوں سے اسی ڈگر پر چل پڑا ہے اسے سود و زیاں اور صاف و غلیظ کا کوئی احساس نہیں رہا ہے اور پھر لکھتے ہیں "آج جبکہ تحریک آزادی نصف النہار پر ہے مختلف حریت پسند پارٹیاں، مجاہدین اور کارکن ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے ہیں" اور پھر فاروق رحمانی پچھتاوے کا اظہار یوں کرتے ہیں کہ "آزاد کشمیر میں تحریک جہاد کے وسائل کو جس طرح جوڑ توڑ کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے اس کی مثال گذشتہ کئی دہائیوں میں نہیں ملتی کاش یہ خبر ہوتی کہ یہاں کی کرسیوں پر کس قسم کے لوگ بیٹھے ہوئے ہیں تو نوجوان دیوانہ وار برف پوش پہاڑوں سے ٹکرا کر یہاں کا رخ نہ کرتے بلکہ بھارت کے خلاف اپنی صف آرائی کو اپنے ہی وسائل کے اندر آگے بڑھاتے یہاں کا رخ کر کے ہماری پالیسیاں ہمارے ہاتھوں سے نکل گئیں۔ ہماری نوجوان دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بن گئے اور پالیسیاں آدرشوں کے بجائے روپے پیسے کا ذریعہ بن گئیں بالخصوص کشمیر سے آزاد کشمیر تک اس دہشت خوری کا ایک فائدہ ضرور ملا کہ ہمیں یہاں کی سیاست میں غلاظت کے ڈھیروں کی موجودگی کی تصدیق ہوئی جس کی بدبو نے یہاں کے باشندوں کی زندگی بھی مشکل بنا دی ہے" اور آخر میں اس مقدمہ عالی میں فاروق رحمانی اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

(1) جہاد آزادی کے لئے دی جانے والی امداد مادی اور سیاسی بظاہر انسانی اور اخلاقی ہے لیکن عملاً یہ سب کچھ مشروط ہے۔

(2) پاکستان اور آزاد کشمیر میں حکومتیں اور پارٹیاں مختلف ہیجان اور طوفانی نعرے دیتی رہیں گی لیکن یہ ساری لن ترانی اپنی بقا کے لئے ہے جس کا خطرہ دونوں کو لگا رہتا ہے۔ فاروق رحمانی نے ساری عمر مقبوضہ کشمیر میں پاکستان کے الحاق کے نعرے لگانے میں بسر کی اور ایمانداری سے بغیر کسی معاوضے کے اپنے نظریات پر سب کچھ قربان کیا مگر اب وہ تین سال کے تجربے سے اسی نتیجے پر پہنچے کہ جس نتیجے پر میں اور مقبول بٹ شہید پاکستان کے شاہی قلعہ میں ڈھائی ماہ رہ کر پہنچے تھے۔ "آج جو باتیں فاروق رحمانی لکھتے ہیں میں یہی باتیں پانچ سال پہلے لکھتا تھا۔ لیکن اس وقت بھی اور آج بھی آئی ایس آئی کے تنخواہ دار سچ لکھنے والوں کو "بھارت کا ایجنٹ" کہتے ہیں۔

کشمیر کی تباہی

یہاں پر پھر سے ڈاکٹر غلام قادر وانی کا حوالہ دوں گا انہوں نے "وہ گل ہوں میں، خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری" کے عنوان سے "وحدت" کے جون کے شمارے میں لکھتے ہیں۔ "زر اور سوچ رکھنے والے سرمایہ داروں نے مختلف تنظیموں کو عطیات کے طور پر رقم دے کر جھیل ڈل میں ناجائز تعمیرات اور تجاوزات کا ایک لمبا سلسلہ شروع کرایا ہے۔ جس سے جھیل ڈل سکڑ گئی ہے اور سکڑ سمٹ کر اب ہماری بے حسی پر آنسو کے قطرے کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ فطرت کے حسن کی اس قدر پامالی اور قدرت کی نعمتوں کی اس طرح ناشکری کہیں دیکھنے میں نہیں آئی۔ اس ناشکری بدذوقی اور بے حسی کا انتقام بڑا سخت ہوگا۔ ایک طرف ڈل سمٹ رہا ہے دوسری طرف سبز قالینوں پر دیواروں کی بزم آرائیوں کی بساط بچھ رہی ہے اور جنگلات کا بے دردی کے ساتھ بے دریغ صفایا ہو رہا ہے۔ کھلن مرگ کی اونچائیوں سے لے کر ہرموکھ کے دامن اور پہلگام کے کہسار کے جنگلات اس بے دردانہ کٹائی کا شکار ہو گئے۔ لولاب کی اونچائیوں اور ہانڈی پورہ کی مرتفع سرزمین کی پامالیاں زمانے کی دست برد سے نالاں ہیں۔ کیا ہم صومالیہ کی طرح قحط سالی کو بلاوا دے رہے

ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم کسی کی شہ پر کشمیر کو اس کے حسن اس کے قیمتی جنگلات اور اس کے ذرائع و وسائل سے محروم کر دینا چاہتے ہیں تاکہ اس کے ایک آزاد ملک کی حیثیت سے زندہ رہنے کے سارے امکانات ختم ہو جائیں۔ پنچایت گھر جلائے گئے۔ خوبصورت عمارتیں ملبے کا ڈھیر بن گئیں کشمیری عوام نے بڑی محنت سے مقامی افراد کے تعاون سے اسکولوں اور مدرسوں کے لئے اپنی ذاتی آمدنی سے بڑی عالیشان اور پرشکوہ عمارتیں تعمیر کی تھیں ان کا کہیں نام و نشان نہیں۔ اسلامیہ کالج کی عظیم عمارت، اس کی عظیم الشان لیبارٹری اس کی قابل رشک اور زرخیز لائبریری خاکستر ہو گئی اس کا فائدہ کیا ہوا؟ یہ علم و ادب اور تہذیب و تمدن کا جنازہ کیوں نکالا جا رہا ہے اگر یہ تحریک جہاد کا حصہ ہے تو اس کا سارا اہتمام صرف وادی تک کیوں محدود ہے؟ میں نے اعظم انقلابی، ڈاکٹر غلام قادر وانی اور فاروق رحمانی کی تحریروں اور تقریروں کے حوالے اس لئے دیئے کیونکہ یہ تینوں افراد موجودہ تحریک میں ابتداء سے شامل رہے اور کھلے عام پاکستانی اداروں سے تعاون بھی کرتے رہے لیکن یہ لوگ بھی مادر وطن کشمیر سے محبت کرتے ہیں اسی لئے یہ بھی ان حقائق کا اظہار کرنے پر مجبور ہیں۔

ان حقائق کے لئے میں نے اور مقبول بٹ شہید نے ساری عمر یہ پیار کیا تھا لئے اعظم انقلابی نے مقبول بٹ شہید کے نام ایک کھلے خط میں (یہ خط جون 1994ء کے وحدت کے شمارے میں شائع ہوا) یوں ہماری سچائیوں کا اعتراف کیا ہے۔ "آپ جب آزاد کشمیر اور پاکستان کے ماحول میں استحصال سیاست اور منافقت کے خلاف اپنی شدید نفرت کا اظہار کرتے تھے تو میں یہ سمجھنے سے قاصر رہتا کہ آخر اتنا استحصال اور منافقت کی یہاں آزاد ماحول سے کیا مناسبت ہے"۔ ہاں آج میں بخوبی سمجھتا ہوں کہ یہاں کہ استحصال جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ اور مستعمرانہ استعماری نظام کے خلاف جدوجہد کرنا کتنا بڑا باعث برکت اور ثواب کا باعث ہے۔ قارئین کرام اس تحریک کے بارے میں کہ یہ تحریک اب کہاں ہے اور کس موڑ پر کھڑی ہے، کشمیری کس قدر ذہنی جسمانی، اقتصادی اور سیاسی طور پر تباہ ہو چکے ہیں اس کا پورا نقشہ اعظم فاروقی رحمانی اور ڈاکٹر غلام قادر وانی کی تحریروں میں کھینچا جا چکا ہے اور یہ حضرات اپنی پارٹیوں کے ساتھ حریت کانفرنس میں بھی موجود ہیں۔

کشمیریوں کا قتل عام

آزادی اور الحاق کے نام پر وادی کشمیر میں جو گروپ اور پارٹیاں بظاہر انصاف، اسلام اور آزادی کے دلفریب نعروں کے ساتھ جنگ لڑنے بلکہ جہاد کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور ان میں اکثر گروپ پارٹیاں حق کے اظہار پر اپنے ہی بھائیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ جبکہ قتل جیسا گناہ عظیم خداوند کریم بھی نہیں بخشتا۔ اخباروں کو سچی خبروں کے عوض یا ایک دوسرے کے مخالف گروپ کے بارے میں خبر دینے پر دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ دفاتر اور ان کی جائیدادیں بموں سے اڑائی جاتی ہیں اخبارات کو جلایا جاتا ہے۔

چند دن پہلے ہی روزنامہ "آفتاب" کے دفتر پر حملہ کیا گیا جس کی وجہ سے تمام اخبارات نے وادی کشمیر میں غیر معینہ مدت تک ہڑتال کر دی۔ اسی طرح دریائے جہلم پر موجود عوامی رابطوں کے پل کس نے جلائے؟ گاؤں سے گاؤں کے درمیان لوگوں کی سہولت کے پل کس نے جلائے؟ سکولوں اور مدرسے اور اسلامیہ کالج کن خفیہ ہاتھوں نے تباہ و برباد کرایا۔ جنگلات کون فروخت کر رہا ہے؟ کیا اس سے بڑی کوئی مثال اجتماعی قومی خودکشی کی ملے گی کہ ایک قوم کا بڑا حصہ آزادی کے نام پر جدوجہد کا دعویٰ بھی کرے اور اس کے لئے نوجوانوں کو بے دریغ قربان بھی کرے مگر یہی قوم اپنے ہی ہاتھوں ایک دوسرے کا سرعام قتل بھی کرے اور کالج، سکول، سڑکوں اور پل بھی نیست و نابود کریں۔ آخر کیوں؟ ہندوستان کو اس سے کیا نقصان ہوتا ہے؟ نقل و حرکت میں ہمیں تکلیف ہو گی سکول کالج جلانے سے جہالت ہمارے گھر گھر میں پھیلے گی اور ایک دوسرے کو قتل کرنے سے ہم خود کشمیر دشمن قوتوں کے آلہ کار ثابت ہو رہے ہیں جھیلیں اور جنگلات تباہ کر کے آئندہ نسلوں کے لئے تباہی و بربادی کا سامان ہم پیدا کر رہے ہیں۔ ان حالات میں کیا کشمیری قوم کے دانشوروں، صحافیوں، اساتذہ، طلباء، سیاستدان اور کشمیر سے محبت کرنے والے تمام لوگوں کو اور ان لوگوں کو جو کشمیر کی محبت میں آج جلا وطنی کی زندگی گزار رہے ہیں یا جیلوں میں اپنی جوانیاں بڑھاپے کی نذر کر رہے ہیں۔ اس پانچ سالہ جدوجہد پر نظر ڈال کر غور و فکر کے مثبت تجزیہ کرنا فرض نہیں بنتا کہ کیا پانچ سالوں میں ہم کشمیریوں کو بین الاقوامی سطح پر کسی قسم کی کوئی حمایت حاصل ہوئی؟ اخباری بیان دینا کشمیر کا ذکر کرنا قرارداد پاس کرنا یہ سب حربے

کشمیری قوم کو خوش فہمی میں مبتلا رکھ کر نوجوانوں کو قتل کراتے رہنے کا ایک سلسلہ ہے مگر حقیقی معنوں میں اگر ہندوستان پر کسی قسم کا بین الاقوامی دباؤ ہوتا تو ہندوستان کے ارباب اقتدار کشمیر کے اندر تباہ ہونے والی سڑکوں، پلوں، سکولوں اور کالجوں کی تعمیر نو کے لئے 7 ارب 80 کروڑ روپے کا بجٹ اعلان نہ کرتے۔ کیا کشمیری قوم سیاسی پارٹیاں اور دانشور اس بات پر غور کرنے کی زحمت گوارہ کریں گے کہ بین الاقوامی حمایت آخر کیوں نہیں حاصل ہوئی؟ اس کا جواب بالکل سیدھا اور صاف ہے کہ وادی کشمیر کے اندر ہونے والی پانچ سالہ جدوجہد قومی آزادی کے پیمانوں پر پوری نہیں اترتی یہ ایک فرقہ پرست اور پاکستان سے الحاق کی جدوجہد کے سوا پوری دنیا کی رائے عامہ کو عملاً اور کچھ نظر نہ آئی۔ کیونکہ کشمیری پنڈتوں کے وادی کشمیر سے نکلنے اور ان کے پیچھے ان کی جائیدادیں جلانے کے عمل نے اسے فرقہ پرست اور مذہبی تحریک کا نام دیا اور اسی طرح الحاق پاکستان کے نعروں نے اسے قومی آزادی کی تحریک نہیں بننے دیا۔ یوں بین الاقوامی حمایت کے حاصل نہ ہونے کے بارے میں جماعت اسلامی کے سید علی گیلانی 21 اکتوبر 94ء کے روزنامہ جنگ لندن میں ایک مضمون رقم طراز ہیں کہ "اعلیٰ سطح کے جو بھی نمائندے یہاں آتے ہیں" بد قسمتی سے مظلوم کشمیریوں کے کرب کی ٹیس محسوس کرنے کے بجائے خود اپنے قومی مفادات کے نمائندے بن کر آتے ہیں۔ محسوس یہی ہوتا ہے کہ ایسے وفود یا شخصیات اہل کشمیر کے حقوق کی حفاظت کے بجائے سامراج کے مفادات کے محافظ بن کر ہمیں کچھ سبق پڑھانے کچھ ورغلانے اور پھسلانے آتے ہیں۔ سید علی گیلانی کے اس تجزیہ کے بعد چندہ جمع کر کے اپنی اولاد اور اپنے لئے کشمیری لاشوں کا سودا کرنے والوں کی پیدا کردہ خوش فہمیاں دور ہو جانی چاہئیں کہ بین الاقوامی سطح پر ہماری کوئی حمایت ہے کیونکہ بین الاقوامی رائے الحاق اور مذہبی جماعتوں کے فرقہ پرستانہ نعروں کے باعث کشمیریوں کے حق میں نہیں ہو سکتی۔

نئی حکمتِ عملی

اس لئے اس تحریک کو نہ صرف تراشنے کی ضرورت ہے بلکہ ماضی سے سبق سیکھ کر حالات اور بندوق اور دھمکیوں سے ڈرے بغیر قوم کو اندھی کھائی میں گرنے سے بچانے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلہ میں اگر کشمیری نیشنلسٹ واقعی آزادی و خود مختاری چاہتے ہیں تو وہ

کشمیر پر قبضہ کرنے والی ہر قوت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور گلگت، بلتستان، آزاد کشمیر کے لوگ وہاں کی قابض قوتوں کے خلاف رائے عامہ کو منظم کر کے جدوجہد کریں اور وادی والوں کو کشمیری پنڈتوں اور جموں و لداخ کے رہنے والوں کو بھی اس قومی آزادی کی جدوجہد میں ان کے مفادات کے تحفظ کا یقین دلا کر شامل کرنا ہوگا ورنہ یہ لوگ تب تک اس جدوجہد میں شامل نہیں ہوں گے جب تک کشمیری پنڈت واپس اپنے گھروں کو نہ آئیں اور وادی کے اندر الحاق اور مذہبی بنیادوں پر ہونے والی جدوجہد کشمیر کی قومی آزادی کی جدوجہد میں نہیں بدلتی اور اس کے علاوہ کشمیر کے وفاداروں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی 5 جنوری 1949ء کی قراردادیں یکسر مسترد کر دیں کیونکہ ان قراردادوں میں کشمیریوں کو صرف ہندوستان یا پاکستان کے ساتھ الحاق کرنے کا حق دیا گیا ہے اور اسی طرح شملہ معاہدہ میں بھی دونوں ملک کشمیر کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں یعنی اقوام متحدہ کی قراردادوں اور شملہ معاہدہ میں کشمیریوں کی خواہش کی کوئی اہمیت نہیں اور پھر ان پانچ سالوں میں بھی پاکستان کے حکمرانوں نے قومی اور بین الاقوامی سطح پر تیسرے حل یعنی خود مختاری کو یکسر مسترد کر دیا اور کشمیر کا صرف ایک الحاق پاکستان تجویز کرتے ہیں اور الحاق پاکستان سے ہٹ کر جو بھی کوئی دوسرا حل پیش کرتا ہے اس کو الحاق پاکستان کی حامی کشمیری تنظیمیں، پاکستانی حکمران اور پاکستان کے ذرائع ابلاغ "غدار" اور "ہندوستانی مفادات کے تحفظ" کا نام دیتے ہیں حالانکہ یہ الحاق پاکستان کی حامی تنظیمیں اور پاکستان کے حکمران جب اقوام متحدہ کی قراردادوں کی بات کرتے ہیں تو یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ ان قراردادوں کی رو سے "الحاق ہندوستان" کی بات کرنا بھی جرم نہیں ہے جبکہ پاکستان میں خود مختار کشمیر کے حامیوں کو مجرم گردانا جاتا ہے اسی سلسلے میں یہ بات یاد رہے کہ پاکستانی حکمران، سیاستدانوں، بیوروکریسی اور فوج کے نزدیک کشمیر کے اندر صرف اور صرف وہی لوگ اور وہی پارٹی محب وطن ہے جو ان کی ہاں میں ہاں ملائے۔ اور کشمیر کی آزادی کا مطلب الحاق پاکستان کہہ دیں اور کوئی اور بھوں کی بات کریں اس کا تجربہ چند ماہ پہلے یاسین ملک کے خلاف پاکستان کے حکمرانوں، اداروں اور ذرائع ابلاغ کے شدید رد عمل سے ہوتا ہے کہ یاسین ملک کو انہوں نے غدار تک قرار دیا حالانکہ یاسین ملک نے صرف آزادی کی جدوجہد میں طریقہ کار کو بدلنے کی بات کر کے پر امن سول نافرمانی کی بات کی تھی یہ بات بھی اعظم انقلابی، غلام قادر وانی اور



ہاشم قریشی اپنے خاندان کے ساتھ



ہاشم قریشی، معظم انقلابی، بشیر قریشی، شوکت ڈار اور دیگر

فاروق رحمانی کی پر سوز تحریروں سے واضح ہوئی کہ آزاد کشمیر کے سیاست دانوں اور نام نہاد ہمدردوں کو وادی کے لوگوں کے مسائل ان کی بھوک ان کی بیماری اور ان کی تکلیفوں کی کوئی پرواہ نہیں البتہ یہ لوگ کشمیر میں ہر روز گرتی ہوئی لاشیں تباہ ہوتی ہوئی املاک اور جیل خانوں میں قید نوجوانوں کے عمل کو زندہ رکھنا چاہتے ہیں تاکہ یہ لوگ ان لاشوں پر پوری دنیا میں نہ صرف لاکھوں پونڈ جمع کریں بلکہ اپنی آنے والی نسلوں کے لئے جائیدادیں بھی بنائیں اور سیاست بھی کریں۔

حرف آخر

وقت کا تقاضہ ہے کہ کشمیر سے سچی محبت کرنے والے کشمیری آگے بڑھیں اور جھوٹ اور فریب کاری کے خلاف نہ صرف جہاد کریں بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے حقیقی منزل کے نقوش چھوڑ کر جائیں۔ اور آخری بات کشمیری قوم کے لئے کہ سچ بولیں، سچ سنیں، سچ لکھیں، سچ کو برداشت کریں اور سچ بولنے والوں کی آواز بند نہ کریں بلکہ سچائی کا ساتھ دیں۔

☆☆☆☆

باب نمبر 10

چرار شریف کی بے حرمتی

اغوا اور انتخابات

شیخ نورالدین رحمتہ اللہ عرف عام میں "علمدار کشمیر" کا مزار کشمیر کے اندر بسنے والے تمام فرقوں اور مذاہب کے ماننے والوں کے لئے عقیدت و احترام کی جگہ ہے جو بہت سے لوگ "علمدار کشمیر" کے اندر سیکولرازم یعنی رواداری اور تمام مذہب کا احترام کرنے والوں کا امام قرار دیتے ہیں اور مفکرین اسلام قرآن کی اس آیت کی تفسیر خیال کرتے تھے کہ "لکم دینکم ولی دین" یعنی (ترجمہ) "واسطے تمہارے دین تمہارا اور واسطے دین میرے میرا" اور علمدار کشمیر نے کشمیر کے اندر صوفی ازم یعنی محبت، رواداری، ایک دوسرے کو برداشت کرنے اور تمام مذاہب کے اندر محبت کا جو درس ہے۔ اس کو اجاگر کر کے انسانوں کے مسائل حل کرنے کا درس دیا اور اسی لئے ان کو ہندو اور دوسرے مذہب کے لوگ "نند رشی" بھی کہتے تھے۔

لیکن محبت، رواداری اور انسان دوستی کا درس دینے والے اس عظیم امام اور ولی کے مزار کو بھی نہیں بخشا گیا۔ ان کا مزار نفرت، تباہی انسانوں کی موت اور انسانیت کی تذلیل کے لئے چن لیا گیا اور سب سے بڑی ٹریجڈی یہ کہ زندہ انسانوں کی زندگیوں اور ان کی جائیداد اور ان کے مال و متاع سب کو تباہی سے دوچار کر دیا اور صدیوں پرانا مزار راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا اور مزار کے ساتھ ہزاروں لوگ اپنے گھروں اور مال و متاع کو بھی راکھ ہوتے ہوئے دیکھتے رہے۔ کیا اس المناک ٹریجڈی سے بچا نہیں جا سکتا؟ اور اس تباہی اور کشمیریوں کی

محبت اور رواداری کے اس عظیم خزانے کو تباہ کرنے اور "نند رشی" کی خانقاہ کی بے حرمتی کا ذمہ دار آخر کون ہے؟

پھر سب سے اہم بات یہ ہے کہ مسجدوں، درگاہوں آستانوں، مندروں، گوردواروں یعنی کسی بھی مذہبی مقام کو کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی ہے اور کشمیر کے اندر سیاسی تنظیموں اور سیاسی لیڈر شپ کا یہ انتہائی اہم فرض بنتا ہے کہ وہ درگاہ حضرت بل اور چرار شریف جیسے واقعات کی حوصلہ شکنی کریں کیونکہ تاریخ کے اوراق ہمارے لئے عبرت کا مقام رکھتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے جب مکہ شریف میں پناہ لی تھی حجاج بن یوسف نے آگ کی "ہنڈیاں" (ان دنوں توپ کے گولے کے بجائے دشمن پر آگ کی بارش کی جاتی تھی اور پتھر پھینکے جاتے تھے) مکہ شریف پر برسائی جس سے مکہ شریف کو آگ لگ گئی تھی اور اس کے بعد 1991ء میں مکہ شریف پر جب "خارجیوں" نے قبضہ کیا تو اس کے باوجود کہ مکہ کے اندر کسی بھی قسم کے جاندار یہاں تک کہ اڑتے ہوئے پرندے کی بھی جان لینا حرام قرار دیا گیا ہے، سعودی عرب اور فرانس کے کمانڈوز نے مکہ کے اندر خارجیوں سے جنگ لڑ کر ان میں سے غالباً 150 آدمیوں کو مار دیا تھا اسی طرح ماضی میں پاکستان میں بھٹو اور پھر ضیاء الحق کے دور میں لوگوں نے مسجدوں اور خاص طور پر بادشاہی مسجد کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا تو پاکستان کی پولیس اور سیکورٹی والوں نے لاٹھیاں اور گولیاں مار مار کر لوگوں کو باہر نکال دیا تھا۔ اسی طرح 1993ء میں امریکہ Texas میں ایک مذہبی فرقے نے جب عورتوں اور بچوں کو یرغمال بنایا تو امریکہ کی F.B.I نے پوری عمارت کو گھیر کر ان کو نکالنے کے لئے جب فائرنگ کی تو وہاں آگ لگنے سے سو سے زیادہ لوگ زندہ جل گئے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے یعنی مذہبی اور سیاسی مقامات کے ذریعے ہر قسم کے مقاصد حاصل کرنے کی پرزور مخالفت کرتے ہیں چاہے یہ مقاصد اعلیٰ اور ارفع ہی کیوں نہ ہوں اور پھر ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کیا تحریک آزادی کی جدوجہد میں کبھی بھی مساجد یا کسی مذہبی مقدس مقام کو یرغمال بنا کر سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا ہے؟ تاریخ سے ہمیں کہیں بھی اس بات کی شہادت نہیں ملتی ہے کہ مسلمانوں نے مسجدوں کو "مورچوں" میں بدل دیا ہو بلکہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ مسجدوں کو لڑائی اور بے حرمتی سے بچانے کے لئے مسجدوں میں لڑائی سے احتراز کیا ہے اور

مسجدوں، مندروں، چرچوں کو معذوروں، بچوں، بوڑھوں اور غیر مسلح انسانوں کے لئے بدترین حملہ آوروں نے بھی پناہ گاہ کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی ہے اور تو اور پیغمبر اسلام نے مسجدوں کو عبادت کے علاوہ کسی بھی غیبت، سازش اور پروپیگنڈے کے لئے استعمال کرنے کی سختی سے ممانعت کی ہے اور عملی طور پر پیغمبر حضرت محمدؐ نے غیبت، سازش اور پروپیگنڈے کے طور پر مسجد "ضرار" کو استعمال کرنے پر مدینہ میں جلانے کا حکم دے دیا تھا اور اسلامی مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ جہاں بھی انسانیت اور انسانوں اور معاشرے کے خلاف سازشیں ہوں وہ مقدس جگہ نہیں کہلاتی۔ اس کی شہادت ہمیں 1991 میں مکہ شریف پر سعودی فوجی کارروائی سے ملتی ہے جبکہ مکہ جو خدا کا گھر کہلاتا ہے اس گھر سے زیادہ روئے زمین پر کوئی مقدس جگہ مسلمانوں کے نزدیک نہیں ہے۔ اس لئے ہم مسلمانوں پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم خود مقدس مقامات کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرکے ان کی بے حرمتی یا ان کو عسکریت میں بدلنے والا کوئی عمل نہ کریں اور نہ ہی کسی اور مذاہب کی عبادت گاہوں کی بے حرمتی کرنے کا باعث بنیں کیونکہ خداوند کریم کے پیارے نبیؐ نے ہمیں یہ درس دیا ہے کہ "تم ان کے مذہب یا ان کے "خداؤں" کو برا بھلا نہ کہو ورنہ وہ بھی تمہارے خدا اور مذہب کو برا کہہ دیں گے"۔ اس لئے جہاں پر ہمیں گولڈن ٹمپل پر حملہ کی مذمت یعنی شدید مذمت کرتے ہوئے بابری مسجد کی انتہاپسندوں کے ہاتھوں تباہی پر احتجاج اور مذمت کرنی چاہئے وہاں پر ہمیں تاریخ میں محمود غزنوی کے سومنات مندروں پر 17 حملوں کی بھی مذمت کرتے ہوئے بابری مسجد یا چرار شریف کے انتقام میں مندروں کو آگ نہیں لگانی چاہئے تھی یعنی ہم نے بھی مندروں کو جلا کر اور مسمار کرکے وہی گناہ اور جرم کئے جو بابری مسجد کو انتہاپسندوں نے گرا کر یا چرار شریف میں حزب المجاہدین اور ہندوستانی سیکیورٹی فورسز نے چرار شریف کو تباہ کرکے کئے ہیں۔ چرار شریف کے بارے میں ہمیں جذباتی ضرور ہونا چاہئے کیونکہ کشمیریت اور رواداری کی سب سے مقدس نشانی چرار شریف ہے اور تاریخ کے ادوار میں کئی بار یہ مقدس مزار پھر سے بڑی شان سے کشمیر کے اندر کشمیریت اور صوفی ازم اور برداشت اور رواداری کے لئے کشمیریوں اور ساری دنیا کے لئے درس گاہ بن کر ابھرا ہے لیکن ہمیں ایک زندہ قوم کی حیثیت سے اپنی غلطیوں کا احتساب کرنا ہوگا کیونکہ ہم کشمیری تاریخ کے بدترین دور سے گزر رہے ہیں اور ایک طرف ہندوستان کی ہندو

انتہاپسند پارٹیاں اور دوسری طرف تمام لیبل اسلامی انتہاپسندی کا اہم شکار ہیں اور دونوں کی شکار گاہ ہم کشمیری بنتے ہوئے ہیں۔ ہمیں تاریخ کبھی معاف نہیں کرے گی اگر ہم جذباتی اور اندھی دشمنی میں اپنے طرز عمل اور ان لوگوں کا احتساب نہ کریں جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ "ہم کشمیریوں کو آزاد کرانا چاہتے ہیں" مگر مذہب کو ڈھال بنا کر ہماری مقدس درگاہوں میں "مقدس مورچے" بنا کر ہندوستان کی سیکیورٹی فورسز کو درگاہوں اور خانقاہوں کی بے حرمتی کی دعوت دیتے ہیں، اسکولوں، پلوں، کالجوں اور ہیلتھ سنٹروں کو جلاتے ہیں۔ کیا اس سے ہمیں آزادی ملے گی؟ یا ہمارا کشمیر بھی افغانستان کی طرح خانہ جنگی کی وجہ سے کھنڈرات میں تبدیل ہوگا جہاں پر افغانستان کے تمام گروپوں نے نہ صرف ہسپتال، پل، سکول، اسلام کا مقدس نام لے لے کر تباہ کئے بلکہ صدیوں پرانی مسجدیں اور عبادت گاہیں بھی تباہ کرکے چھوڑ دیں اور ہمیں چرار شریف کے سلسلے میں پروپیگنڈے، جھوٹ اور خود ساختہ مذہبی جنگ اور اندھی دشمنی اور بے وقوفانہ دوستی سے باہر نکال کر دلائل اور سچائی کے ساتھ تجزیہ کرکے مذہبی انتہاپسندوں کے بیانات اور ان کے اعمال کا تجزیہ کرنا ہوگا۔ بے شک ہندوستان کے ادارے اور پاکستان کے ادارے بھی سیاست دانوں کے اور کشمیر کے اندر چند سیاسی پارٹیاں اور لیڈرشپ اور ملی ٹینٹ گروپس اپنے اپنے مفادات کے مطابق اپنی سوچ اور اپنے اعمال کے پرچار بن کر کشمیری عوام کے لئے مسائل کے حل، اقتصادی ترقی اور اظہار خیال پر قدغن لگا چکے ہیں مگر میرا مسئلہ یہ ہے کہ میں کشمیری قوم اور انسانیت کی محبت میں سچائی کا پرچار بن کر کسی بھی قسم کی پرواہ کئے بغیر عوام کے سامنے سچائی لاتا رہوں گا اگرچہ جھوٹ کے پرچار، انسانیت کی دشمن حکومتیں اور گروپس اور مذہبی انتہاپسند سچائی اور حق کہنے اور لکھنے والوں کے بدترین دشمن بن گئے ہیں مگر ہم جیسے لوگ جو حق کے مرتبے میں مبتلا ہوں، کسی بھی نقصان کی کب پرواہ کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ 22 اپریل کو چرار شریف کے اندر مسلح لوگوں نے اعلان کیا کہ "ہم نے تمام علاقے میں اور چرار شریف کے ارد گرد Minu بچھا دیئے ہیں (جو 20،20 کلو کے تھے) جس کی وجہ سے ایک بھی دھماکہ تمام علاقے کو راکھ بنا کر رکھ دے گا" اور چرار شریف کے جلنے کے بعد حرکت الانصار کے مولانا محمد فاروقی نے مظفر آباد میں بیان دیا جو پاکستان کے تمام اخباروں میں شائع ہوا کہ "چرار شریف کی آگ ہم ہندوستان کے تمام شہروں تک

پھیلا دیں گے، اب یہ آگ دہلی، بمبئی کو راکھ کر دے گی" اور پھر یوسف جمیل بی بی سی کے نمائندے نے 15 مئی کو خبر دی کہ "پچاس ممبرز حزب المجاہدین اور حرکت الانصار کے چرار شریف میں "مقید" ہو گئے جن میں سے تین ممبر مارے گئے۔ حرکت الانصار نے کہا ہے کہ ہمارا ایک کمانڈر ابو جندال پکڑا گیا اور جو 30 کے قریب وہاں سے لاشیں ملیں وہ ہماری نہیں تھیں۔ چند افراد تھے بھی وہ مست گل اور ابو جندال کے فیصلوں کے پابند تھے اور یہ بات حرکت الانصار اور حزب المجاہدین کے بارے میں سب جانتے ہیں کہ یہ لوگ پیروں فقیروں اور صوفی ازم کو نہیں مانتے ہیں اور پھر یہ بات بھی یاد رہے کہ مست گل کی واپسی پر جماعت اسلامی اور اس کی حلیف جماعتوں نے مست گل اور ان کے ساتھیوں کا زبردست استقبال کیا ایسا لگتا تھا کہ مست گل پاکستان اور جماعت اسلامی کو کشمیر لے کر دے گیا جبکہ مست گل اور ان کے ساتھی کشمیریوں کو نہ صرف مقدس زیارت بلکہ کشمیر کے اندر رواداری، صبر، صوفی ازم اور ہر مذہب کا احترام سکھانے والے عظیم رہبر و راہنما کی خانقاہ "جلوا کر یا جلا کر" راکھ کا ڈھیر بنا کر پاکستان گئے تھے اور مست گل نے پاکستان میں بیان دیا جو 15 اگست جنگ لندن میں بھی شائع ہوا "اس پر کشمیری لیڈر شپ اور کشمیریوں کو غور کرنا چاہئے؟

مست گل پبلک جلسے میں اعلان کرتے ہیں کہ "خود مختار والے بھارت کے ایجنٹ ہیں خود مختار کشمیر کے پیچھے صرف ہندوستان ہے، جموں کشمیر لبریشن فرنٹ والوں نے حضرت بل کے مزار پر اپنا ایمان فروخت کر دیا تھا مگر۔ جبکہ شیخ عبداللہ کا کردار ادا کرنے کے لئے ہندوستان کا بچھو بن گیا ہے"

مست گل کا بیان دو باتیں واضح کرتا ہے کہ "کشمیر کے اصل وارث یعنی کشمیری تمام کشمیر کو بمعہ تمام مذاہب کے ماننے والوں سمیت خود مختار ملک بنانے والے "غدار" اور ہندوستانی ایجنٹ ہیں اور درگاہ حضرت بل کے مسئلے کو پرامن طور پر حل کر کے درگاہ حضرت بل تباہ ہونے سے بچانے کے عمل کو مست گل "ایمان فروخت" کرنے سے تعبیر کرتے ہیں اور چرار شریف کو کھنڈرات بنانے یا بنوانے والے مست گل چرار شریف کی تباہی کو "مجاہدانہ عمل" قرار دیتے ہیں۔ کیا اس سے کشمیر کے ذرے ذرے سے محبت کرنے والے لوگ یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے کہ "چرار شریف کو تباہ کروانے یا کرنے کا منصوبہ غیر ملکی مسلح افراد کا

تھا؟ جبکہ درگاہ حضرت بل کی طرح 13 مارچ اور پھر 27 مارچ کو ہندوستانی حکام نے چرار شریف میں مقیم تمام مسلح افراد کو Safe Passage دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ان میں سے تمام لوگوں کو رہا کر دیا گیا تھا اور ان میں سے جو ایک آدمی پاکستانی مقبوضہ کشمیر کا رہنے والا تھا اس کو بحفاظت بارڈر کراس کروا دیا گیا لیکن مست گل اور ان کے ساتھیوں نے یہ پیشکش مسترد کر دی البتہ ہندوستانی سیکورٹی فورسز نے حریت کانفرنس کے لیڈروں اور انٹرنیشنل پریس کو چرار شریف کے اندر جانے کی اجازت نہ دے کر چرار شریف کی تباہی اور بے حرمتی کا الزام اپنے اوپر اور گہرا کیا لیکن اس کے باوجود ہمیں دکھ کے ساتھ اس بات کا تجزیہ کرنا ہو گا کہ چرار شریف کے المناک حادثے کا فائدہ صرف اور صرف مذہبی انتہا پسندوں کو ہی پہنچتا ہے کیونکہ اس عمل سے مذہبی نفرت کو بڑھاوا ملا جبکہ حرکت الانصار اور حزب المجاہدین کی بنیاد ہی مذہب کے نام پر لڑائی لڑنے پر رکھی گئی ہے۔ ہندوستان کشمیر کے اندر الیکشن کرانے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ چرار شریف کی تباہی سے یہ پروگرام ختم ہو گیا۔ مذہبی نفرت بڑھا کر کشمیر کی تقسیم کو مذہبی بنیادوں پر اور زیادہ تقویت بخشنا چرار شریف کی تباہی سے کشمیری مسلمانوں میں یہ باور کرانا کہ ہندوستان کے ہاتھوں مسلمانوں کی کوئی زیارت گاہ محفوظ نہیں ہے تاکہ کشمیری آزادی کے بجائے مذہبی جنگ میں الجھ کر رہ جائیں۔ بابری مسجد کے واقعے پر چرار شریف کے حادثے سے مزید تیل ڈال کر ہندوستان کے مسلمانوں کے اندر مزید نفرت ابھارنے کا عمل تیز کرنا اور سب سے بڑا مقصد مسلم ورلڈ میں ہندوستان کے خلاف نفرت پیدا کرنا لیکن چونکہ پوری دنیا میں کوئی بھی حکومت یا باشعور عوام عبادت گاہوں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کو غلط اقدام سمجھتے ہیں یا باشعور عوام عبادت گاہوں کو سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کو غلط اقدام سمجھتے ہیں اس لئے چرار شریف کی تباہی کشمیریوں کی تحریک آزادی کے لئے کوئی مثبت اثرات چھوڑ سکی البتہ اس اقدام سے برصغیر میں نفرت کی دیواریں مزید اونچی ہوئیں اور مذہبی انتہا پسندوں کی انتہا پسندی کی لڑائی میں شاید مزید افراد تباہ ہوں اور اسی نفرت کے باعث حرکت الانصار نے ہندوؤں کی مقدس امرناتھ یاترا پر پابندی لگائی اور پوری دنیا میں ہندوستان کے موقف کی تصدیق کی جس کے تحت ہندوستان کشمیر میں موجودہ جنگ کو مذہبی انتہا پسندوں کی لڑائی قرار دے رہا ہے اور ان کی مدد کے لئے افغانی اور پاکستانی لوگوں کی کشمیر میں آمد کو ثبوت کے طور پر پیش کر رہا ہے اور تصدیق امرناتھ یاترا پر

پابندی لگانے سے ہوئی دوسری طرف بدلے میں ہندو انتہا پسندوں کے ایک لیڈر بال ٹھاکرے نے اعلان کر دیا کہ "ہم بمبئی سے مسلمانوں کو حج کرنے کے لئے سعودی عربیہ جانے سے روک لیں گے" یعنی مذہبی انتہا پسند دونوں طرف آگ سے کھیل کر پورے برصغیر کو راکھ کا ڈھیر بنانے کی مکمل تیاری کر رہے ہیں اور دکھ اور افسوس تو یہ ہے کہ لبرل اور سیکولرازم کی قوتیں اس سارے آگ کے کھیل کو تماشائی بن کر دیکھ رہے ہیں۔ بابری مسجد ہو، گولڈن ٹیمپل ہو، چرار شریف ہو، تمام مذہبی مقامات مقدس اور قابل احترام ہیں۔ جہاں مسلح افراد کو مذہبی مقامات کو مورچوں میں تبدیل کرنے سے قطعی احتراز کرنا چاہئے اور عوام کو مذہبی مقامات کو جنگ کے مورچوں میں بدلنے کے خلاف آواز اٹھانی ہوگی، وہاں پر حکومت کو صبر اور انتہائی تحمل سے کام لے کر مذہب کو نفرت کا ذریعہ بنانے کے عمل پر تیل ڈالنے سے باز رہنا چاہئے اور کشمیر کو پاکستان میں شامل کرنے کے لئے کشمیر میں مذہبی جنگ قرار دینے والوں کو یہ بات ضرور یاد رکھنی ہوگی کہ اگر وہ مذہب کے نام پر کشمیر کے اندر 100 مربع میل اور 60 مربع میل چوڑی پٹی یعنی وادی کشمیر میں مذہبی جنگ جیت بھی گئے تو پورے ہندوستان میں جو 20 کروڑ مسلمان بکھرے ہوئے ہیں ان کے معصوم بچوں، ان کی عزت مآب ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور ان کی اولادوں اور ان کی جائیدادوں کو دوسری طرف کی مذہبی انتہا پسندی سے کون بچائے گا؟ اور مذہب کے نام پر ہندوستان کے یوپی، سی پی والوں نے جو پاکستان بنایا تھا ان کا حشر آج کراچی میں کیا ہو رہا ہے؟ اور مذہب کے نام پر جو جہاد افغانستان جیتنے کے دعوے کئے جا رہے تھے، اس افغانستان میں اب کون سا اسلام نافذ ہوا؟ جہاں پر ہسپتال، مسجدیں، بلڈنگیں اور درس گاہیں، سڑکیں اور ہر وہ چیز تباہ کی گئی جو عوام کی راحت کے کام آتی اور ایک دوسرے کو قتل کر کے وہاں اسلام کی کونسی خدمات کی جا رہی ہیں؟ کشمیر کو کھنڈرات میں بدل کر اسلام کی کونسی خدمت کی جا رہی ہے؟ چرار شریف کے واقعے کے بعد 100 سے زیادہ مکانات 30 سے زیادہ مندر، 50 سے زیادہ سکول 90 سے زیادہ گورنمنٹ بلڈنگیں اور ہیلتھ سینٹرز جلانے سے اسلام کی کونسی خدمت کی گئی؟ کیا یہ کشمیری عوام کا ذاتی نقصان نہیں ہے؟

☆☆☆☆

باب نمبر 11

کشمیری نوجوانوں کی لاشوں پر تجارت کب تک؟

عرصہ چھ سال سے وادی کشمیر میں مسلح جدوجہد کے باعث کشمیری نوجوان اور عام لوگ سڑکوں پر مارے جا رہے ہیں اور گرفتار ہو کر تشدد گاہوں اور جیل خانوں میں بند کئے جا رہے ہیں اور تب سے پاکستان اور بیرونی ممالک میں اور نام نہاد آزاد کشمیر میں قائم بے شمار تنظیمیں اور افراد کشمیریوں کے نام پر گلی محلوں میں، سڑکوں پر، بسوں میں اور مسجدوں میں رسید بکیں لے کر کروڑوں روپیہ چندہ جمع کر رہے ہیں اور ابھی تک کسی بھی طرف سے کشمیر کے کسی حصے سے بھی کوئی مصدقہ خبر نہیں آئی کہ اس جمع شدہ میں سے 10% فیصد بھی کشمیر کے اندر مظلوم یا متاثرہ لوگوں تک پہنچا ہو۔ البتہ چند گروپ اور چند تنظیمیں کشمیر کے اندر انفرادی طور پر چند "لیڈروں" کو چندہ میں سے کچھ رقم دے کر نوازتی ہیں اور مزید چندہ جمع کرنے کا جواز "لیڈر" کی خوشنودی حاصل کر کے پیدا کیا جاتا ہے مگر پاکستان اور نام نہاد آزاد کشمیر میں زور و شور سے یہ پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے کہ "ہم مقبوضہ کشمیر میں یتیموں، بیواؤں اور شہید ہونے والے کنبوں کی مدد کر رہے ہیں" اس سلسلے میں چندہ جمع کرنے والی تنظیمیں اب تو اخباروں میں بڑے بڑے اشتہارات دے رہی ہیں کہ "ہم نے کپواڑہ، ڈوڈہ اور راجوری میں عورتوں کے لئے سکول اور بلڈ بینک کھول دیئے ہیں" "اور چرار شریف کے 1500 سے زائد متاثرہ خاندانوں کو خوراک، کمبل، تیل اور دوسری ضروریات زندگی دی ہیں۔ آج بھی ایک بڑا اشتہار یعنی 30 نومبر کے روزنامہ جنگ لندن میں "کشمیر اپیل" کے

زیر عنوان شائع ہوا ہے۔ اس میں مسلم ہینڈ "Muslim Hand" کے نام سے "مسلم ہینڈ" کے تحت قائم منصوبہ جات کی تفصیلات " کے تحت 8 منصوبوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

1- سرینگر، کپواڑہ، ڈوڈہ اور مظفر آباد میں شہدا کی بیوگان اور وہاں حاجت مند عورتوں کے لئے 9 سلائی سکولز قائم کئے گئے ہیں۔

2- راجوری اور کپواڑہ میں وہاں کے زخمی اور بیمار افراد کو خون مہیا کرنے کے لئے دو بلڈ بینک قائم کئے گئے ہیں۔

3- چرار شریف کے 1500 سے زائد متاثرہ خاندانوں کو خوراک، کمبل، تیل اور دوسری ضروریات زندگی دی گئی ہیں۔

پھر مظفر آباد اور "تیتری نوٹ" میں ڈسپنسری اور میڈیکل لیبارٹری قائم کرنے کے اعلانات کے ساتھ یہ لکھا ہے کہ "مقبوضہ کشمیر میں راجوری سے لے کر لداخ تک تمام شہروں میں برطانیہ اور یورپ کے مسلمانوں کی طرف سے 17 لاکھ روپے سے زائد رقم سے قربانی کا فریضہ ادا کیا گیا" اور آخر میں کریڈٹ کارڈ یا بنک نمبر 01159704490 وغیرہ دیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں جب میں نے سرینگر سے معلومات حاصل کیں اور ایک معروف اخبار نویس سے بات کی تو انہوں نے ایسے کسی منصوبے سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور اسی طرح راجوری میں اخبار نویس سے رابطہ کیا تو اس نے بھی کسی بلڈ بینک کے موجود ہونے سے انکار کیا اور چرار شریف میں بھی کسی نے مسلم ہینڈز کے نام پر امداد تقسیم ہونے کی خبر کی تصدیق نہیں کی۔ لاشوں اور مظلوموں کی مظلومیت کو سر راہ فروخت کرنے کے بازار لگائے گئے ہیں اور دیدہ دلیری کی یہاں تک انتہا ہو چکی ہے کہ 16 جولائی 1995ء کو روزنامہ جنگ لندن میں ایک ٹرک سے سامان اتارتے ہوئے دکھایا گیا اور تصویر کے نیچے لکھا تھا "مسلم ہینڈز برطانیہ نے ساتھ چرار شریف کے متاثرین کے لئے برطانیہ سے امدادی سامان کی پہلی قسط گزشتہ دنوں مقبوضہ کشمیر روانہ کی۔ تصویر میں امدادی سامان ٹرکوں سے اتارا جارہا ہے" اور اگر تصویر کو غور سے دیکھا جائے تو یہ آزاد کشمیر کی کسی جگہ کی معلوم ہوتی ہے اور آدمی بھی صاف طور پر وہاں کے ہی معلوم ہوتے ہیں (مضمون کے ساتھ تصویر اور

اشتہار منسلک ہیں)

سوال یہ نہیں ہے کہ مظلوموں کی کوئی امداد نہیں کرنا چاہتا ہے۔ دنیا میں لاتعداد لوگ ایسے ہیں جو غریب، نادار مظلوموں وغیرہ کی مدد بروقت کرنے کو تیار ہیں لیکن کشمیر کے سلسلے میں کشمیری عوام کو اس امداد وغیرہ میں بھی سیاست کی طرح دھوکہ دیا گیا اور مسلسل دے رہے ہیں۔

راولپنڈی میں سیٹلائٹ ٹاؤن میں کشمیریوں کی امداد کرنے کے حوالے سے ایک عالیشان دفتر کھولا گیا اور انہوں نے ایک دفعہ اشتہار دیا کہ "مقبوضہ کشمیر سے آنے والے مجاہدوں کی مدد ہم عملی طور پر کرنا چاہتے ہیں مجاہدین رابطہ کریں" اور جب مقبوضہ کشمیر سے آنے والے چند نوجوانوں نے رابطہ قائم کیا تو ان کے ہاتھ میں رسید بکیں دی گئیں کہ "جاؤ تم لوگ بسوں میں اور گھر گھر جا کر چندہ جمع کرو اور خود یومیہ 150 روپے رکھ لیا کرو، باقی رقم ہمیں دے دو" اسی چندے سے مظفر آباد میں لبریشن فرنٹ کے ایک لیڈر نے اپنے دو کمروں کو دو کوٹھیوں میں تبدیل کیا اور ذاتی طور پر ایک پیسے کی آمدنی نہ ہوتے ہوئے بھی دو کاریں استعمال کے لئے رکھی ہوئی ہیں اور دو بچے مری میں آرمی کے انگلش سکول میں داخل کر دئے گئے ہیں۔ اس لیڈر پر کشمیر سے آئے ہوئے نوجوانوں نے دو دفعہ حملہ بھی کیا اور پتھر مارے اور ان کے بھانجے اسلحہ میں سے گولیاں چوری کر کے مارکیٹ میں فروخت کرتے رہے ہیں۔ اسی طرح اس پارٹی کے "مسلح ونگ کے چیف" نے جو عسکری علم کے بارے میں نابلد ہیں اور مظفر آباد میں پرانے اڈے کے پاس سبزی کی دوکان کرتے تھے، انہوں نے بھی امان اللہ کی سرپرستی کے دنوں میں مکانات بنانا شروع کئے اور لاکھوں روپے کی ٹھیکیداری شروع کی اور ان کے سرپرست امان اللہ خان نے مری روڈ پر پوری ایک کوٹھی خرید لی۔ یہ سارا لاشوں کا کاروبار، میں خود 1983ء میں دیکھ کر آیا ہوں۔ اس کے علاوہ سرینگر وادی سے جو بھی کوئی دوسرے یا تیسرے درجے کا سیاسی کارکن آیا ان کو پجارو جیپوں میں موبائل فون لے کر گھومتے ہوئے دیکھا، جو پجارو جیپ 35،30 لاکھ کی ملتی ہے اور ان کے بچوں کو کوٹھیاں ملی ہوئی ہیں اور انگلش سکولوں میں ان کو داخل کرا کر کشمیر کے عام نوجوانوں کو کسمپرسی میں ڈال دیا گیا ہے۔ کیمپوں میں دال اور روٹی کے چکر میں "جہاد" کے نام سے

ڈال دیا گیا۔

کشمیر کی تحریک آزادی میں جہاں کشمیریوں نے اپنے نوجوانوں اور ہونہار اولادوں کو بارڈر کراس کرتے ہوئے جنگلوں، بیابانوں، پہاڑوں، تشدد گاہوں میں شہید ہوتے ہوئے برداشت کیا اور جرم ضعیفی میں کشمیری آپس کے گروہی تصادم میں بھی اپنی اولادوں کو بھینٹ چڑھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں اور اف تک نہیں کرتے اور لیڈران کرام، ان کی اولادوں کو اپنے سامنے کروڑوں میں کھیلتے ہوئے بھی دیکھ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں آزاد کشمیر کے صدر سردار سکندر حیات نے پاکستان کی حکومت کو سردار قیوم اور اس کے بیٹے سردار عتیق کے خلاف طویل الزامات پر مشتمل خط بھی لکھا۔ جس میں یہ بھی لکھا کہ

1- کونسے فنڈ سے 24 کروڑ روپیہ نکالا گیا۔ حساب کوئی نہیں؟

2- سردار عتیق نے برطانیہ میں 2 کروڑ روپیہ کا مکان خریدا۔

3- موتمر اسلامی نے مہاجروں کے نوجوانوں کے لئے چار ہزار ویزے سعودی عربیہ اور کویت کے لئے جاری کئے جو سردار عتیق نے ایک دوست کی ریکروٹنگ ایجنسی کے ساتھ مل کر کروڑوں میں فروخت کئے۔

4- بیرونی ممالک میں جہاد کشمیر کے نام سے جو کروڑوں روپے جمع کئے اس میں سردار قیوم اور اس کے بیٹے سردار سکندر حیات نے "گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے" کے مصداق لگائے جن کی خبر 8 فروری 1995ء کو جنگ لندن میں بھی شائع ہوئی۔

اس کے علاوہ انگلینڈ میں ہی ایک صاحب نے "آزادی یا الحاق پاکستان" کے نام پر ایک دفتر کھولا ہوا ہے جو ہر سال لاکھوں کروڑوں کے حساب سے لٹریچر شائع کرتا ہے اور جن کا کام گمنام کوری شکل کے نام نہاد دانشور ڈھونڈ کر ان کو پاکستانی ذرائع اور خفیہ اداروں کی رپورٹیں دے کر نام نہاد کتابیں لکھنا ہے اور جو بقول کسی واقف کار کے دو تین مکان لندن میں خرید چکے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے لندن میں ایک آدمی سے پوچھا کہ "یہ لاکھوں پونڈ جو آپ خرچ کر رہے ہیں۔ یہ کہاں سے آتے ہیں۔ تو اس نے مجھے دیکھا "بیوقوف ترین فرد" جان کر جواب دیا کہ "امریکہ میں تین ڈاکٹر ہیں جو کشمیری ہیں اور وہ تین لاکھ ڈالر سالانہ مجھے

دیتے ہیں چندہ کے طور پر" میں بظاہر بڑا خلوص مند بنا اور میں نے جواب میں کہا کہ "مہربانی کر کے مجھے ان کا نام اور ایڈریس دیں۔ میں ننگے پاؤں اور ننگے سر ان کے دیدار کو جانا چاہتا ہوں" "فوراً بات کو سمجھ کر ٹال گئے کیونکہ مجھے معلوم ہے اچھی طرح کہ امریکہ اور یورپ میں ڈاکٹر جیسے لوگ بھی جن کی تنخواہیں کافی ہوتی ہیں۔ مکان خرید کر، گاڑی خرید کر سود پر سود دے کر کتنا کسی کو دے سکتے ہیں اور پھر کشمیری ڈاکٹر جن میں سے 70% سے زیادہ اس بحران میں کشمیر سے نوکری اور جان کی امان کے لئے بیرونی ممالک میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے اور جو آج سعودی عربیہ اور دوسرے ملکوں میں لیبر کی تنخواہ پر کام کر رہے ہیں۔

بہر حال جہاں پر ہزاروں لاکھوں خاندان کشمیر میں برباد ہوئے، وہاں پر ان ہزاروں اور لاکھوں خاندانوں کی بربادی پر چند خاندان کروڑ پتی بن گئے جبکہ کشمیر میں بہت سے خاندان اور مائیں ایسی ہیں جو جیلوں میں مقید اپنے لخت جگروں کو کرایہ اور دوسرے اخراجات نہ ہونے کی وجہ سے ملاقات نہیں کر سکتیں۔ اس سلسلے میں جموں کشمیر ڈیموکریٹک لبریشن پارٹی نے جو ٹرسٹ Mnwa کے نام سے بنایا ہے اور جس کو رجسٹرڈ بھی کیا ہے۔ اس کے تحت ہم نے کراس فائرنگ میں بازو ضائع ہونے والے اور کراس فائرنگ میں ہی ایک ٹانگ ضائع ہونے والوں کی امداد کی اور ابتداء میں تین ہینڈی کرافٹ کے سکول خواتین کے لئے کھولے اور ترہ گام اور ہندواڑہ میں سلائی مشینیں بیواؤں میں تقسیم کیں اور اس کے علاوہ اب سرینگر میں ہی ساڑھے تین کنال زمین خرید کر اس پر سکول، ڈسپنسری اور ہوسٹل تعمیر کرنے کا پروگرام ہے لیکن جب ہم نے یہ کام شروع کئے تو چند پارٹیاں فوراً حرکت میں آ گئیں اور ہمارے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا حالانکہ ہم کسی بھی صورت میں ہاتھ میں چندہ لینے کے قائل نہیں، جموں کشمیر بینک میں اکاؤنٹ کھولا ہوا ہے اور سیدھے اکاؤنٹ میں چندہ کی اپیل کی تھی مگر یہ لاشوں کے کاروبار کرنے والے فوراً حرکت میں آئے کیونکہ عملی طور پر جب کشمیر کی زمین پر ہمارے ادارے کام کرتے ہوئے نظر آتے تو ظاہر ہے دردمند لوگوں نے عملی طور پر کام کرنے والوں کی ہی مدد کرنی تھی۔ اس لئے انہوں نے اپنے مکروہ کاروبار کو تباہ ہوتے ہوئے دیکھ کر Mnwa کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کیا جبکہ ہم نے بہت سارے ایسے والدین کی مدد بھی کی ہے جن کی نوجوان بیٹیاں تنگ دستی کی وجہ سے بیاہی نہیں جاتی تھیں

ہمارے پاس ریکارڈ موجود ہے کہ ہم نے کتنی ایسی ماؤں کی مدد کی جو جیل خانوں میں اپنے لخت جگروں کی ملاقات کے لئے ترستی تھیں۔ ہم نے محدود وسائل میں چند معذور ہونے والے لوگوں کو چھوٹے چھوٹے پروجیکٹ یعنی "سبزی فروٹ" کی "ریڑھی" لگا کر اپنے بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے مدد کی۔ لیکن بہت ساری ایسی تنظیموں اور لیڈروں کی آنکھوں میں ہم نشتر بنے ہوئے ہیں کیونکہ ہمارا وجود، ہمارا کام، لاشوں پر چندہ کمانے والوں کی موت ہے کیونکہ اگر مظلوم تک، غریب آدمی تک، قید ہونے والے خاندان تک، امداد پہنچی تو کشمیر کے لوگ لاکھوں روپیہ کی کوٹھیاں بنانے والے لیڈروں اور انگلش سکولوں میں اپنی اولادوں کو داخل کرانے والوں سے حساب تو ضرور لیں گے؟ سنا ہے کشمیر میں ایک لیڈر نے جن کا خود کوئی کاروبار نہیں ہے، 65 لاکھ کی کوٹھی بنائی اور کوٹھی ابھی مکمل نہیں ہے۔ ویسے کشمیری بیچارے حساب لینے میں آج تک تو کورے ثابت ہوئے ہیں کیونکہ کشمیریوں نے ان لوگوں سے حساب نہیں لیا، جنھوں نے یہ مسلح جدوجہد شروع کرتے وقت کشمیریوں کو 3 اور 6 ماہ میں پاکستانی فوج کے کشمیر پر حملے کی نوید سنائی تھی؟ کشمیریوں نے ان سے بھی حساب نہیں لیا جنھوں نے ان کے بیٹوں کو "جہاد" کے نام پر سرحد پار کرایا اور جن میں سے اکثر واپس بھی نہیں آئے؟ کشمیری تو روز روز ہڑتال کرانے والوں سے بھی کوئی سوال نہیں پوچھتے؟ اگر کشمیری اس قدر "فراخ دل" ثابت ہوئے ہیں کہ یہ لیڈروں اور تنظیموں سے ایک دوسرے کے خلاف الزامات لگاتے اور ایک دوسرے کو سڑکوں پر قتل کرتے، لڑکیوں کے اغوا کرنے اور ان کی بے حرمتی اور لاشوں کو جنگلوں اور سڑکوں پر پھینکنے کے بارے میں بھی سوال نہیں کرتے اور تو اور کشمیری اس قدر "غیر جانبدار" واقع ہوئے ہیں کہ ایک دن حزب المجاہدین کے کہنے پر مکمل ہڑتال کرتے ہیں اور دوسرے دن حزب المجاہدین کی مخالف جماعت اخوان المسلمین کے شیرازی کے کہنے پر بھی مکمل ہڑتال کرتے ہیں اور کشمیریوں کی سب سے "اچھی اور اعلیٰ" عادت تو یہ ہے کہ جب ایک دوسرے کو قتل کریں گے۔ معصوم لوگوں کو سڑکوں پر گروہی تصادم میں بھون کے رکھ دیں گے اور مولوی عمر فاروق جیسے عظیم انسان کو شہید کریں گے۔ قاضی نثار کو قتل کریں گے۔ مقبول ملک کو قتل کر کے ان کی لاش کی بے حرمتی کریں گے۔ حضرت بل میں طارق کو قتل کیا جائے گا تو فوری طور پر تمام قتلوں، تمام گروہی تصادموں اور تمام تباہی و بربادی کے الزامات ہندوستانی ایجنسیوں پر لگادیں گے تاکہ

تمام حساب و کتاب تمام سوال و جواب سے نجات حاصل ہو؟ اور لیڈران کرام بھی اپنی تنظیموں میں احتساب کرنے کے عمل سے بچ جائیں اور تو اور کشمیری تو اس قدر "بھولنے کے مرض" میں مبتلا ہیں کہ تنظیموں کے لیڈران اور دوسرے لیڈران کرام کے ان بیانات پر بھی توجہ نہیں دیتے جو وہ ہر روز بدل بدل کر دیتے رہتے ہیں۔ ایک لیڈر صاحب ماضی میں کانگریس میں رہے ہیں اور کانگریس کی مہربانی سے وزیر بھی بنے تھے اور پھر جنتا پارٹی میں بھی رہ کر ہندوستان سے وفاداری کی قسمیں کھاتے رہے مگر کشمیری جب آزادی کے لئے سڑکوں پر آئے تو ان کے ساتھ ہوئے اور جب وہ انگلینڈ اور امریکہ کے دورے کے دوران پاکستان کے پیسوں سے اپنا علاج اعلیٰ ترین ڈاکٹروں سے یورپ اور امریکہ میں کرانے گئے تو "جوش مہمان نوازی" میں اپنے مہمانوں کو خوش کرنے کے لئے کشمیر کو خود مختار بنانے والوں کو کشمیر کا بھی "غدار" کہیں گے کیونکہ نواب زادہ نصر اللہ خان، بے نظیر بھٹو، آصف خان اور جماعت اسلامی والے بھی جموں کشمیر کو ایک اکائی سمجھنے والے خود مختار ملک بنانے والوں کو "ہندوستانی ایجنٹ" ہی کہتے ہیں کیونکہ آئی ایس آئی کا ایجنٹ ہونے کے باوجود امان اللہ خان نے ہمیشہ اختلاف کرنے والوں کو "ہندوستانی ایجنٹ" ہی کہا اور ہم نے تو چار سال پہلے جاوید میر کو تفصیل سے خط میں لکھا تھا اور یٰسین ملک کو بھی کہا تھا کہ "اگر کشمیریت اور کشمیری نوجوانوں کو پہاڑوں، ندی نالوں، جنگلوں، سڑکوں پر مروانے کے خلاف احتجاج کرنے پر ہاشم قریشی کے خلاف پروپیگنڈہ کیا گیا، جس نے لبریشن فرنٹ کی بنیادیں ڈالیں اور لبریشن فرنٹ کی بنیادوں میں اپنا اور اپنے خاندانوں کا لہو دیا تو کل آپ لوگوں کے خلاف بھی یہ لوگ گھناؤنے الزامات لگائیں گے مگر میری بات ان نوجوانوں نے نہیں مانی بلکہ His Masters Voice بن کر الزامات کو خود بھی دہراتے رہے مگر آج میرا کہا پورا ہوا لیکن خطرناک عمل تو یہ ہے نوجوانوں کو مظفر آباد اور راولپنڈی میں عالیشان کوٹھیوں میں رہنے والوں نے ہتھیاروں سمیت آمنے سامنے کھڑا کر دیا۔ ہم تو آج شبیر صدیقی صاحب سے بھی وہی کہہ دیں گے جو کل ہم نے یٰسین ملک اور جاوید میر کو کہا تھا کہ "یار بیٹھے ہوئے تماشہ بینوں اور چندہ کھانے والوں کی خاطر اپنے کسی بھائی کو قتل مت کرو اور اپنے گھر کو آگ مت لگاؤ، وقت آنے پر یہ لوگ کسی اور "شبیر صدیقی" کو تمہارے سامنے کھڑا کریں گے۔

یہ مضمون تو بیواؤں، یتیموں، جیل میں مقید نوجوانوں، تشدد گاہوں میں مبتلا عذاب ناک تشدد برداشت کرنے والوں کے نام پر چندہ جمع کر کے اپنی اولاد کو آباد کرنے والوں کے کرتوتوں کے بارے میں کشمیری قوم کو آگاہ کرنے کے لئے ہی لکھا تھا مگر چند واقعات پر بنی چند خبریں اور ان پر تبصرے بھی شعور رکھنے اور آنکھیں کھلی رکھنے والوں کے لئے حاضر ہیں۔

1- چند دن پہلے مصری سفارت خانے میں زبردست بم دھماکہ ہوا جس میں 17 سے زیادہ بے گناہ لوگ مارے گئے اور 40 سے زیادہ زخمی ہوئے پاکستانی ذرائع ابلاغ کے مطابق پاکستانی عوام نے اس بم دھماکے کے خلاف شدید ردعمل کا اظہار کیا۔ وزیراعظم بے نظیر بھٹو نے تو صاف کہا کہ "بعض مذہبی ادارے دہشت گردی میں ملوث ہیں ہمارے پاس مصدقہ اطلاعات ہیں کہ یہ ادارے اور مدرسے اپنے طلبہ کو اسلحہ چلانے کی تربیت دے کر حکومت کے لئے امن و امان کا مسئلہ پیدا کر رہے ہیں" اسی طرح پاکستان کے وزیر خارجہ سردار آصف علی خان نے مصری سفارت خانے میں بم دھماکے کو "اسلام کی تعلیمات کے خلاف قرار دے کر اس کو غیر انسانی، غیر اسلامی اور گھناؤنا فعل قرار دیا" جبکہ 4 ستمبر 1995ء کو حزب المجاہدین نے جو کار دھماکہ لال چوک سرینگر میں کیا تھا جس میں الطاف مہاجن کی دو جوان بھانجیاں متاثر ہوئیں، ایک شہید ہوئی اور دوسری کی ایک آنکھ ضائع ہوئی اور چار معصوم بچے شہید ہوئے۔ اس پر نہ تو بے نظیر بھٹو کا مذمتی بیان آیا اور نہ ہی سردار آصف وزیر خارجہ پاکستان نے اس دھماکے کو غیر اسلامی یا غیر انسانی قرار دیا؟ غالباً ایسے بم سردار آصف صاحب اور بے نظیر صاحبہ "کلمہ اور اللہ اکبر" پڑھ کر مذہبی جماعتوں کو دیتے ہیں جن سے کشمیری مارے جاتے ہیں۔ کشمیر میں پل اور مدرسے سکول اور کالج اڑائے جاتے ہیں؟ یہ وہ رکھیں ایم۔ کیو۔ ایم کا جو جن جنرل ضیاء نے پیدا کیا اس کے بوتل سے نکلنے کا نتیجہ پورا پاکستان بھگت رہا ہے اور آپ نے اور نواز شریف حکومت نے آئی ایس آئی سے مل کر جو جن کشمیر کے نام پر مصری، افغانی اور عرب ملکوں کے مذہبی انتہا پسندوں، جماعت اسلامی اور دوسری مذہبی جماعتوں کی صورت میں پیدا کیا یہ جن بھی اب اس قدر خطرناک شکل اختیار کر گیا کہ اب بوتل سے نہیں بلکہ "بوتلوں" سے نکل کر یہ سب سے پہلے پاکستانی عوام اور پاکستان میں

مقیم غیر ملکی سفارت کاروں اور مہمانوں کے لئے ہی بموں کی شکل میں عذاب بنے گا۔ الطاف مہاجن ہمارا دوست ہی نہیں بلکہ قبیلی کا آدمی ہے۔ ان کے ساتھ ہندوستان کی "جمہوریت" بھی "بڑا انصاف کر گئی" کہ حزب المجاہدین کے بم دھماکے سے تو وہ بھانجیاں شکار ہو گئیں "ہندوستانی جمہوریت کے انصاف" نے ان کو بم دھماکے کے بعد گرفتار کئے ہوئے بھانجے کی لاش "تحفے" کے طور پر دی۔ گاندھی جی کا نام اور اہنسا کا شور مچانے والے ہندوستان کے سیاست دان یہ اصول بھول رہے ہیں کہ گاندھی جی کا دھرم محبت تھا نوجوانوں کو گرفتار کر کے تشدد گاہوں میں قتل کرنے سے امن قائم نہیں ہوتا بلکہ نفرت اور انتقام کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، جس سے تشدد کو مزید بڑھاوا ملتا ہے۔

2- سردار قیوم خان نے نام نہاد آزاد کشمیر میں اقوام متحدہ کی زیر نگرانی انتخابات کرانے کی خواہش کا اظہار کیا ہے جو لوگ آزاد کشمیر میں انتخابات کے معاملات کو جانتے ہیں وہ سردار قیوم خان کی پیشکش کے پیچھے مقاصد اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگلے سال آزاد کشمیر کے انتخابات ہو رہے ہیں اور "آزاد کشمیر" کی حکومت اسی پارٹی یا گروپ کے حصے میں آتی ہے جو پارٹی یا گروپ اسلام آباد میں برسر اقتدار ہوتا ہے۔ پورے پاکستان میں آزاد کشمیر کی اسمبلی کے لئے مہاجرین جموں و کشمیر کے لئے 12 نشستیں ہوتی ہیں چونکہ نواز شریف حکومت میں یہ 12 نشستیں سردار قیوم خان کی مسلم کانفرنس کو ملی تھیں اور نواز شریف نے تو اعلان کر دیا تھا کہ "ہم 12 نشستیں سردار قیوم خان کو تحفے میں دے رہے ہیں" ادھر آزاد کشمیر میں جماعت اسلامی اور مسلم کانفرنس کے درمیان "سیاسی بیت بازی" بھی چل رہی ہے اور پاکستان میں پیپلز پارٹی کی حکومت ہے۔ اس لئے سردار قیوم صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ نواز شریف کے دور میں جس طرح مجھے انتخابات جتوائے گئے تھے اسی طرح اب پیپلز پارٹی کو الیکشن میں فتح مند قرار دیا جائے گا۔ اس لئے انہوں نے اقوام متحدہ کی زیر نگرانی الیکشن کرانے کا مطالبہ کیا تاکہ "آزاد کشمیر" کے نام سے لوگوں کا نئی چال اور نئی شکل میں استحصال کیا جائے اور اگر یہ ڈھول گلے میں نہیں پڑتا ہے تو سردار قیوم خان ہارے جانے والے الیکشن کا بائیکاٹ بھی کریں گے اور پاکستانی اپوزیشن کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف جدوجہد میں شامل بھی ہو سکتے ہیں۔ سردار قیوم خان نے اس سے پہلے بھی جماعت اسلامی کے "جہاد" کے نام پر

آزاد کشمیر میں دوست کم کرنے اور "جہاد" کے غبارے سے ہوا نکلنے کے لئے سرینگر میں غیر جانبدار اتھارٹی کے ماتحت الیکشن کرانے کی تجویز بھی دی تھی کیونکہ جوں جوں کشمیر کے اندر موجودہ حالات برقرار رہتے ہیں توں توں آزاد کشمیر کے اندر بھی حکمرانوں کے بیجا استحصال کے خلاف نفرت بڑھتی جا رہی ہے۔

3۔ 29/ نومبر کو یورپی پارلیمنٹ برسلز میں برطانیہ کے یورپی پارلیمنٹ کے 8 ممبروں نے "لابنگ" (Lobby) کے نام پر برطانیہ سے 70,60 پاکستانی و کشمیریوں کے ساتھ مل کر برسلز میں قرارداد پیش کی، کشمیر کے بارے میں کہ "ہندوستان و پاکستان کشمیریوں سے بات چیت کریں"۔ پارلیمنٹ کی اس لابی میں برطانیہ اور برسلز میں پاکستانی سفارت خانہ بمعہ درجنوں سفیروں کے شامل تھا۔ برسلز میں پارلیمنٹ کے سامنے جو مظاہرہ ہوا۔ اس میں پاکستان کی جماعتوں کے علاوہ کشمیریوں کی تنظیمیں بھی شامل تھیں اور کل افراد کی تعداد 100 اور 120 کے درمیان تھی اور اس تعداد میں بھی تنظیم کے اور گروپوں میں بھرپور اختلاف سامنے آیا اور آزاد کشمیر سے تعلق رکھنے والے نوجوانوں نے جب نعرے لگائے کہ "پاکستان کا جو یار ہے، کشمیر کا غدار ہے" تو ہر طرف ہلچل مچ گئی اور مظاہرے کا انتظام کرنے والوں نے منت سماجت کر کے ایسے نعرے بند کرائے۔ مظاہرے میں لبریشن فرنٹ کے گروپوں کے درمیان اچھی خاصی چپقلش بھی ہوئی اور پھر دونوں طرف سے صرف مقبول بٹ شہید کے نعرے لگانے پر اتفاق ہوا۔ برسلز کے مظاہرے میں امان اللہ گروپ نے تینوں ملک کے خلاف امان اللہ کی چارج شیٹ پر مشتمل خط، سٹیج پانے پر تقسیم کیا اور پھر جو لابنگ کی قرارداد پارلیمنٹ میں پیش ہوئی وہ یہ تھی (1) کسی امتیاز کے بغیر ہم اغوا کرنے والوں کی مذمت کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں کہ اغوا کنندگان کو فوری طور پر رہا کیا جائے۔ (2) تمام انسانی حقوق کی تنظیموں کو پورے جموں و کشمیر میں آزادانہ طور پر آنے جانے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ انسانی حقوق کے بارے میں الزامات کی تحقیقات کریں۔ (3) یورپی پارلیمنٹ کے یہ ممبران یورپی برادری کے منسٹروں سے استدعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے اثر و رسوخ سے حکومتوں پر دباؤ ڈالیں کہ کشمیری قوم کے نمائندوں سے بات چیت کر کے مسئلہ کشمیر کا کوئی آبرومندانہ حل نکالا جائے تاکہ دنیا کے اس خطے میں امن کو خطرہ

ہو۔ (4) یہ قرارداد کونسل کے ممبروں، کمیشن، ممبر حکومتوں اور ہندوستان و پاکستان کی حکومتوں کو ارسال کی جائے۔

جہاں تک قرارداد کا تعلق ہے اس قرارداد میں ایسی کوئی بات تو نہیں ہے جو ہندوستان کے حکمرانوں کو ناگوار گزرے مگر ہندوستان کے حکمران اور سفارتی نمائندے اس بات سے "الرجک" ہوتے ہیں کہ قرارداد کی لابنگ کرنے کے لئے برطانیہ میں مقیم پاکستانی ہائی کمشنر اور برسلز میں پاکستانی سفیر بھی موجود تھے بلکہ برطانیہ کے یورپی پارلیمنٹ کے ممبروں کے ساتھ ہی ہائی کمشنر بھی آئے تھے یہاں یورپ اور امریکہ میں یورپی سفارت کاروں اور سیاست دانوں میں ایک زبردست تاثر ہندوستان اور پاکستان کے بارے میں موجود ہے کہ پاکستان کے حکمران بیرونی ممالک کا دباؤ جلدی قبول کرتے ہیں جبکہ ہندوستان کے سیاست دان اور برسر اقتدار حکمران اور بیوروکریسی کسی بھی معاملے میں بیرونی دباؤ کو قبول کرنے کے بجائے "چڑ" جاتے ہیں، جس کی تعبیر یہ لوگ یہ کرتے ہیں ہندوستان کے اندر سیاست دانوں اور بیوروکریسی میں ہندوستانی نیشنلزم شدت سے موجود ہے "غالباً اسی لئے بیرونی ممالک بمعہ یورپی برادری اور امریکہ کے ابھی تک کھل کر ہندوستان کے خلاف کھلے عام نہیں بولتے ہیں بلکہ رابن رافیل کے اس دفعہ ہندوستان کے دورے کے دوران بیان پر بہت سارے پاکستانی اور کشمیری حلقے حیران ہوئے، جس میں انہوں نے ایک بیان میں کہا کہ "کشمیری لیڈرشپ کو ہندوستان کی حکومت سے بات چیت کرنی چاہئے۔"

چند ہفتے پہلے نئی دہلی میں ایک دھماکہ ہوا جس میں چند راہگیر زخمی ہوئے اور کشمیر اسلامک فرنٹ نے ذمہ داری قبول کی اور اسے "الہلال آپریشن" کا نام دیا۔ یاد رہے یہ خبر یہاں جنگ لندن میں اسی طرح آئی۔ کشمیر کے تمام گروپوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ پوری دنیا بم دھماکوں کے خلاف محاذ بنائے ہوئے ہے اور ایسے بم دھماکے کشمیریوں کی جدوجہد پر پانی پھیر دیتے ہیں اور پھر ہندوستان میں ایسے دھماکے کرنے سے ہندوستان کے لوگ بھی کبھی کشمیریوں کی جدوجہد کے حق میں آواز نہیں اٹھائیں گے بلکہ ہندوستان کے اندر جو کشمیری بزنس، یا مزدوری کرتے ہیں اور 16 ہزار سے زیادہ طالب علم مختلف یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ایسے دھماکے ان تمام لوگوں کے خلاف

ہندوستان کے انتہا پسندوں کو نفرت کا اظہار کرنے کے لئے جواز کے طور پر مل جائیں گے اور دہلی اور ہندوستان کے بڑے شہروں میں کشمیریوں کی ہینڈی کرافٹ، قالین وغیرہ جو فروخت ہو رہے ہیں ان پر بھی اثر پڑ جائے گا اور دہلی میں موجود چھ لاکھ سے زیادہ کشمیریوں کی روز مرہ کی زندگی اور بزنس تباہ ہو کے رہ جائیں گے۔ اس لئے کسی بھی کشمیری کو ایسے دھماکوں کی حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ یہ کشمیر کاز کے خلاف کھلی دشمنی ہے جبکہ حریت کانفرنس کا دفتر بھی دہلی میں اس لئے کھولا گیا ہو کہ ہندوستان کے عوام کو کشمیر کے حقیقی حالات سے آگاہ کیا جائے گا۔

کشمیر اپیل

"برادران اسلام! یہ ہمارے لئے سمجھنا زیادہ مشکل نہیں کہ مقبوضہ کشمیر میں ہمارے بھائی نہ ختم ہونے والی کن کن مشکلات کو برداشت کر رہے ہیں کیونکہ وہاں چالیس ہزار سے زائد افراد شہید اور ہزاروں آزاد کشمیر میں اپنے گھروں سے دور کیمپوں میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہے ہیں۔ مسلم ہینڈز نے مقبوضہ کشمیر اور آزاد کشمیر میں برطانیہ اور یورپ کے مسلمانوں کی مدد سے وہاں مختلف منصوبہ جات شروع کئے ہیں۔ اس طرح مسلم ہینڈز پہلی انٹرنیشنل تنظیم ہے کہ جس کے اپنے مستقل پراجیکٹس وہاں مظلوموں کی خدمت کر رہے ہیں۔

آپ سے اپیل ہے کہ اپنے بھائیوں کی مزید مدد کے لئے آگے بڑھیں تاکہ وہ جان سکیں کہ ہم بے سہارا نہیں۔

مسلم ہینڈز کے تحت قائم منصوبہ جات کی تفصیلات

1- سرینگر، کپواڑہ اور ڈوڈا (مقبوضہ کشمیر) اور مظفر آباد میں شہداء کی بیوگان اور وہاں کی حاجت مند عورتوں کے لئے 9 سلائی سکولز قائم کئے گئے ہیں۔

2- راجوری اور کپواڑہ (مقبوضہ کشمیر) میں وہاں کے زخمی اور بیمار افراد کو خون مہیا کرنے کے لئے 2 بلڈ بینک قائم کئے گئے ہیں۔

3- مظفر آباد میں مقیم مہاجرین کے لئے میڈیکل سنٹر مع جدید لیبارٹری قائم کی گئی ہے اس کے علاوہ وہاں مریضوں کے لئے ایمبولینس کی سہولت بھی دی گئی ہے۔

4- مظفر آباد میں طلباء وطالبات کے لئے ایک سکول اور دینی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ کام کر رہا ہے۔

5- تتری نوٹ (نزد کشمیر و آزاد کشمیر بارڈر ایریا) میں قائم مستقل ڈسپنسری سے 1500 مریض ہر ماہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

6- چرار شریف (مقبوضہ کشمیر) کے 1500 سے زائد متاثرہ خاندانوں کو خوراک، کمبل، تیل اور دوسری ضروریات زندگی دی گئیں۔

7- مقبوضہ کشمیر میں راجوری سے لے کر لداخ تک کے تمام شہروں میں برطانیہ اور یورپ کے مسلمانوں کی طرف سے 17 لاکھ روپے سے زائد رقم سے قربانی کا فریضہ ادا کیا گیا۔

8- مظفر آباد میں مختلف سکولوں کے غریب طلباء کو فری کتابیں دی جاتی ہیں۔

(یکم، مئی 1995ء)

☆☆☆☆☆

باب نمبر 12

آزادیٔ کشمیر کس شکل میں؟

نیشنل ازم قوموں کی پہچان کا فلسفہ کہلاتا ہے۔ اگر نیشنل ازم دوسری قوموں کے خلاف نفرت کا باعث نہ ہو تو نیشنل ازم فخر اور اپنی قوم کی ترقی اور خوشحالی کی پہچان ہوتا ہے اور نیشنل ازم کی چادر میں ایک قوم کے اندر تمام فرقے مذاہب اور ذات پات سما جاتے ہیں اور تمام لوگ اپنی قومیت پر فخر محسوس کرتے ہیں لیکن نیشنل ازم کے پھلنے پھولنے کے لئے لازمی ہے کہ ایک تو قوموں کا استحصال نہ ہو اور دوسرے نیشنل ازم دوسری قوموں سے حقارت کے بجائے برابری کے اصول کے مطابق برتاؤ کرے ورنہ یہی نیشنل ازم فاشزم کی شکل اختیار کرکے ہٹلر اور مسولینی پیدا کرتا ہے اور آج کل قوموں کی زندگی میں قومی ترقی، بھائی چارے اور نیشنل ازم کی موت مذہبی انتہاپسندی کی صورت میں سامنے آرہی ہے اور برصغیر ہندوپاک، مصر، الجزائر اور افغانستان میں مذہبی انتہاپسندی نے نہ صرف یہاں کے لوگوں کی زندگیاں اجیرن کردی ہیں بلکہ پوری دنیا کا امن اور ترقی یرغمال بنائے ہوئے ہے۔ سڑکوں پر، عمارتوں میں بم دھماکے کرکے اور معصوم لوگوں کو قتل کرکے دہشت پھیلا رہے ہیں یہی حال وادی کشمیر میں بھی ہے جہاں پر قومی آزادی کی جدوجہد کو مذہبی انتہاپسندی نے نہ صرف یہاں کے لوگوں کی زندگیاں اجیرن کردی ہیں بلکہ پوری دنیا کا امن اور ترقی یرغمال بنائے ہوئے ہے۔ سڑکوں پر، عمارتوں میں بم دھماکے کرکے اور معصوم لوگوں کو قتل کرکے دہشت پھیلا رہے ہیں۔ یہی حال وادی کشمیر میں بھی ہے جہاں پر قومی آزادی کی جدوجہد کو مذہبی انتہاپسندی نے یرغمال بنایا اور موجودہ جدوجہد کشمیری نیشنل ازم کے لئے کشمیر میں غیر فرقہ پرست روایت کے لئے، کشمیر کے سیکولر امیج کے لئے اور کشمیر میں صوفی

ازم اور مذہبی رواداری کو ہمیشہ کے لئے موت کی نیند سلانے کا باعث بن رہی ہے اور اگر یہ جدوجہد جو قومی آزادی کے بجائے مذہبی انتہاپسندی کی شکل اختیار کر گئی ہے، کامیاب ہوتی ہے تو اس کے نتائج کیا ہوں گے اور یہ جدوجہد مسئلہ کشمیر کے حل کی کونسی شکل اختیار کرے گی اور برصغیر اور خود کشمیر کا جغرافیہ کس صورت میں ابھر کر سامنے آئے گا؟ اس کا تجزیہ بین الاقوامی حالات، ہندوپاک کے حالات اور وادی کشمیر کے اندر جدوجہد کا تجزیہ کرکے ہی ہمیں اندازہ ہو سکتا ہے۔

جموں کشمیر جو 1947ء میں 222.363 Sq.Km پر مشتمل رقبہ تھا۔ آج انڈین کنٹرول میں 101.387 Sq.Km ہیں اور باقی 120.849 Sq.Km پاکستان اور چین کے کنٹرول میں ہیں۔ پاکستان کے کنٹرول میں کشمیر کا جو حصہ ہے وہ بھی دو حصوں میں تقسیم کردیا گیا ہے یعنی ناردرن ایریا، گلگت بلتستان کہلاتا ہے جو اسلام آباد کے زیر کنٹرول ہے جہاں کی آبادی سنی، شیعہ، اسماعیلی نور وغیرہ کے فرقوں میں بٹی ہوئی ہے اور یہ بھی "شین اور یشکن" کے نام سے پہچانے جاتے ہیں۔ گلگت، بلتستان کے لوگوں نے جب 1947ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کے خلاف بغاوت کردی تو انہوں نے پاکستان کو کنٹرول سنبھالنے کی دعوت دی۔ 1947ء سے پاکستان نے وہاں 25 سال تک F.C.R جیسے کالے قوانین کے تحت ایک ریذیڈنٹ کے ذریعے انگریزوں کی طرح حکومت کی اور بعد میں ریذیڈنٹ کے بجائے کمشنر کے ذریعہ وہاں نظام چلایا۔ آزاد کشمیر ہائی کورٹ کا فیصلہ ہے کہ "ناردرن ایریاز پاکستان کا حصہ نہیں بلکہ کشمیر کا حصہ ہے اور فوری طور پر گلگت، بلتستان کا کنٹرول آزاد کشمیر کے حوالے کیا جائے" مگر پاکستان نے اس فیصلے کے خلاف ٹیکنیکل بنیادوں پر آزاد کشمیر سپریم کورٹ سے فیصلہ لے لیا۔ دوسرا علاقہ جو صرف 4000 مربع میل پر مشتمل ہے، آزاد کشمیر کہلاتا ہے جو پانچ اضلاع پر مشتمل ہے۔ مظفر آباد، کوٹلی، میرپور، باغ اور پونچھ ڈسٹرکٹ، پونچھ اور باغ ڈسٹرکٹ پہلے پونچھ ڈسٹرکٹ ہی تھا مگر سردار قیوم خان چونکہ باغ ڈسٹرکٹ کے دھیرکوٹ سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے انہوں نے اجارہ داری قائم رکھنے کے لئے پونچھ کو دو حصوں یعنی دو ڈسٹرکٹوں میں تقسیم کیا اور آزاد کشمیر جو حقیقت میں پاکستانی مقبوضہ کشمیر کہلاتا ہے، میں بھی مختلف ذاتوں، برادریوں، قبائلیوں اور مختلف

زبانوں سے تعلق رکھنے والے لوگ رہتے ہیں جہاں پر اقتصادی طور پر کوئی بھی ایسے ذرائع پیداوار یا انڈسٹری نہیں ہے جن سے لوگوں کے اقتصادی حالات مقامی پیداوار کی بنیاد پر بدل سکتے ہوں البتہ لوگ یورپ اور مشرق وسطیٰ میں محنت مزدوری کر کے اپنی اور اپنے خاندانوں کی پرورش بھی کر رہے ہیں اور پاکستان کو کم از کم ایک ارب ڈالر کی شکل میں سالانہ زرمبادلہ کما کر دے رہے ہیں۔ جہاں تک گلگت، بلتستان کے لوگوں کی بات ہے تو یہ ایک حقیقت ہے کہ وہاں کے لوگ کسی بھی صورت میں کشمیر کے ساتھ اپنے آپ کو منسلک نہیں کرتے وہاں پر دو قسم کی تحریکیں ہیں، ایک گلگت، بلتستان کو پاکستان کا پانچواں صوبہ بنا کر قومی اسمبلی اور سینیٹ میں نمائندگی حاصل کرنے کی تحریک اور دوسری تحریک جو ابھی ابتدائی مراحل میں ہے وہ گلگت، بلتستان اور چترال کے کچھ علاقوں پر مشتمل الگ "ملک بلورستان" بنانے کی تحریک ہے۔ اکا دکا اپنے آپ کو کشمیر کے ساتھ بھی وابستہ رکھنے کی بات کرتا ہے جن میں اکثریت کشمیری بولنے والے وہ لوگ ہیں جو وادی کشمیر کے بانڈی پورہ وغیرہ کے علاقوں سے 1947ء سے پہلے بزنس کرتے تھے اور بعد میں وہاں ہی آباد ہو گئے چونکہ گلگت، بلتستان میں کشمیر کے حوالے سے قومی آزادی کی جدوجہد نہیں تھی اسی لئے پاکستانی حکام اور آئی ایس آئی نے گلگت سے امان اللہ خان کو چن کر وادی کشمیر سے نوجوانوں کو بھرتی کروا کر کشمیر کے اندر مسلح جدوجہد شروع کرائی کیونکہ جس آدمی کی اپنی کوئی زمین نہ ہو اس کو کسی بھی وقت ایجنسیاں تمام جدوجہد سے الگ کر کے بے ضرر بنا دیتی ہیں اور یہی امان اللہ خان کے ساتھ آئی ایس آئی والوں نے کیا اور جہاں تک آزاد کشمیر کا تعلق ہے یہاں پر مختلف نظریہ رکھنے والے لوگ مختلف پارٹیوں میں ہیں اور پچھلے پچاس سالوں سے یہ تو اسلام آباد کی خوشنودی پر وہاں شخصی راج رہا اور اسلام آباد سے اختلاف پر اس شخصیت کو اقتدار سے ہٹا دیا جاتا تھا۔ یہ کھیل میر واعظ مرحوم یوسف شاہ صاحب، سردار قیوم خان، سردار ابراہیم اور کے۔ ایچ خورشید صاحب مرحوم اور ممتاز حسین راٹھور کے ساتھ بھی کھیلا گیا مگر مجموعی طور پر یہاں مسلم کانفرنس ہی برسر اقتدار رہی جس کا نعرہ "کشمیر بنے گا پاکستان" ہے لیکن پاکستان میں پیپلز پارٹی برسر اقتدار بھی آئی جس کا نعرہ ہے "آزاد کشمیر کو پاکستان کا صوبہ بناؤ" جہاں تک نیشنلسٹوں کا تعلق ہے آزاد کشمیر میں نوجوان نسل کشمیر کو آزاد و خودمختار دیش بنانے کی حامی ہے اور 1947ء کے پورے کشمیر کو وہ آزاد دیش بنانے کے ہماری طرح ہی

حسین خواب رکھتے ہیں مگر بدقسمتی سے نیشنلسٹ مختلف گروپوں میں شخصی تضاد اور غلط اسٹریٹجی اپنانے کی بنیاد پر تقسیم در تقسیم ہیں۔ نیشنلسٹوں کا عجیب عالم ہے کہ آزاد کشمیر میں رہ کر انڈین کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کرتے ہیں۔ البتہ N.S.F نیشنل سٹوڈنٹ فیڈریشن، نیشنل لبریشن فرنٹ (مقبول بٹ کے بیٹے شوکت مقبول اس کے صدر ہیں) اور پی۔ این۔ پی پیپلز نیشنل پارٹی آزاد کشمیر میں آزاد کشمیر اور گلگت، بلتستان کو پاکستان سے آزاد کرانے کی بات اور جدوجہد کرتے ہیں مگر ان کے بارے میں خفیہ ایجنسیوں اور الحاق کی حامی جماعتوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ "یہ لوگ ہندوستان کے لئے کام کرتے ہیں" اور جہاں تک جماعت اسلامی کا تعلق ہے تو عملی طور پر جماعت اسلامی کی پوزیشن آزاد کشمیر میں کبھی بھی اس قدر نہیں رہی کہ آزاد کشمیر اسمبلی میں ایک بھی سیٹ لے سکے مگر اسلام اور ہندوستان کے خلاف نفرت ابھارنے کے نام پر وادی کشمیر میں مسلح جدوجہد کے حوالے سے لوگوں کو اپنے جلسوں اور جلوسوں میں شامل ہونے اور چندہ دینے پر اکساتے رہے اور مذہبی جذبات کے حوالے سے بچی عمر (ٹین ایج) کے نوجوانوں کو کشمیر میں لڑنے کے لئے اپنی جماعت میں بھرتی کرتے ہیں۔ نیشنلسٹوں کے پاس چونکہ منظم پارٹی اور قیادت نہیں ہے اسی لئے کئی قسم کا نیشنلسٹ بھی منظم تنظیم نہ ہونے اور نیشنلسٹ قیادت کا خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھوں بکنے کے المیوں کی وجہ سے آزاد کشمیر میں قومی آزادی کی حقیقی جدوجہد کے راستے پر نہ چل سکا اور پھر قومی آزادی کی جدوجہد کرنے والے معاشی طور پر مفلوج اور کمزور ہیں ان کو کہیں نہ کہیں کسی موڑ پر خاندان اور بچوں کی پرورش کی وجہ سے معاشی جدوجہد کی خاطر پاکستان یا مڈل ایسٹ یا یورپ کا رخ کرنا پڑتا ہے مثال کے طور پر جب تک لبریشن فرنٹ آئی ایس آئی اور پاکستان کے اداروں کے ساتھ کام کرتا رہا ان کو ٹریننگ کیمپ اسلحہ، پیسہ اور پبلسٹی بھی اس قدر ملی کہ کشمیر کے منظر میں صرف لبریشن فرنٹ نظر آتا تھا مگر جب خفیہ اداروں نے حزب المجاہدین اور دوسری دیگر الحاق کی حامی تنظیموں کی پرورش کی اور ان کو مضبوط کرایا تو لبریشن فرنٹ کو آسمان سے زمین پر گرایا اور ساتھ ہی حزب المجاہدین کے ذریعہ لبریشن فرنٹ کے بہت ہی قابل اور محب وطن نوجوانوں کو وادی کشمیر میں مروا دیا۔ ان حالات میں جبکہ گلگت، بلتستان میں پیپلز پارٹی اور شیعہ جماعت تحریک نفاذ جعفریہ پارٹی (N.J.P) وہاں کے نئے نے لوکل کونسل کے الیکشن میں جیت گئے تو باور کیا جاتا ہے کہ وہاں کے لوگ نظام سے

اگرچہ بلتستان نہیں ہے مگر کشمیر کی قومی آزادی کے حوالے سے کشمیر کے باقی کسی حصے کے لوگوں کی جدوجہد میں شامل ہونے کے لئے تیار نہیں ہے اور اپنے آپ کو پاکستان کا ہی حصہ سمجھتے ہیں۔ رہی بات آزاد کشمیر تو آزاد کشمیر میں نیشنلسٹوں کے کافی ساری تعداد میں موجود ہونے کے باوجود یہ لوگ نہ تو منظم ہیں اور نہ ہی وادی کشمیر کی طرح پاکستان کے خلاف جدوجہد کرنے کے لئے تیار ہیں جس طرح وادی والوں نے ہندوستان کے خلاف جدوجہد کی اگرچہ اس میں سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وادی والوں کو پاکستان اور آزاد کشمیر کے الحاق کی حامی تنظیموں کی مدد تھی اور جاری ہے جبکہ آزاد کشمیر کے نیشنلسٹوں کو کسی کی طرف سے بھی کوئی امداد میسر نہیں ہے اس لئے بڑے بڑے نیشنلسٹ بھی انفرادی طور پر الیکشنوں کے وقت برادری اور علاقائی سیاست میں ملوث ہو کر پونچھی، میرپوری، کوٹلی اور مظفر آباد کی مقامی سیاست میں برادری کی بنیاد پر یا تو مسلم کانفرنس یا پیپلز پارٹی کے چکروں میں آجاتے ہیں بلکہ آزاد کشمیر میں نیشنل سٹوڈنٹس فیڈریشن میں طالب علمی کے زمانے میں قومی آزادی کے حوالے سے بڑی بڑی تقریریں کر کے سیاسی طور پر اپنے آپ کو متعارف کراتے رہے اور عملی سیاست میں بعد میں نیشنلسٹ ماضی کو مسلم کانفرنس اور پیپلز پارٹی میں کیش کرتے رہے جس میں ممتاز راٹھور سابقہ وزیر اعظم آزاد کشمیر، میاں بشیر سینئر وزیر وغیرہ شامل ہیں۔ اسی لئے نیشنلسٹ مومنٹ کوئی منظم شکل اختیار نہ کر سکی اور الیکشنوں میں نیشنلسٹ مقامی سیاست میں ملوث ہو کر اصل میں مسلم کانفرنس یا پیپلز پارٹی کی ہی عملی طور پر حمایت کر کے "الحاق پاکستان" کو ہی تقویت پہنچاتے رہے اور الیکشن بھی مسلم کانفرنس یا پیپلز پارٹی کی جیت جاتی ہے اس طرح آزاد کشمیر کے لوگ مجموعی طور پر موجودہ نظام کو قائم رکھنے میں معاون ثابت ہوئے جو نظام پاکستان کے اس موقف پر قائم ہیں کہ "آزاد کشمیر اور گلگت، بلتستان تو ہے ہی پاکستان کا البتہ ہندوستان کے پاس جو کشمیر ہے وہ بھی پاکستان کو ملے کیونکہ پاکستان کشمیر کو اپنا حصہ سمجھتا ہے" جبکہ پاکستان کے اس موقف کا قطعی طور پر کوئی قانونی، اخلاقی جواز نہیں ہے بلکہ U.N.O کی قرارداد کے مطابق پاکستان کو رائے شماری کی صورت میں کشمیر کے تمام علاقوں سے اپنی فوجیں نکالنی ہوں گی اور U.N.O کے حوالے سے پاکستان کے مقابلے میں مہاراجہ ہری سنگھ کی "الحاق دستاویز" کی وجہ سے ہندوستان کا قانونی جواز زیادہ ہے کیونکہ رائے شماری ہندوستانی فوج کی زیر نگرانی U.N.O کے کمیشن کے

ماتحت ہوتی ہے۔ البتہ کشمیریوں اور پاکستانیوں کو پنڈت جواہر لال نہرو کا مشکور ہونا چاہئے جنہوں نے مسئلہ اقوام متحدہ تک پہنچایا۔ اس لئے وادی کشمیر میں مسلمان مسلمان کے حوالے سے شور مچانے کی صورت میں پاکستان، آزاد کشمیر اور کشمیر کے مذہبی انتہاپسند کشمیریوں کے لئے کونسی آزادی کا خواب دیکھ رہے ہیں؟

کشمیر یعنی وادی کشمیر، جموں اور لداخ زبان اور مذہب اور کلچر کی بنیاد پر تین ریجنوں میں منقسم ہیں یعنی لداخ کا رقبہ 96.701 sq.KM اور چھ ڈسٹرکٹوں پر اور ادھم پور، ڈوڈہ، کٹھوعہ، جموں، راجوری اور پونچھ پر مشتمل ہے اور سب سے چھوٹا علاقہ وادی کشمیر کا رقبہ 15.853 sq KM اور چھ ہی ڈسٹرکٹوں، اننت ناگ، پلوامہ، سرینگر، بارہمولہ، بڈگام اور کپواڑہ پر مشتمل ہے۔ تینوں ریجنوں میں جو مختلف نسلی Ethnic گروپ رہتے ہیں وہ کشمیری (زبان اور کلچر کی بنیاد پر) ڈوگرہ، بکروال، دردی، بلتی، گاور، لداخی، پوشواری قبائلی ہیں اور زبانیں بھی کشمیری، ڈوگری، گوجری، دردی، بلتی، پنجابی ہیں۔ جموں ریجن میں ڈوگرہ ہندو اور باقی علاقوں میں سوائے وادی کشمیر کے مسلمان اقلیت میں بکھرے ہوئے ہیں اور جموں و کشمیر اسٹیٹ میں جو مختلف فرقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان ہیں ان میں گوجر، بکروال، دردی، بلتی، شیعہ اور پوشواری لوگوں نے کشمیری زبان بولنے والے لوگوں سے ہمیشہ اپنے آپ کو سیاسی طور پر الگ ہی رکھا یعنی لداخ کا مسلمان اور بدھ اور جموں کا مسلمان اور ڈوگرہ ہمیشہ کشمیری زبان بولنے والے کشمیری مسلمان اور پنڈت سے اپنے آپ کو الگ ہی سمجھتے رہے اور کشمیری زبان بولنے والے مسلمانوں، پنڈتوں اور دوسرے فرقے کے لوگوں نے بھی ہمیشہ اپنے آپ کو اور کشمیر وادی کو ہی "کشمیر" سمجھا باقیوں کو گوجر پہاڑی اور "پوہل" ہی کہا یہی وجہ تھی کہ جب 1948-47ء میں آزاد کشمیر سے مہاجرین آئے جو کشمیری زبان نہیں بولتے تھے ان کو جب وادی کشمیر میں بسانے کی تجویز زیر غور آئی تو یہ کشمیری پنڈت ہی تھے جنہوں نے وادی کشمیر میں ان مہاجرین کو بسانے کی مخالفت کی کہ "غیر کشمیری کی وجہ سے آبادی پر دباؤ پڑنے سے کشمیری کلچر تباہ ہو جائے گا" کشمیری پنڈتوں کا المیہ یہ رہا کہ انہوں نے کشمیر مادر بھومی سے محبت ضرور کی مگر یہ اپنے آپ کو ہندوستانی بھی کہتے رہے اور مذہب کے حوالے سے ہندوستان کے ساتھ اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتے رہے اور ان

کا جرم بھی نہیں بنایا گیا۔ حالانکہ جو کشمیری مسلمان پاکستان مانگتے ہیں اور الحاق پاکستان کا نعرہ لگاتے رہے ان کے لئے پاکستان مانگنا کشمیری معاشرے میں قومی آزادی مانگنے والوں کی نظر میں جرم نہیں بنایا گیا جبکہ کشمیری پنڈت کو موجودہ جدوجہد کے ابتداء میں ہی جب صرف قومی آزادی مانگنے والی لبریشن فرنٹ ہی وادی میں مسلح جدوجہد کر رہی تھی۔ کشمیر سے نکلنا پڑا۔ کشمیری پنڈت نے انفرادی طور پر کسی سے کوئی زیادتی یا حق تلفی کی ہو تو کی ہو مگر مجموعی طور پر یہ کشمیری پنڈت ہی تھا جو اساتذہ کے رتبے پر فائز تھا اور کشمیری مسلمانوں کو علم کی روشنی اکثر کشمیری پنڈتوں نے دی اسلامیہ ہائی سکول اور میں اسلامیہ کالج دونوں میں ہی 40% کشمیری پنڈت ہی اساتذہ تھے۔ اسلامی ہائی سکول اور ہسٹری کے استاد کاشی ناتھ جی بڑی لگن سے ہسٹری پڑھاتے تھے۔ ہسٹری سے میرا لگاؤ بھی ان کے طرز تعلیم کی وجہ سے تھا وہ دو گل کو منہ لگائے بغیر پانی پیتے تھے تاکہ مسلمان لڑکے بھی پانی پی سکیں اسی طرح بڑے ہی قابل استاد سائنس کے کاشی ناتھ تھے۔ اور کھیلوں میں اسلامیہ ہائی سکول فرسٹ (فرینڈز ناتھ بٹ) کی وجہ سے پورے ڈسٹرکٹ میں اول رہتا تھا مگر افسوس اور لوگوں کی بڑی بدقسمتی ہے کہ ہم اپنے کلچر، اپنے بہن بھائیوں، اپنے اساتذہ اور اپنے بھائیوں اور ان کی جائیدادوں کی حفاظت نہ کر سکے اور یہ کشمیر کی موجودہ جدوجہد کا بین الاقوامی سطح اور مقامی سطح پر سب سے بڑا المیہ ہے۔ یہی کشمیری پنڈت جو صدیوں سے مسلمان بھائیوں کے ساتھ رواداری اور بھائی چارے سے رہے جن کی حفاظت 1947ء میں کشمیری مسلمانوں نے کر کے پورے برصغیر میں فرقہ واری بھائی چارے کی مثال قائم کی۔ آج ان میں لوگ "پنن کشمیر" "اپنا کشمیر" مانگ رہے ہیں اور دلیل ان کے پاس بھی وزنی ہے کہ "ہمیں گھروں سے خوف اور چند پنڈتوں کو قتل کر کے دہشت پھیلنے کی وجہ سے نکلنا پڑا اور ہمیں گرمی اور سردی اجاڑی میں کیمپوں میں رہنا پڑا" جب کشمیری پنڈتوں کو یہ کہا جاتا ہے کہ تمہیں جگموہن گورنر نے نکالا ہے "تو ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہوتی ہے کہ "ان کیمپوں کی کسمپرسی کی زندگی کے عوض کوئی کشمیری پنڈت گورنر تو کیا وزیر اعظم کے کہنے پر بھی نہیں نکلتا۔ چلو دو منٹ کے لئے مان لیا کہ ہمیں وہاں سے گورنر کے کہنے پر نکلنا پڑا مگر ہمارے پیچھے جو وہاں کشمیری پنڈت رہے جن میں ایک ڈینٹل سرجن بھی تھا اس کو اور اس کی بیوی کو دروازے پر بٹھا کر کیوں قتل کر دیا گیا؟ روزی اور اس کی ماں کی عصمت دری کیوں کی گئی اور بعد میں روزی کو اس کے ماں باپ

سمیت قتل کر دیا گیا اور ہماری دوکانوں اور ہمارے مکانات کو کیوں لوٹا گیا اور بعد میں لوٹ کے نشانات مٹانے کے لئے ان کو آگ لگائی گئی کیا اسلام میں اقلیتوں کا حق یہی ہے کہ ان کو لوٹا جائے؟" اسی لئے کشمیری پنڈت بھی غیر محفوظ ہونے کے احساس کی وجہ سے "پنن کشمیر" مانگ رہے ہیں۔ لداخ والے طویل عرصہ سے مرکزی حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ "لداخ کو مرکزی حکومت کے زیر کنٹرول دیا جائے اور وہاں Autonmous Hill Council بنائی جائے۔ فاروق عبداللہ کے دور میں کشمیری حکومت کے خلاف ایک زوردار تحریک بھی چلی تھی۔ اسی طرح جموں ریجن والے بھی Autonomy مانگ رہے ہیں کیونکہ جب وادی کشمیر میں مذہب کی بنیاد پر پاکستان مانگنے لگے اور لداخ اور جموں، گلگت، بلتستان اور آزاد کشمیر کے لوگوں کو اعتماد میں لئے بغیر قومی آزادی کی تحریک منظم کرنے کے بجائے فرقہ پرستی کی بنیاد پر تحریک شروع کی تو جموں کشمیر کے باقی ریجنوں کے لوگوں اور دوسرے مذہب کے ماننے والوں نے اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھ لیا اور ہر فرقہ اور مذاہب کے ماننے والوں اور مختلف ریجنوں میں بسنے والوں نے مادر وطن کشمیر کی "بندربانٹ" کا مطالبہ شروع کیا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ موجودہ جدوجہد سے کشمیر کی کیا شکل ابھر سکتی ہے اگر موجودہ جدوجہد کی بنیاد پر مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کیا جائے؟ یہ ایک سوالیہ نشان ہر کشمیری کے سامنے ابھر رہا ہے اور ہم نیشنلسٹ کشمیری اس سوالیہ نشان سے پریشان اور خائف بھی ہیں کیونکہ موجودہ فرقہ پرستی کا ماحول کشمیر کو بوسنیا کی طرح ڈسٹرکٹوں اور ریجنوں میں تقسیم در تقسیم کرنے پر منتج ہو سکتا ہے۔ پاکستان کے حکمران اور الحاق پاکستان والی جماعتیں کشمیر کو پاکستان میں شامل کرنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ یہ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ پاکستان کے حکمران اور اکثر سیاستدان پورے کشمیر کو خود مختار بنانے والوں کو "غدار اور ہندوستانی ایجنٹ" کہہ کر خود مختار کشمیر کو کبھی بھارتی اور کبھی امریکی سازش قرار دیتے ہیں ویسے بھی سوچنے کی بات ہے کہ خود مختار کشمیر کی صورت میں پاکستان کو گلگت، بلتستان اور آزاد کشمیر کو خالی کرنا ہوگا جو قطعی طور پر پاکستان کے مفادات میں نہیں ہے۔ اسی لئے جب بیرونی ممالک میں خود مختار کشمیر کی بات چلی اور پاکستان کے سامنے بھی یہ حل تجویز کیا گیا تو پاکستان نے فوری طور پر اس حل کو رد کر دیا کیونکہ خود مختار کشمیر کی صورت میں گلگت کے راستے چین کے ساتھ "سلک روڈ" کا راستہ ختم ہوگا اور پاکستان کا بارڈر کیوں فارورڈ اور چکوٹھی بھمبر اور کھوئی

ریڈ و نیلم ویلی کے بجائے کوٹلی ہیتاں، کوہالہ ویڈ اور گھوئی رٹہ کے بجائے کہوٹہ ایٹمی پلانٹ سے صرف 22 کلومیٹر دور اور نیلم ویلی کے بجائے ایبٹ آباد کے قریب گڑھی دوپٹہ کے قریب آجائے گا جو کشمیری نیشنلسٹ یہ کہہ کر پاکستانیوں اور پاکستان کے پالیسی سازوں کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ "کشمیر خود مختاری کی صورت میں آپ کے چھوٹے بھائی بن کر رہیں گے اور ہندوستان کے بارڈر پر آپ کا فوجی دیوار رہے گا کیونکہ کشمیر کے بارڈر سے آپ بے فکر ہوں گے" ویسے لوگوں پر پاکستانی پالیسی ساز ادارے طنزیہ ہنسی ہنس لیتے ہیں (یاد رہے جب پاکستان کے حکمرانوں اور I.S.I کے پالیسی ساز اداروں کے ساتھ میری سربراہی میں 4 آدمیوں پر مشتمل وفد نے بات چیت 1985ء میں کی تھی تو ہم نے بھی یہی دلیل دی تھی) کیونکہ تاریخ سبق سکھاتی ہے کہ کوئی ملک مذہب یا علاقے کی بنیاد پر کسی دوسرے ملک کا دوست نہیں بنتا ہے بلکہ اقتصادی مفادات اور بین الاقوامی سیاسی مفادات ہی ملکوں کے درمیان دوستی کا رشتہ پائیدار بناتے ہیں۔ ہندوستان اور بنگلہ دیش، پاکستان اور افغانستان کے موجودہ تعلقات اس بات کی گواہی دیتے ہیں۔ اس لئے اندرون خانہ پاکستان کے حکمران اور پالیسی ساز ادارے موجودہ منظر میں، کشمیر سے صرف اور صرف وادی کشمیر کے طلب گار ہیں تاکہ پانی کے حوالے اور "سلک روڈ" کے حوالے پاکستان اپنے آپ کو محفوظ سمجھ لیں۔ باقی جموں اور لداخ ریجن کو وہ ہندوستان کے حوالے کرنے کے لئے تیار ہیں البتہ ہندوستان کو سودے بازی کی میز پر لانے کے لئے وہ جموں ریجن کے مسلمان علاقوں ڈوڈہ اور کشتواڑ میں مسلح کارروائیاں ہر صورت میں جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ چاہے ان کو اس کے لئے افغانی، پاکستانی اور سوڈانی ہی کیوں نہ بھرتی کرنے پڑیں اس سلسلے میں ایسی تقسیم کے فارمولے کے متعلق وقتاً فوقتاً آزاد کشمیر اور پاکستان کے سیاست دانوں کے بیانات بھی مدنظر رکھے جائیں اور ڈکسن پلان کا ذکر بھی ہوتا رہا ہے آوازیں بھی اب اٹھ رہی ہیں کہ "جموں ولداخ ہندوستان کو دیا جائے۔ گلگت، بلتستان اور آزاد کشمیر پاکستان کے حوالے کیا جائے اور وادی کشمیر کو خود مختاری دی جائے" کیونکہ ہندوستان نہ تو آزاد کشمیر اور نہ ہی گلگت، بلتستان کو پاکستان سے لینا چاہتا ہے البتہ دباؤ کے خاطر ہندوستان حکمران کبھی کبھار "مقبوضہ پاکستانی کشمیر خالی کرنے کی دھمکی تو دیتے ہیں اور پارلیمنٹ سے بھی دنیا کو ڈرانے کے لئے ایسی ہی قراردادیں منظور کراتے رہیں گے" اور اسی طرح پاکستان بھی جموں کشمیر کو ہندوستان

سے بزور طاقت نہیں چھین سکتا بلکہ موجودہ جدوجہد کے حوالے سے ریجن میں اس قدر حالات خراب کر کے اگر "بین الاقوامی قانون اداروں" کو مسئلہ کشمیر حل کرانے پر آمادہ کر سکا تو کشمیر کی قسمت میں تقسیم ہی لکھی جائے گی اور اگر وادی کشمیر کو خود مختاری مل بھی گئی تو وادی والے وادی کشمیر کو لے کر کیا کریں گے؟ وادی کو بھی پنڈتوں کے لئے تقسیم کرنے کے بعد باقی وادی کو بوسنیا کی تقسیم کی طرح ہم اقتصادی تحفظ کے حوالے سے کس طرح جئیں گے؟ باقی دنیا سے رابطے کے لئے پاکستان اور ہندوستان کے محتاج ہوں گے اور آج ہی جس طرح پاکستان نے افغانستان کی "راہداری" کے حق کا معاملہ ختم کیا جبکہ بین الاقوامی قانون کے مطابق خشکی میں گھرے ہوئے ملک کو ہر صورت میں ہمسایہ ملک نے سمندر تک "راہداری" دینی ہے جبکہ اس افغانستان کے لئے پاکستان کو روس کی دشمنی بھی لینی پڑی تو پھر ہماری اقتصادی میں کیا ہوگی؟ صرف ٹورسٹ سے وادی کشمیر کی اکانومی تو نہیں چلے گی اور پھر آج کل کے زمانے میں ٹورسٹ کو جب تک آزاد ماحول میسر نہیں ہوگا۔ تب تک ٹورسٹ بھی نہیں آئے گا اور پھر اس وادی میں بیس لاکھ انسانوں کے لئے جو مختلف فرقوں میں منقسم ہوں، کون سا نظام رائج کریں گے؟ کہیں پاکستان کی طرح وہ افغانستان کی طرح فرقہ پرستی کا شکار ہو کر ہم ایک دوسرے کو قتل تو نہیں کریں گے (ویسے وہ تو ہم آج کل بھی کر رہے ہیں) اور پھر تقسیم کی صورت میں "چمن کشمیر" "پنڈتوں کو بوسنیا اور فلسطین کی طرح دینا پڑے گا۔ چاہے وہاں ان کی بستیاں ہی کیوں نہ بسانی پڑیں اور جموں و لداخ ریجن میں جو مسلمان اقلیت میں رہتے ہیں۔ کیا 1947ء کی طرح پھر سے مذہبی بنیادوں پر ہوگی، پورے ہندوستان میں فرقہ پرستی کا ایک نیا خونی ڈرامہ کا منظر پیش کر کے پورے برصغیر کو جلا کر راکھ بنانے پر منتج نہیں ہوگی؟ اور اگر دو منٹ کے لئے مان بھی لیا جائے کہ موجودہ جدوجہد کی صورت میں پاکستان وادی کشمیر کو حاصل بھی کر لے گا تب بھی جموں، کشمیر کے باقی مسلمانوں کا مقدر ہجرت ہی ہوگا اور ہندوستان میں باقی 18 کروڑ مسلمانوں کا مقدر کیا ہوگا؟ یہ سوچ کر ہی روح تک کانپ جاتی ہے کہ پھر سے کمسن اور معصوم بچے درندگی کا شکار ہو کر نیزوں پر اٹھائے جائیں گے، پھر سے عزت مآب ماں بہنوں کی عزتوں سے کھیلا جائے گا اور پھر سے لوگوں کو گھروں سے بے گھر کر دیا جائے گا اور جس طرح 1947ء میں لوگوں نے وارث شاہ کو یاد کیا تھا جس نے ایک پنجاب کی بیٹی کے دکھ میں "ہیر" لکھی تھی اسی طرح لوگ گاندھی

جی کو یاد کریں گے جنہوں نے کلکتہ کے فسادات بند کرانے کے لئے مرن برت رکھا تھا مگر آج بھی نہ وارث شاہ موجود ہے اور نہ ہی ہندوستان نے کوئی دوسرا گاندھی جی پیدا کیا ہے۔

ان حالات میں تقسیم در تقسیم کی جدوجہد یعنی مذہب کی بنیاد پر کشمیر کو الگ کرنے کے منصوبے خود اہل کشمیر کے لئے اقتصادی تباہی اور پورے برصغیر میں نفرت کی آگ جلانے کا باعث بنیں گے اور نقصان صرف اور صرف اہل کشمیر اور مسلمانوں کو پہنچے گا۔ اس لئے ہر محب وطن کشمیر اور اچھے مسلمان اور برصغیر کے لبرل لوگوں اور انسانیت سے محبت کرنے والوں کو فرقہ پرستی اور مذہب کے نام پر کشمیر کی تقسیم کی نہ صرف مخالفت کرنی چاہئے بلکہ اس کے خلاف جدوجہد بھی کرنی ہوگی۔ اسی لئے ہم بار بار کہتے رہے کہ "جموں و کشمیر کو 1947ء کی صورت میں رکھ کر دونوں حصوں میں آزادانہ الیکشن کرا کر منتخب نمائندوں کو مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ بات چیت کرنے کا موقع دیا جائے کیونکہ مسئلہ کشمیر کا حل وہی پائیدار ہوگا جو کشمیر کے اندر رہنے والوں یعنی تمام مذاہب کے ماننے والوں کی خواہش کے مطابق ہوگا" ہم وادی کشمیر کے لوگوں کو کشمیر کے اندر مفادات رکھنے والوں نے "حسین خوابوں اور انجام" کے پروپیگنڈے کا شکار بنایا ہوا ہے۔ ذرا بین الاقوامی اور تکنیکی طور پر ان "حسین خوابوں" کا تجزیہ بھی کریں کہ کشمیر کی صورت حال بین الاقوامی طور پر اور خود مسلمان ورلڈ میں کیا ہے؟ دنیا کے وہ ادارے جو دنیا میں ابھرنے والے مسائل میں مداخلت کرتے ہیں، ان کی نظر میں مسئلہ کشمیر حقیقی طور پر سوئی کی نوک پر لگے والے پانی کے قطرے سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا بلکہ آج کل کی دنیا مذہبی انتہا پسندی کی وجہ سے وادی کشمیر کو بھی افغانستان کی طرح لاعلاج ناسور سمجھ کر بھولنے کی کوشش کر رہی ہے مثلاً بے نظیر بھٹو کے دورہ امریکہ پر صدر کلنٹن نے الیکشن کی حمایت یہ کہہ کر کی کہ:

"Of Course the Indians now are talking about Elections, it will be interesting to see who is eligible to vote. What the conditions of the Elections are? Whether it really is a free referendom on the people's will."

"بھارتی اب انتخابات کی بات کرتے ہیں، یہ بات دلچسپی سے دیکھی جائے گی کہ ان انتخابات میں ووٹ دینے کا حق کس کو دیا جاتا ہے اور انتخابات کن حالات اور کن شرائط

کے تحت ہوتے ہیں اور آیا یہ عمل لوگوں کی رائے جاننے کا ایک آزاد ریفرنڈم کی حیثیت میں ذریعہ ثابت ہوتا ہے" مگر بے نظیر بھٹو نے دورہ امریکہ کو کامیاب قرار دینے کی خاطر بیان کو توڑ مروڑ کر یوں پیش کیا۔ "امریکی صدر نے محسوس کیا کہ کشمیر میں آزادانہ ریفرنڈم کے ذریعے ہی عوام کی مرضی معلوم کی جاسکے گی" اور بے نظیر نے یوں الیکشن کی بات ہی گول کی۔ ویسے بھی ہندوستان اور پاکستان کی بیوروکریسی کا المیہ ہے کہ وہ اپنی کارکردگی دکھانے کے لئے بیرونی ممالک کے لیڈروں اور دوسرے اداروں کے بیانات اور رپورٹوں کو اپنی مرضی کے معنی پہناتے ہیں۔

اسی طرح ہندوستان کے وزیر داخلہ اور دہلی میں موجود امریکی سفارت خانے کے درمیان جب بیان بازی کا طوفان کھڑا کیا گیا تو امریکی سفیر نے نئے وزیراعظم اور وزیر داخلہ کے ساتھ ملاقات کر کے یہ یقین دہانی کرائی کہ "رابن رافیل نے امریکی کانگریس کی جنوبی ایشیائی کمیٹی کے سامنے پالیسی بیان دیا کہ 48 سال پرانی یو۔ این۔ او قرارداد کے مطابق رائے شماری اب قابل عمل نہیں ہے۔ البتہ مسئلہ کشمیر کا حل نئے حالات میں لوگوں کی خواہش کے مطابق نکالنا چاہئے اور یہ دونوں ممالک کشمیریوں کو شامل کر کے نکال سکتے ہیں" دراصل امریکیوں کو کشمیر کے اندر ابھرتی ہوئی مذہبی انتہا پسندی کے ذریعے ایک اور افغانستان بنائے جانے کے امکانات اب نظر آرہے ہیں، جس سے پورے جنوبی ایشیا میں مذہبی فسادات چھوٹنے کا خطرہ پیدا ہوا ہے اور پھر رائے شماری کی صورت میں گلگت، بلتستان اور آزاد کشمیر سے پاکستان کو فوجیں نکالنی ہوں گی اور رائے شماری کی صورت میں صرف وادی کشمیر کی خواہش کو مد نظر رکھ کر نتائج کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور اس صورت میں یعنی پاکستانی خواہش کے مطابق نتائج نہ نکلنے پر "سلک روڈ" پاکستان کے ہاتھ سے نکل جائے گا جبکہ سلک روڈ "چین کو گھیرنے کے لئے بوقت ضرورت امریکہ کے کام آسکتی ہے اور پھر اس وقت امریکہ قطعی طور پر ہندوستان کو اپنے خلاف نہیں کرنا چاہتا ہے کیونکہ اس خطے میں ایران کے ساتھ پہلے ہی تعلقات خراب ہیں اور چین کے خلاف بھی کسی بھی وقت امریکی پالیسی بدل سکتی ہے اور اگر چین، ہندوستان اور ایران نے امریکہ کے خلاف اتحاد کیا تو بڑی طاقت ہونے کے باوجود امریکہ کو ایشیا خاص طور پر جنوبی ایشیا کی طرف نظر اٹھانے سے

پہلے ان اتحادیوں سے اجازت طلب کرنی ہوگی اور پھر امریکہ کے تجارتی مفادات ہندوستان کے ساتھ روز بروز گہرے ہوتے جا رہے ہیں اتنی بڑی منڈی کو وہ کبھی بھی وادی کشمیر کی خاطر ہاتھ سے نہیں جانے دے گا کیونکہ یہ بات ہم ایشیا والوں کو یاد رکھنی چاہیے کہ تاریخ کے حوالے سے سبق سیکھنا چاہیے۔

امریکہ اور یورپ والے اپنی پالیسیاں ہمیشہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے ہی بناتے ہیں جس کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ "جائز یا ناجائز طریقے سے اپنے ملک کے سیاسی اور تجارتی مفادات کا تحفظ" ان کو جب افغان عوام کی روس کے خلاف ضرورت تھی تو انہوں نے افغانستان کی تمام مذہبی جماعتوں کو مجاہدین قرار دے کر نہ صرف اربوں ڈالر کی امداد اسلحہ اور نقدی کی صورت میں دے دی بلکہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے پوری دنیا میں افغانستان کی روس کے خلاف جنگ کو جمہوریت، آزادی اور نہ جانے کن کن خوشنما نعروں کی جنگ اور جیت قرار دیا اور جب اپنے مفادات پایہ تکمیل کو پہنچے تو اس افغانستان کو آج کھنڈرات میں خاموشی سے تبدیل ہوتے ہوئے دیکھ رہے ہیں۔ ہمیں یہ سبق بھی تاریخ سے لینا چاہیے کہ یہ سامراجی ممالک اپنے اپنے مفادات کے لئے پوری دنیا میں رنجش مسائل اور ملکوں کے درمیان جھگڑوں کو بروئے کار لا کر لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ گلف میں اپنے تیل اور اسلحہ فروخت کرنے کے مفادات کے لئے انہوں نے عراق کے خلاف پورے مغرب اور اسلامی دنیا کا اتحاد قائم کر کے عراق کو تباہ کیا۔ اب حقوق انسانی کی تمام تنظیمیں اور خود اقوام متحدہ کا ادارہ "یونیسف" چیخ رہا ہے کہ عراق کے بچے، خواتین اور زیادہ عمر کے لوگ بھوک سے مر رہے ہیں، عراق کے خلاف اقتصادی پابندی اٹھائی جائے "مگر ان کو کوئی پرواہ نہیں اور مسلمانوں کو امت اور بھائی قرار دینے والے مسلمان ملکوں کو بھی اب یہ خیال نہیں آرہا ہے کہ "عراق کے خلاف جنگ میں تو ہم اتحادی بن گئے تھے۔ اب عراق کے عوام کو بھوک اور بیماری سے بچانے کے لئے بھی ہم اتحاد کریں" یاد رہے کہ یورپ اور امریکہ اقتصادی طور پر اب کمزور ہوتے جا رہے ہیں ان کو اپنے عوام کا موجودہ معیار زندگی قائم رکھنے کے لئے پھر سے "کالونی ازم" کی ضرورت پڑ رہی ہے اور اب یہ تجارت کے ذریعہ پوری دنیا میں لوٹ مار مچا رہے ہیں اور مختلف ملکوں کے درمیان علاقائی مسائل کو بطور ہتھیار ان ملکوں کے

خلاف، کبھی انسانی حقوق اور کبھی تجارتی تحفظ اور کبھی جمہوریت کے نام پر استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے محب وطن لوگ اور دانشور، ایشیا، افریقہ اور دنیا کے دوسرے غریب ملکوں کو یہی مشورہ دے رہے ہیں کہ اپنے علاقائی اور دوسرے مسائل خود حل کریں۔

اس سلسلے میں راجیو گاندھی فاؤنڈیشن کے تحت دہلی میں جو غیر سرکاری بات چیت ہوئی ہے وہ بھی خوش آئند ہے کیونکہ اس غیر سرکاری کانفرنس میں پاکستان کے دو سابقہ وزراء وزیر خزانہ، وزیر خارجہ اور سابقہ چیف آف جسٹس آف سپریم کورٹ اور ہندوستان کے سابقہ وزیر خارجہ، امریکہ میں سفیر اور دوسرے لوگوں نے شرکت کی۔ یہ بات یاد رہے کہ پاکستان کے سابقہ وزیر خارجہ صاحبزادہ یعقوب علی خان کو فوج اور امریکہ کا اور ڈاکٹر محبوب الحق کو ورلڈ بینک اور امریکہ کا آدمی سمجھا جاتا ہے اور میں نے تین سال پہلے جو "مسئلہ کشمیر کا حل فلسطین کے پس منظر میں" نامی آرٹیکل میں امکانی حل کشمیر کا تجویز کیا تھا کہ "کشمیر کے دونوں طرف فلسطین کی طرز پر خود مختاری دے کر مسئلہ کشمیر کے حل کی بنیاد ڈالی جائے" اسی کے مطابق ہی پاکستان کے سابقہ وزیر خزانہ محبوب الحق نے اس غیر سرکاری کانفرنس میں تجویز کیا کہ "کشمیر میں جریکو اور غزہ کی پٹی کی طرز پر خود مختاری دی جائے" مجھے اپنی چھ سالہ جدوجہد پر فخر ہے جو 30 سالہ سیاسی زندگی کا نچوڑ ہے کہ میں کسی بھی طرح کشمیر کے کسی نوجوان، بہن ماں اور بچے یا بزرگ کی تباہی یا موت کا باعث نہیں بنا بلکہ میں نے کشمیر کی موجودہ صورتحال کے بارے میں اس جدوجہد کو قومی آزادی کے راستے پر ڈالنے کے لئے جدوجہد کی اور اپنے آرٹیکلز، پبلک جلسوں اور میٹنگوں میں مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کے لئے جو تجویزیں دیں، آج انڈیا پاکستان اور دنیا کے اکثر سیاسی لوگ پارٹیاں اور بین الاقوامی فورم پر مختلف ایسو کریٹک سوچ رکھنے والے ادارے اب ان ہی تجویزوں کو دہرا رہے ہیں لیکن افسوس ہے کہ سردار قیوم خان نے راجیو گاندھی فاؤنڈیشن کے تحت غیر سرکاری وفد کے بیان پر مذمت کا بیان بھی دیا اور اسے ہندوستانی خفیہ ایجنسیوں کے ہاتھوں میں کھیلنے کے مترادف قرار دیا کہ "غزہ کے طرز پر خود مختاری کا مشورہ کشمیری شہداء کے خون کے ساتھ غداری ہے" جبکہ سردار قیوم خان ماضی میں راجہ رانجیل کے ساتھ اور جسیم سنگھ اور دوسرے دانشوروں کے ساتھ کشمیر کے اندر غیر جانبدار اتھارٹی کے ماتحت الیکشن کرانے

تک کے لئے بھی راضی ہوئے تھے اور خود پریس میں بھی اس کا اعلان کیا۔ اصل میں آجکل آزاد کشمیر میں الیکشن کی سیاست شروع ہو چکی ہے۔ اسی لئے آزاد کشمیر کے تمام لیڈران کرام الیکشن کے اس موسم میں اب سرینگر جموں اور یہاں تک کہ دہلی اور امرتسر کو بھی چند دنوں میں "آزاد" کرانے کے دعوے کر کے وہاں پاکستانی پرچم لہرانے کی زوردار تقریریں کریں گے اور کشمیری نوجوانوں کے خون پر سیاست کرنے کا کاروبار آئندہ چھ ماہ میں مزید زور شور سے جاری رہے گا اور بیرونی ممالک میں بھی جلسے اور جلوس نکال کر دعوتیں اڑائی جائیں گی کیونکہ آزاد کشمیر کے سیاست دانوں نے اپنے اقتدار کے لئے پچھلے پچاس سالوں سے مسئلہ کشمیر کے نعروں کی بنیاد پر ہی پورے آزاد کشمیر کے لوگوں کو یرغمال بنا کر ان کو بنیادی ضرورتوں سے محروم رکھا ہے۔ اس لئے میں "آزاد کشمیر" کی لیڈر شپ کو کوئی مشورہ دینے کے بجائے آزاد کشمیر کے نوجوانوں کو یہ پیغام دوں گا کہ "اب تک تو شاندار نعروں، وعدوں اور خوابوں کے بھروسے پر بیرونی ممالک میں مزدوری کر کے ان سیاسی لیڈروں کے یرغمال ہو گے؟ اور وادی کشمیر کی لیڈر شپ کو مشورہ دوں گا کہ اپنے ارد گرد نوجوانوں، بچوں، بوڑھوں اور ماں بہنوں کی گرتی ہوئی لاشوں اور اقتصادی طور پر تباہی کا اندازہ کر و اور کشمیریوں اور کشمیر کو "بندوق کے یرغمالی" ہونے سے آزاد کرانے کی جدوجہد کرو کیونکہ اب ان لاشوں کو گرانے میں سیکورٹی فورسز کے علاوہ ہم کشمیری بھی زور شور سے شامل ہو گئے ہیں۔ صرف 1995ء میں آپس میں مختلف گروپوں کے درمیان لڑائی میں 400 سے زیادہ نوجوان جو کسی کے بھائی، بیٹے اور کسی بچے کے باپ تھے، کسی عورت کا سہاگ تھے، مارے گئے ہیں۔ جہاں تک بیرونی ممالک میں رائے عامہ کو کشمیر کی آزادی کے لئے ہموار کرنے کا تعلق ہے تو یہ ایک حقیقت ہے کہ بیرونی ممالک میں رائے عامہ ہمارے حق میں نہیں بلکہ ٹورسٹوں کو قتل کرنے اور تن سے سر جدا کرنے، اغواء کرنے اور بے گناہوں کو بموں سے ہلاک کرنے کی وجہ سے اس تحریک کو مصر اور الجزائر کی طرح انتہاپسندی کی تحریک سمجھ رہے ہیں۔ البتہ جن اداروں اور یک نفری پارٹیوں نے لندن یا کسی اور جگہ جلوس نکالے یا ان پارلیمنٹ کے ممبران کو ساتھ لے کر چلنے کا شور مچا رہے ہیں، جن پارلیمنٹ کے ممبران کو انتخابی ووٹوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کا اثر رائے عامہ پر ایک فی صد بھی نہیں ہوا کیونکہ ویت نام کی جنگ کی طرح یہاں پر عوام کبھی بھی ہندوستان کے خلاف جلوس یا جلسے میں

شامل نہیں ہوئے۔ جس طرح امریکہ کے خلاف پورے یورپ اور امریکہ میں مظاہرے ہوتے تھے۔ البتہ پاکستانی یا آزاد کشمیر کے لوگوں میں سے پانچ فیصد لوگ ان مظاہروں اور جلسوں میں شریک ہوتے ہیں البتہ جنگ اخبار میں روزدہلی فتح ہونے کی خبریں شائع ہوتی ہیں جو اخبار کی بجائے آئی ایس آئی اور ان یک نفری پارٹیوں کا خبرنامہ زیادہ لگتا ہے۔ میرے پاس جنگ کے اسٹاف کے ایک دوسرے کو لکھے گئے خطوط موجود ہیں جن میں آزادی اظہار پر قدغن لگانے کے بارے میں حقائق موجود ہیں۔ یہاں پر یک نفری پارٹیاں تو باضابطہ تنخواہ پر کام کرتی ہیں یا پھر یہاں اپنی سیاسی اور اخباری زندگی کے خاطر وادی کے نوجوانوں کو مسلسل مرنے اور مارنے کا یرغمال بنایا ہوا ہے اور ہزاروں لوگ یہاں پر آزاد کشمیر اور پاکستان کے نوجوانوں کو "سیاسی پناہ" کے حوالے سے کشمیر کی جدوجہد کو استعمال میں لانے کا سبق دیتے ہیں اور جب انڈیا کے خلاف سیاسی پناہ لینے والی درخواستوں کو یہاں ٹھکرایا جانے لگا تو بے شمار لوگوں کو یہ موقف اختیار کر کے سیاسی پناہ کی درخواستیں دیں کہ "ہمیں آزاد کشمیر میں آئی ایس آئی والے اور آرمی زبردستی بھرتی کر کے ہندوستان کے خلاف کشمیر میں جنگ لڑنے کے لئے مجبور کر رہے ہیں" اور چند لوگ اس دھندے پر بھی کشمیر کے نام سے لگے ہوئے ہیں۔ چند دن پہلے جنگ لندن میں ایک کشمیری یعنی آزاد کشمیر کے رہنے والے محمود احمد کا برمنگھم سے خط شائع ہوا ہے لکھتے ہیں "برطانیہ جیسے ملک میں سرینگر سے ہجرت کرنے والے تنگی کے چند خاندان ہیں اور انہوں نے اپنے ہر گھر میں اپنی ایک تنظیم بنا رکھی ہے"

مقبوضہ کشمیر سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو چار عدد ہیومن رائٹس کونسلیں بنی ہوئی ہیں۔ چھ عدد خیراتی چیریٹی ٹرسٹ اور ایک درجن نیم سیاسی تنظیمیں ہیں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آخر انسانی حقوق پر ان لوگوں کو اختلاف کیوں ہے کہ ایک متحدہ تنظیم نہیں بنا سکتے۔ حقیقت میں ان کی ہر تنظیم کے صرف ایک دو ممبر اور دو عہدیدار اور باقی سب گول ہے مثال کے طور پر اخبار میں سب سے زیادہ پروجیکشن ڈاکٹر ایوب ٹھاکر کی تنظیم کو دی جاتی ہے (جنگ اخبار میں) لیکن ہم آج تک یہ نہیں جان سکے کہ ان کی جماعت میں کتنے لوگ ہیں اور وہ عام کشمیریوں کو رکن کیوں نہیں بناتے بلکہ ہمیں تو آج تک یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ ڈاکٹر ایوب ٹھاکر کے علاوہ بھی ان کی جماعت کا کوئی عہدیدار ہے یا نہیں اور اگر ہے تو ان کا ذکر اخبار میں

کیوں نہیں کبھی آیا؟ اسی طرح نذیر گیلانی آٹھ سال سے ایک تنظیم کا جنرل سیکریٹری چلے آرہے ہیں اگر وہ باقاعدہ تنظیم کا جنرل سیکریٹری ہے تو اس تنظیم کا کوئی صدر یا چیئرمین بھی ہو گا آخر اس کا ذکر کبھی کیوں نہیں آیا؟ آخر اس راز کی کیا وجہ ہے؟ آخر یک تحریری جماعتوں کو پاکستان کے اخبار کیوں اہمیت دیتے ہیں؟ یہ بھی الزام ہے کہ بعض ایجنسیاں برطانیہ میں دانشوروں اور قابل لوگوں کو خرید کر اپنے مقاصد کی تکمیل کرتی ہیں اور کشمیریوں میں نفاق اور انتشار کے بیج بو کر طعنہ دیا جاتا ہے کہ یہ لوگ متحد نہیں "محمود صاحب نے ایک طرف کی سچائی کا اعتراف کیا ہے جبکہ مقبوضہ کشمیر والوں کو تو یہ حق بھی ہے کہ اپنے مسائل اور حقوق کے لئے تنظیمیں بنائیں مگر آزاد کشمیر والے تو عرصہ پچاس سال سے پار والے کشمیریوں کے نام پر سیاسی طور پر اپنے آپ کو زندہ رکھے ہوئے ہیں اور کشمیریوں کے نام پر سردار قیوم خان اور دوسرے لیڈروں نے کروڑوں روپیہ جمع کر کے ڈکار بھی نہیں لی۔ حضور اس کا کیا علاج کریں کہ "آزاد کشمیر" کی غلامی کے بجائے آپ انڈین کشمیر کی غلامی گوارہ کرتے ہیں؟

پچھلے مہینے چند غیر ملکی مسلح آدمیوں نے بے سالہ ڈوڈا میں بے گناہ اور معصوم لوگوں کو اغوا کیا اور انتہائی بربریت کے ساتھ ان معصوم لوگوں کو جو ریاست کے ہی باشندے تھے اور جن باشندوں کی ہی "آزادی" اور "حقوق" دلانے کے لئے جنگ کرنے کے دعوے دار بہت ساری جماعتیں کشمیر میں ہیں۔ قتل کر دیا گیا اس وحشیانہ قتل عام کی نہ تو انسانیت اور نہ ہی کوئی مذہب اجازت دیتا ہے۔ اسلام کے دعوے دار اور اسلام نافذ کرنے کا شور مچانے والے یہ جدول لوگ یہ نہیں جانتے کہ اسلام میں کسی بے گناہ انسان کو قتل کرنا تمام انسانیت کے قتل کے برابر قرار دے دیا گیا ہے۔ اننت ناگ اور لال چوک میں بم جیسے دھماکوں میں معصوم انسانوں اور دہلی میں بازاروں میں بم دھماکوں میں معصوم لوگوں کو قتل کرنے اور بھوتہ آزاد کشمیر کی مسجد پر راکٹ برسا کر معصوم انسانوں کو قتل کرنے کی شدید مذمت کرنی چاہئے، اسی لئے مظلوم ہونے کے باوجود کشمیریوں کا موقف نہیں سنا جاتا ہے۔ ڈوڈا میں غیر ملکی ملیٹنوں کے ہاتھوں قتل عام نے پھر یہ بات ثابت کر دی کہ کشمیر کی موجودہ جنگ میں غیر ملکی ملیٹنوں کے ہاتھوں قتل عام دراصل کشمیر کو افغانستان کی طرح کھنڈرات میں تبدیل کرنے کا منصوبہ ہے اور جو پارٹی یا گروپ ان غیر ملکی مسلح افراد کو دعوت دیتے ہیں اور پناہ دیتے

ہیں اور ان پر فخر بھی کرتے ہیں کیا دراصل وہ لوگ اور پارٹیاں معصوم اور بے گناہ لوگوں کو قتل کرا کر ریاست میں لوگوں کو دہشت اور خوف میں مبتلا رکھ کر اپنی سوچ اور اپنی سیاسی پارٹیوں کے غلام بنانے کی ذہنیت تو نہیں رکھتے؟ ویسے بھی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو انتہا پسند مذہبی جماعتوں کو 70 سے زیادہ اسلامی ملکوں میں کبھی بھی عوام نے ووٹ کے ذریعے حکومت بنانے کے لئے منتخب نہیں کیا بلکہ پاکستان میں پچھلے الیکشن میں تمام مذہبی جماعتوں کو 2 فیصد! جی ہاں کل دو فیصد ووٹ ملے ہیں اسی لئے ان مذہبی جماعتوں نے پوری دنیا میں بموں اور بندوقوں کی دہشت کے ذریعے عوام کو یرغمال بنانے کی پالیسی اپنائی ہے اگر بدلے میں ہندو انتہا پسندوں نے اسی طرح انڈیا میں مسلمانوں کو قتل کرنا شروع کیا تو یہ عمل کہاں جا کے رکے گا؟ اسی ذہنیت کے شکار لوگوں نے پروفیسر عبدالغنی کے بھائی محمد سلطان بٹ کو قتل کر دیا الزام حزب المجاہدین پر لگایا گیا اور بدلے میں جماعت اسلامی کے سابقہ ممبر اسمبلی عبدالرزاق کو قتل کر دیا گیا اور اس کا الزام مسلح مجاہدین پر لگایا گیا اصل میں جو لیڈران کرام یا جو بھی افراد بندوق کی حمایت کریں گے اور بندوق کے یرغمال بنیں گے لازمی طور پر وہ اور ان سے وابستگان شریف اور بندوق کی مذمت کرنے والے بھی بندوق کے شکار ہوں گے اور یہ بات یہ سبق یاد رہے کہ بندوق سے نکلی ہوئی گولی اندھی ہوتی ہے۔ وہ بے گناہ اور گناہ گار میں تمیز نہیں کرتی۔ اس سلسلے میں بلال لودھی اور یعقوب وغیرہ کے تازہ بیانات قابل غور ہیں کہ "مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں دہلی کے ساتھ غیر مشروط بات چیت کی جائے"

"بلی تھیلی سے باہر آئی" کے مصداق الفاران کے اقدامات سے اپنے آپ کو دور رکھنے کے لئے کشمیر کے اندر اور باہر ان لوگوں نے بھی الفاران کے فارن سیاحوں کو اغوا کرنے اور ہر ایک کو بربریت سے قتل کرنے کے خلاف "مگرمچھ" کے آنسو بہائے جن لوگوں نے ماضی میں پروفیسر مشیر الحق، عبدالغنی اور کھیڑا کو بے دردی سے قتل کیا، جن کے ایک کارکن نے پستول کی مرمت کے بعد پستول کو آزمانے کے لئے پیشاب کرنے کے لئے بیٹھے ہوئے ایک عمر رسیدہ کشمیری پنڈت کو نشانہ بنایا تھا۔ الفاران کو ہندوستان کی خفیہ تنظیم کی تخلیق قرار دینے والوں کے بیانات کی تردید خود حرکت الانصار اور الفاران دونوں تنظیموں نے دو ہفتے پہلے کشمیر کے لوکل نیوز پیپروں کو پریس ریلیز بھیج کر کر دی، حرکت الانصار نے

پریس ریلیز میں کہا کہ "حمید ترک اور چار دیگر آدمی جو آرمی کے ساتھ لڑائی میں مارے گئے وہ حرکت الانصار کے آدمی تھے اور حمید کو تمام کشمیری جانتے ہیں کہ وہ حرکت الانصار سے تعلق رکھتا تھا" اس بیان کے ساتھ ہی الفاران نے پریس ریلیز ارسال کیا کہ "حمید ترک الفاران کا چیف کمانڈر تھا" اس طرح اب حرکت اور الفاران نے خود اقرار کیا کہ الفاران دراصل ہندوستان کے اندر حرکت الانصار کے چوٹی کے لیڈران کی رہائی کے لئے ہی قائم کیا گیا ہے۔ مجھے مظفر آباد سے ایک دوست کے ساتھ فون پر گفتگو ہوئی۔ میں نے چار ماہ پہلے کہا تھا کہ "اظہر مسعود افغانی اور ابو جندال آئی ایس آئی کے خاص ترین آدمی ہیں جنہوں نے افغانستان کی لڑائی کے بعد کشمیر کے اندر غیر ملکی ملیٹنٹوں کے پاس جانے میں آئی ایس آئی اور مذہبی جماعتوں کے منصوبہ کاروں کو اپنے منصوبوں میں کامیابی دلائی اور ان لوگوں کی رہائی کے لئے پاکستان میں موجود ان کے "ہمدرد اور وارث" آخری حد تک ان کو بچانے اور رہا کرانے کی کوشش کریں گے"

کشمیری لیڈرشپ خاص کر شبیر شاہ صاحب کے کندھوں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ کشمیریوں کی نسلوں کو بچانے کے لئے حقیقت اور سچائی کا راستہ اپنایا جائے۔ حالات کے یرغمال بن کر ہم نہ جانے کتنے سالوں تک مزید اپنی نسلوں کو قتل کرواتے رہیں گے؟ جبکہ سیکورٹی فورسز کے بعد اب کشمیری ہی ایک دوسرے کو قتل کر رہا ہے۔ قومی دولت یعنی جنگل تباہ کر رہا ہے۔ معاشرے میں روایت، بھروسہ، اعتماد قتل ہو رہا ہے اور ہم کب تک آپس کے قتل عام کو "ہندوستانی ایجنٹوں" پر ڈال کر شتر مرغ کی طرح آنکھیں بند کریں گے؟ اور بندوق کے "غلط استعمال" کا رونا روئیں گے۔ بندوق کا کوئی استعمال بھی صحیح نہیں ہوتا۔ بندوق گولی سمیت پوری کی پوری ہی غلط ہوتی ہے۔ اس لئے کشمیر کے عوام اور نئی لیڈرشپ کو تمام حالات کا جائزہ لے کر پوری قوم اور تحریک کو بندوق کے یرغمال سے آزاد کر کے تحریک کو اپنے ہاتھوں میں لے لیں کیونکہ موجودہ جدوجہد جو کشمیر کو نہ صرف دو ملکوں کی تقسیم در تقسیم کی طرف لے جا رہی ہے بلکہ ہمیں جگہ جگہ قبرستانوں، ماتمی گھروں اور بعد میں انتقام در انتقام کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا اور کشمیر کو ان حالات میں افغانستان کی طرح "آزادی" ملی بھی تو یہ "آزادی" بھیانک شکل کھنڈرات کی

صورت میں ہوگی۔

میرے ایک سابقہ آرٹیکل میں جو "کشمیری نوجوانوں کی لاشوں پر کاروبار کب تک؟" کے عنوان سے شائع ہوا تھا اس میں مسلم ایڈ کے بارے میں بھی تفصیل لکھی، جس پر جناب شبیر شاہ صاحب نے فون پر بات چیت کے دوران بعد تک یہ اطلاع پہنچائی کہ "مسلم ایڈ والے میرے ذریعے ہی کشمیر کے اندر لوگوں کی مدد کرتے ہیں" اس کے باوجود پھر بھی یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ چند سکے بھیج کر کشمیریوں کے نام پر کروڑوں روپیہ جمع کر کے ہضم کرنے کا جواز نہیں ہے۔

واپسی کی بات

چھ سالہ تعمیری رول ادا کرنے کے بعد میرے ساتھی، دوست اور پوری دنیا میں احباب اور وابستگان مجھے یہ مشورہ دے رہے ہیں کہ "اب وقت آگیا ہے کہ آپ عملی سیاست میں خود حصہ لیں اور اس لئے کشمیر واپس جائیں" میں بھی اب سوچ رہا ہوں کہ وقت آنے والا ہے یا آگیا ہے کہ مجھے اب اپنے مادرِ وطن میں 25-26 سالوں کے بعد جانا چاہئے۔ یہ 25 سال مجھ پر 25 صدیاں بن کر گزرے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے میں نے دس سال کا عرصہ پاکستان کی جیلوں میں گزارا ہے مگر بے وطنی میں آزادی کا ایک لمحہ بھی صدی کے برابر گزرا ہے۔ اس سلسلے میں میں نے اپنے قائد مقبول بٹ اور شبیر شاہ صاحب کے مشترکہ دوست اور وکیل رمیش پاٹھک کو بھی اپنے کیس کے کاغذات ارسال کئے ہیں کہ وہ قانونی طور پر میرے کیس کا جائزہ لیں کیونکہ ایک کیس میں اگر دنیا کے کسی ملک میں کسی آدمی کو سزا ہوئی ہو تو اس قانون اور کیس میں دوسری دفعہ سزا نہیں ہو سکتی مگر ہندوستان اور پاکستان میں کچھ بھی ممکن ہے۔ کیا پتہ ہاتھ باندھ کر پولیس مقابلہ ہی بنائیں یا گرفتاری کے بعد غائب ہی کر دیں۔ اس لئے تمام دوستوں، پارٹی اور قانونی مشیروں کے ساتھ صلاح مشورہ کے بعد ہی کوئی قدم اٹھاؤں گا مگر یہ طے ہے کہ میں یورپ سے تابوت میں لاش بن کر لے جانے کے بجائے خود اپنے قدموں سے اپنی مادر بھومی میں جانا چاہتا ہوں، ویسے بھی یورپ میں بے وطنی انگاروں سے بڑھ کر لگ رہی ہے کیونکہ اپنے عوام کے دکھ سکھ اور ان کے مسائل میں

شریک رہ کر اور ان کی عملی مدد کر کے ہی سیاست کو عبادت کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یورپ میں رہ کر بھی میں وطن اور ہم وطنوں کے مسائل سے غافل نہیں رہا۔ پہلے لبریشن فرنٹ کے ذریعے قوم کی تقدیر بدلنے کی جدوجہد کی اور جب لبریشن فرنٹ اپنے نظریات اور مقاصد سے ہٹ کر ایجنسیوں کی گود میں بیٹھی تو ڈیموکریٹک لبریشن پارٹی کے تحت سیاسی طور پر اور منوا Mnwa کے تحت لوگوں کی عملی مدد کرنے کی تین سال سے کوشش جاری ہے اور آخری سانس تک مذہب، فرقہ، ذات، پات، نسل اور رنگ میں تفریق کئے بغیر خدا کی مخلوق کی خدمت کرتا رہوں گا۔

آخری بات ہندوستان کے انصاف پسند عوام کے نام!

گاندھی جی نے "ہندوستان چھوڑو تحریک" اس لئے منسوخ کی تھی کیونکہ اس تحریک میں تشدد کا عنصر شامل ہو گیا تھا اور لوگوں نے عمارتیں جلانی شروع کی تھیں اور پولیس اور حکومتی فورسز پر حملے شروع کئے تھے جس کی وجہ سے برطانوی سامراج نے تشدد اور لوگوں کو قتل کر کے تحریک دبانے کی کوشش کی تھی اور گاندھی جی کو لوگوں کا مرنا منظور نہیں تھا اسی لئے ہندوستان چھوڑو تحریک اپنے انجام کی طرف کامیابی سے بڑھنے کے باوجود ختم کر دی تھی کیونکہ گاندھی جی انسانیت اور انسان کی زندگی کی قدر جانتے تھے مگر آج گاندھی جی کے وارث کہلانے والے حکمران اور گاندھی جی کے ہندوستان کی سلامتی کی قسم کھانے والی سیکورٹی فورسز وادی کشمیر کے "مسلح فسادات" کے بجائے معصوم اور بے گناہ لوگوں کو بھی تشدد کا نشانہ بنا رہی ہے اور لوگوں کو گرفتاری کے بعد غائب کر رہی ہے اور گرفتاری کے بعد قتل کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ظہیر الدین نے ایک کتاب لکھی ہے۔

"Did they Vanish in Thin Air?" ایک نوجوان بچے اور فرد کا غائب ہو جانا دنیا کا سب سے بڑا المیہ ہے کیونکہ ایسے لوگوں کے ماں باپ، بہن بھائی، بیوی اور بچوں کو یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیاروں کے ساتھ کیا ہوا۔ جنوبی امریکہ کے ملکوں چلی اور ارجنٹائن میں ملٹری خونی انقلاب کے بعد جو لوگ ملٹری جنتا نے غائب کئے تھے، آج بھی ان کے لئے وہاں تحریک چل رہی ہے تاکہ ذمہ دار افراد کو سزا ملے۔ اسی طرح یو۔این۔

ہو اور ہیومن رائٹس تنظیموں نے غائب کرنے کو یعنی گرفتاری کے بعد غائب کرنے کو انسانیت کا سب سے بڑا جرم قرار دیا ہے کیونکہ مرنے والے پر صبر تو کیا جا سکتا ہے مگر غائب ہونے والوں کے خاندان والے ساری عمر بے چین اور تلاش کرنے کے عذاب ناک درد سے ہر وقت گزرتے رہتے ہیں۔ ظہیر الدین نے 70 آدمیوں کے نام، ایڈریس گرفتاری کے واقعات، خاندان کی طرف سے تلاش کرنے کے اقدامات کی تفصیل، ہائی کورٹ کی رٹ پٹیشنوں کی تفصیل وغیرہ سب دی ہے، ان غائب ہونے والوں میں پالمر کا سولہ سالہ وحید احمد آہنگر اور سوپور سے جاوید احمد ڈار 8 سالہ بچہ بھی ہے۔ 8 سالہ بچہ جس نے سیکورٹی فورسز کی گاڑی پر پتھر پھینکا تھا، وہ بھی غائب ہے۔ کشمیر کے اندر غائب کرنے اور گرفتاری کے بعد مارنے کی پالیسی جو بھی اپنائے ہوئے ہیں وہ کبھی بھی اور کسی بھی صورت میں ہندوستان کے وفادار نہیں ہیں۔ ایسے اقدامات سے گاندھی جی کے رہنما فلسفہ اور ہندوستان کی جمہوری روایت کا پوری دنیا میں جنازہ نکالا جاتا ہے۔ یہ ہندوستان کو بین الاقوامی طور پر بدنام کرنے اور کشمیریوں کے اندر مزید نفرت بڑھانے کی ہندوستان دشمن پالیسیاں ہیں اس لئے میری ہندوستان کے حکمرانوں اور اقتدار کے سرچشموں سے پرزور اور درد بھری اپیل ہے کہ کتاب کے مندرجات اور غائب ہونے والوں کی تفصیل کو یکسر رد کرنے کے بجائے ایسے واقعات کی عدالتی تحقیقات کر کے انسانیت کے خلاف جرم کرنے والوں کو بدترین سزا دے کر انصاف کریں، وہ انصاف جو غائب ہونے والوں اور حراست میں قتل ہونے والوں کے ورثا اور خاندان کو نظر بھی آئے اور غائب ہونے والوں کے بارے میں تفصیل بھی ورثا کو ملے، تبھی جا کر خاندان والوں کے زخموں پر مرہم کا احساس ہو گا کیونکہ یہ خود ہندوستان کے لوگوں، گاندھی جی کے اصولوں اور سب سے بڑی بات اپنے عوام کو انصاف مہیا کرنے کی جیت ہو گی، تاریخ سے یہ سبق بھی لے لو کہ "جس ملک کے عوام کو انصاف میسر ہوتا ہے وہی ملک اور قومیں نہ صرف زندہ رہتی ہیں بلکہ ترقی کی منازل طے کرتی ہیں۔ مظلوم عوام کو انصاف مہیا کرنا ویسے بھی انسانیت کی معراج ہے اور مسئلہ کشمیر سیاسی سے زیادہ ویسے بھی انسانی المیہ کا مسئلہ ہے۔ کشمیری خاندان 48 سالوں سے اپنے پیاروں سے تقسیم کی وجہ سے جدا ہیں، لوگوں کو اپنے وطن میں اور وطن سے باہر مہاجرین بنایا گیا ہے۔ جائیدادیں تباہ کی گئیں اور کشمیری نوجوان روز موت کا شکار ہو رہے ہیں۔ نوجوان جیلوں میں پڑے ہیں،

کشمیری پنڈت اور مسلمان گھروں سے بے گھر ہو گئے ہیں۔ قبرستانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جارہی ہیں۔ انتقام اور بدلے کی بھاؤنا روز بروز بڑھ رہی ہے۔ اس لئے سیاست دانو! حکمرانو اقتدار کے سرچشمو! مسئلہ کشمیر کو انسانی المیہ اور درد کا مسئلہ جان کر ہی انسانوں کو راحت پہنچاؤ اور سیاست کو گاندھی جی کی طرح عبادت کا درجہ دو!

(15/مارچ 1996ء)

☆☆☆☆

باب نمبر 13

پاکستانی حکمرانوں کی کشمیر پالیسی

کشمیر قوم اور خاص طور پر وادی کے حصے کے لوگ بڑے ہی جذباتی واقع ہوئے ہیں۔ محبت اور عقیدت کا جواز ہو یا نہ ہو لیکن جب محبت اور عقیدت کرنے پر آئیں تو راتوں رات مشہور کریں گے کہ چنار کے پتوں پر "شیر کشمیر زندہ باد" لکھا ہوا تھا اور نفرت کرنے پر آئیں گے تو مثال مشہور ہے کہ ایک صاف شفاف سفید داڑھی والے بزرگ ایک دوکان کے سامنے سے گذر رہے تھے کہ دوکان پر بیٹھے ہوئے ایک آدمی نے دوکاندار سے بڑی محبت اور عقیدت سے کہا "خدا نظر بد سے بچائیں، دیکھو اس بزرگ مولوی کے چہرے سے کیسا نور ٹپکتا ہے۔ اللہ نے اس پر رحمت کی بارش کی ہے" دوکاندار فوری بولا "یہ مولوی نہیں بلکہ نیک انسان پادری ہے" تو یہی آدمی فوراً کہنے لگا "تبھی تو اس پر لعنت برس رہی ہے میں بھی سوچوں کہ اس قدر منحوس چہرہ کیوں ہے" یعنی ہمارے مزاج کے مطابق ہی مثالیں بن گئی ہیں۔ اگر بلاوجہ محبت کرنے پر آئیں گے تو زمین آسمان کے قلابے ملائیں گے اور نفرت کرنے پر اتریں گے تو کوئی بھی حد نہیں رہنے دیں گے اور اس مزاج کی وجہ یہ ہے کہ خطہ کشمیر اور خطہ کشمیر کے لوگ چار صدیوں سے غلامی کی بدترین زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ غلامی کے خلاف اور ظلم کے خلاف جب بھی اس قوم نے نفرت کا اظہار کر کے جدوجہد کی تو وہ جذبات اور اندھی عقیدت کی بنیاد پر کی نہ کہ مکمل منصوبہ بندی اور اپنی قوت اور اپنے وسائل کے بل بوتے پر۔ البتہ جب بھی اس قوم نے شہاب الدین میری اور زین العابدین جیسی بلند پایہ قیادت کے سائے میں جدوجہد کی تو کشمیر اور کشمیریوں کو عزت و آبرو، ترقی ملی مگر عموماً کشمیری قوم جذباتی پن اور افراتفری کا شکار رہی۔ تبھی تو یہ صدیوں کی غلامی کا سفر ابھی تک

جاری ہے اور اس بیسویں صدی میں بھی جب کہ ایک دو سال کا بچہ بھی پہلا سوال کوئی بات ماننے سے پہلے کیوں اور کیسے کرتا ہے۔ کشمیری قوم مختلف ایجنسیوں، مختلف بناوٹی لیڈروں اور چند سیاسی بازی گروں اور مفادات کے سوداگروں کے جال میں پھنس کر معصوم نوجوانوں کو سڑکوں، بیابانوں، پہاڑوں اور جنگلوں میں مروا گئی اور جن قوتوں نے یہ جدوجہد شروع کی یا کروائی ان لوگوں سے کشمیری قوم نے کیوں اور کیسے کا سوال نہیں کیا۔ جو لوگ اور نام نہاد لیڈر اس وقت ایجنسیوں کے کہنے پر کشمیری قوم سے کہتے رہے کہ "پاکستان نے چند دھماکے کرنے کو کہا ہے اور دھماکوں کے فوراً بعد پاکستان کی فوج آجائے گی اور کشمیر کو فتح کرے گی جس طرح ہندوستان نے 1971ء میں بنگلہ دیش میں کیا" مگر اس وقت بھی لوگوں نے یہ نہیں پوچھا کہ موجودہ صورت حال میں، بین الاقوامی سیاسی پس منظر میں ہندوستان اور پاکستان کے درمیان طاقت کے توازن کو مد نظر رکھ کر کیا ایسا ممکن ہے؟ بس کشمیری بیچارہ قربانی کا بکرا بنا ہوا اور بکرا بنے رہ کر قربان ہو تا جارہا ہے اور کوٹ داروں کے ہاتھوں جو کوٹ در مختلف روپ دھار کر قوم کے سامنے آرہے ہیں، ذبح ہونے کے لئے اپنی نسلوں کو پیش کر رہے ہیں اور اگر اب بھی کشمیری قوم تاریخ کا ادراک نہیں کرے گی، دنیا کے سیاسی اور تجارتی مفادات کے پس منظر میں اپنے جغرافیہ کا فیصلہ نہیں کرے گی اور وادی سے باہر پوری دنیا کی جدید کمپیوٹر ائزڈ کے ساتھ نہیں چلے گی اور جھوٹے قسم کے بنائے ہوئے مذہب کے نام پر، توہمات کو چھوڑ کر کھلے ین اور جیو اور جینے دو کی بنیاد پر عزت نفس، ترقی اور آئندہ نسلوں کے تحفظ کے لئے موجودہ حالات کے مطابق اپنے آپ کو تیار نہیں کرے گی تو اس قوم کے نصیب میں بربادی، غربت اور تسلسل کے ساتھ دوسروں سے استحصال کروانا ہی لکھا رہے گا۔ کشمیری قوم کے ساتھ اسلام کے نام پر، مذہب کے نام پر، مسلمان ہونے کے نام پر جو استحصال پاکستان کے حکمرانوں اور اداروں نے کیا اس کا تجزیہ حقائق اور تاریخ کے آئینے میں کرتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہندوستان کے حکمرانوں نے کچھ نہیں کیا یا ہندوستان کے اداروں نے کچھ نہیں کیا" نہیں ایسا نہیں ہے۔ ہندوستان کے حکمران اور مختلف سیاسی لیڈران کرام آج سر عام اور ڈنکے کی چوٹ پر کہہ رہے ہیں کہ ہندوستان کے حکمرانوں اور اداروں نے ہم کشمیریوں کے اعتبار، اعتماد اور بھروسے کا قتل بار بار کیا ہے۔ کشمیریوں پر جس کو چاہا یعنی جو بھی دہلی کا جی حضوری ہوا اس کو ہم پر لاد دیا۔ دو دو تین اسمبلی کے ممبروں کی بنیاد پر گل شاہ کو وزیر اعلیٰ بنا کر

جمہوریت کے نام پر جمہوریت کے چہرے پر طمانچے مارے۔ اقتصادی طور پر ایسے پیچھے رکھا کہ کشمیر کے یہ اپنے بڑے دریا جو ہندوستان اور پاکستان دونوں ملکوں کو روٹی اور سانس لینے کا جواز بخشے ہوئے ہیں، کے ہوتے ہوئے ہمارے ہاں بجلی نہیں ہے بجلی سے چلنے والے کارخانے نہیں ہیں۔ فروٹ اور پھولوں کی وادیوں کے باوجود فروٹ اور پھول نہیں ہیں۔ جموں اور سرینگر کے درمیان تین گھنٹوں کا راستہ ہونے کے باوجود آج بھی 12 اور 20 گھنٹوں میں یہ راستہ طے ہو رہا ہے۔ ریل چلنے چلانے کے اعلانات سن کر ایک نسل تو قبروں میں بھی چلی گئی اور پھر موجودہ چھ سالوں میں ہندوستان کی سیکورٹی فورسز نے جو ظلم بے گناہ اور معصوم لوگوں، بچوں، عورتوں اور معصوم نوجوانوں پر کئے وہ تو نسلوں تک کو نہیں بھولیں گے۔ لیکن پھر بھی ہاں پھر بھی ہندوستان کو ایک کریڈٹ دینا ہوگا کہ کشمیر کے سلسلے میں ایک پالیسی ہماری کہ "کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے" اور اسی پالیسی پر محبت سے نہیں، اقتصادی ترقی کی بنیاد پر نہیں، سماجی انصاف کی بنیاد پر نہیں، دلوں کو جیت کر تسخیر کرنے کی بنیاد پر نہیں بلکہ پچاس سالوں سے جبر کی بنیاد پر ہندوستان کا یہ حکمران طبقہ آج تک عمل پیرا ہے۔ کھربوں روپے کشمیر کو ہندوستان کے ساتھ رکھنے پر خرچ ہو رہے ہیں۔ لوگ مارے جارہے ہیں۔ دنیا کے کسی دباؤ میں نہیں آرہے ہیں۔ اسی سخت گیر اور اٹوٹ موقف کی بنیاد پر بین الاقوامی سطح پر بھی مسئلہ کشمیر کے سلسلے میں جارحیت کی پالیسی اپنائی ہوئی ہے۔ مگر اس کے بدلے میں پاکستان کے حکمرانوں، اداروں اور سیاست دانوں نے الحاق کے نام پر، شہ رگ کے نام پر، مسلمان ہونے کے نام پر جو کشمیر پالیسی اپنائی اس کا تجزیہ کشمیری قوم کو نہ صرف روشنی مہیا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس تجزیے کے بعد کشمیری قوم اپنی جدوجہد اور اپنے لیڈروں کا محاسبہ کر سکے۔ کیونکہ کشمیر کے اندر ہندوستان نے جو جبر کی پالیسی اپنائی ہوئی ہے۔ اس سے کشمیری قوم کو نہیں بلکہ ہندوستان، ہندوستان کی جمہوریت اور سیکولرازم اور بھروسے اور اعتبار کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ مگر پاکستان کی کشمیر پالیسی سے ہم کشمیریوں کو آدھی صدی سے نقصان پہنچ رہا ہے کیونکہ ہم وادی والوں نے اندھی عقیدت کے تحت پاکستان کی کشمیر پالیسی پر ہمیشہ عمل کیا اس لئے اس پالیسی کے چہرے سے نقاب اتارنے کی ضرورت ہے۔ اس سے پاکستان کے حقیقی ہمدردوں کی آنکھیں بھی کھل جائیں گی۔

پہلے کی طرح اسلام آباد پر برسر اقتدار لوگ نام نہاد آزاد کشمیر میں اپنے منظور نظر لوگوں کو اقتدار دلانے کے لئے 30 جون کو الیکشن کرا رہے ہیں مگر چھ ماہ سے صدارت کے انتخابات پر آزاد کشمیر کے حکمرانوں اور اسلام آباد کے حکمرانوں کے درمیان بڑی زور آزمائی چلتی رہی کیونکہ سابقہ اسمبلی میں سردار قیوم کی مسلم کانفرنس کی اکثریت تھی۔ اس اکثریت کی بنیاد پر سردار قیوم، صدارت کے امیدوار دوبارہ سردار سکندر حیات کو بنا کر اسمبلی کے ختم ہونے سے پہلے ہی صدر کا انتخاب کرا کے مسلم کانفرنس کے امیدوار سردار سکندر حیات کو دوبارہ صدر بنا گئے۔ کیونکہ 30 جون کے الیکشن کے لئے آزاد کشمیر میں قوم پرست جماعتوں، نیشنل لبریشن فرنٹ، این۔ ایس۔ ایف، نیشنل پارٹی، نیشنل عوامی پارٹی اور لبریشن فرنٹ بھی کاغذات نامزدگی داخل لئے جو سب کے سب مسترد کر دیے گئے کیونکہ قوم پرست جماعتوں کے امیدواروں نے کاغذات نامزدگی بھرتے وقت "الحاق پاکستان" کے حلف نامے کو بھرنے سے انکار کیا کیونکہ آزاد کشمیر کے آئین میں (یاد رہے یہ آئین آزاد کشمیر اسمبلی نے نہیں بلکہ پاکستان کی وزارت قانون نے بنایا ہے) سیکشن 7 دفعہ 2 کے تحت لکھا ہوا ہے۔

"No person or political party in AZAD KASHMIR shall be permitted to propagate aqainst to take part in activities prejudical or determantal the ideology of the STATE'S ACCESSION TO PAKISTAN."

اور سیکشن 6 اور دفعہ 5 کے تحت آزاد کشمیر کا صدر، وزیر اعظم، منسٹر وغیرہ الحاق پاکستان کے حلف لئے بغیر ان عہدوں پر فائز نہیں ہو سکتے۔ الحاق پاکستان پاکستانی حکمرانوں، اداروں کے نزدیک ہی کشمیر کی آزادی ہے، یہاں کی لغت اور ڈکشنری ہے۔ مگر کیا وادی کشمیر کے سیاسی لیڈران، کرام سیاسی کارکن آزاد کشمیر کے قوم پرستوں کو الیکشن سے روکنے پر پاکستان کے حکمرانوں اور پاکستان کے ٹھونسے ہوئے آئین کے خلاف احتجاج کر کے کشمیر کے جغرافیہ کو ناقابل تقسیم وحدت ہونے کا ثبوت دے کر آزاد کشمیر کے ان مخلص عوام کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کریں گے۔ جن لوگوں نے ہندوستان کے ظلم کے خلاف احتجاج کیا اور آنسو بہائے یا پھر وادی کشمیر کے لوگوں کے سامنے ظلم اور جبر صرف وہی کہلاتا ہے جو ان پر کیا جائے؟ اس قسم کی کشمیر پالیسی پاکستان کے اداروں نے 1947 سے اپنے عوام اور کشمیری عوام کو دھوکہ

دینے کے لئے اپنائی تاکہ سول اور ملٹری بیوروکریسی اور جنرل اور جاگیردار مسئلہ کشمیر پیدا کر کے اپنے عوام کا استحصال کر سکیں۔ مثلاً 1947ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے پاکستان کے حکمرانوں کے ساتھ STILL& STAND یعنی "جوں کی توں پوزیشن" برقرار رکھنے کا معاہدہ کیا اور اس معاہدے کے تحت ڈاک اور تار کا نظام پاکستان کے حوالے تھا۔ مگر پاکستان کے حکمرانوں نے اس معاہدے کی کھلم کھلا خلاف ورزی کر کے قبائلی لشکروں اور جنرل اکبر خان اور میجر خورشید کی قیادت میں پاکستانی فوج سے کشمیر پر حملہ کرا دیا۔ (اس سلسلے میں جنرل اکبر کی کتاب "کشمیر پر حملہ اور پنڈی سازش کیس" میں تمام واقعات درج ہیں) قبائلی حملہ سے گھبرا کر مہاراجہ ہری سنگھ جموں چلے گئے اور ہندوستان سے فوجی امداد کی اپیل کی تو ہندوستانی حکمرانوں نے فوجیں اتارنے سے پہلے الحاق دستاویز پر دستخط کرنے کے لئے کہا مہاراجہ نے ہندوستان کے ساتھ الحاق کر لیا۔ اگر پاکستان کے حکمران ذرا صبر کرتے اور مہاراجہ ہری سنگھ کے ساتھ کئے گئے معاہدے پر قائم رہتے تو کشمیر کی تاریخ آج یہ نہ ہوتی جو ہے اور قبائلی لشکر کے حملہ کا نتیجہ سیز فائر کی صورت میں نکلا لیکن سیز فائر کے بعد بھی پاکستان کی کشمیر پالیسی کے ذریعے اس طوائف کی طرح رہی جو مختلف ٹھکانوں پر مختلف ہاتھوں اور اشاروں پر ناچتی رہتی ہیں اور اسلام آباد میں وزارت امور کشمیر تشکیل دے کر وہاں پر ایک انڈر سیکریٹری کو مسلط کر دیا گیا جس نے 24 سال تک کشمیر پالیسی۔ آزاد کشمیر کے اکثر سیاست دانوں کو تگنی کا ناچ نچایا اور کروڑوں اربوں روپیہ خرچ کرنے کا اختیار اس وزارت امور کشمیر کے انڈر سیکریٹری کو دے دیا گیا۔ ان دنوں جب انڈر سیکریٹری مظفر آباد کے دورے پر جاتا تھا تو استقبال کے لئے صدر آزاد کشمیر لائن میں کھڑے ہوتے تھے کروڑوں کے فنڈز اس دور میں مسلم کانفرنس کے ورکروں اور لیڈروں میں تقسیم ہوتے تھے اور بڑے بڑے لیڈروں کو وظیفہ کی شکل میں تنخواہ ملتی تھی اور وزارت امور کشمیر وادی کشمیر کے اندر الحاق پاکستان پر مبنی پوسٹرز، پمفلٹ وغیرہ پہنچانے کے لئے لاکھوں روپیہ کا خرچ پاکستانی قوم پر ڈالتی رہی۔ میر مقبول شاہ گیلانی مرحوم خود بتاتے تھے کہ جو پمفلٹ کا بنڈل راولپنڈی میں ہزار روپیہ کی لاگت سے تیار ہوتا تھا وہی پمفلٹ سرینگر تک ایک بنڈل کی صورت میں لاکھوں تک پہنچ جاتا تھا اور سرینگر میں کسی سیاسی لیڈر خاص طور پر پولیٹیکل کانفرنس کے محی الدین اور دوسرے لوگوں کو جو "الحاق پاکستان" کا نعرہ لگاتے تھے ان تک

ایک لاکھ کی رقم جو پہنچائی جاتی تھی اس کی رسید وزارت امور کشمیر میں 10 لاکھ کی بن جاتی تھی اور یوں وزارت امور کشمیر نے آزاد کشمیر کے سیاست دانوں میں اکثریت کو "کرپٹ" کر کے ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف لڑایا البتہ کے۔ایچ۔خورشید کی صدارت کے دور میں وزارت امور کشمیر کا رول کچھ کم ہوا اور ایوب خان کے زمانے میں مسلم کانفرنس کے سیاست دانوں اور ورکروں کی تنخواہیں بند کر دی گئی اور ان کو یکمشت مختلف لائسنس دے گئے جو انہوں نے راولپنڈی اور لاہور کے بازاروں میں فروخت کیے مگر تنخواہ اور لائسنس کے بعد بھی مسلم کانفرنس کے ممبروں اور خاص خاص لوگوں کو ٹھیکیداری سے نوازا گیا اور آج تک مسلم کانفرنس کی نسلیں اسی الحاق پاکستان کے نام پر پاکستان کے جذباتی عوام کا استحصال کیے جا رہے ہیں اور کھائے جا رہے ہیں لیکن وادی سے آئے ہوئے بڑے سے بڑے آدمی کا جو حشر ہوا اس کا حال پیر مقبول گیلانی مرحوم سنایا کرتے تھے۔یاد رہے یہ پیر مقبول گیلانی صاحب شیخ محمد عبداللہ کے خلاف مہم کیس میں بھی ایک ملزم کے طور پر نامزد تھے اور خانیار کی گدی اور جاگیر چھوڑ کر آئے تھے اور ان کے مرنے کے بعد ان کی اہلیہ جس کو ہم سب احترام سے "ماں" کہتے تھے، آخری وقت میں ان کو پونچھ ہاؤس راولپنڈی سے وزارت امور کے اہلکاروں نے سامان سمیت کشمیر روڈ پر پھینک دیا تھا۔یہ تماشہ بہت سارے لوگوں نے میرے سمیت خود دیکھا۔بہر حال اس دوران آزاد کشمیر اور کشمیر کے معاملات وزارت امور کشمیر کے ساتھ ساتھ F.I.U یعنی فیلڈ انٹیلی جنس یونٹ کے ہاتھ میں بھی زیادہ تر رہے اور جو بھی ظلم کے خلاف آواز اٹھاتا تھا اس کو F.I.U والے پکڑ کر بے انتہا تشدد کا نشانہ بنا کر "ہندوستانی ایجنٹ" ہونے کا لیبل لگاتے تھے۔اس سلسلے میں کشمیر کے بارڈر کے دونوں طرف کشمیری بے انتہا ظلم کا شکار ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔ایوب خان نے "کشمیر پالیسی" کے تحت ایک مہم جوئی "1965ء میں کی یعنی کشمیر کی لیڈر شپ اور لوگوں کو بتائے بغیر "کمانڈو" وادی کشمیر میں داخل کیے اور جب بے شمار کمانڈوز کو پکڑ پکڑ کر آل انڈیا ریڈیو پر ان کا عہدہ، ان کا پیغام نشر کرایا گیا تو کشمیریوں کو اس کھیل کا پتہ چلا اور پھر ہندوستان نے لاہور اور سیالکوٹ کے بارڈروں پر حملہ کر دیا اور جب جنگ بند ہو کر تاشقند معاہدہ ہوا تو وزارت امور کشمیر نے یہ مشہور کر دیا کہ "وادی کشمیر کے لوگوں نے کمانڈوز کو پکڑوا کر غداری کی اس لیے ہم ناکام ہوئے" یہ کشمیر پالیسی کا ایک اور رخ تھا اس سلسلے میں اس وقت

کے کمانڈر انچیف جنرل موسیٰ خان اور چیف ایئر مارشل اصغر خان کی کتابوں میں 1965ء کی جنگ اور کمانڈو ایکشن پر پوری تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ 1965ء کے بعد بھٹو صاحب کا انقلاب آیا اور بھٹو صاحب 90 ہزار قیدی چھڑانے کے لیے شملہ میں اندرا گاندھی سے ملے اور شملہ معاہدہ وجود میں آیا۔جس کی ایک شق میں صاف لکھا گیا کہ

"In JAMMU KASHMIR the line of control resulting from the ceasefire of Dec 17-1971 shall be respected by both side without prejudice to the recognised portion of either side, neither side shall seek to alter it unilaterally. irrespection of mutual differences and legal interpretations. Both sides further undertake to refrain from the threat of the use of force in violation of this line".

اس شق کے ہوتے ہوئے خفیہ معاہدے کی ضرورت تو نہیں تھی البتہ بھٹو صاحب کے ساتھ وفد میں شامل لوگوں نے یہ بات بتادی کہ شملہ میں کشمیر کی سیز فائر لائن کو کنٹرول لائن کا نام عارضی دے کر اصل میں بعد میں انٹرنیشنل بارڈر بنایا جانا مقصود تھا۔اسی لیے دونوں طرف کے کمانڈر ان چیفوں نے میٹنگیں کر کے کشمیر کے بارڈروں کے نقشے نئے سرے سے تشکیل دیے اور بارڈر پر بہت سی جگہوں پر ردوبدل بھی کر لیا گیا اور پھر ایک دوسری شق بھی قابل توجہ ہے!

"Both India and Pakistan have agreed that the issue shall not be brought at any international forum without consent of the both countries."

اور یہ شملہ معاہدہ پاکستان کی پارلیمنٹ نے اتفاق رائے سے منظور کیا۔ان دونوں شقوں کی پاکستان نے پوری پوری پابندی کی یعنی کشمیر میں اس قدر خون بہانے کا باعث بننے کے باوجود کنٹرول لائن پاکستانی فوجوں نے پار نہیں کی اور نہ ہی پاکستان کسی بھی انٹرنیشنل فورم میں قانونی طور پر مسئلہ کشمیر زیر بحث لایا یعنی سلامتی کونسل یا اقوام متحدہ میں پاکستان نے اسی شملہ معاہدہ کی وجہ سے کوئی قرارداد پیش نہیں کی۔اگر لبنان پر اسرائیلی حملہ کے خلاف پوری

جنرل کونسل اور سلامتی کونسل کا اجلاس بلایا جا سکتا ہے تو کیا پاکستان کے حکمران چھ سالوں میں باضابطہ طور پر مسئلہ کشمیر کو زیر بحث نہیں لا سکتے؟ مگر ایسا شملہ معاہدے کی وجہ سے نہیں کر سکتے اسی لئے اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل نے بار بار کہا کہ "جب تک دونوں ملک یہ مسئلہ ہمارے پاس نہیں لائیں گے ہم اس مسئلے پر بحث نہیں کر سکتے" اسی لئے پاکستان نے امداد کے خوبصورت الفاظ تراش لئے ہیں۔ دنیا کا بیوقوف ترین انسان بھی جانتا ہے کہ وہ کشمیر ہندوستان سے انسانی حقوق کے شور، اخلاقی مدد اور سیاسی مدد کے نعروں سے نہیں لے سکتا اور نہ ہی چند بندوقوں کے خوف سے کشمیر پاکستان کے حوالے کیا جا سکتا ہے لیکن ہم جذباتی کشمیریوں کو قانونی اور بین الاقوامی معاہدوں اور بدلتے ہوئے حالات سے کیا غرض؟ ہم تو اندھی عقیدت میں اور چند سیاسی بازی گروں کی مستقل روزی کے لئے آنکھیں بند کر کے ریت میں منہ ڈال دیتے ہیں۔

شملہ معاہدے کے بعد بھٹو صاحب نے بہت کوشش کی کہ آزاد کشمیر کو پاکستان کا صوبہ بنایا جائے مگر اس وقت ہم قوم پرستوں نے اس کوشش کو ناکام بنایا البتہ بھٹو صاحب 1974ء کا Interem Constitution بنا گئے اور جموں و کشمیر کونسل بنا کر پاکستان کے وزیراعظم کو اس کا چیئرمین قرار دیا اور پیپلز پارٹی کے منشور میں آزاد کشمیر کو صوبہ بنانے کا اظہار کیا اور گلگت بلتستان میں بھی ایسی قانونی اصلاحات کیں جس سے یہ علاقہ مستقبل میں پاکستان کا صوبہ بنایا جائے اور پیپلز پارٹی کو آزاد کشمیر میں بھی قائم کر لیا۔ بھٹو صاحب کے وفد میں جانے والے ایک معتبر شخص نے یہ بات کی کہ "بھٹو صاحب نے اندرا گاندھی کو یہ یقین دلایا کہ موجودہ سیز فائر لائن ہی انٹرنیشنل بارڈر قرار دیا جائے گا البتہ آپ اس وقت 90 ہزار قیدی چھوڑ کر میری پوزیشن مضبوط کریں" مگر 90 ہزار قیدی چھڑانے کے بعد بھٹو صاحب نے عوام کو اپنے سے الگ کر کے آرمی کو مضبوط کیا اور آرمی کے جنرلوں نے ہی ان کی گردن میں پھندا ڈالا اس دوران بھٹو صاحب نے ایک اور روایت کو فروغ دیا بلکہ ابتدا کی کہ فوج کی انٹیلی جنس برانچ آئی ایس آئی اور سروسز انٹیلی جنس کو پاکستان کی سیاست میں زیادہ بااختیار بنایا اور اپنے سیاسی مخالفوں کو کچلنے کے لئے آئی ایس آئی کو استعمال کیا اور یوں بھٹو صاحب کی گردن میں فوجیوں نے پھانسی کا پھندا ڈال کر پاکستان کی باگ ڈور خود اپنے ہاتھوں

میں لے لی اور آئی ایس آئی کو مزید مضبوط کیا اس دوران افغانستان میں پاکستانی فوجیوں کی خوش قسمتی سے روس کی فوجیں داخل ہوئیں تو C.I.A نے پاکستان کو بیس بنانے کا فیصلہ کیا اور یوں C.I.A کی باگ ڈور امریکی C.I.A کے ہاتھوں میں آئی اور C.I.A نے I.S.I کو خوب مضبوط کیا اور روس کے خلاف افغانستان کی تمام مذہبی جماعتوں کو I.S.I کے ذریعے ہی ٹریننگ اور اسلحہ دیا گیا۔ اس کی تفصیل I.S.I کے بریگیڈیئر نے جو افغانستان کے امور کا انچارج تھا۔ Bear Trap نامی کتاب میں لکھی ہے۔ I.S.I پاکستان کے اندر حکومت کے اندر ایک مضبوط حکومت ہی نہیں بلکہ "بادشاہ گر" کے طور ابھر کر سامنے آئی اور 1984ء میں فوجی جنرلوں نے کشمیر میں مہم جوئی کا فیصلہ کیا اور Operation Topa کے نام سے ایک پلان بنایا گیا اور اس دفعہ 1985ء کے کمانڈو آپریشن اور افغانستان میں جاری روس کے خلاف افغانوں کی مزاحمتی تحریک سے فائدہ اٹھانے کا تجربہ بھی اس پلان میں شامل کیا گیا یعنی "کشمیر سے نوجوانوں کو بھرتی کیا جائے ان کو ٹریننگ دی جائے اور اسلحہ دے کر واپس کشمیر بھیج دیا جائے اور وہاں یکدم اس قدر شورش پیدا کی جائے کہ پاکستان کی فوجیں کشمیر میں داخل ہوں تو مغربی بلاک اور امریکہ افغانستان کی وجہ سے خاموش رہے اور اس طرح ہم کشمیر حاصل کر لیں گے یا کشمیر کا وادی والا حصہ ہندوستان سے چھین لیں گے۔"

کیونکہ انڈیا کو روسی بلاک کا حامی گردانا جاتا تھا لیکن یہاں پر I.S.I نے ایک بڑی غلطی کی کہ ان کی نظر مجھ پر پڑی میں اس وقت پاکستان آزاد کشمیر میں لبریشن فرنٹ کی تنظیم کا چیئرمین تھا۔ میرے ساتھ تین ماہ تک 1984ء اور 1985ء میں بات چیت ہوتی رہی۔ میرے ساتھ وفد میں اس وقت زبیر الحق انصاری سیکریٹری جنرل، مرحوم رشید حسرت چیف آرگنائزر اور ڈاکٹر فاروق حیدر خزانچی بھی تھے مگر میں نے انکار کیا کہ "میں ایسے کسی کھیل میں شامل نہیں ہو سکتا جس کا انجام کشمیر اور کشمیریوں کی بربادی ہو!" کیونکہ I.S.I کی پوری "تفصیل" سن کر میں اس وقت بھی اس نتیجے پر پہنچا تھا کہ پاکستان کی فوجیں اور I.S.I والے صرف اور صرف "کشمیری نوجوانوں کو شکار میں پھانسنے کے لئے چارہ کے طور پر باندھنا چاہتے ہیں۔" میرے بعد کشمیر سے آئے ہوئے جماعت اسلامی کے اس وقت کے امیر سعد الدین صاحب اور جنرل سیکریٹری غلام محمد بٹ صاحب کے ساتھ بھی گفت و

شنید ہوئی اور بعد میں مولانا عبدالباری کو بھی اس کھیل میں شامل کیا گیا اور جناب غلام نبی فائی (کشمیر امریکن سنٹر) اور ایوب ٹھاکر (ورلڈ کشمیر موومنٹ) وغیرہ کو بھی سعودی عرب سے بلایا گیا مگر آخر میں 1987ء میں امان اللہ خان کی سربراہی میں لبریشن فرنٹ کو استعمال کیا گیا۔ امان اللہ خان اپنی فطرت اور شہرت کی بھوک کی خاطر مجبور ہو کر I.S.I کے کھیل میں شامل ہوئے اور کشمیری ماؤں سے نوجوان چھین کر "گوشت دار" کا رول ادا کیا اور کشمیری قوم کو بکرے بنا کر قربان کر لیا لیکن I.S.I کو جب کشمیر سے نوجوان ملنے لگے تو لبریشن فرنٹ کے خود مختار نظریے کی وجہ سے انہوں نے لبریشن فرنٹ کو چھوڑ کر 124 گروپ وادی کشمیر میں بنا ڈالے جو بھی آیا اس کو کمانڈر جنرل بریگیڈیر اور کرنل کا خطاب دے کر بیچ اور اٹھا دیا کیونکہ I.S.I کو معلوم ہو چکا تھا کہ "آپریشن ٹوپاک" کامیاب نہیں ہوا۔ البتہ اب طویل ترین گزر جاری رکھنے کے لئے کشمیر میں زیادہ سے زیادہ تنظیمیں اور گروپ کھڑے کئے جائیں اور یوں کشمیریوں کی سیاسی تحریک کو بندوق کے تابع بنا کر ٹکڑوں ٹکڑوں میں تقسیم کیا اور زیادہ سے زیادہ زور بندوق کی جدوجہد پر دیا گیا تاکہ سیاسی تحریک آخر کار کوئی سمجھوتہ نہ کرنے پائے لیکن مسلح گروپوں کو تشکیل دیتے وقت I.S.I سے ایک خطرناک غلطی ہوئی کہ انہوں نے بغیر ذہنی اور نظریاتی تربیت کے ہر آدمی کو بندوق دی۔ تنظیم اور ڈسپلن کے نام کی کوئی چیز ان نوجوانوں میں پیدا نہیں کی گئی۔ مختلف کیمپوں میں رکھ کر نوجوانوں کو ضائع کر دیا گیا۔ مقامی اور مہاجر کے جھگڑے کھڑے کئے گئے۔ جس سے بہت سے نوجوان بیزار ہوئے اور انہوں نے پاکستان کے بارے میں جو تصور باندھا تھا وہ چکنا چور ہوا اور یہی نوجوان جو الحاق پاکستان کے علمبردار تھے وہی لوگ اور نوجوان ان ہی کا دیا ہوا اسلحہ اور تربیت ہندوستان کے مفادات کے تحفظ کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ آج ان کو ہندوستانی ایجنٹ کہہ کر دھتکارا جا رہا ہے مگر حضور والا یہ تو کل تمہارے ہی مفادات کے لئے لڑ رہے تھے تب تو یہ مجاہد کہلائے جا رہے تھے؟ ہندوستان کو تو ان نوجوانوں کو ٹریننگ اور اسلحہ بھی نہیں دینا پڑا اور آج بھی نوجوان پاکستان کی دی ہوئی ٹریننگ اور اسلحہ کے بل بوتے پر ہی الحاق پاکستان کے حامیوں کو ہندوستان کی فوجوں سے زیادہ تیزی سے ختم کئے جا رہے ہیں کیونکہ ان کو اپنے "ساتھیوں" کے ٹھکانوں کا پوری طرح علم بھی ہے لیکن I.S.I اور "آپریشن ٹوپاک" کی ایک بدقسمتی یہ ہوئی کہ افغانستان میں جنگ بند ہوئی اور روس وہاں سے نکل گیا اور مغربی بلاک اور

امریکہ کو پاکستان کے بیس کی ضرورت نہیں رہی اس لئے بھی کشمیر پالیسی جو اصل میں "کالونی ازم" کی بنیاد پر ہے۔ پاکستان کے کام نہیں آئی اور کشمیریوں کو اس پالیسی کے عوض کھنڈرات، لاشوں کے تحفے اور تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ اسی لئے اس جدوجہد کی ابتدا میں شامل ہونے والے اعظم انقلابی صاحب، ڈاکٹر غلام قادر وانی، بابر بدر، ہلال لودھی اور بہت سارے لوگ بندوق بھی چھوڑ گئے اور پاکستان کا ساتھ بھی۔ مگر پاکستان کی I.S.I نے اب ایک اور پالیسی پیچھے کشمیر کو کھنڈر بنانے کے لئے بنا ڈالی یعنی کشمیری نوجوانوں پر سے اعتماد اٹھنے کے بعد انہوں نے جماعت اسلامی اور حرکت الانصار کے پلیٹ فارم سے افغانی، سوڈانی اور پاکستانی نوجوانوں کو کشمیر کے اندر داخل کرنا شروع کیا۔ تبھی تو اب امریکہ نے بھی پچھلے دنوں بیان دیا کہ "کشمیر کے اندر دہشت گردی کا ذمہ دار پاکستان ہے" اور آخر کار اس تباہی کے ہتھیار یعنی بندوق سے کشمیری قوم بیزار ہو گئی اور اس بیزاری کو دیکھ کر پاکستان نے کشمیر پالیسی کو ایک موڑ دیا۔ حریت کانفرنس کا "بھان متی" کنبہ جوڑ کر حریت کانفرنس میں جو بھی پارٹیاں ہیں یا ان پارٹیوں کے ساتھ جو بھی مسلح گروپ وابستہ ہیں وہ سب باہر سڑکوں پر ایک دوسرے کو قتل کرتے ہیں اور قتل کرتے آ رہے ہیں لیکن بدقسمتی اس قوم کی یہ ہے کہ شبیر شاہ صاحب جیسے محترم اور طویل جدوجہد کرنے والے انسان بھی حالات اور "کشمیر پالیسی" کے دباؤ کا شکار ہو کر اس "بھان متی" کنبے میں پھنس کر رہ گئے اور یوں قومی دشمنوں کے خلاف ایک کھنڈر بنی ہوئی قوم کو کسی مثبت راہ پر ڈال کر نجات کا وسیلہ نہ بن سکے۔ ہم بھی یعنی ہماری پارٹی ڈیموکریٹک لبریشن پارٹی بھی اس "حریت کانفرنس" کے "کنبے" میں دو سال تک شامل رہے مگر ہم نے ہر میٹنگ میں کوشش کی کہ یہ کانفرنس آپس میں لڑائی و قتل و غارت بند کرائے۔ بازاروں اور سڑکوں پر گرینیڈ پھینک کر عوام کے قتل عام پر روک لگائیں، خوامخواہ کی ہڑتالوں پر قابو پائیں۔ مصائب میں مبتلا خاندانوں اور قیدیوں کی منظم طریقے سے مدد کرنے کے اقدامات کریں اور عوام کی منظم تحریک چلانے کے خاطر کوئی پروگرام تشکیل دیں لیکن حریت کانفرنس کو قائم کرتے وقت "کشمیر پالیسی" تو صرف لیڈروں کو نوازنے کی تھی اور وہ بیرونی ممالک کے دوروں اور بیرونی ممالک میں علاج معالجہ کی سہولت اور نشستند، گفتند اور برخاستند تک ہی ہو رہا اور ہم تھک ہار کر "اس کانفرنس سے خاموشی پر خاموش ہو گئے" اور ان لیڈروں اور کشمیر پالیسی کا "بھاری پتھر" "یوم

کر چھوڑ دیا اور قوم پرست عناصر کے کسی نئے اتحاد کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔

کشمیر پالیسی کی ایک اور شکل پاکستان میں کشمیر کمیٹی کے نام سے وجود میں لائی گئی اور اس کشمیر کمیٹی کو "حقہ" Huqqah کے حوالے کر دیا گیا یعنی نواب زادہ نصر اللہ خان کے حوالے۔ دراصل کشمیر کمیٹی بنانے کی وجہ صرف اور صرف یہ تھی کہ بے نظیر بھٹو، نواب زادہ نصر اللہ خاں کو اپنی حکومت کے خلاف اپوزیشن کے ہاتھوں میں جانے نہیں دینا چاہتی تھی کیونکہ نواب زادہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ "وہ جمہوریت کے دور میں مارشل لاء لگانے کے لئے اتحاد بنانے میں ماہر ہے اور مارشل لاء دور میں جمہوریت نافذ کرانے کے لئے اتحاد بناتے ہیں"۔ اس لئے وفاقی وزیر کے برابر انہیں کشمیر کمیٹی کا چیئرمین بنایا اور یوں نواب صاحب کشمیر کمیٹی اور حقہ کے ساتھ مصروف ہیں ورنہ کشمیر کمیٹی کی کارکردگی دیکھ کر ہر پاکستانی اور کشمیری اس کو "نوازش کمیٹی" ہی کہتا ہے۔ اپوزیشن لیڈر شپ اس کو نواب صاحب کو آخری عمر میں "مصروف" رکھنے کی کوشش بھی قرار دے رہے ہیں۔ اس کمیٹی میں پاکستان کے بوڑھے سیاست دانوں اور چند بیوروکریٹوں کو شامل کر کے بیرونی ممالک کے دورے بھی کرائے گئے اور یوں انہوں نے بیرونی ممالک میں پاکستانی اور آزاد کشمیر کے لوگوں کے جلسوں سے خطاب کیا۔ سیریں کر کے TA اور DA بنا کر واپس چلے گئے۔ ہاں یہ بھی یاد رہے کہ اس کشمیر کمیٹی سے پہلے "کشمیر پالیسی" کے تحت ایک کشمیر سیل بھی بنایا گیا جس کا چیئرمین ایک ایئر مارشل کو بنایا گیا جس کی تنخواہ ساٹھ ہزار روپیہ ماہوار مقرر تھی اور اس کے علاوہ انہوں نے اپنے گھر کو دفتر قرار دیا۔ اس کا بھی کرایہ اسلام آباد سے 25 ہزار طلب کرتے تھے مگر کشمیر سیل میں کروڑوں کا غبن ہوا جس میں سردار قیوم خان کا بیٹا عتیق الرحمن شامل قرار دیا گیا۔

پاکستان کے اخبارات اس غبن کے سلسلے میں بھرے ہوئے تھے۔ ایک بات یاد رہے کہ پاکستان کے اداروں کا کشمیر کاز "الحاق پاکستان" ہے مگر اس کاز کے لئے بیرونی ممالک میں سفارت خانوں کو معلوم ہی نہیں ہے کہ کشمیر پالیسی کیا ہے البتہ مختلف ممالک میں یہ سفارت خانے بیرونی ممالک میں بسنے والے آزاد کشمیر اور پاکستان کے چند لوگوں سے مختلف نام کی تنظیمیں بنوا کر ان کو پیسے دے کر ہندوستانی سفارت خانوں کے سامنے وقتاً فوقتاً مظاہرہ

کرواتے ہیں۔ البتہ اب آزاد کشمیر کے لوگوں پر زیادہ اعتبار نہیں کیا جاتا۔ پاکستانی لوگوں کو ہی اب ان تنظیموں میں آگے آگے رکھتے ہیں اور "خرچہ پانی" دے کر ایسے لوگوں سے "بھاڑے کے ٹٹوؤں" کا کام لیتے ہیں۔ ہم تو بے شمار ہیں مگر پھر بھی سچے لیکن کشمیری کچھ ایسے بھی ہیں جن میں آزاد کشمیر کے لوگ بھی ہیں اور کچھ پاکستانی بھی جو خلوص کے ساتھ کشمیر میں سیکورٹی فورسز کے ظلم و جبر کے خلاف مظاہرے کرتے ہیں اور پاکستان کے سفارت خانوں کے منظم کروائے گئے مظاہروں میں بھی عام لوگ خلوص اور "تعلق داری" وغیرہ کی وجہ سے شامل ہوتے ہیں۔ البتہ اوپر والی قیادت نے اس کو "کاروبار" بنا ڈالا ہے اور ہندوستانی سفارت خانوں کے سامنے گالیاں دے کر اور اپنے ہی لوگوں کو طویل تقریریں سنا کر رقم کھری کی جاتی ہے اور وزارت امور کشمیر کی طرح چند سفارت کار بھی رقم دوگنی چوگنی بنا کر پاکستان کے غریب عوام سے وصول کی جاتی ہے۔ اس طرح کی کشمیر پالیسی پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد چل رہی ہے۔ بلکہ ایک "انڈسٹری" کی شکل اختیار کر چکی ہے جو واشنگٹن سے لندن تک اور لندن سے اسلام آباد تک اور اسلام آباد سے سرینگر تک پھیل چکی ہے۔ لیکن پچاس سال کے باوجود اربوں کھربوں روپیہ ضائع کرنے کے باوجود "کشمیر پالیسی کی انڈسٹری" اب تک کچھ بھی "Produce" نہ کر سکی اور جو بھی میری طرح اس کشمیری پالیسی کے خلاف بات کرتا ہے اس کو فوراً "غدار، ایجنٹ" وغیرہ کے خطابوں سے نوازا جاتا ہے بلکہ اس کی زندگی ختم کرنے کے بارے میں منصوبے بنائے جاتے ہیں اور اگر حبیب الرحمان شاہی جیسے مخلص دوست کی طرح بہت بڑے دانشور اور صحافی ہوتے تو ان کو برسر عام غنڈوں سے پٹوایا جاتا ہے۔ ان کے گریبان پھاڑ دیئے جاتے ہیں اور ہم جیسے لوگوں کو جو مادر وطن کے وقار، عوام کے حقوق اور ان کی آبرو عزت کے بارے میں کسی قسم کے سودا بازی کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے ہیں، کے خلاف پروپیگنڈہ کی مشینری کو استعمال میں لایا جاتا ہے اور "غدار ایجنٹ" ہونے کے الزامات لگائے جاتے ہیں اور جب ہم پھر بھی باز نہ آئیں تو قتل اور منہ بند کرنے کی دھمکیاں دی جاتی ہیں اس سلسلے میں ایک باخبر اور بااختیار دوست نے پاکستان سے فون کر کے خبردار کیا کہ "ہاشم قریشی یہ جو تم سچ لکھ رہے ہو یہ سچائی مفاد پرستوں کے چہروں سے پردہ نوچ رہی ہے تمہارے آرٹیکلوں کو آزاد کشمیر کے اسکولوں اور کالجوں میں پھیلانے سے روکنے کے لئے خفیہ

سرکلوں کے ذریعے، مختلف جگہوں اور صوبوں میں پابندی لگانے کے بعد اب یہ لوگ تمہاری سانسوں پر روک لگانے کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور اس سلسلے میں بڑے ہی بااختیار لوگوں کی میٹنگ میں ایک جنرل نے غصے میں کہا کہ "اس کا منہ تم لوگ بند نہیں کر سکے اگر اس شخص نے 1984ء میں ہمارا ساتھ دیا ہوتا تو اس وقت امریکہ اور مغرب ہمارا ساتھ دیتا" کشمیر کے نوجوانوں کی لاشوں پر کاروبار کب تک، "کشمیر کی آزادی کون سی شکل میں؟" اس بااختیار میٹنگ میں فوری اشتعال کا باعث بنے تھے کہا گیا کہ اگر اب تم باز آ جاؤ تو کشمیر پالیسی کے نام پر بنی ہوئی اس انڈسٹری میں سے تمہیں بھی تمہارا حصہ دلایا جا سکتا ہے۔ مگر پچاس سالوں میں پاکستانیوں اور کشمیریوں نے کب کسی سے حساب لیا کہ تم سے حساب لیا جائے گا بلکہ تمہیں بھی ایک بڑا لیڈر اخباروں میں بنایا جائے گا۔"

یاد رہے کہ پاکستان میں دس سال جیلوں میں رہنے کے دوران میں نے بنگلہ دیش بنتے ہوئے دیکھا۔ بھٹو صاحب کا انقلاب دیکھا اور پھر جنرل ضیا کے فوجی انقلاب کو دیکھا اور پاکستان کے اس وقت کے حکمران اور اپوزیشن کے بڑے بڑے لیڈر واقف کار رہے ہیں اور وہ لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہاشم قریشی سچ کے مرض میں مبتلا ہے۔ مرنے کے ساتھ ہی یہ مرض جائے گا۔ البتہ خلوص اور محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر کبھی "باز آنے" کا مشورہ دیتے ہیں اور موجودہ "سازش" کے بعد ایک دفعہ میں بھی سوچ میں پڑ گیا کہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں ان کے لئے باپ کا سہارا ضروری ہے۔ اس لئے یہ سچ اور حقائق کے آرٹیکل بند ہی کر دوں؟ اس سے حاصل بھی کیا، آج کل کا سچ تو پیسہ ہے، میرے آرٹیکل عام لوگوں کی خواہشوں اور ان کے اندر کے سچے آدمی کو تسکین تو پہنچاتے ہیں اور جو لوگ بندوق کے دباؤ سے، عزت لٹنے کے خوف سے بولتے نہیں ان کی زبان اور ان کے خیالوں کے ترجمان بننے کے باوجود جھوٹ اور فریب کے اس ماحول میں جان گنوانے کی کیا ضرورت ہے؟ مگر فوری طور پر قرآن کا فلسفہ یاد آیا (ترجمہ) آیت 11 "تم چاہے مضبوط اور اونچی اونچی دیواروں والے قلعوں میں بھی چھپ کر بیٹھ جاؤ موت تمہیں آ کر رہے گی کیونکہ ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے" اس لئے موت سے بے پرواہ ہو کر میں برصغیر کے غریب انسان اور طاقتور حکمرانوں کے ظلم کے شکار انسان کے حقوق اور امن کے لئے جدوجہد جاری رکھوں گا کیونکہ

مسئلہ کشمیر جب تک ہندوستان و پاکستان کشمیریوں کے ساتھ انصاف کی بنیاد پر حل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں گے تب تک برصغیر تباہی اور بربادی کے کنارے پر کھڑا رہے گا اور پاکستان کے عوام، دانشوروں، کشمیریوں کو یہ بات جاننے کا حق ہے کہ کشمیر پر ہندوستان کا راج اس لئے قائم نہیں کہ وہ وہاں کھربوں روپیہ خرچ کرتا ہے۔ سیاسی رشوت کے طور پر یا وہاں جبر کے زور پر حکومت کرتا ہے، نہیں کبھی نہیں البتہ ہندوستان کا راج کشمیر پر صرف اور صرف پاکستان کے جاگیرداروں، ملٹری جنتا اور بیوروکریٹوں کی تشکیل دی ہوئی "کشمیر پالیسی" کی وجہ سے قائم ہے اور اگر یہی پالیسی رہی تو یہ راج قائم رہے گا کیونکہ بنیادی طور پر "کشمیر پالیسی" کے ساتھ "الحاق پاکستان" کی جدوجہد یا کشمیر حاصل کرنا مقصد نہیں ہے بلکہ اس پالیسی کے ساتھ اصل میں پاکستان میں جاگیرداری قائم رکھنا ہے۔

فوجی جنرلوں کی عیاشی، ان کی مرسیڈیز ان کے نوکر چاکر، بیوروکریٹوں کے مزے اور ان کے بیرونی دورے اور سیاست دانوں کا کشمیر کے نام پر استحصال کر کے پاکستانی عوام کو اپنے بنیادی حقوق مانگنے سے باز رکھ کر اس بیسویں صدی میں بھی جاگیرداری کا نظام برقرار رکھنا ہے جس کے تحفظ کے لئے اتنی بڑی فوج رکھی گئی ہے لیکن چونکہ یہ فوج کھلے عام جاگیرداروں کے تحفظ کے نام پر نہیں رکھ سکتے اس لئے "کشمیر پالیسی" کے پردے میں پاکستانی عوام کا استحصال جاری رکھے ہوئے ہیں کیا پاکستان کے دانشور، مخلص لوگ اور پاکستان نواز کشمیری سچائی کا چہرہ نوچنے کی کوشش کی بجائے سچائی کا ساتھ دے کر برصغیر کے عوام کے مسائل ختم کرنے کی کوشش کریں گے؟

کشمیر میں الیکشن

ہندوستان کے اداروں نے پارلیمنٹ کے الیکشن کرائے، سننے میں آ رہا ہے کہ اصل میں یہ ریاستی الیکشن کرانے سے پہلے ایک تجربے کے طور پر کرائے گئے۔ ووٹ کی اوسط کے بارے میں مختلف حلقوں نے مختلف جوڑ پیش کئے مگر حیرانگی کی بات یہ ہے کہ جب کشمیریوں کو "بچھی تے ٹھس کر سی" یعنی "بندوق گرم ہوگی تو خود ہی چلے گی" کے طعنوں سے یاد کیا جاتا تھا تو کانگریس کے نمائندے اکا دکا کے سوا پارلیمنٹ کے الیکشن نہیں جیتتے تھے مگر

بندوق اور جبر کے خوف نے کرشمہ سازی کی کہ تین ممبران، کانگریس کے پارلیمنٹ میں پہنچ گئے اور تو اور ہندوستان کے مفادات کے لئے بندوق اٹھانے والے بھی شکست سے دوچار کر دیئے گئے اور ہمارے اچھے دوست بھیم سنگھ جی اور ان کے ساتھیوں کی "تقدیر میں ہار ہی لکھا گیا" البتہ بھیم سنگھ جی اور دوسرے لوگوں نے اس الیکشن کو دھاندلی کا الیکشن کہا لیکن سوال یہ نہیں کہ کون ہارا کون جیتا؟ سوال یہ ہے کہ کیا اس الیکشن سے کشمیر کا بنیادی مسئلہ حل ہوگا؟ کیا کشمیر کے اندر امن قائم ہوگا؟ کیا کشمیری مہاجرین جن میں تمام پنڈت برادری شامل ہے، ان کے ساتھ اپنے گھروں میں واپس جا سکیں گے؟ اور ستمبر میں ریاستی الیکشن کے بعد بھی کیا امن قائم ہوگا؟ یعنی ایسا نہیں ہوگا۔ کشمیر پنجاب نہیں ہے اس کو پنجاب سمجھنے والے شاید بڑی غلطی کر رہے ہیں؟

اس لئے نئی حکومت جس میں اندر کمار گجرال جیسے دانشور لوگ اور کمیونسٹ پارٹی اور ہندوستان کے نچلے طبقے کے نمائندے شامل ہیں، کو کھلے دل سے کسی یکطرفہ "یورو کریٹک" فیصلے سے پہلے تمام سیاسی پارٹیوں اور کشمیر کے نمائندوں پر مشتمل ایک کانفرنس بغیر کسی پیشگی شرط کے بلا لینی چاہئے جو مسئلہ کشمیر کو تمام کشمیر کے رہنے والوں کے ساتھ انصاف کی بنیاد پر حل کر لیں۔ ویسے بھی ہندوستان موجودہ حکومت کو ہندوستان میں سیکولرازم مضبوط کرنے کا چانس ملا ہے اگر اس حکومت سے کوئی بڑی غلطی ہوتی ہے اور عوام اس سے بیزار ہوتی ہیں تو بہت بڑا خطرہ ہوگا کہ آئندہ ہندوستان میں مذہبی انتہا پسندی والی جماعتیں فائدہ اٹھا سکے۔

بم دھماکے

بار بار کشمیر گروپوں سے تاکید کی کہ عام آدمی کو بم دھماکوں کا شکار نہ بناؤ۔ ایک تو اس وقت دنیا میں بم دھماکوں کو انتہائی نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور پھر ان دھماکوں کے شکار غریب لوگ ہوتے ہیں جو پہلے ہی بیماری، بھوک، ظلم اور جبر کے "بموں" کے شکار ہیں۔ ان کو بموں سے نہ مارو۔ شاید گھر میں اس کی منتظر اس کی نئی نویلی دلہن ہو، شاید کوئی بیمار بچہ اپنے باپ کے ہاتھوں دوائی پینے کا منتظر ہو اور شاید کوئی معصوم پھول جیسا بچہ اسکول

سے واپس آرہا ہو۔ اس لئے بم دھماکوں اور گولیوں سے دراصل تم انسان کو ہی نہیں مارتے بلکہ انسانیت کے ٹکڑے ٹکڑے کرتے ہو۔ انسانوں کے خوابوں اور ان کے مستقبل کے چیتھڑے اڑا دیتے ہو اور یوں بے گناہوں کی موت کا باعث بنتے ہو مگر شہرت اور نام کمانے اور اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اور پیسہ جمع کرنے کی لالچ میں بم دھماکے بھی کرتے ہو اور گیس سلنڈر سے ہونے والے دھماکے کو بھی کشمیری اور سکھوں کی تنظیمیں اپنا اپنا نام دینے کی کوشش کر رہی ہیں حالانکہ کوئی بھی مخلص کشمیری جو کشمیر کی آزادی چاہتا ہو بم دھماکے کرنے کے حق میں نہیں ہوگا کیونکہ ان دھماکوں سے کشمیری قوم کے کاز کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے۔ ایسا ہی دھماکہ عبدالغنی لون صاحب کے گھر میں بھی کیا گیا جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے اور ہم نے بار بار یہی کہا کہ بم اور گولی کسی کو بھی نہیں پہچانتی اور جانتی! اور ان چیزوں کی حمایت کرنے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ تم اور تمہارے اپنے بھی ان بموں اور گولیوں میں سے کسی گولی اور بم کا شکار ہو جائیں گے۔

آخری بات

میرے خلاف 1971ء میں کوٹھی باغ تھانہ صدر سرینگر میں Enemy Ordinance 3 اور دوسری دفعات کے تحت F.I.R درج کی گئی ہیں اور ان ہی دفعات کے تحت مقبول بٹ صاحب سمیت پاکستان کی اسپیشل کورٹ میں بھی ہمارے خلاف کیس درج کر کے مقدمہ چلایا گیا۔ بین الاقوامی قانون کے مطابق ایک ہی دفعہ اور جرم میں دو دفعہ سزا نہیں دی جا سکتی۔ اس لئے ہی میں نے فیصلہ کیا ہے اس سال یا اگلے سال کے شروع میں کشمیر واپس چلا جاؤں اور مقبول بٹ صاحب کے بعد میں بھی پھر ایک بار ہندوستانی عدلیہ کو آزمائش میں ڈالوں؟ کیونکہ ماضی میں حکمران پارٹی کی خاطر جہاز اغواء کرنے والے اسمبلی ممبر اور منسٹر بنے ہیں اور پھر کشمیر کے دونوں طرف مخلص ساتھیوں اور نیشنلسٹوں کی آنکھیں بھی کھل جائیں گی کہ ہاشم قریشی اپنے مادر وطن اور اپنے عوام کے ساتھ عہد وفادار رہے گا اور پھر میں عوام کے مصائب اور ان کے دکھ کم کرنے کی جدوجہد میں بھرپور حصہ لے سکوں۔

☆☆☆☆

باب نمبر 14

انتخاباتِ کشمیر اور جنوبی ایشیا کے بدلتے حالات

اس سال 1996ء ہندوستان اور پاکستان دونوں کی حکومتوں نے دعوے کئے کہ ان کے ہاں انتخابات آزادانہ اور منصفانہ طور پر ہوئے۔ پاکستانی قبضے والے آزاد کشمیر میں بلتستان اور گلگت کے علاقوں کو عام انتخابات سے الگ رکھا گیا تھا۔ کشمیر کے اس حصے میں حکمران مسلم کانفرنس کی تباہ کن شکست ہوئی اور اس کو قانون ساز اسمبلی کی چالیس نشستوں میں سے صرف 8 مل سکیں۔ 28 سیٹیں پاکستان پیپلز پارٹی (پی پی پی) نے حاصل کیں (یا اس کی تھیلی میں ڈال دی گئیں)۔ بعد از ان خواتین ٹیکنوکریٹوں اور مذہبی "اولیاؤں" کے لئے مخصوص 8 نشستوں میں سے بھی سات سیٹوں پر پی پی پی نے قبضہ کر لیا اور مسلم کانفرنس کے حصہ میں صرف ایک سیٹ آئی۔

"آزاد جموں و کشمیر" اسمبلی کی 48 سیٹوں میں سے 12 نشستیں پشاور سے کراچی تک پورے پاکستان بھر میں پھیلے ہوئے کشمیری مہاجروں کے لئے مخصوص ہیں۔ وہاں یہ سیٹیں جموں خطے اور کشمیر وادی کے مہاجروں میں برابر تقسیم کی گئی ہیں۔ سابق تجربہ بتاتا ہے کہ ان 12 سیٹوں پر اس پارٹی کے امیدوار کامیاب ہوتے ہیں جو اسلام آباد میں برسر اقتدار ہوتی ہے۔ 1991-92ء میں اسلام آباد میں مسلم لیگ (ن) برسر اقتدار تھی تو نواز شریف نے سب کے سامنے اعلان کیا تھا کہ انہوں نے مسلم کانفرنس کو 12 سیٹیں بطور تحفہ دے دی ہیں۔

یہ صورت حال ستم ظریفی سے خالی نہیں ہے۔ سبکدوش ہونے والے آزاد کشمیر کے وزیر اعظم سردار قیوم خان کے بیٹے سردار عتیق الرحمن خان کو کراچی سے جموں کی مہاجر سیٹ سے کامیاب کروایا گیا تھا۔ عتیق الرحمن آزاد کشمیر کے ضلع باغ کے دھیر کوٹ میں پیدا ہوئے تھے۔ جانکار کشمیری مہاجر سمجھتے ہیں کہ ان 12 سیٹوں پر کنٹرول آزاد کشمیر کے عوام کو پاکستانی افسر شاہی کا یرغمال بنائے رکھنے کا کام دیتا ہے۔ اس کی وجہ صاف ہے۔ ان 12 سیٹوں پر بیٹھنے والے ممبران اسمبلی آزاد کشمیر میں نہیں بلکہ پاکستان میں رہتے ہیں۔ لہذا آزاد کشمیر کے عوام کے لئے نقصان دہ جو قانون آزاد کشمیر میں بنایا جاتا ہے اس کا اطلاق ان 12 ممبران اسمبلی پر نہیں ہوتا۔ دیکھا گیا ہے کہ ایسے نقصان دہ قوانین بنانے میں یہ ممبر سب سے آگے ہوتے ہیں کیونکہ وہ اسلام آباد والے حاکموں کی خواہشات کے سامنے جھک جاتے ہیں۔

بہر حال یاد رہے کہ مرحوم کے ایچ خورشید تمام دستیاب محاذوں پر ہمیشہ عوام کی لڑائی لڑتے رہتے تھے۔ آزاد کشمیر کے عوام جب بھی ان بارہ سیٹوں کی تقسیم کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں انہیں کہہ دیا جاتا ہے کہ کشمیر کے سوال کو زندہ رکھنے کے لئے یہ سیٹیں بہت اہم ہیں۔ مادی طور پر ان بارہ سیٹوں نے عام کشمیری مہاجروں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ مگر واقعی اسلام آباد کے لئے بلکہ صاف کہیں تو اسلام آباد کی افسر شاہی کے لئے ان سیٹوں کے ذریعہ انہوں نے چند ایسے لوگوں کو پکڑ لیا ہے جو آزاد کشمیر کے لئے اپنی مرضی سے قوانین وضع کر لیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آزاد کشمیر کے لوگوں کے دلوں میں کشمیر وادی اور جموں کے ان مہاجروں کے لئے کوئی عزت یا برادرانہ جذبات نہیں ہیں۔ ادھر پاکستان میں مقیم جموں و کشمیر کے مہاجرین پاکستان میں دستیاب تمام مراعات کے حقدار ہیں لیکن وہ اپنے بال بچوں کے لئے ڈاکٹری اور دیگر پیشہ ورانہ کالجوں میں سیٹوں کا ایک حصہ اکثر و بیشتر حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ بھی بتا دیا جائے کہ پاکستان میں رہنے والے کشمیری مہاجرین کو صوبائی اسمبلیوں اور قومی اسمبلی کے انتخابات میں ووٹ دینے کا حق حاصل ہے۔ اس طرح پاکستان کی بیوروکریسی نے جموں و کشمیر کے مہاجرین میں بھی ایک مراعات یافتہ طبقہ پیدا کر دیا ہے۔ جس کا رکن صرف 500 یا 1000 ووٹوں کے فرق سے آزاد کشمیر اسمبلی کی سیٹ جیت جاتا

ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس طرح کے لوگوں کو آزاد کشمیر کے عوام کے دلوں میں کشمیر مہاجرین کے خلاف نفرت کے بیج بونے کا آلۂ کار بھی بنا دیا ہے۔

چونکہ حالیہ انتخابات کے وقت اسلام آباد میں پی پی پی برسر اقتدار تھی، لہٰذا یہ دو درجن نشستیں مسلم کانفرنس کے پلے نہیں پڑیں۔ سردار قیوم اور ان کی مسلم کانفرنس دونوں نے پی پی پی پر انتخاب کے دوران وسیع پیمانے پر بے قاعدگیاں کرنے کا الزام لگایا۔ بلکہ سردار قیوم نے تو ابھی تک اسمبلی کی رکنیت کا حلف تک نہیں لیا۔ حلف برداری کی دو ماہ کی مدت ختم ہونے کے بعد سپیکر نے سردار قیوم کو مزید ایک ماہ کی مہلت دی ہے۔ میاں نواز شریف نے ان انتخابات کے بارے میں ایک مزیدار تبصرہ کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ "انتخابات میں اتنی زیادہ سنجیدہ نوعیت کی بے قاعدگیوں کی اجازت دے کر ہم نے محض کشمیر کے کاز کو ہی نقصان نہیں پہنچایا بلکہ ہم کشمیر کی آزادی کی حمایت کرنے کے بھی نااہل ہو گئے ہیں"

بہر حال میرپور کی چودھری برادری سے تعلق رکھنے والے چودھری سلطان محمود کو جو لبریشن لیگ کے ٹوٹنے کے بعد پیپلز پارٹی میں شامل ہو گیا تھا پی پی نے وزیر اعظم نامزد کر دیا۔ 1984ء میں اس کے والد نور حسین کی جگہ اس کو آزاد کشمیر مسلم کانفرنس کا صدر منتخب کیا گیا تھا۔ کے ایچ خورشید کی وفات کے بعد اس نے لبریشن لیگ کو مسلم کانفرنس میں ضم کر دیا اور اس مشترکہ پارٹی کا صدر بن گیا تھا۔ جب پی پی پی اقتدار میں آئی تو اس نے 1993ء کے اواخر میں اس میں شمولیت اختیار کر لی۔ چودھری سلطان کو سب سے بڑا فائدہ ایک خوشامدی صحافی کے ساتھ اس کے والد کے قریبی تعلقات ہیں جو اسے ہمیشہ سرخیوں میں جگہ دیتا رہا ہے۔ اس کی دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ نیویارک اور انگلینڈ میں مقیم چودھری طبقہ کے مزدوروں کی بڑی تعداد کو مظاہروں کے لئے جمع کر سکتا ہے اور پاکستان کے حکمران طبقوں، بیوروکریسی اور انتظامیہ کی نگاہوں میں یہ خوبی وفاداری کی علامت بن چکی ہے۔

مجھے 1989ء یا 1990ء میں لندن سے شائع ہونے والے اخبار جنگ کی سرخیوں میں شائع ہونے والی ایک خبر کی یاد آ رہی ہے جس میں کہا گیا کہ "ہاگ میں بین

الاقوامی عدالت انصاف کے سامنے چودھری سلطان محمود کی قیادت میں زبردست مظاہرہ کیا گیا" خبر کے ساتھ کسی مظاہرہ کی ایک تصویر بھی شائع ہوئی تھی۔ چونکہ میں ہالینڈ میں ہی مقیم تھا لہٰذا میں نے اس خبر کی صداقت کے متعلق کچھ تحقیقات کیں۔ ہاگ ہی میں رہنے والے چودھری خاندان کے ایک دوست نے مجھے مشورہ دیا کہ اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں پر اعتبار نہ کیا کروں۔ یہاں یہ ذکر بھی کر دیا جائے کہ چودھری سلطان محمود کے والد نور حسین پر ایک کوآپریٹو بینک سکینڈل میں چھ کروڑ روپے غبن کرنے کے الزامات ہیں۔ یہ روپیہ آزاد کشمیر کے غریب لوگوں کا تھا۔ اس سلسلہ میں مجھے 1984ء کا ایک واقعہ بھی یاد آ گیا جو راولپنڈی میں ہوا تھا۔ میں راولپنڈی کے طلباء کے لیڈر ناصر علی کے بھائی کے شوروم میں بیٹھا ہوا تھا کہ اتفاق سے چودھری سلطان محمود وہاں آ گیا۔ ان دنوں وہ نیا نیا سیاست میں داخل ہوا تھا۔ اس وقت چونکہ ناصر علی بھی وہاں پر بیٹھا ہوا تھا لہٰذا اس نے سیاسی معاملات پر گفتگو شروع کر دی۔ میں نے اس سے کہا کہ "چودھری صاحب! سیاست خدا کی عبادت کی طرح ہونی چاہئے۔ اگر آپ سیاست کی باتیں کرنا چاہتے ہیں تو پہلے کوآپریٹو بینکوں کے نام پر کشمیری لوگوں کا غبن کیا ہوا چھ کروڑ روپیہ واپس کیجئے۔" وہ اس قدر شرمندہ ہوا کہ فوراً وہاں سے چلا گیا۔ ہمارا دوسرا سامنا 1993 میں جنیوا میں ہوا تھا جہاں ایک نوجوان کشمیری نے (پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے) لوگوں کو رات کے کھانے پر بلایا ہوا تھا۔ غلام نبی فائی بھی وہاں موجود تھا۔ میرے ساتھ خوش گپیاں کرنے کے مقصد سے چودھری سلطان محمود نے مجھ سے کہا۔

"ہاشم صاحب! آپ کافی تجربہ کار آدمی ہیں۔ اگرچہ ہم آئی ایس آئی جیسی خفیہ ایجنسیوں کے ذریعہ استعمال کئے جانے والے تمام حربوں کو نہیں جانتے پھر بھی ان کے کئی طریقوں سے ضرور واقف ہیں۔ چونکہ آپ کشمیر کے دوسرے حصہ کے رہنے والے ہیں (یعنی آپ کو تو معلوم ہونا ہی چاہئے) کیا ہندوستان کی خفیہ ایجنسی را بھی آئی ایس آئی کی طرح ہی کام کرتی ہے؟"

میں نے فوراً جواب دیا کہ "آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ آئی ایس آئی کے طریق کار سے واقف ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سیاست کرنے کے بجائے ایک خفیہ ایجنسی کے

پاکستان کے ساتھ الحاق ہے۔

جہاں تک آزاد کشمیر کے وزیر اعظم کی حیثیت کا تعلق ہے تو ہم اپنے قارئین کو یاد دلاتے ہیں کہ جب آزاد کشمیر کے پیپلز پارٹی وزیر اعظم ممتاز حسین راٹھور نے پاکستان کی معزول وزیر اعظم بینظیر بھٹو کو گارڈ آف آنر پیش کیا تو اسلام آباد سرکار نے آزاد کشمیر کی پی پی سرکار کو ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ ممتاز حسین راٹھور کو استعفیٰ دینے کے لئے کہا گیا۔ لیکن جب اس نے اسلام آباد سرکار کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو پاکستان کے اس وقت کے وزیر کشمیر امور جناب عباسی نے نامہ نگاروں سے کہا تھا کہ "میرا ایک پولیس کا کنسٹیبل ہی آزاد کشمیر کے وزیر اعظم یعنی ممتاز حسین راٹھور کو اٹھا پھینکنے کے لئے کافی ہے" اور سچ مچ ایک فوجی سپاہی نے ہی اسے مظفر آباد میں ایک ہیلی کاپٹر میں سوار کر کے راولپنڈی پہنچا دیا تھا۔ راولپنڈی پہنچتے ہی اس سے استعفیٰ کے خط پر دستخط کروا لئے گئے اور پھر اسے راولپنڈی کے اڈیالہ جیل میں ڈال دیا گیا۔ حال ہی میں آزاد کشمیر سے ایک خبر آئی تھی کہ ہندوستانی کشمیر سے جو بھی آزاد کشمیر آ گئے تھے ان میں سے 83 خاندان کشمیر میں اپنے گھروں کو لوٹ گئے ہیں۔ آزاد کشمیر کی حزب مخالف نے اس معاملہ پر کافی شور مچایا تھا۔ انہوں نے الزام لگایا کہ وزیر اعظم سلطان محمود نے کشمیر لبریشن سیل سے اپنے یوروپی دورے کے لئے 20 لاکھ روپے نکالے اور اس رقم کو عمر فاروق کے ساتھ کھینچی گئی تصویریں شائع کروانے اور مبینہ انتخابی دعوت پر خرچ کر دیا۔ مگر وہ مہاجر خاندانوں کی دیکھ بھال نہیں کر سکے۔ جس کی وجہ سے کشمیر کی تحریک کو نقصان پہنچا ہے۔

آزاد کشمیر کے لیڈر جب بھی یوروپ یا امریکہ جاتے ہیں تو اپنے دورے کو درست ثابت کرنے کے لئے یہی کہتے ہیں کہ یہ دورہ بین الاقوامی انجمنوں میں کشمیر کے معاملہ کو مضبوط کرنے اور اس کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری تھا۔ یوروپ میں وہ اپنی انتخابی دعوتوں میں اپنی برادری کے امیر ہوٹلوں اور ساتھی گروہوں کے ساتھ ایک آدھ ممبر پارلیمنٹ کو بھی مدعو کر لیتے ہیں اور پھر ان کے کھنچوائی گئی تصویریں لے کر لوٹ آتے ہیں۔ ان تصویروں کے بڑے بڑے پوسٹر اور کٹ آؤٹ تیار کر کے پورے آزاد کشمیر اور پاکستان میں وسیع پیمانے پر تقسیم کر کے کشمیر کے مسئلہ اور اس سے وابستہ سیاسی شعبدہ بازی کو زندہ

لئے کام کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے را کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے کیونکہ میں نے اس کے ساتھ کبھی کام نہیں کیا۔ البتہ میں نے ان سائیڈ را نامی کتاب ضرور پڑھی ہے جو مجھے تو حقیقت پر مبنی ہونے کے بجائے خانہ طرازی زیادہ لگی۔ بہر حال میرے خیال میں تمام ایجنسیاں ایک ہی طرح کام کرتی ہیں "جب سلطان محمود کے ایک ساتھی چودھری شہباز نے اس کے کان میں کچھ کہا جس کے بعد دعوت ختم ہونے کے بعد تک بالکل خاموش رہا۔ بدقسمتی سے یہی سلطان محمود آزاد کشمیر کا وزیر اعظم بنایا گیا ہے۔ وزیر اعظم کی کرسی پر بیٹھنے کے فوراً بعد اس نے کشمیر لبریشن سیل میں 58 کروڑ روپے کے سکینڈل کی انکوائری کرنے کے لئے ایک وزارتی کمیٹی کی تشکیل کا اعلان کر دیا۔ اس سیل کا صدر نشین سردار قیوم خان اور انتظامی ڈائریکٹر اس کا بھتیجا سردار عتیق خان تھا۔ اس لبریشن سیل نے سردار عتیق کے نام پر آٹھ کروڑ روپے کا ایک چیک جاری کیا ہوا تھا۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ آزاد کشمیر میں ہمیشہ برادری کی بنیاد پر ووٹ ڈالے جاتے ہیں۔ مگر حال ہی میں ہوئے انتخابات اس وجہ سے خصوصاً یادگار تھے کہ آزاد کشمیر کی بیشتر قوم پرست جماعتوں نے ایک اتحاد قائم کر کے اس کے تحت امیدوار کھڑے کئے تھے۔ ان امیدواروں نے نامزدگی کے کاغذات پُر کرتے وقت اس حلف نامہ پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا تھا جس میں کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق اور پاکستان سے وفاداری کی قسم کھائی ہوتی تھی۔ اس لئے اس حلف نامہ پر دستخط نہ کرنے والے تمام 34 قوم پرست امیدواروں کے کاغذات نامزدگی رد کر دئے گئے اور اس طرح انہیں ان "منصفانہ اور آزادانہ" انتخابات میں شرکت کا موقع دینے سے انکار کر دیا گیا۔ اس روز بین الاقوامی پریس میں سب سے بڑی خبر یہ تھی۔ اس میں کہا گیا تھا کہ ایک طرف تو پاکستان کشمیریوں کی آزادی کے لئے شور مچاتا رہتا ہے مگر دوسری طرف وہ کشمیری قوم پرستوں کو محض اس لئے انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دینے سے انکاری ہے کہ وہ اس حلف نامہ پر دستخط کرنے پر راضی نہیں تھے جس میں پاکستان کے ساتھ الحاق کی شرط رکھی گئی تھی۔ اخبارات نے سوال کیا کہ کیا یہ پاکستان کا دوغلا پن نہیں؟ لیکن ہم اس کو پاکستان کا دوغلا پن نہیں سمجھتے کیونکہ پاکستانی حکمرانوں، بیوروکریسی، فوجی ٹولے اور سیاسی لیڈروں کی نظر میں کشمیر کی آزادی کا مطلب ہی اس کا

رکھنے کا ثبوت فراہم کیا جاتا ہے۔ اس مرتبہ سلطان محمود نے کل جماعتی حریت کانفرنس کے چیئرمین عمر فاروق کے ساتھ فوٹو کھنچوائی اور واپس آکر اسے لندن کے اخبار جنگ کے علاوہ پاکستان کے لاتعداد اخبارات میں شائع کروایا۔ اس تصویر کے قد آدم کٹ آرٹ بنوائے گئے جن کے نیچے لکھا تھا "سلطان محمود نے مسئلہ کشمیر کو تازہ کر دیا"۔ مگر بہتر ہوگا اگر کشمیری عوام ان Hypocrise کے نتائج پر غور کریں۔ کروڑوں روپے ضائع کرنے کے باوجود کشمیر کا سوال کسی بھی بین الاقوامی پلیٹ فارم پر کسی بھی شکل میں "تازہ یا بحال" نہیں ہوا نہ جنیوا میں اور نہ ہی اقوام متحدہ میں۔ یہی نہیں بلکہ یہ مشق الٹی پڑی ہے کیونکہ کشمیر سلامتی کونسل کے ایجنڈہ سے بھی خارج کر دیا گیا ہے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ آزاد کشمیر کے سیاسی ٹولے نے گذشتہ 50 سال سے آزاد کشمیر کے غریب عوام کو کشمیر کے سوال کا یرغمال بنا کر ان دھندوری چالوں کے ذریعہ اپنی بقا کو قائم رکھا ہے۔ یہ سیاست دان ایسا کاروبار صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ عوام کو ان کے حقوق اور آزادی نہ مل سکیں۔ ظاہر ہے کہ جب تک آزاد کشمیر گلگت اور بلتستان کے عوام ان سیاستدانوں کو اپنے اعمال کے لئے جوابدہ نہیں بنائیں گے۔ یہ ڈرامہ چلتا رہے گا۔ بینظیر کی معزولی نے آزاد کشمیر کی حکومت کے لئے شدید خطرہ پیدا کر دیا ہے۔ ممکن ہے کہ آزاد کشمیر کا وزیر اعظم بنانے سے انکار کے فیصلہ کی تائید ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ آزاد کشمیر پیپلز پارٹی کا صدر ہے تو اس کے باوجود وزارت عظمیٰ کا عہدہ ممتاز حسین راٹھور کو پیش کیا گیا۔

جموں و کشمیر کا ہندوستانی حصہ

آئیے اب آزاد کشمیر سے ہندوستانی کنٹرول والے کشمیر کو دیکھیں۔ نو سال کے وقفہ کے بعد ستمبر 1996ء میں ریاستی قانون ساز اسمبلی کے انتخابات کروائے گئے جو چار مرحلوں میں مکمل ہوئے اور سیکورٹی فورسز کی بندوقوں کے سائے میں بلٹ پروف کاروں اور زیڈ درجے کے حفاظتی اقدامات میں ہونے والے ان انتخابات میں تقریباً تمام امیدواروں کے اپنے ووٹروں تک پہنچے بغیر یہ الیکشن تکمیل پذیر ہوئے۔ ہندوستان جو ایک بڑی جمہوریت ہے اس کا دعویٰ تھا کہ اس کی طرف والے کشمیر میں منصفانہ چناؤ کرائے گئے۔

علاقائی پارٹی نیشنل کانفرنس نے اسمبلی کی 87 سیٹوں میں سے 57 پر کامیابی حاصل کر کے مکمل اکثریت حاصل کر لی۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو پارلیمانی پارٹی کا قائد بنایا گیا اور پھر وہ وزیر اعلیٰ بن گیا۔ چونکہ یہ انتخابات آٹھ یا نو سال کے وقفہ سے کروائے جا رہے تھے اس لئے قدرتی طور پر یہ دنیا بھر میں سیاسی مشاہدین کی توجہ کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ ہندوستان کے اندر اور باہر مختلف حلقوں نے ان پر تبصرے کئے۔ لندن کے چند روزنامہ اخبارات مثلاً انڈی پینڈنٹ، ٹائیمز اور آبزرور نے لکھا "یا تو ووٹروں کو مسلح حملہ آوروں کی دھمکی اور سیکورٹی فورسز کے دباؤ سے پولنگ مراکز پر لایا گیا یا پھر وہ لوگ ووٹ دینے آئے جو ملی ٹینسی سے تنگ آ چکے ہیں۔" دوسرے اخبارات وغیرہ کا تبصرہ یہ تھا کہ "چونکہ اس دہشت گردی نے کشمیر کی معیشت کو تباہ کر دیا ہے اور لاتعداد لوگ جیلوں میں بند ہیں۔ گورنر راج میں دلی سے در آمد کئے گئے افسر اور بیورو کریسی کشمیریوں کی روز مرہ زندگی کے مالک بن چکے تھے، اس لئے لوگوں نے الیکشن میں شرکت کی اور اس بات کو یقینی بنایا کہ علاقائی سیاسی جماعت یعنی نیشنل کانفرنس کامیاب ہو جائے۔ وہ چاہتے تھے کہ گذشتہ نو سالہ تاریخ سے پیدا ہونے والی روز مرہ کی مشکلات کا خاتمہ کرنے کے لئے مقامی نمائندوں پر مشتمل ایک سویلین سرکار قائم ہو جائے۔ اس بات پر توجہ دی جائے کہ کشمیر کے لوگوں نے قومی سطح کی کسی پارٹی کو اقتدار میں نہیں لایا۔ یہ کامیابی علاقائی پارٹی کو حاصل ہوئی۔ اس بات کو کشمیری عوام کو اپنے تشخص کو ہندوستان سے الگ قائم رکھنے کی خواہش کا اظہار بھی کہا جا سکتا ہے۔ لوگوں نے دستیاب محدود اظہار رائے کا استعمال کیا۔ اگر انتخابات، ہندوستان اور پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق یا آزادی کے سوال پر کرائے گئے ہوتے تو اکثریت نے آزادی کے حق میں ووٹ دیا ہوتا"

بہر حال ان انتخابات کے متعلق طاقتور حلقوں نے یا تو خاموشی اختیار کی یا پھر مثبت رد عمل کا اظہار کیا۔ مثلاً برطانوی دفتر خارجہ نے آل پارٹی رابطہ کمیٹی کے چیئرمین چودھری [illegible] کو یہ جواب دیا کہ "ووٹنگ مقابلتاً پر امن ماحول میں ہوئی ہے اور دفتر خارجہ کے مطابق 53 فیصد ووٹ ڈالے گئے۔" اس کے علاوہ امریکی کانگریس کے کچھ لندن کے اخبار جنگ میں شائع ہوئی ایک خبر کے مطابق امریکی وزارت خارجہ کی انڈر سیکریٹری روبن

رافیل نے پاکستان پر الزام لگایا تھا کہ وہ کشمیر کے سوال پر ہندوستان کے ساتھ بات چیت پر رضامندی سے گریز کر رہا ہے۔ بہرحال کشمیری قوم پرستوں کے لئے ان انتخابات کا ایک مثبت پہلو یہ ہے کہ اگرچہ مذہبی انتہاپسندوں نے ایک زبردست پروپیگنڈہ مہم شروع کر رکھی تھی کہ جموں اور لداخ کے لوگ چونکہ غیر مسلم ہیں لہٰذا وہ کشمیر وادی سے دور رہنا چاہیں گے۔ اس طرح ان انتہاپسندوں کا خیال تھا کہ جموں اور لداخ ہندوستان کو دے دیے جائیں اور کشمیر وادی کو آزاد کر دیا جائے گا لیکن اس پروپیگنڈہ کے باوجود جموں کی 37 اسمبلی سیٹوں میں سے نیشنل کانفرنس اور اس کی ساتھی پارٹیوں نے 22 نشستیں حاصل کیں اور لداخ کے علاقوں میں پچاس فیصد سے زیادہ ووٹ ڈالے گئے تھے۔ اس طرح ان دونوں خطوں کے لوگوں نے وادی کشمیر کے ساتھ یکجہتی کا اظہار کرنے کے علاوہ ریاست جموں و کشمیر کی علاقائی سالمیت و اتحاد کو قائم رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ مگر اپوزیشن نے اسمبلی اور پارلیمانی انتخابات میں بدعنوانیوں کے الزامات بھی لگائے۔ انہوں نے لوک سبھا چناؤ کے بڑے دلچسپ اعداد و شمار پیش کئے جو اس طرح ہیں۔ یہ دکھایا گیا کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کے امیدواروں کو اننت ناگ میں 40,000 ووٹ ملے۔ سرینگر میں 35011 اور بارہمولہ ضلع میں 12261 ووٹ ملے۔ حقیقت یہ ہے کہ ان علاقوں میں بھاجپا کا تقریباً وجود ہی نہیں ہے۔

الیکشن کرائے جانے اور کئی قربانیاں دیے جانے کے بارے میں کسی سنجیدہ عوامی رد عمل کے نہ ظاہر ہونے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ رد عمل کو اس طرح سمجھنا چاہئے کہ جب کوئی فرقہ طویل سالوں تک اپنے نوجوانوں کی قربانی دیتا رہتا ہے اور جس مقصد کے حصول کے لئے قربانیاں دی گئیں اور اسے حاصل نہیں کر پاتا تو وہ انتخابات کا سہارا لینے لگتا ہے اور انہیں منعقد ہونے دیتا ہے۔ اگر جذبات، تعصبات، انا اور حسد کو ایک طرف رکھ کر صرف قومی مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے غیر جذباتی تجزیہ کیا جائے تو یہ تجزیہ تقریباً درج ذیل طرز کا ہوگا۔

ان انتخابات کو صرف کشمیر کی جاری صورت حال کے تناظر میں ہی نہیں بلکہ جنوبی ایشیا میں رونما ہونے والے واقعات خصوصاً افغانستان کی بگڑتی ہوئی اندرونی حالت کی روشنی میں پرکھنا ٹھیک رہے گا۔ پاکستان کے فوجی حکمرانوں اور ان کے عسکری کشمیری ایجنٹوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ چند مہینوں کے اندر کشمیر کو ہندوستان سے آزاد کروا کر اس کو پاکستان میں شامل کر لیں گے۔ ملی ٹینٹ قیادت اور سابق سیاستدانوں نے (میری مراد وہ سیاستدان ہیں جو دہشت گردی کے آغاز سے پہلے ہندوستان نواز تھے اور ریاست کے اندر ہونے والے انتخابات میں پوری طرح شرکت کیا کرتے تھے) بھی کشمیر کے عوام کو یہ خیالی سوچ اپنانے کی ترغیب دی کہ ان کی قربانیوں کے بدلے یا پھر افغانستان کی مثال پیش کر کے اور پاکستان اور مسلم ممالک کی حمایت حاصل کر کے عالمی رائے کو ان کے حق میں تیار کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے ہندوستان میں موجود تقریباً 16 کروڑ مسلمانوں کو آسانی سے فراموش کر دیا۔ کوئی اچھی طرح سوچے سمجھے منصوبہ بند پروگرام کی تیاری کے بغیر وادی کشمیر کے عوام کو ایسی قربانیاں دینے کے لئے کہا گیا جو ان کی قوت محنت سے بعید تھیں۔ کشمیری قربانی پر قربانی پیش کرتے رہے لیکن نہ تو ان کے حق میں عالمی رائے قائم کی جا سکی اور نہ ہی پاکستانی فوج انہیں آزاد کرانے پہنچی۔ نہ تو کسی مسلم ملک نے کشمیری تحریک کی حمایت کے لئے کوئی ٹھوس اور واضح قدم اٹھایا اور نہ ہی کسی نے ہندوستان پر دباؤ ڈالنے کی پالیسی اپنائی۔ بلکہ ہندوستان اور سعودی عرب کے درمیان تجارت و کاروبار میں ہر سال اضافہ ہوتا چلا گیا اور 1995-96ء میں ان کے درمیان 2.38 بلین ڈالر کی تجارت ہوئی۔ امریکہ اور یورپی ممالک نے بھی ہندوستان کے ساتھ دو طرفہ تجارت کے تعلقات قائم رکھے۔

بندوقوں کی تربیت حاصل کر کے لوٹنے والے کشمیری نوجوان ہندوستانی سیکورٹی فورسز کی گولیوں کا شکار بنتے رہتے ہیں۔ پاکستان اور کشمیر کے سیاستدان جینوا یا اسلامی ممالک تنظیم میں اپنے مضحکہ خیز ترجموں اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے ذریعہ پوری کشمیری قوم کو یرغمال بنائے رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

کشمیریوں سے قربانی پر قربانی دلوائی جاتی رہی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ نہ تو دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کی روشنی میں کشمیری قیادت نے اپنی قوم کی مشکلات کا صحیح تجزیہ کیا اور نہ ہی دشمن کی حکمت عملی کو سامنے رکھ کر میدان کارزار میں اپنی چالوں کو بدلا۔ پھر ایک دلچسپ منظر تیار ہو گیا۔ کل تک مجاہدین کہلانے والے لوگ ہندوستانی سیکورٹی فورسز کے ساتھ ملنے لگے اور اپنے ہی ہموطنوں کے ہاتھوں کشمیری نوجوانوں کا خون گلی کوچوں

میں بہانے میں اعانت کرنے لگے۔ لیکن وادی کے اندر موجود کشمیری لیڈرشپ نے موجودہ حالات پر نظر رکھنے اور ان کا احتیاط کے ساتھ تجزیہ کرنے کے بجائے "حملہ پر حملہ" کا نعرہ دے دیا۔ اس کا مطلب کشمیر کی معیشت کی تباہی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ملی ٹینٹوں نے گلیوں، سڑکوں اور دوسری جگہوں پر ہتھ گولے پھینکنا شروع کر دیے جن کی وجہ سے شہری زندگی کے لئے روزمرہ کے کام کاج کرنا مشکل ہو گیا۔ دہشت گردوں کی دست برد سے جو بچا اسے ہندوستانی سیکورٹی فورسز نے جوابی کارروائی میں ختم کر دیا۔ اس طرح کسی ٹھوس پروگرام کی عدم موجودگی میں اور ایک منظم تحریک کے فقدان کی وجہ سے کشمیری عوام پر قربانیوں کا بھاری بوجھ ڈال دیا گیا۔ چونکہ بے لگام دہشت گردی پر کوئی پابندی نہیں لگائی جا سکی اس لئے بندوق ایسے ہاتھوں میں پہنچ گئی جنہوں نے اسے ذاتی خودنمائی اور شان کے لئے استعمال کیا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تاوان حاصل کرنے، ذاتی انتقام حتیٰ کہ میاں بیوی کے جھگڑوں اور نظریاتی اختلاف جیسے فروعی معاملات کے لئے بھی اغوا کا ہتھیار استعمال کیا جا رہا ہے اور اس طرح بندوق بردار نوجوان جھگڑے نمٹانے لگے ہیں۔ بے حد معمولی اور بے معنی معاملوں کو نمٹانے کے لئے بھی بندوق ثالث بن گئی۔ بندوق بردار مجرم اقلیتی فرقہ کی املاک پر زبردستی قبضہ کرنے لگے۔ کشمیر کو تاریکی کے دور میں دھکیل دیا گیا ہے۔

دوسری طرف پاکستانی لیڈروں اور سیاستدان جو اسلام کے نام پر کشمیریوں کے جذبات بھڑکاتے رہے ہیں اپنے یہاں کراچی اور دوسرے مقامات پر مسلک اور فرقہ کے نام پر لوگوں کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کرنے کی پالیسی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ وہاں مسجدوں میں عبادت کرنے والے لوگوں پر بھی حملے کر کے خون میں نہلانے کا عمل جاری ہے۔ ہندوستانی سیکورٹی فورسز جو کشمیر میں کر رہی ہے اس طرح پاکستان کی سیکورٹی فورسز نے بھی کراچی میں لوگوں کو گرفتار کیا اور حراست میں قتل کرنے کے بعد ان کی لاشیں سڑکوں پر پھینکتی رہیں۔ (یاد رہے کہ بینظیر بھٹو کو برطرف کرنے کے بعد صدر پاکستان فاروق احمد لغاری نے اس کی حکومت پر کراچی میں غیر عدالتی قتلوں کا الزام لگایا تھا۔ اُدھر افغانستان میں خوف افغانوں نے ہی مذہب اور اسلام کے نام پر اپنے ملک کو کھنڈرات میں تبدیل کر دیا ہے۔

یہ تمام واقعات کشمیریوں کی نظر کے سامنے ہوئے۔ انہیں جو کچھ بھی بتایا گیا ہو اس کے قطع نظر آج الیکٹرانک میڈیا دنیا کے ہر کونے کی خبریں گھنٹے گھنٹے کے بعد دیتا رہتا ہے۔ جیلوں میں محبوس نوجوانوں کو صرف اس وجہ سے کوئی راحت نہیں پہنچائی گئی کہ کوئی منظم تحریک موجود نہیں تھی۔ حالات بہ ایں جا رسید کہ محبوسین کے والدین یا بہن بھائی انہیں ملنے بھی نہیں جا سکتے کیونکہ مالی طور پر وہ اس قدر کمزور ہیں کہ سفر کے اخراجات بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ جہاں ایک طرف کشمیر میں یہ حالات پیدا ہو رہے تھے وہاں دوسری طرف دہشت گردی کے حامی کچھ لیڈروں دفتر قائم کرنے کے نام پر شاندار بنگلے تعمیر کرلئے اور ان محلات کی تعمیر پر 40 سے 60 لاکھ روپے تک خرچ کئے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ لیڈر لوگوں کو اتحاد کے درس دیتے ہوئے خود لوٹ کھسوٹ میں مصروف رہے۔ اور لوگوں کی تنقید سے بچنے کے لئے ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنا شروع کر دی۔ جب بھی دہشت گرد لوگوں کو تنگ کرتے یا کسی معزز شہری یا بڑے سیاسی لیڈر کو قتل کرتے وہ اس کی ذمہ داری سیکورٹی فورسز پر ڈال دیتے۔ اس کی وجہ سے یہ دہشت گرد بے لگام ہو گئے اور اپنے جرائم کے لئے جواب دہی سے محفوظ ہو گئے۔

قدرتی طور پر مصیبت زدہ عوام انتخابات کو اپنی مشکلات کا حل سمجھنے لگے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سرینگر، اننت ناگ اور بارہمولہ کے اضلاع میں کئی مقامات پر مکمل ہڑتال رہی اور سات فیصدی سے زیادہ لوگوں نے ووٹ نہیں ڈالے۔ لیکن کشمیر کے باقی حصہ میں بھاری تعداد میں لوگ ووٹ دینے آئے جس کی وجہ سے ووٹ ڈالنے کی اوسط 20 تا 25 فیصد ہو گئی تھی۔

ڈاکٹر مصطفیٰ کمال گذشتہ نو سال میں اپنے اسمبلی حلقے تک مرگ سے باہر نہیں گئے اور مریضوں کو دیکھتے رہے۔ یہاں اس بات پر زور دینا ضروری ہے کہ کشمیری قیادت نے پاکستانی سیاستدانوں اور حکمرانوں کی نفسیات پر عمل پیرا ہو کر ہمالیائی غلطی کی تھی۔ یعنی عوام کی نفسیات کے خلاف کام کرنے کی غلطی ایک لحاظ سے ہر جگہ کے عوام کی نفسیات ایک جیسی ہی ہوتی ہے جس کی بدولت وہ اپنے خاص مقصد کے حصول کے لئے واضح پلان اور پروگرام تیار کر لیتے ہیں۔ اگر لوگوں کی بھاری تعداد اس پروگرام کی طرف مائل ہو جائے اور وہ اسے

دیانتداری سے قبول کر لے پر راضی ہو جائیں تو پھر وہ اس مخصوص پروگرام کے حصول کے لئے قربانیاں دینے کے لئے بھی تیار ہو جاتے ہیں۔ اس کے عوض لیڈرشپ لوگوں کو ان کی روزمرہ زندگی میں یہ محسوس کراتی رہتی ہے کہ ان کی قربانیاں ایک ایک انچ کر کے ان کے مقصد کے حصول کی طرف گامزن ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ بیدار ہوتے ہیں اس لئے انہیں معلوم رہتا ہے کہ ان کی کوشش کامیابی کی طرف بڑھ رہی ہے یا ناکام ہو رہی ہے۔

کشمیر میں جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ پہلے تو عوام کو کسی ایک پارٹی و ایک لیڈر اور ایک نعرے کے تحت کوئی متحدہ پروگرام پیش نہیں کیا گیا۔ پھر راتوں رات کئی تنظیمیں کھمبیوں کی طرح پھوٹ پڑیں۔ اتحاد حامی تنظیموں کی تعداد بھی بہت تھی۔ اور پھر عام آدمی کو ہزاروں اموات اور تباہی کے سوائے کچھ نہیں ملا۔ اندرونی طور پر جو لوگ قیادت کی چوٹی پر ہونے کا دعویٰ کرتے تھے وہ ہر روز بکھرنا شروع ہو گئے اور ایک دوسرے پر الزام تراشی کرنے لگے۔ کل جماعتی حریت کانفرنس نے بلال بیگ پر زیادہ نہیں تو کم از کم چودہ الزامات عائد کئے اور اس کو "ایجنٹ" تک کہہ دیا۔ بلال بیگ کے ساتھ ہمارے کئی اختلافات ہو سکتے ہیں۔ اس کے طرز کار پر اختلافات ہو سکتے ہیں۔ لیکن وہ بھی خوابوں اور خیالی قلعوں کے لئے قربانی کا بکرا بنا دیا گیا۔ آخرکار سیکورٹی فورسز نے اسے ہلاک کر کے اس کی لاش سڑک پر پھینک دی۔ اس کے بعد حریت کانفرنس کے وہی لیڈر عیدگاہ میدان میں اس کے لئے تعزیتی جلسہ منعقد کرنے میں مصروف ہو گئے۔ حزب المجاہدین کے ایک رکن کے حریت کانفرنس کے ایک قریبی ساتھی کو ہلاک کر دیا تھا۔ قتل کے تین ماہ کے اندر اس کی بیوہ ہمارے منوا (Manwa) کے دفتر میں آئی اور مدد کی درخواست کرنے لگی۔ یہ حشر ان لوگوں کا ہے جو اس تنظیم کے قریب ہیں۔ عام آدمی کی حالت کے بارے میں تو جتنا کم کہا جائے بہتر ہے۔

اس کے ساتھ ہی ایسی کوئی بین الاقوامی حمایت بھی نہیں ملی جس سے کشمیر کا معاملہ حل کرنے میں مدد ملتی۔ سلامتی کونسل کے ایجنڈہ سے بھی کشمیر کا مسئلہ ہٹا دیا گیا اور بڑی مشکلوں کے بعد اس ادارے نے یہ مانا کہ اس معاملہ کی سال سال کے بعد نظرثانی کی جاتی رہے گی۔ سلامتی کونسل کے ایجنڈہ سے مسئلہ کشمیر کو ہٹائے جانے کی داستان دلچسپ بھی ہے اور سبق آموز بھی۔ سلامتی کونسل کے ایجنڈہ میں کسی معاملہ کو شامل کرنے یا اس سے

خارج کرنے کے لئے بہت سی ابتدائی کوشش و کارروائی کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور کئی رسمی قواعد کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ کافی وقت پہلے ایک نوٹس جاری کیا جاتا ہے جس پر ہر پہلو سے بحث ہوتی ہے۔ اس کے بعد رائے شماری کے ذریعہ فیصلہ کیا جاتا ہے مگر مسئلہ کشمیر کو ایجنڈہ سے خارج کرنے کے بارے میں پاکستانی مشن برائے اقوام متحدہ کو حتمی فیصلہ ہونے تک اس کی کوئی خبر نہیں تھی۔ تیسرے دن ایک اخباری نمائندے کے سوال کرنے پر ایک پاکستانی سفارت کار کو پتہ چلا کہ کشمیر کا سوال ایجنڈہ سے ہٹا دیا گیا ہے۔ پھر پاکستان گہری نیند سے جاگا۔ "جنگ فورم" کے ساتھ ایک انٹرویو میں سردار قیوم خان نے کہا "ہندوستان نے کشمیر کے معاملہ پر سلامتی کونسل میں فتح حاصل کر لی ہے۔ اس نے اس کو بین الاقوامی سطح سے ہٹا دیا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سوال کو واپس لے آیا گیا ہے وہ خود فریبی میں مبتلا ہیں۔ یہ مسئلہ شرائط کے ساتھ واپس (ایجنڈہ میں) لوٹا ہے۔ اب ہمیں ہر سال درخواست دینی پڑے گی۔"

ملی ٹینٹوں نے اپنی غلط کارروائیوں سے انسانی حقوق کمیشن میں ہندوستانی سلامتی دستوں کی کارروائیوں کو اپنی کارروائیوں کے مساوی قرار دینے میں مدد کی۔ ملی ٹینٹوں کی قیادت اقلیتی فرقہ یعنی کشمیری پنڈتوں کو کشمیر لوٹنے پر رضامند نہیں کر سکی۔ ہماری تحریک کے لئے یہ بھی ایک بڑا نقصان تھا۔ ان سب باتوں کے علاوہ پاکستان کی طرف سے "تیسرے متبادل" کو تسلیم کرنے سے انکار کا معاملہ بھی ہے۔ پاکستانی حکمران اور سیاستدان کئی مرتبہ بین الاقوامی انجمنوں میں اس بات کو دوہرا چکے ہیں کہ وہ تیسرے متبادل کے حق میں نہیں ہیں۔ لوگوں میں ملی ٹینسی کا بھرم ٹوٹ جانے کی ایک اور وجہ زیارتوں اور مذہبی درگاہوں کا جلایا جانا اور سکولوں و کالجوں کی عمارتوں، پلوں اور دیگر ڈھانچوں کی آتشزنی بھی ہے۔ جس کا مطلب اس تمام ڈھانچے کی تباہی ہے جو لوگ کے کام آتا ہے۔ کوئی ہزار مرتبہ باہر والوں کو یہ یقین دلانے کی کوشش کیوں نہ کرے کہ سکولوں کی عمارتوں، پلوں اور کالجوں کی عمارتوں کو سیکورٹی فورسز نے نذر آتش کیا تھا مگر اندر کے لوگ جو اس جدوجہد میں خود شامل تھے اور جنہیں سنہری خواب دکھا کر قربانیاں مانگی گئی تھیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کس نے کیا کیا؟۔ لہذا عام لوگ عمل دیکھ کر ہی فیصلہ کرتے ہیں کہ وہ مزید قربانیاں دیں یا متعلقہ جدوجہد

سے مکمل طور پر علیحدہ ہو جائیں اور صرف بیدل تماشائی بن جائیں۔ اس عمل میں لوگ مسلسل جدوجہد سے عاجز آجاتے ہیں۔ دشمن اپنے مخالف کو تھکا دینے کی حکمت عملی اپنا لیتا ہے اور اس کی صفوں میں گومگو کی حالت پیدا کر کے آخر کار اس کو شدید مایوسی میں مبتلا کر کے سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ سنجیدہ دانشور اور دور بین لیڈر شپ ہر گزرتی گھڑی میں عوام کی نبض پر ہاتھ رکھے رہتی ہے۔ اس کو عوامی نفسیات کا شاندار ادراک ہوتا ہے اور ان وقتی حالات کے مطابق ہی قربانیوں کا مطالبہ کرتی ہے۔

کشمیری عوام زوردار طریقے سے اپنی تھکاوٹ کا اظہار کرنے لگے تھے۔ انہوں نے انتخابات کے خلاف کوئی کھلا اظہار نہیں کیا۔ کل جماعتی حریت کانفرنس کی بائیکاٹ کی کال کے باوجود لوگ "تخت یا تختہ" کے جذبے سے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے۔ کہیں کہیں اکا دکا بائیکاٹ کا واقعہ بھی ضرور ہوا تھا مگر حقیقت یہ ہے کہ لوگ زیادہ تر تماشائی بنے رہے تھے۔ دوسری جانب ہندوستانی سیاست دانوں، بیوروکریسی اور حکومت نے اپنے ملک کے وسیع تر مفادات کو سامنے رکھتے ہوئے نیشنل کانفرنس کو یقینی کامیابی حاصل کرنے میں مدد دی اور اس مقصد کے لئے تمام ممکن وسائل بروئے کار لائے۔ اس سے ایک سیاسی تجزیہ یہ کیا جا سکتا ہے کہ نیشنل کانفرنس کا دو تہائی اکثریت حاصل کرنا طے کیا جا چکا ہے۔ مزید برآں کشمیر یونٹ کی یکجہتی کو یقینی بنانے کے لئے جموں اور لداخ میں بھی نیشنل کانفرنس کی کامیابی کا نہایت چابکدستی سے انتظام کر دیا گیا تھا۔ ڈاکٹر کرن سنگھ کے بیٹے کی نیشنل کانفرنس میں شمولیت کے واقعہ کی اپنی اہمیت ہے۔ ماضی میں ساٹھ سال تک مہاراجہ اور شیخ کے خاندان ایک دوسرے کے دشمن رہے تھے۔ مگر اب ڈاکٹر کرن سنگھ کے نیشنل کانفرنس میں شامل ہونے سے پوری صورت حال نے ایک نیا موڑ لے لیا ہے۔ اسی طرح مولوی افتخار حسین انصاری کے نیشنل کانفرنس کے ساتھ ملاپ نے اس پارٹی کو مزید قوت اور مضبوطی فراہم کر دی ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ تمام کامیابیاں زبردست اور پر احتیاط منصوبہ بندی کے نتیجے میں حاصل کی گئیں تاکہ نیشنل کانفرنس اپنی دو تہائی اکثریت کی وجہ سے اسمبلی کے اندر ریاست کی اٹانومی کے لئے قانون لا سکے۔ اسمبلی کی منظوری کے بعد پارلیمنٹ کے لئے اس کو پاس کرنا لازمی ہو جائے گا کیونکہ ریاستی آئین کے مطابق قانونی پوزیشن یہی ہے۔

حلف برداری کی تقریب میں ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے وفور جذبات سے کہا تھا "بھارت کے لئے میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دوں گا"۔ کشمیریوں اور بہت سے باضمیر ہندوستانیوں نے اس اعلان کو پسند نہیں کیا۔ گذشتہ نو سال کے دوران کشمیری نوجوان موت اور تباہی کا سامنا کرتے رہے ہیں۔ کشمیری پنڈت کسمپرسی کی حالت میں پناہ گزین کیمپوں میں رہ رہے ہیں۔ تباہی کے اژدھر نے اپنے دانت ہر ایک کشمیری خاندان میں پیوست کر رکھے ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ کو ان سب کے لئے بھی آنسو کا ایک قطرہ بہانا چاہئے تھا تاکہ وہ کشمیریوں کے ساتھ یگانگت کی چھاپ قائم کر سکتے۔ نیشنل کانفرنس کی صفوں میں موجود سنجیدہ حلقوں نے بھی حلف برداری کی رسم کے موقعہ پر ڈاکٹر عبداللہ کے حربوں کو پسند نہیں کیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ریاست اور مرکز کے درمیان کیسے تعلقات بنتے ہیں۔ کیا اس سے عام کشمیریوں میں امید پیدا ہو سکتی ہے؟ اسمبلی چناؤ کی تکمیل اور نئی حکومت کے حلف لینے کے بعد زمینی حقائق میں ضرور تبدیلی آئے گی؟ سیدھے سادے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا بے روزگاروں کو روزگار ملے گا؟ کیا عام لوگ مسلح دہشت گردوں اور سیکورٹی فورسز کے جبر واستبداد سے محفوظ رہیں گے؟ کیا تباہ شدہ سکولوں اور کالجوں کی عمارتوں، پلوں اور دوسری سرکاری عمارتوں کی مرمت یا تعمیر نو ہوگی؟ کیا افسر شاہی عوام کو درپیش مشکلات کو بلاخوف ہو کر دور کرنے کے لئے کام کرے گی؟ یا نیشنل کانفرنس دہشت گردی کے دور سے پہلے کے دنوں کی طرح کورپشن اور اقربا پروری کے سامنے گھٹنے ٹیکے بغیر درپیش عظیم اور بھاری کام پر توجہ دے گا؟ کیا ڈاکٹر کرن سنگھ کی صدارت والی اٹانومی کمیٹی 1952ء سے پہلے والی پوزیشن بحال کر سکے گی؟ کیا نیشنل کانفرنس سرکاری جیلوں میں بند نوجوانوں کی غیر مشروط رہائی کا حکم دے گی؟ کیا حکومت اجنبیت کا شکار نوجوانوں کے جذباتی اور حقیقی مسائل کو حل کرنے کے لئے کوئی ٹھوس منصوبہ تیار کرے گی؟ کیا بے گھر کشمیری پنڈت اقلیتی فرقہ کو واپس لا کر پھر سے ان کے گھروں میں بسایا جائے گا؟ لوگ نیشنل کانفرنس سے یہ اصلی اور اہم تاثر دینے کی خواہش کریں گے کہ اتنی زیادہ قربانیاں دینے کے بعد وہ کم از کم 1953ء سے پہلے والی پوزیشن کو واپس لے آئے گی۔ اگر نیشنل سرکار کم از کم مدت مثلاً دو سال کے اندر کچھ کامیابی حاصل کر لیتی ہے تو لوگ سمجھ لیں گے کہ نو برس کے خون اور پسینے کے بعد انہیں راحت کا موقعہ حاصل ہو گیا ہے۔ اس کی قیادت کے مثبت اور ٹھوس پروگراموں کو

پر کھنے کے بعد ہی لوگ اس نصب العین کے حصول کے لئے اپنی قوت لگانے کی طرف راغب ہوں گے جو مکمل آزادی و خود مختاری ہے۔

لیکن کیا اس سب کے باوجود ریاست میں اصلی امن طلوع ہوگا؟ بہت سی وجوہات ہیں جن کی بدولت پاکستانی حکمرانوں اور ان کی خفیہ ایجنسیاں وادی پر اپنے دعوے سے دستبردار نہیں ہوں گی۔ اپنے دعوے کو زندہ رکھنے کے لئے وہ تخریب کاری اور مسلسل مسلح دہشت گردی کو جاری رکھنے کے لئے کروڑوں روپے لگاتے رہیں گے۔ مگر وادی کے لوگوں کی طرف سے مسلح دہشت گردی کو مدد دینے کا انحصار اس بات پر ہوگا کہ کشمیر کی اندرونی مشکلوں کو حل کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اس بات کو دھیان میں رکھنا چاہئے کہ کشمیریوں نے اب مسلح دہشت گردی کی جگہ ستیہ گرہ اور سول نافرمانی میں یقین کرنا شروع کر دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے سیاستدان مسئلہ کشمیر کو زندہ رکھنے کے لئے پوری طاقت صرف کر دیں گے کیونکہ ان کی سیاست، قوت اور گذر اوقات یا زندہ رہنے کے وسائل سب کا دارومدار اسی مسئلہ پر ہے۔ اس مسئلہ کو زندہ رکھ کر ہی وہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کا استحصال جاری رکھ سکتے ہیں۔ کشمیر پر بھاشن بازی اور گالی گلوچ کر کے وہ اس بات کو یقینی بنا سکتے ہیں کہ گلگت، بلتستان اور مقبوضہ کشمیر کے نوجوان اپنی بے روزگاری، بھوک اور محرومی کے سنجیدہ مسائل کا حل طلب کرنے کے لئے نہ اٹھ کھڑے ہو سکیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ جب تک 1947ء میں ہجرت کر کے پاکستانی مقبوضہ کشمیر جانے والوں کو اپنے آبائی مقامات میں عزت اور آبرو کے ساتھ لوٹنے نہیں دیا جائے گا اس وقت تک وہ کشمیر کی دیگ کو ابلتا رکھیں گے اور ٹھنڈا نہیں ہونے دیں گے۔ انہیں وادی کے اندر دن رات دھماکے ہونے اور معصوم لوگوں کا خون بہنے پر معمولی سا رنج بھی نہیں ہوگا۔ اسمبلی ممبران اور نیشنل کانفرنس کے کارکنوں کو خاص طور پر تشدد اور حملوں کا نشانہ بنایا جائے گا تاکہ خوف پھیلے اور معمول کی زندگی میں عدم استحکام پیدا ہو۔ وہ بہت چاہیں گے کہ 1989-90ء کا منظر دوہرایا جائے اور ممبران اسمبلی اور نیشنل کانفرنس کارکن اپنے عہدوں کو چھوڑ جانے پر مجبور ہو جائیں۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال جوابی کارروائی کا تقاضا کرے گی جس کے نتیجے میں ایک مرتبہ پھر جبر و دہشت اور ظلم کا ماحول پیدا ہو جائے گا۔ مجھے ذاتی

طور پر علم ہے کہ کشمیر کے باہر رہنے والے لوگ اپنی شہرت کے لئے شرارتی عناصر کو ہدایات دیتے رہے ہیں کہ "بم دھماکے اور ملی ٹینسی کو جاری رکھو تاکہ دنیا کو ہر روز خون کی بو آتی رہے" وہ اس کا بندوبست کریں گے کہ کشمیر کے اندر امن وسلامتی نام کی کوئی چیز نہ رہے۔ جب امن نہیں ہوگا تو مسئلے بھی حل نہیں ہوں گے۔

یہی وجہ ہے کہ ہم بار بار اس بات پر زور دیتے رہے ہیں کشمیر کے معمہ کا واحد حل یہ ہے کہ کنٹرول لائن کے دونوں طرف پوری ریاست جموں کے اندر کسی غیر جانبدار بین الاقوامی ادارے کی نگرانی میں آزادانہ و منصفانہ چناؤ کرائے جائیں اور دونوں طرف کے منتخب نمائندوں کو ہندوپاک کے نمائندوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کوئی مستقل حل تلاش کرنے کا موقعہ دیا جائے۔ جب تک یہ سوال حل طلب رہے گا اس وقت تک ہندوستان اور پاکستان اربوں روپے اپنے دفاعی پروگراموں اور ان سے پیدا شدہ سنجیدہ اندرونی مسائل کے اضافہ پر خرچ کرتے رہیں گے۔ اس کے نتیجے میں آخر ایک بڑی مسلح تباہی بھی آسکتی ہے۔ ایسی حالت میں کیا کوئی جنوبی ایشیا میں مذہبی انتہا پسندی کے اچانک ابال کو روک سکے گا؟

ہم افغانستان میں جو پہلے ہی گذشتہ رات میں تبدیل ہو چکا ہے، طالبان کا ظہور دیکھ چکے ہیں۔ بڑی تکلیف دہ بات یہ ہے کہ طالبان اپنی آہنی کارروائیوں پر اسلام کی مہر چپکا رہے ہیں جن کی اسلام اجازت ہی نہیں دیتا۔ اسلام ایک انسان دوست مذہب ہے جو بنی نوع انسان کی بھلائی اور زمین پر امن کا خیال رکھتا ہے۔ اگرچہ رسول اکرمؐ نے امت کو علم حاصل کرنے کی تلقین کر رکھی ہے اور اس میں مرد اور عورت کی کوئی شرط نہیں ہے، لیکن طالبان نے عورتوں پر تعلیم کے دروازے بند کر رکھے ہیں۔

لندن کے اخبار جنگ نے طالبان کے ہاتھوں اپنے ملک کی تباہی کی تصویر کشی کرتے ہوئے 23 اکتوبر 1996ء کی اشاعت میں "خانہ جنگی...... افغانستان نے اپنا ماضی بھی کھو دیا" کے عنوان کے تحت یہ تحریر کیا تھا: "افغانستان نے خانہ جنگی میں اپنا ماضی بھی کھو دیا ہے۔ تاریخی آثار و عمارتیں اور شاندار مقامات بندوقوں اور توپوں کا نشانہ بن گئے ہیں۔ قومی عجائب گھر بھی ملبے کے ڈھیر میں تبدیل ہو چکا ہے۔ قومی فخر والے قیمتی زیورات تباہ کر دئے گئے ہیں یا فروخت کئے جا چکے ہیں یا لوٹ لئے گئے ہیں۔ لندن کے اخبار ٹائمز نے لکھا ہے کہ

"دنیا میں ایسے بہت کم ملک ہیں جنہیں افغانستان کی طرح ان کے اپنے ہی لوگوں نے تاراج کیا ہو۔ افغانستان کے قومی عجائب گھر میں نادر ترین فن پاروں کا ذخیرہ تھا جو ایران، ہندوستان، چین، وسط ایشیا اور دنیا کے دیگر متعلق ممالک کی ثقافتی تاریخ کا نمائندہ تھا۔ روسیوں نے اس ثقافتی دولت کا احترام کیا تھا۔ لیکن مجاہدین نے، جنہیں امریکہ کی حمایت حاصل تھی ان نایاب نوادرات کو محض نقد رقم سمجھا۔ انہوں نے محافظ خانوں کو زبردستی کھول کر ان نوادرات کو لوٹ لیا اور دنیا بھر کے خریداروں کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مسلح افراد نے قبل از تاریخ کے زمانہ کی پکائی گئی مٹی کی نایاب دریافتوں کو کباڑ کی طرح بوریوں میں ٹھونسا۔ ان میں دوسری صدی قبل از مسیح میں ہندوستانی زمرد سے بنائی گئی اشیا بھی تھیں جو کبھی بادشاہوں کے خزانوں کی زینت ہوا کرتی تھیں۔ مورتیوں کو اٹھا کر پاکستان لیجایا گیا جہاں انہیں مٹی کے بھاؤ فروخت کر دیا گیا۔ کابل کے شمال مشرق میں قبل از تاریخ دور کے 40ہزار سکے برآمد ہوئے تھے۔ یہ سارا خزانہ اب غائب ہو چکا ہے۔ گراں ترین ثقافتی ورثہ کی اس کھلی لوٹ میں اہم کردار افغان اور پاکستانی سیاستدان تھے۔ بابر کے مزار کے پہلو میں ایک شاندار مسجد تھی جو اب کھنڈر بن چکی ہے۔"

یہ ان لوگوں کی حصولیابی ہے جو دعوے کرتے ہیں کہ وہ اسلام کی خدمت کر رہے ہیں۔ اب افغان خود کہنے لگے ہیں کہ روسی کہیں زیادہ بہتر تھے۔ ابتدائی دنوں میں جماعت اسلامی کے کارکن افغان انقلاب کی بڑے جوش و خروش کے ساتھ مدح سرائی کیا کرتے تھے۔ روسیوں کی واپسی کے بعد افغان انقلاب اب انقلاب نہیں رہا بلکہ خانہ جنگی بن چکا ہے۔ اگر انقلاب یہی ہے کہ لوگوں کو آرام پہنچانے والی تمام چیزیں، مسجدیں تک گولی باری کا نشانہ بنائی جائیں اور قومی وراثت کو بے شرمی کے ساتھ لوٹا جائے، تو پھر ہمیں ایسے انقلاب کی ضرورت نہیں ہے جو لوگ کشمیر میں بھاڑے کے افغان اور دوسرے غیر ملکی دہشت گردوں کی حمایت کر رہے ہیں وہ صرف کشمیر کی تباہی کی حمایت کر رہے ہیں۔ جو قوم اپنے ملک کو کھنڈرات میں بدل سکتی ہے اس کو کشمیریوں کی ثقافتی وراثت کو تباہ کرنے پر ضمیر کیسے کوس سکتا ہے۔ مست گل نے نند درشی کی زیارت گاہ کو کھنڈرات میں تبدیل کر کے کشمیر میں افغان کلچر کی بنیاد ڈالی تھی۔ یاد رکھنا چاہئے کہ طالبان فوج ان افراد پر مشتمل ہے جو چھوٹی عمر سے ہی پاکستان کے دینی مدرسوں میں مذہبی تعلیم حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان کو مختلف فقہوں اور مسلکوں پر عمل کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ ان کو سکھایا جاتا ہے کہ ان کے اپنے مسلک کو چھوڑ کر مسلمانوں کے تمام مسالک کافروں اور بے دینوں کے مسلک ہیں۔ اس لئے ان دہشت بنیاد پرستوں کے لئے کسی مسلمان کو قتل کرنا گناہ نہیں ہے بلکہ ثواب کا کام ہے۔ طالبان کو پاکستانی آئی ایس آئی نے تیار کیا ہے اور بندوقوں توپوں، ٹینکوں اور ہوائی جہازوں سے لیس کر کے ان سے افغانستان پر حملہ کروائے جا رہے ہیں۔ 4نومبر 1996ء کے ٹائمز لندن میں ایک خبر شائع ہوئی تھی۔ یہ ان لوگوں کے ساتھ ملاقاتوں پر مبنی تھی جو طالبان کی جانب سے لڑتے ہوئے احمد شاہ مسعود کے آدمیوں کے قبضے میں آ گئے تھے۔ یہ سب پاکستانی شہری تھے۔ اخبار نے بتایا کہ آئی ایس آئی نے پاکستانی شہریوں پر مشتمل اسلامی پیرا ملٹری یونٹ نام کی ایک تنظیم قائم کی ہے جس کا ہیڈ کوارٹر پنجاب میں کسی نامعلوم جگہ پر قائم ہے۔ احمد شاہ مسعود کے فوجیوں نے اس تنظیم کے 28پاکستانیوں کو گرفتار کیا تھا جو طالبان کے لئے لڑ رہے تھے۔ یہ خبر بھی چھپ چکی ہے کہ امریکی خفیہ ایجنسی سی آئی اے طالبان کے معاملے میں آئی ایس آئی کی معاونت کرتی رہی ہے کیونکہ طالبان ایران کے سخت خلاف ہیں۔ افغانستان میں طالبان کی فتح سے مستقبل میں افغانستان کو ایران کے خلاف ایک اڈہ بنایا جا سکے گا۔ دوسری طرف افغانستان کے کچھ پڑوسی ملک بھی مختلف افغان گروہوں کو مدد فراہم کر کے اپنے دائرہ اثر کو بڑھانے کے متعلق سوچ رہے ہیں ان گروہوں میں احمد شاہ مسعود اور جنرل رشید دوستم سرفہرست ہیں۔

وسط ایشیائی ممالک طالبان کی پیشقدمی سے بڑے فکر مند ہیں کیونکہ ان کے خیال میں طالبان ان کے ملکوں میں انتہا پسندی کو بھڑکا سکتے ہیں۔ بہر حال ایران بھی چاہے گا کہ طالبان افغانستان کے اندر ہی محدود رہیں۔ کابل پر قبضہ کرنے سے قبل طالبان نے ایران نواز گروہ حزب وحدت کو سخت نقصان پہنچایا تھا اور اس کے رہنما کو ہلاک کر دیا تھا۔ ایرانی جانتے ہیں کہ اگر طالبان افغانستان میں اپنے مشن میں کامیاب ہو گئے تو امریکہ کو ایرانیوں کے خلاف ایک اور عراق پیدا کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ اس لئے ایرانی اس چال کا جواب پڑوسی ممالک کے ساتھ رابطے مضبوط کر کے دے رہے ہیں تاکہ امریکہ کو ایشیائی بر اعظم

کے اس حصے میں دور تک پھیلنے سے روکا جاسکے۔ افغانستان میں امن کی بحالی کی بھی کچھ بات کی جارہی ہے۔ ماضی میں ان مجاہدین نے مکہ معظمہ میں امن کے لئے کام کرنے کا حلف اٹھایا تھا مگر یہ قسمیں پانچ دن کے بعد ہی توڑ دی گئیں۔ اب طویل عرصہ تک افغانستان میں امن کی بحالی کی امید نہیں رکھنی چاہئے۔ اس بات کا پورا امکان ہے کہ مستقبل میں افغانستان تاجک، ازبک اور پشتونوں میں تقسیم ہو کر رہ جائے گا۔ اگرچہ اس وقت نسلی بنیادوں پر گروہ بندی موجود نہیں ہے لیکن سردست یہ ہی صورت حال بھی نہیں ہے۔

اس منظر نامہ سے پاکستان کے لئے بھی خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر افغانستان کے تین ٹکڑے ہوگئے تو ممکن ہے کہ شمال مغربی صوبہ سرحد اور بلوچستان کے پشتون، افغان پشتونوں سے مل جائیں اور وسیع پختونستان کے لئے جدوجہد شروع کر دیں۔ لیکن یہ خطرہ صرف اس وقت حقیقت بنے گا جب پشتون قومی سوال پر جدوجہد شروع کریں۔ یہ پوری طرح ناممکن بھی نہیں ہے کیونکہ افغانستان اور صوبہ سرحد میں ایسے لوگ موجود ہیں جو پشتون قومیت کی بنیاد پر لڑائی شروع کر سکتے ہیں اور یہ کافی مضبوط بھی ہیں۔ یہ لوگ افغانستان کے موجودہ بحران اور افغانوں کی برادر کش جنگ کے لئے پاکستان کو ہی ذمہ دار سمجھتے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ امریکہ اور کچھ مغربی ممالک الجیریا میں انتہا پسندی اور دنیا کے دوسرے حصوں میں جاری کم نمایاں سرگرمیوں کے خلاف تو آسمان سر پر اٹھا رہے ہیں لیکن افغانستان کے معاملے میں انہوں نے خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے ممالک کے مفادات افغانستان سے وابستہ ہیں۔ اس لئے انہوں نے یہاں کے لئے انتظار کرو اور دیکھتے جاؤ، کی پالیسی اپنا رکھی ہے۔ وہ اپنے علاقائی مصنوعی فرزندوں کی وساطت سے افغانستان کے متحارب گروہوں کو مدد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

بہر حال چونکہ یہ صورت حال الم ناک ہے لہذا ہم صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح ہم اپنے عوام کے لئے دعا گو ہیں اسی طرح افغان عوام کی بہبود کے لئے بھی دعا کرتے رہیں ہم پاکستان کے لوگوں کے لئے بھی دعا گو ہیں جہاں ہر دو تین سال کے بعد وزیر اعظم کو چلتا کر دیا جاتا ہے۔ جب جنرل ضیاالحق نے مئی 1988ء میں محمد خان جونیجو کو کرپشن اور بد نظمی کے الزامات عائد کر کے ہٹایا تو انہیں وزیر اعظم بنے صرف تین سال ہی ہوئے تھے۔

ضیاء الحق ایک ہوائی حادثہ میں ہلاک ہوگئے تو غلام اسحٰق خان نے پی پی پی کے انتخابات میں اکثریت حاصل کر لینے کے بعد بے نظیر بھٹو کو حکومت قائم کرنے کی دعوت دی۔ لیکن اسے صرف 20ماہ تک (اکتوبر 1988ء سے دسمبر 1990ء) تک حکومت کرنے دی گئی اور اسحٰق خان نے بجز کورپشن، اقتدار کے غلط استعمال، خویش پروری اور بد انتظامی کے الزامات لگا کر ہی اس کی حکومت کو برطرف کر دیا۔ نئے چناؤ کرائے گئے اور نواز شریف کی قیادت میں مسلم لیگ (ن) کی حکومت بنوا دی گئی۔ 1990ء کے ان انتخابات میں پولنگ سے کئی دن پہلے یہ افواہ اڑا دی گئی تھی کہ پی پی پی کو 54یا55 سیٹیں ہی ملیں گی۔ اور بالکل یہی ہوا۔

نواز شریف نے بینظیر کو 20ماہ کے اندر ہی اقتدار سے ہٹانے کے لئے جو حکمت عملی اپنائی تھی، بینظیر نے نواز شریف کے ڈھائی سالہ دور حکومت میں اسی کو دوہرایا۔ اس نے نواز شریف کے خلاف مہم شروع کر دی اور اسی صدر اسحٰق خان سے ہاتھ ملا لیا جو خود اس کا بھی زیادہ ہمدرد نہیں تھا۔ نواز شریف پر بھی بالکل وہی الزامات عائد کئے گئے جو بینظیر کو ہٹانے کے لئے لگائے گئے تھے۔ وزارت عظمیٰ کی کرسی پر بیٹھنے کے لئے معین قریشی کو امریکہ سے درآمد کیا گیا۔ نئے انتخابات میں پی پی پی نے پھر اکثریت حاصل کر لی اور 1993ء میں بینظیر دوسری مرتبہ وزیر اعظم بنا دی گئیں۔ اس نے اپنے مرحوم والد کے قریبی ساتھی اور پی پی پی کے وفادار رکن فاروق لغاری کو صدر پاکستان کے عہدے کے لئے منتخب کیا جو پنجاب کا ایک بڑا جاگیردار بھی تھا۔ بینظیر نے صدر پاکستان کے طور پر منتخب کئے گئے اپنے والد کے اس قریبی دوست اور پی پی پی کے وفادار پر مکمل اعتماد کیا تھا۔ اسے خیال تھا کہ صدر لغاری عوامی ووٹوں سے منتخب وزیر اعظم کو برطرف کرنے کے لئے آئین پاکستان کی آٹھویں ترمیم کا استعمال نہیں کرے گا جس کے تحت اسے اس کا اختیار حاصل تھا۔

لیکن صدر پاکستان جرنیلوں کی طے کردہ حدود کے باہر کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے صدر لغاری نے بھی آٹھویں ترمیم کے ہتھیار کو استعمال کر کے بے نظیر بھٹو کو اقتدار سے برطرف کر دیا اور اس پر بھی وہی سکہ بند الزامات یعنی کورپشن اور کراچی میں غیر عدالتی ہلاکتوں کی ذمہ داری وغیرہ عائد کر دیئے۔ یہ الزام کہ ایم کیو ایم کے کارکنوں کو فوجی حکام نے بینظیر کے ساتھ ملی بھگت کر کے ہلاک کیا تھا ایسا حربہ ہے جو مرے ہوئے پر سو دُرّے

لگانے کے مترادف تھا۔ کیونکہ جہاں تک ایم کیو ایم کا سوال ہے اس کے ممبروں کی ہلاکت کا مقصد اس پارٹی کی مزاحمتی قوت کو کم کر کے اس کے ممبروں کو واپس بڑے قومی دھارے میں شامل کرنا اور ان کے احساس اجنبیت کی ذمہ داری بے نظیر پر ڈال دینا تھا۔

سرکاری اعانت والی دہشت گردی نے پاکستان میں اپنی جڑیں اس قدر گہری پھیلا دی ہیں کہ پولیس نے بے نظیر کے بھائی میر مرتضیٰ بھٹو تک کو گولیوں سے بھون ڈالا تھا۔ اس قتل میں ملوث سب انسپکٹر کو بھی قتل کر دیا گیا۔ میر مرتضیٰ بھٹو ایک بے قصور آدمی تھا۔ اس نے اپنے مرحوم باپ کی قربانیوں کو قائم رکھنے اور اپنے خیالات کی تشہیر کے لئے طویل جدوجہد کی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے وہ پاکستان کی اندرونی "درباری" سازشوں اور اختلافات کا شکار بن گیا۔

جنوبی ایشیا میں طالبان نے نجیب اللہ کے ساتھ غیر اسلامی سلوک کر کے اسے وحشیانہ ڈھنگ سے قتل کر ڈالا۔ اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کی گئی اور اس کے بعد اس کی لاش کو تین دن تک درخت کی شاخ سے لٹکائے رکھا گیا۔ ایک مسلمان کی لاش کو اس طرح بے حرمت کیا گیا۔ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اسلام کے کن اصولوں اور کس روایت کے تحت وہ مسلمانوں کی لاشوں کو انصاف کے تقاضے پورے کئے بغیر درخت پر لٹکائے رکھا گیا تھا؟۔ الجیریا میں اسلام پسندوں نے زبردستی لوگوں کے ذاتی گھروں کے اندر داخل ہو کر تقریباً تیس عورتوں اور بچوں کو قتل کر ڈالا تھا۔ اسلام کے نام پر وحشی پن کو پھیلایا جا رہا ہے۔ بربریت کی ان کارروائیوں کی بدولت دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف نفرت کا احساس پیدا کرنے میں مدد ملی ہے۔ مسلمانوں کو ایسی بربریت جاری رکھنے کی حمایت کرنے والوں اور اسلام کے بلند اقدار نظام کو مسمار کرنے والوں کے خلاف لڑائی کرنا ہو گی ورنہ یہ زہر ہر ایک مسلم گھر کے اندر ہلاکتیں کرے گا۔ جنوبی ایشیا کے ساتھ ساتھ پوری دنیا نفرت، تعصب اور مسلک یا فرقہ پرستی کا شکار بن جائے گی۔

☆☆☆☆

باب نمبر 15

کشمیری پنڈتوں کا المیہ

کشمیر کی تاریخ پانچ ہزار سال پرانی ہے۔ اس عرصہ میں باہر سے کئی حملہ آوروں نے کشمیر پر چڑھائی کی۔ اندرونی لڑائیاں بھی اس کا مقدر رہی ہیں۔ لیکن اس کی ثقافت میں متواتر فرقہ وارانہ جھگڑوں نے اپنا مکروہ چہرہ کہیں نہیں دکھایا۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں ہے کہ ایک پیچیدہ معاشرہ میں اکثریتی مذہبی فرقہ کے لوگوں نے کسی اقلیتی گروہ کو ختم کرنے کی کوشش کی ہو۔

کشمیر میں اسلام

کشمیر میں اسلام لگ بھگ 1330-1339ء میں وارد ہوا تھا۔ اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے کہ کشمیر کے لوگوں پر اسلام زبردستی تھوپا گیا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ کلہن اور بعد ازاں جونا راجہ کی راج ترنگنی نام کی تصانیف کے اندراجات سے پتہ چل سکتا ہے کہ ان دنوں کا ہندو معاشرہ مصنوعی رواجوں کے بوجھ میں دبتا جا رہا تھا جبکہ حکمران طبقہ اپنے آپ کو اقتدار میں قائم رکھنے کے لئے درباری سازشوں میں مصروف تھا۔ معاشرہ کا اعلیٰ حصہ طاقت کے نشے میں اور برسر اقتدار طبقہ کے ساتھ خود کو جوڑنے کی وجہ سے وسیع کشمیری آبادی سے الگ پڑ چکا تھا۔ ذات پات کے ظالمانہ نظام نے ورائے معاشرہ کو پرزہ پرزہ کر دیا تھا۔ مسلسل اندرونی لڑائی اور ناچاقیوں نے ریاست کے معاشی وسائل کو ختم کر دیا تھا۔

قرون وسطیٰ کے ابتدائی دور کے اس منظر میں بلبل شاہ اور شاہ ہمدانی جیسے صوفی

بزرگ کشمیر میں اسلام لے کر آئے۔ اس کے ساتھ ہی ذات پات کے جابر نظام کے خلاف بغاوت کے دروازے کھل گئے۔ سماجی ناانصافیوں کے خلاف اور سماجی برابری و بھائی چارے پر مبنی ایک نئے عقیدے کی قبولیت کے حق میں ایک انقلاب آگیا۔ جونراجہ اپنی راج ترنگنی میں سلطان شہاب الدین کشمیری کے متعلق لکھتا ہے کہ "شہاب الدین کے اجداد سورت کے علاقے سے کشمیر آئے تھے۔ وہ پانڈوؤں کی اولاد تھے اور مشرف بہ اسلام ہوگئے تھے۔"

تاریخ کے بغور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کشمیر کے لوگوں کو زبردستی مسلمان نہ بنانے کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ اس کے حکمرانوں کے آباؤ اجداد ہندومت یا بدھ مت کے ساتھ گہرے طور پر جڑے ہوئے تھے۔ مغل شہنشاہ جہانگیر اپنے دورہ کشمیر کے دوران کشمیری ہندوؤں (پنڈتوں) اور مسلمانوں کے یکساں طرز زندگی کو دیکھ کر حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ وہ اپنی سوانح تزک جہانگیری میں لکھتا ہے کہ "مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کشمیر میں کس قسم کے مسلمان بستے ہیں۔ کیونکہ ان میں اور کشمیری ہندوؤں کے درمیان کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ ان کے رسوم و رواج اس قدر مشترک ہیں کہ وہ اپنے تہوار بھی مل جل کر مناتے ہیں اور دعوتیں بھی اکٹھی کرتے ہیں۔"

اننت ناگ میں ناگ بل کے مقام پر ہندوؤں کا ایک مندر، ایک گوردوارہ اور ایک مسجد پہلو بہ پہلو موجود ہیں۔ اسی مسجد کو دارا شکوہ نے تعمیر کروایا تھا۔ مذہبی رواداری کا کتنا نمایاں ثبوت ہے۔ لداخ کے دور دراز دیہات میں ہمیں ایسے خاندان ملیں گے جن کے افراد الگ الگ مذہب کے پیرو ہیں۔ یعنی ایک بھائی بدھسٹ ہے تو دوسرا مسلمان۔ اور وہ سب امن و سکون کے ساتھ رہتے ہیں۔ اگر میاں اور بیوی الگ الگ مذہب کے ہیں تو ان کا بیٹا باپ کا مذہب اختیار کر لیتا ہے اور بیٹی ماں کا مذہب اپنا لیتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کشمیر میں مذہب کی تبدیلی کا مطلب دوسرے مذہب کے ساتھ نفرت کرنا نہیں ہوتا تھا۔ مذہب تبدیل کیا جاتا تھا لیکن ذات وہی رہتی تھی۔ لہٰذا آج کشمیر وادی کے مسلمانوں میں آپ کو بٹ، کول، ریہ، چینگ، منشی، مہاجن اور پنڈت کے علاوہ اور بھی کئی ذاتیں مل جائیں گی جو ہندوؤں کے ساتھ مشترک ہیں۔ کچھ معاملوں میں مسلمانوں نے اپنے لئے ان ذاتوں کے نام میں معمولی رد و بدل کر لیا ہے۔ مثلاً دھر ڈار بن گئے۔ راٹھور راتھر اور لالہ نے اپنے آپ

کو لون کہلانے لگے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کشمیری پنڈت ہمارا اپنا خون اور ہڈا ماس ہیں۔ کچھ صدیاں پہلے ہمارے اور ان کے اجداد خونی رشتے سے ایک دوسرے کے بھائی تھے۔ نسلی اعتبار سے ہم دونوں کی رگوں میں ایک ہی خون دوڑ رہا ہے۔

جب اسلام کشمیر میں وارد ہوا اور اسے حکومت کی حمایت حاصل ہو گئی تو پنڈتوں نے فارسی سیکھ لی جو سرکاری زبان بن چکی تھی جبکہ کئی مسلمان سنسکرت سے چپکے رہے۔ اسلام کے ابتدائی دور میں طویل عرصہ تک سنسکرت اور فارسی دونوں استعمال ہوتی رہیں۔ آج بھی سرینگر میں نوہٹہ کی بہاءالدین صاحب بستی کے قبرستان میں ایسے لوح مزار نظر آتے ہیں کہ جن پر دونوں زبانوں میں لکھا ہوا ہے۔

شاردا کے مقام پر ایک مشہور یونیورسٹی تھی جس میں سنسکرت اور فارسی دونوں زبانیں پڑھائی جاتی تھیں۔ مسلمانوں کے جو صوفی تھے وہ ہندوؤں کے لئے رشی تھے۔ چرار شریف کے سرپرست صوفی شیخ نورالدین پنڈتوں کے نند رشی تھے۔ سرینگر کی خانقاہ معلی کی ایک سنگی دیوار کشمیری پنڈتوں کے لئے مختص تھی جس پر وہ اپنی قدیم رسم کے مطابق سیندور لگایا کرتے تھے۔ ہاری پربت پہاڑی کے پیچھے مخدوم صاحب کا مزار اور خانقاہ ہندوؤں کے چکریشور مندر کے بغل میں قائم ہے۔

روحانی نور سے شرابور للہ دید اور نند رشی جیسے سنت اور صوفیا نے تمام مذاہب اور عقائد کے کشمیریوں کو یگانگی بھائی چارہ، انسانیت اور رواداری کا درس دیا تھا۔ اپنی تاریخ کے دور میں کشمیر میں کئی قدرتی اور انسان کی پیدا کردہ آفات آئیں۔ قحط اور سیلاب، زلزلے اور طوفان، حملے اور بغاوتیں کوئی بھی کشمیریوں کے مذہبی رواداری اور بقائے باہم میں یقین کو متزلزل نہیں کر سکا۔ تاریخ شاہد ہے کہ پنڈتوں نے کبھی بھی اپنے بھائیوں، پڑوسیوں، رشتہ داروں اور ہم مذہبوں کی تبدیلی مذہب کو عداوت اور جھگڑے کا معاملہ نہیں بنایا۔ ہمیں یاد دلایا جاتا ہے کہ اسلام کے ابتدائی دنوں میں عمر ابن خطاب نے اپنی ہمشیرہ اور بہنوئی کو اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ظلم و ستم سے دہشت زدہ کر دیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہی عمر ابن خطاب بعد ازاں عمر فاروقؓ کے نام سے مشہور ہوا تھا۔ ہم نے دیکھا ہے کہ عام طور پر معاشروں میں کسی کے اپنے اجداد کا مذہب ترک کرنے پر طوفان کھڑا ہو جاتا ہے جس سے پورا ماحول آلودہ

ہوجاتا ہے۔ کشمیر کی تاریخ میں ایسا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ اس منفرد عمل کی وجہ یہ ہے کہ کشمیر میں صوفیا کرام، درویش اور انسانیت پرست مبلغین اسلام لائے تھے نہ کہ ایسے لوگ جو حکمران طبقوں اور حملہ آوروں کو خوش کرنے کی غرض سے لوگوں کو مسلمان بناتے پھرتے تھے۔ کوئی کشمیری پنڈت یہ شکایت لے کر کشمیر کے باہر کسی شہنشاہ کے پاس نہیں گیا کہ کشمیر میں لوگوں کو تیزی کے ساتھ مسلمان بنایا جارہا ہے لہٰذا آپ وہاں فوج کشی کیجیے۔

غلامی

یہ کہنا غلط تاریخ کو مسخ کرنا نہیں ہوگا کہ اگر کبھی اہل کشمیر غلامی کی زنجیروں میں جکڑا بھی گیا ہے۔۔ بیرونی مہم پسندوں کی غلامی میں، تو اس کے لئے کشمیر کے اکثریتی فرقے کے لوگ ہی ذمہ دار رہے ہیں۔ یوسف شاہ چک کے دور حکومت میں اکبر کے دربار میں کشمیریوں کا جو وفد گیا تھا اس کا سربراہ شیخ یعقوب صوفی تھا جس نے بادشاہ کو کشمیر پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا۔ کشمیری معاشرہ کو متعدی بیرونی دخل اندازی کے لئے وا کرنے کی یہ پہلی سنگین اور موثر کوشش تھی۔ یہ دعوت کسی دوسرے نے نہیں بلکہ خود کشمیریوں نے ہی دی تھی کیونکہ اس وقت ریاست کا اقتدار شیعوں کے ہاتھ میں تھا۔ ہمیں فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ہماری چار سو سالہ غلامی مغلوں سے پٹھانوں اور ان سے سکھوں اور پھر انگریزوں اور آخر میں ایک مطلق العنان حکمران کے پاس 75 ہزار روپے کی حقیر رقم کے عوض منتقل کر دی گئی تھی۔

آج یہ غلامی کشمیر کی تقسیم کے نتیجے میں موجود ہے۔ غلامی کا یہ دور کشمیری مسلمانوں کے فرقہ وارانہ رجحانات کا نتیجہ ہے جس نے انہیں اپنی سرزمین پر حملہ کرنے کے لئے غیر ملکی قوتوں کو دعوت دینے پر تیار کر دیا تھا۔ ان کی ضد و حماقت ان کی آئندہ نسلوں کو غلامی سے ظلم و جبر، مہاجروں اور جلاوطنیوں والی تباہی کی نقیب ہے۔ آج برصغیر کے 120 کروڑ سے زیادہ عوام کے سروں پر تباہ کن جنگ کی تلوار لٹک رہی ہے۔ تاریخ قوموں کو ان کی ایسی غلطیوں کے لئے کبھی معاف نہیں کرتی جو لوٹائی نہیں جا سکتیں تاوقتیکہ قومیں انہیں دہرانے کا بار بار عہد نہ کریں۔

ریاست کے مسلمانوں کے شانہ بہ شانہ لاہور میں تعلیم حاصل کرنے والے کشمیری پنڈت لڑکے بھی مطلق العنان ڈوگرہ راج کے خلاف جدوجہد میں شامل ہو گئے تھے۔ چونکہ کشمیری پنڈت پرانے وقتوں سے تعلیم یافتہ طبقہ رہے تھے چنانچہ ڈوگرہ حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوتے تھے۔ اس سے ہمیں پنڈتوں کے دماغ کا نفسیاتی تجزیہ کرنے کی ترغیب ملنی چاہئے کہ آخر وہ باہر کے لوگوں کی وادی کے اندر آباد کاری کی ہمیشہ کیوں مخالفت کرتے تھے۔ ڈوگرہ انتظامیہ میں شامل پنڈت اہلکار طبقہ اور پنڈت فرقہ ہی تھا جس نے حکمران ریاست میں سٹیٹ سبجیکٹ (ریاستی باشندہ) قانون نافذ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ ہمیں معلوم ہے کہ اس وقت پنجاب اور بنگال کے لوگوں نے ریاستی حکومت کے محکموں میں داخل ہونا شروع کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی وادی کے اندر اراضی اور املاک خریدنا ایک ترغیب و خواہش بن گئی تھی۔ اس ریاستی باشندہ قانون نے بعد ازاں آئین ہند کی دفعہ 370 کی شکل اختیار کی تھی۔

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا امتحان

اگرچہ 1947ء میں قبائلیوں نے کشمیر پر حملہ کے دوران ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو اپنے مظالم کا نشانہ بنایا تھا لیکن ہندو اور سکھ سب سے زیادہ متاثر ہوئے تھے۔ قبائلیوں نے انہیں کافر کہہ کر اپنے جبر و تشدد کا نشانہ بنایا تھا۔ گلگت، بلتستان اور مظفر آباد، پونچھ، کوٹلی اور میرپور جیسے پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے قصبوں میں تو ہندوؤں کو سکھوں کو پوری طرح ختم کر دیا گیا یا ہجرت پر مجبور کر دیا گیا تھا۔ بلاشبہ وادی کے دیگر علاقوں بارہمولہ، اوڑی، سوپور میں جو پنڈت اور سکھ اپنی جانیں بچا سکے وہ اپنے مسلمان پڑوسیوں اور دوستوں کی مدد سے ہی تھا۔ اور جب وادی کے مسلمان قبائلی حملہ آوروں کی شدید مزاحمت کرنے کے لئے اکٹھے ہوئے تو پنڈت قیادت بھی اس مزاحمتی فورس میں شریک ہو گئی تھی۔ ان لیڈروں میں پنڈت کشپ بندھو، شام لعل صراف، پریم ناتھ بزاز، ڈی پی دھر اور کئی دوسرے خاص طور پر نمایاں تھے۔ ان کی اصل تشویش اپنی مادر وطن کشمیر اور اس کی انسان دوست ثقافت کے تحفظ کے لئے تھی۔

1947ء کے قبائلی حملے کے حالات جاننے کے لئے ہمارے پاس امریکی صحافی مارگریٹ بروک وہایت کی تحریروں کی صورت میں شاندار وسیلہ موجود ہے جو حملہ آور قبائلیوں کے ساتھ آئی تھی۔ اپنی کتاب Half Way To Freedom (آزادی کی جانب آدھے راستے پر) میں اس نے لکھا ہے "ایک دو دن کے بعد لوٹ کے مال سے لدے ہوئے ٹرک اور بسیں آتیں کشمیر کو لوٹنے کے لئے مزید پٹھانوں کو سوار کر لے جاتی تھیں۔ "کشمیری مسلمان بھائیوں کو آزاد کرانے کی اپنی کسرت کو دوہراتے ہوئے وہ ہندو، سکھ، مسلمان شہری اور کسان سب کو بغیر تفریق مذہب وملت لوٹ رہے تھے۔

مثبت حصہ

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ 1947-48 میں جس وقت پورا برصغیر وحشی بن چکا تھا، اس وقت صرف کشمیر ہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں انسان دوستی کی شمع جھلملا رہی تھی۔ مظفر آباد میں ہندو اور سکھ خواتین نے ماسٹر عبدالعزیز کے گھر میں پناہ لی تھی۔ جب وحشی قبائلی ان بے یار و مددگار پناہ گزینوں کو قتل کرنے کے لئے ماسٹر عبدالعزیز کے گھر میں گھس گئے تو ماسٹر صاحب ان کے سامنے تن کر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ چاہو تو میری جان لے لو لیکن میرے گھر میں پناہ کے لئے آئے ہوئے معصوم لوگوں کو چھوڑ دو۔ ماسٹر جی نے پوچھا کہ ان لوگوں کو قتل کرنے کا جواز کیا ہے؟ عبدالعزیز نے پکارا کہ تم لوگ خود کو اسلامی مملکت کا علمبردار کہتے ہو تو بتاؤ کہ اسلام نے معصوم بچوں اور بوڑھی عورتوں کے قتل کی اجازت کہاں دی ہے؟ مگر وحشیوں نے بے آسرا پناہ گزینوں کے ساتھ ماسٹر عبدالعزیز کو بھی دریا کے کنارے لیجا کر سب کو گولیوں سے بھون ڈالا۔ اس قتل عام کو شیخ محمد عبداللہ نے اپنی سوانح حیات آتش چنار میں بھی رقم کیا ہے۔

ڈوڈہ ضلع میں فرقہ وارانہ جنون کا مقابلہ کرتے ہوئے کشمیر ملیشیا کے نوجوان رضاکاروں نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ اس میں سوم ناتھ بیر اور بشمبر ناتھ زاڈو نام کے دو کشمیری پنڈت فرزان ارض کشمیر کے نام پر بڑے نمایاں طور پر سامنے آتے ہیں۔ وہ ڈوڈہ میں اکثریتی فرقہ کے غیر محفوظ لوگوں کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہوگئے۔ اس بات کو

نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے کہ 1948ء میں قبائلی حملے سے پہلے مہر چند مہاجن اور اس کے جے آر۔ کے۔ بترو نے کشمیری پنڈتوں کو ہتھیار حاصل کر کے وادی کے اندر اکثریتی فرقہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی بیجا ترغیب دی تھی۔ لیکن کشمیری پنڈت قیادت نے یہ کہہ کر ہتھیار اور اسلحہ لینے سے انکار کر دیا تھا کہ انہیں ہتھیاروں سے زیادہ اکثریتی فرقہ کی خیر سگالی کی ضرورت ہے۔ شیخ عبداللہ کی سوانح میں اس واقعہ کا بھی ذکر ہے۔ اس طرح اس وقت کی پنڈت لیڈرشپ نے زبردست دانشمندی اور پیش بینی کا ثبوت دیتے ہوئے نہ صرف اپنے فرقے کو خطرے سے دور کر دیا بلکہ سچے محبان وطن کی حیثیت سے اپنی جنم بھومی کے ساتھ مکمل وفاداری کا مظاہرہ بھی کر دیا تھا۔

پنڈتوں کے تعلیم کے میدان میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ وادی میں اکثریتی فرقہ تک خواندگی اور تعلیم پہنچانے میں ان کا حصہ قابل تعریف ہے۔ مستقبل میں جھانکنے والی نگاہ رکھنے کی بدولت پنڈت فرقہ شروع سے ہی شرح پیدائش کو محدود کرنے اور خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کی سماجی ضرورت کا مثبت جواب دیتا رہا ہے۔ پنڈت سدا اپنے بچوں کو اچھی تعلیم اور تربیت دینے کو اہمیت دیتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پرائمری جماعتوں سے یونیورسٹی کی سطح تک ہر جگہ ہم تعلیمی اداروں میں ان کی بھیڑ دیکھتے رہے ہیں۔ اس لئے اگر کشمیر کے اسلامیہ سکولوں اور کالجوں میں بھی پنڈت اساتذہ کی تعداد 40 فیصد سے کم نہیں ہوتی تھی تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی بات نہیں ہے کہ اگر شیخ عبداللہ کی تعلیمی پالیسی سے کشمیر کے ہر گھر کے اندر علم کی روشنی پہنچی تھی تو پنڈت اساتذہ نے اپنے مسلم ہم وطنوں کے لئے علم کی سلطنتوں کے دروازے کھولنے میں جو کام کیا اسے سنہری حروف میں لکھا جائے۔ ان کی معلم کی حیثیت کے پیش نظر ہم اس فرقہ کے بزرگوں کے ممنون احسان ہیں۔ پنڈت ڈاکٹر اپنے ساتھی کشمیریوں کی بے حد قابل تعریف خدمت کرنے میں کبھی پیچھے نہیں رہے۔ سر پر چھائے ہوئے خطرات کے باوجود رواں شورش کے دوران کئی پنڈت ڈاکٹر وادی چھوڑ کر نہیں گئے۔ لیکن کتنی شرم کی بات ہے کہ دانتوں کے ایک پنڈت سرجن اور اس کی بیوی کو، جو سرینگر میں ضرورتمند کی خدمت کر رہے تھے بے دردی کے ساتھ قتل کر دیا گیا۔

خامیاں

کسی بھی معاشرہ میں کوئی بھی اقلیت اس وقت تک تحفظ کے ماحول میں عزت و آبرو کے ساتھ رہ کر خوشحال نہیں ہو سکتی جب تک اس کے بزرگ اور رہنما اکثریتی طبقے کے دکھ سکھ میں شریک نہ ہوں۔ پنڈت لیڈروں نے اس بات کو 1947ء میں ہی محسوس کر لیا تھا جب انہوں نے دیکھا تھا کہ صرف کشمیر میں ہی اکثریتی فرقے نے اقلیتی فرقے کے گھروں کی حفاظت کا بیڑہ اٹھا لیا تھا۔ مگر پنڈتوں اور ان کے کوتاہ بین لیڈروں کا المیہ یہ ہے کہ 1947ء کے بعد انہوں نے اپنی وفاداریاں کشمیر کے عوام سے نئی دلی کے حکمرانوں کو منتقل کر دیں۔ شیخ عبداللہ کے ساتھ طویل قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے والے چند لیڈروں کو چھوڑ کر باقی لیڈروں میں سے زیادہ تر کشمیری طبقے کے مفادات کی حفاظت کا ڈھونگ کرتے ہوئے اپنے مفادات کے پیچھے پڑ گئے۔ انہوں نے کسی پیدائشی نفرت کی وجہ سے نہیں بلکہ محض ذاتی جاہ و حشم کی خاطر نئی دلی کے کچھ کٹر انتہا پسند لیڈروں کے ساتھ ملی بھگت کر کے کشمیر کے مفادات کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا۔ یہ عناصر اپنے ہی فرقہ کے خلاف اکثریتی فرقہ کے دلوں میں زہر بھرنے کے محرک بن گئے۔ میں شیخ عبداللہ کی خود نوشت سوانح حیات آتش چنار میں سے ہی متعلقہ اقتباس پیش کرتا ہوں وہ لکھتے ہیں "کوئی دوسرا فرقہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ پورے ملک کے اندر پنڈتوں کی کس قدر زیادہ مانگ ہے۔ ریاست کے اندر مرکزی حکومت کے تمام محکموں میں کشمیری پنڈت ملازموں کی تعداد ساٹھ سے سو فیصد تک ہے۔ جب کہ وہ کل آبادی کا 2.5 فیصد بھی نہیں ہیں۔ اس لئے اگر کشمیری پنڈت اپنے بااثر وسائل کے ذریعہ ملک بھر میں، اور خصوصاً صحافتی حلقوں میں طوفان برپا کر سکتے ہیں تو پھر ان کے باقی ہم وطنوں (مسلم اکثریت) کی شکایت بالکل جائز ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ وقت کی منطق کے ساتھ ساتھ وہ ریاست کے مذہبی ڈھانچہ، جغرافیائی حقائق اور ڈھانچہ کے کوائف کو بھی ذہن میں رکھیں!! انہیں نئی دلی کی مورچہ بند بیوروکریسی کو اپنی منزل نہیں بنانا چاہئے۔ کشمیری پنڈت اپنی صلاحیتوں سے ریاست کو بے حد دولتمند بنا سکتے ہیں۔ دوسری ریاستوں کے ساتھ جذباتی رشتوں کو کمزور کرنے کے بجائے ان کے بجائے پنڈت ان کے درمیان ایک مضبوط اور بھروسہ مند پل بن سکتے ہیں۔

کشمیریوں نے دو قومی نظریہ کو رد کر کے اپنے کشمیری پنڈت بھائیوں کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لیا تھا۔ تاریخ نے ان پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنی طرف بڑھتے ہوئے دوستی کے ہاتھ کو نہ جھٹکیں۔ جس طرح وہ خود جبر اور ناانصافی کو ناپسند کرتے ہیں اسی طرح ان کے دوسرے ہم وطن بھی ان برائیوں کو ناپسند کرتے ہیں۔"

قریب سے تجزیہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ چند خود ساختہ کشمیری پنڈت لیڈروں نے کشمیر کے اندر اکثریتی فرقہ کی خیر سگالی تلاش کرنے کی بجائے نئی دلی کو اپنی جائے نجات سمجھ لیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی نئی دلی کی افسر شاہی کے کچھ طبقوں اور چند سیاسی رہنماؤں نے موجودہ حالات کا بے لوث جائزہ لئے بغیر پنڈتوں کے حالیہ مسائل اور مشکلات کو بڑھانے میں مدد کر ڈالی۔ اکثریتی فرقے پر اعتبار نہ کر کے پنڈتوں کو نازک عہدوں پر تعینات کر کے اس فرقہ کو کشمیر کے اکثریتی فرقہ کی نگاہوں میں مشکوک بنا دیا گیا۔ انجام کار اکثریتی فرقہ پنڈت برادری کو کشمیر میں ہندوستانی مفادات کا نگران سمجھنے لگ گیا۔ حالانکہ یہ سچ نہیں تھا۔ دراصل پنڈت برادری میں مناسب قیادت کی کمی تھی اور ان کے پاس کوئی مشترکہ پالیسی بھی نہیں تھی۔ علاوہ ازیں اس فرقہ نے ریاست کی سیاسی تنظیموں میں بھی پوری طرح شرکت نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ، کشمیر کی سیاسی سٹیج سے دور ہوتے گئے۔ اکا دکا پنڈت سیاسی کارکن چاہے وہ نیشنل کانفرنس میں تھا یا کانگریس میں، اس کا اپنے فرقہ کے لوگوں میں بہت معمولی اثر تھا اور وہ انہیں اپنے ہمراہ چلانے کے قابل نہیں ہوتا تھا۔

یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ ریاست کے باہر کی کچھ جنونی ہندو فرقہ پرست تنظیموں نے کچھ کشمیری پنڈتوں پر اثر انداز ہو کر انہیں اپنی جماعتوں میں شامل کر لیا تھا۔ 1967ء میں ایک کشمیری پنڈت لڑکی پرمیشوری کی ایک مسلم لڑکے کے ساتھ شادی کا واقع ہوا۔ (شادی کے بعد اس کا نام پروین رکھ دیا گیا تھا)۔ پنڈتوں نے اس واقعہ کو مذہبی رنگ دے دیا جس سے بین فرقہ تعلقات کچھ حد تک پراگندہ ہو گئے تھے۔ کشمیر میں دونوں فرقوں کے درمیان شادیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ایک بڑے معزز کشمیری پنڈت خاندان کی خاتون ڈاکٹر گرجا دھر نے سرینگر کے ایک دوسرے معزز مسلمان گھرانے کے لڑکے ڈاکٹر نصیر کے ساتھ نکاح کر لیا تھا۔ ایک کشمیری مسلمان خاتون نے ایک سکھ سے شادی کر لی تھی۔

ہندوستان میں بھی بے شمار بین مذہبی شادیاں ہوتی رہی تھیں۔ یہ بھی کہنا پڑے گا کہ کشمیری پنڈتوں کے جو خاندان 1947ء میں دلی منتقل ہو گئے تھے اور وہیں پر مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے ان میں سے چند خاندانوں نے بھی پیچھے وطن میں رہنے والے اپنے ہم مذہبوں کے لئے کوئی مستحسن رول ادا نہیں کیا۔ انہوں نے نئی دلی کی افسر شاہی اور سیاسی حلقوں میں اپنا اثر و رسوخ پھیلایا تھا۔ ان حلقوں میں وہ کشمیر کے متعلق صرف ان باتوں کی تشہیر کرتے تھے جو ان کے مفادات کو راس آتی تھیں۔ کشمیر کی حقیقی قیادت کو ان لوگوں اور خاندانوں سے ہمیشہ شکایت رہی جو آہستہ آہستہ وہاں کے اکثریتی فرقے کے خیال میں پنڈت چونکہ فائدے کی پوزیشن میں تھے لہذا وہ نئی دلی کو ان کی مشکلات اور توقعات کا درست احساس کروا سکتے تھے۔ کشمیری معاشرتی سیاسی ڈھانچے کے اجزائے ترکیبی کے متعلق نہایت مسخ تصویر پیش کی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کشمیر میں کچھ ناعاقبت اندیش سیاسی لیڈروں کو پنڈت فرقے کے خلاف نفرت پھیلانے کا موقعہ مل گیا۔ مگر اسی وقت دیہی علاقوں میں رہنے والے 80 فیصد پنڈت اپنے مسلمان پڑوسیوں کے ساتھ برادرانہ رشتوں کو مضبوطی سے تھامے رہے اور ان کے سکھ دکھ میں شریک رہے۔

پنڈت جواہر لال نہرو اور اندرا گاندھی کے زمانہ میں کچھ کشمیری پنڈت ہندوستانی افسر شاہی کے اعلیٰ ترین عہدوں پر پہنچ گئے تھے۔ کچھ حد تک انہیں بھی کشمیر کے سیاسی حالات میں تنزل کا الزام قبول کرنا پڑے گا۔ مختصر یہ کہ جس طرح کشمیر میں اکثریتی فرقے کے لوگ اپنی خود غرضانہ خود نمائی اور اپنے لیڈروں کی ہوس اقتدار اور سیاسی بلیک میل کے گناہ کا خمیازہ بھگت رہے ہیں اسی طرح بے قصور کشمیری پنڈت بھی اپنے چند Intersignal لیڈروں کے خود غرضانہ مفادات کی قربان گاہ پر قربانی کا بکرا بنا دیئے گئے ہیں۔ اس سب کی وجہ سے رواں تحریک نے تشدد اور بندوق کو اپنا لیا ہے اور بارود کو اپنی ہی تباہی کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔

رواں تحریک اور اس کا المیہ

تمام مذاہب انسان کو بلند اخلاقیات اور ارفع روح کا مجسمہ سمجھتے ہیں لیکن جب یہ انسان

انسانی خوبیوں کا باریک پردہ ترک کر دیتا ہے تو وہ بعید از قیاس بدترین وحشی بن جاتا ہے۔ اس کا شکار بھی اسی کی نوع کا فرد ہوتا ہے۔ ایسے وحشی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ اپنی ہی نفرت کی علامت ہوتا ہے جو جہاں بھی جائے اپنے ساتھ موت اور تباہی لے کر جاتا ہے۔ حالیہ برسوں کے دوران یہی تباہی کشمیری معاشرہ کا پیچھا کرتی رہی ہے۔ جلائے اور تباہ کئے گئے پلوں، سکولوں، کالجوں اور رہائشی مکانوں کو دوبارہ تعمیر کیا جا سکتا ہے مگر باہمی اعتماد اور بھروسہ کو بحال کرنے کے لئے دونوں جانب سے زبردست قربانیوں کی ضرورت پڑے گی۔ کشمیر کا فرقہ وارانہ ہم آہنگی مختلف عقائد کے لوگوں کے مابین پر امن بقائے باہم کی طویل اور درخشاں تاریخ کو خطرناک نقصان پہنچا ہے۔ اس لئے اصل درپیش کام اس تاریخ کو بحال کرنے اور ایک سیکولر معاشرہ کے سچے نقش کی تعمیر نو کا ہے۔ کشمیری پنڈتوں کے مجبوری کی حالت میں اپنے اجداد کی سرزمین اور کشمیر میں ان کے قصبوں اور دیہات کو چھوڑ کر چلے جانے سے ہماری روایت کو زبردست نقصان پہنچا ہے۔ یہ زہریلا پروپیگنڈہ شروع کیا گیا ہے کہ گورنر جگموہن نے انہیں اپنے گھربار اور چولہے چوکے چھوڑ کر وادی سے باہر جانے کے لئے تیار کیا تھا۔ ممکن ہے کہ جگموہن نے اعلیٰ حیثیت والے پنڈتوں کے خاندانوں یا اہم و نازک انتظامی عہدوں پر تعینات چند افراد کے خاندانوں کے بارے میں غیر رسمی بات چیت کے دوران ایسی بات کی بھی ہو۔ لیکن کوئی بھی شخص اپنے ہوش و حواس کے رہتے یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوگا کہ کشمیری پنڈتوں کا پورا فرقہ محض جگموہن کے کہنے پر اپنے گھربار چولہے چوکے چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ کشمیری پنڈتوں کو اپنے وطن سے جس چیز نے بھگایا وہ بندوق کا خوف اور ان کے فرقے کے کئی ممبروں کا قتل تھا۔ ان کی عورتوں کا اغوا اور عصمت دری تھی۔ نومبر 1989ء کو شیلا ٹکو نام کی پنڈت خاتون کو حبہ کدل کے نزدیک گولیوں سے بھون ڈالا گیا تھا۔ 4 مارچ 1990ء کو بی ایس ایف کے ایک انسپکٹر ایم این پال کی بیوی کو اغوا کر کے عصمت دری کرنے کے بعد ہلاک کر دیا گیا۔ اس کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ بی ایس ایف کے ایک انسپکٹر کی بیوی تھی۔ مارچ 1990ء میں ہی ٹیلی کام محکمے کے ایک انجینئر پی کے گنجو کو اس وقت وحشیانہ طور پر گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا جب وہ چاول رکھنے والے ڈرم میں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ حملہ آور اسے پکڑنے کے لئے گھر کی تیسری منزل تک چڑھ گئے تھے۔ گنجو کی بیوی نے قاتلوں کی خوشامد کی کہ وہ اس کو بھی ہلاک کر ڈالیں مگر اس کو یہ اذیت ناک جواب دیا گیا کہ "تمہیں

تیں ماریں گے کیونکہ لاش پر رونے والا بھی تو کوئی چاہیے" 1990ء کے اسی مہینے میں ایک اور کشمیری پنڈت عورت کو آوجی باغ میں اس کے گھر کے اندر گولیوں سے مار ڈالا گیا۔ اپریل 1990ء میں سرلا بٹ نام کی ایک نرس کو اغوا کر لیا گیا اور کئی دن تک آبرو ریزی کرنے کے بعد اسے ہلاک کر کے لاش سڑک کے کنارے پھینک دی گئی۔ مئی 1990ء میں سوپور میں مسز پرانا گنجو اور اس کے شوہر پروفیسر کے ایل گنجو کو اغوا کیا گیا۔ عورت کی عصمت لوٹی گئی اس کے بعد دونوں کو قتل کر دیا گیا۔ جون 1990ء میں تریگام میں لیبارٹری اسسٹنٹ کے طور پر کام کرنے والی گرجا کو اغوا کر کے آبرو لوٹی گئی اور اس کے بعد آرہ مشین پر اس کے جسم کو ٹکڑوں میں کاٹ دیا گیا۔ جون 1990ء میں ہی بی ایل گنجو، اس کی بہن اور بیوی کو سرینگر کے بان محلہ میں ان کے گھر کے اندر گھس کر ہلاک کر دیا گیا۔ جولائی 1990ء میں نیجا دھر نام کی ایک ملازم پیشہ عورت کو عالی کدل سرینگر میں سڑک پر گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔ جولائی 1990ء میں ہی نندی شام کی پنڈت عورت کو بٹ مالو میں سڑک پر گولیوں سے بھون دیا گیا۔ جولائی 1990ء میں ہی ڈاکٹر شانی کو اس کے گھر کے اندر مقفل کر کے گھر کو آگ لگا دی گئی اس طرح وہ زندہ شعلوں کی نذر ہو گئی۔ اگست 1990ء چھوٹی رینہ کی اس کے گھر کے اندر اہل خانہ کی نظروں کے سامنے عصمت دری کی گئی اور اس کے بعد گولی سے ہلاک کر دیا گیا۔
مجھے ایک خاص معاملہ کا ذکر ضرور کرنا چاہیے جس نے کشمیر کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی و سد بھاؤنا کی روایت کے ساتھ ساتھ انسانیت نوازی کی روایت کو بھی حقیقی طور پر ذبح کر کے رکھ دیا تھا۔ 30 اپریل 1990ء کو اننت ناگ ضلع میں چار مسلح افراد سروانند پریمی کول کے گھر میں زبردستی گھس آئے۔ انہوں نے سروانند اور ان کے 27 سالہ بیٹے ویریندر کول کو "پوچھ تاچھ" کے لئے گھر سے گھسیٹ کر باہر نکالا اور قریبی جنگل میں باپ بیٹے دونوں کو گولیاں مار کر قتل کر دیا گیا۔ سروانند ایک شاعر اور عالم تھے۔ ان کی عمر 64 سال تھی اور انہوں نے بھگوت گیتا کا کشمیری زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ ان کے گھر میں قرآن کا ایک نسخہ بھی محفوظ رکھا تھا جس کا وہ اکثر مطالعہ کرتے رہتے تھے۔

امید کی کرن

اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ان واقعات نے کشمیر کے اکثریتی فرقہ کے عکس کو

داغدار کر دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ایسے بے شمار واقعات کا بھی پتہ چلتا ہے جن میں مسلمانوں نے اپنے پنڈت پڑوسیوں کو پناہ دے کر ان کی جان بچائی اور پھر حفاظت کے ساتھ انہیں دور لے گئے۔ جب نئی سڑک کی رہنے والی پنڈت لڑکی روزی اور اس کی ماں کی عصمت دری کی گئی اور پھر اس کے والد سمیت تینوں کو گولیوں سے بھون دیا گیا تھا تو اس محلے کی مسلمان عورتیں احتجاج میں مظاہرے کرتی ہوئی سڑکوں پر نکل آئی تھیں اور اس وحشیانہ کارروائی کی شدید مذمت کی تھی۔

یہ کشمیر میں تحریک کے ابتدائی دور کے واقعات ہیں جب لبریشن فرنٹ کشمیر میں سرگرم واحد نام نہاد قوم پرست تنظیم ہوا کرتی تھی۔ اس وقت آزاد کشمیر کی بات کی جاتی تھی جس سے مراد پوری ریاست جموں و کشمیر ہوتی تھی۔ اس تنظیم کے ایک کارکن بٹا کراٹے نے قبول کیا تھا کہ اس نے 41 لوگوں کو ہلاک کیا تھا۔ ان حالات میں قدرتی بات تھی کہ پورا پنڈت فرقہ خوفزدہ ہو گیا اور پھر اس ابلتی ہوئی دیگ سے دور بھاگنے کے خیال پر عمل کر گیا۔ پورے فرقہ کا اکثریتی فرقہ پر سے اعتماد اٹھ گیا تھا۔ خود اکثریتی فرقے کے لوگوں کی زندگیاں بھی محفوظ نہیں رہی تھیں۔ یاد رکھئے کہ جب لوگ نئی سڑک والی روزی کے خاندان کے مجموعی قتل کے خلاف مظاہرہ کرنے کے لئے باہر نکل آئے تھے تو مسلح لوگوں نے انہیں منتشر کرنے کے لئے ہوا میں گولیاں چلائی تھیں اور مظاہرین کو ہندوستانی ایجنٹ کہہ کر پکارا تھا۔

دراصل ان جرائم پیشہ عناصر کے علاوہ مذہبی انتہا پسند اور اندرون کشمیر تحریک کی اعلیٰ لیڈرشپ جس نے شروع میں ہی ایسے عناصر کو سزا نہیں دی تھی، یہ سب کشمیری پنڈتوں کو خوفزدہ کرنے اور انہیں کشمیر سے اپنے گھر بار چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہونے کے لئے ذمہ دار ہیں۔ کچھ قابل نفرین یا گمراہ تو یہ شرمناک نعرے بھی لگا رہے تھے "اسہ کیا چھی پاکستان۔ بٹو بغیر تہ بٹنو سان" (یعنی ہم کیا چاہتے ہیں؟ پاکستان۔ پنڈتوں کے بغیر مگر پنڈتانیوں سمیت)۔ تو لاقانونیت اور خوف کا یہ ماحول تھا جس میں پنڈت بے گھر ہو گئے۔ ان کے کشمیر سے نکلنے کے بعد جرائم پیشہ افراد نے ان کے گھروں کو لوٹنا اور جلانا شروع کر دیا۔

بہر حال لاقانونیت کی اس حالت میں بھی کئی ایسے مسلمان تھے جو اپنے الگ ہونے والے پنڈت ہمسایوں کو جموں یا دہلی پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ ان کے باغات اور زمین کی

فصلوں کی قیمت اور ان کے مکانوں و دکانوں کے کرائے انہیں وہاں پہنچاتے رہے۔ کچھ ایسے عناصر بھی ہیں جنہوں نے غیر قانونی طور پر پنڈتوں کی املاک پر قبضہ کر لیا ہے۔ ایسا کسی فرقہ وارانہ منافرت کی وجہ سے نہیں بلکہ لوٹ کا مال ہتھیانے کی ہوس کی بدولت کیا گیا۔ یہ لوگ مذہب اور تحریک کی آڑ میں عام کشمیریوں کو بے وقوف بنانا چاہتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ کچھ معاملوں میں سیکورٹی فورسز نے بھی پنڈتوں کے درختوں کو کاٹا اور ان کی عمارتی لکڑی و خالی پڑے مکانوں سے گھر کا قیمتی اسباب چرایا اور پھر اس چوری کا الزام ملی ٹینٹوں پر ڈال دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کشمیری پنڈتوں کے گھروں کی لوٹ مار اور آتشزنی کے لئے کشمیر کے پورے اکثریتی فرقہ کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ ان مذموم افعال کو سرزد کرنے والے جرائم پیشہ عناصر کا کوئی مذہب، مقصد یا کوئی ضمیر نہیں ہوتا۔

بدخواہ عناصر

کشمیر میں آج ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جس کا واحد مخصوص کام پنڈتوں کی املاک کی فروخت کا بندوبست کرنا ہے۔ اس گروپ میں سرینگر اور جموں میں رہنے والے کچھ مسلمان اور پنڈت افراد کے علاوہ چند سرکاری ملازم بھی شامل ہیں۔ وہ جموں میں کسی آدمی کو کشمیر میں موجود خالی پڑی جائیداد کا مالک بنا کر جائیداد کی فروخت کے جعلی کاغذات تیار کروا لیتے ہیں۔ مہاجر کشمیری پنڈت فرقے میں بھی بلاشبہ کچھ ایسے لوگ ہیں جو کشمیر لوٹنے کی ہر امید کھو بیٹھے ہیں لہٰذا انہوں نے اپنی املاک کی فروخت ناگزیر سمجھ لی۔ ایسی خبریں بھی ملی ہیں کہ کچھ کشمیری پنڈت ایسے بھی ہیں جنہوں نے وادی کے اندر اپنے مکانوں کو آگ لگوانے کے لئے جرائم پیشہ افراد کو نقد انعام دئے تھے اور پھر بیمہ کا معاوضہ وصول کر لیا تھا۔ کشمیر کے دیہات میں رہنے والے پنڈت بنیادی طور پر چھوٹے کسان ہونے کی وجہ سے اپنی اچانک ہجرت کے وقت اپنی زمین جائیداد اور مال مویشی ساتھ نہیں لے جا سکتے تھے۔ ان میں سے بیشتر اب جموں کے ریلیف کیمپوں میں دن کاٹ رہے ہیں جہاں ان کے لئے زندگی وبال اور تاریک بن چکی ہے۔ ان میں سے بہت سے لوگ جموں کے پناہ گزین کیمپوں کے ویران ماحول میں سانپ اور بچھو کے کاٹنے سے جاں بحق ہو گئے کیونکہ جن حالات میں وہ رہ رہے ہیں ان میں انہیں مناسب علاج کی سہولت دستیاب نہیں ہے۔ مزید کئی لوگ جموں کی

ناقابل برداشت گرمی میں لو لگنے سے مر گئے کیونکہ وہ اتنی شدید گرمی کے عادی نہیں تھے یا پھر وہ گرمی سے بچنے کے لئے رنبیر نہر اور دریائے توی میں نہاتے ہوئے ڈوب کر مر گئے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثریتی فرقہ کی طرح اندرون اور بیرون ملک ان فرقے کے بھی مختلف گروہ اور تنظیمیں مصیبت زدہ عوام کے نام پر بھاری رقمیں جمع کرنے لگیں۔ ان میں ہندو اور مسلمان دونوں شامل تھے جو کشمیریوں کی لاشوں پر کروڑپتی بن گئے۔ ہندوستان کی انتہا پسند ہندو مذہبی جماعتوں نے بھی ایک آدھ مفت کمبل یا بالٹی کا عطیہ دے کر کشمیری پنڈتوں کی بدحالی کا استحصال کیا۔ اس طرح کشمیر کا پورا معاشرتی ڈھانچہ ٹوٹ کر بکھرنے لگ گیا۔ ایسے عناصر بھی تھے جو نہیں چاہتے تھے کہ کشمیری پنڈت جموں میں اپنی جلاوطنی کے دن کچھ آرام کے ساتھ کاٹیں۔ ان کی آبرو پر حملے کئے گئے۔ اگر کوئی ان بے گھر پنڈتوں کی مصیبت کا اندازہ کرنا چاہے تو ان کے لئے قائم کئے گئے 52 کیمپوں میں سے کسی ایک کا دورہ کر کے دیکھ سکتا ہے۔ پنڈتوں کے جن چند خاندانوں نے وادی کے اندر ہی رہنے کا فیصلہ کیا تھا وہ بھی کم خوفزدہ نہیں ہیں۔ کشمیری مسلمانوں کے انسانی حقوق کے حوالے سے ہردے ناتھ وانچو ایک اہم علامت بن چکا تھا۔ فرقہ پرستوں نے اس کو بھی نہیں چھوڑا۔

1977ء میں سنگرام پورہ کے سات خاندانوں کے مردوں کو گھروں سے نکال کر قتل کر دیا گیا۔ اور 1998ء میں 25 جنوری کو گاندر بل میں 23 کشمیری پنڈت عورتوں، مردوں اور بچوں کو نہایت بربریت کے ساتھ گولیاں مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ اس بہیمانہ قتل عام نے خود انسانیت کو اپنا چہرہ چھپانے پر مجبور کر دیا تھا اور ہر کشمیری چاہے وہ کہیں بھی ہو رو رہا تھا۔ اس کا سر شرم سے جھک گیا تھا۔

اس طرح کی غیر انسانی اور وحشیانہ کارروائیاں صرف انسانی حقوق کی خلاف ورزی نہیں ہیں بلکہ انسانیت کے خلاف کسی جنگلی سوز کا کام ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اس طرح عورتوں، مردوں اور بچوں کا قتل عام کرنے والے کشمیر عوام اور کشمیری جدوجہد دونوں کے دشمن ہیں۔ انسانی جسموں کو بم باندھ کر اڑانے اور عبادت گاہوں کو نذر آتش کرنے کی کارروائیوں کو "مہذب انسانوں کے خلاف وحشی کا جانوروں کی کارستانی کہنا چاہئے۔"

مگر گھپ اندھیرے کی اس گھڑی میں بھی امید کی کرن مکمل طور پر معدوم نہیں ہوئی ہے۔ اکثریتی فرقے کے افراد نے ان وحشیانہ کارروائیوں کی مکمل کر مذمت کی اور ماتم کناں خاندانوں کا دکھ بانٹا تھا۔ وہ تعزیت پیش کرنے کے لئے بڑی تعداد میں پہنچے۔ کشمیر میں فرقہ وارانہ یگانگت کو قائم رکھنے کی ایک روشن مثال ہماری تنظیم م۔ن۔و۔ا۔ کی سماجی بہبود والی شاخ کی جانب سے اس المیہ کا شکار لوگوں کو مالی مدد دیا جانا تھا۔ رنج و محن میں غرق خاندانوں کے پاس جب شیر احمد شاہ ان کے زخموں پر مرہم رکھنے پہنچے تو انہیں بہت راحت ملی۔

کسی قوم کو تباہی کے دہانے پر پہنچانے والی شے اس کی اندرونی فرقہ وارانہ لڑائی ہوتی ہے۔ اگر ہم کشمیر کی پرانی تاریخ کے اوراق الٹیں تو ہم دیکھیں گے کہ فرقہ وارانہ فسادات نے ہی اس کو غلامی میں جکڑا تھا۔ افغانستان میں مختلف مسالک کے درمیان لڑائی نے افغان قوم کو تباہ و برباد کر دینے کا خطرہ پیدا کر رکھا ہے۔ پاکستان میں شیعہ سنی فسادات کی وجہ سے سیکورٹی فورسز کو مسجدوں کی رکھوالی کرنی پڑ رہی ہے۔ دونوں نبرد آزما مسلکوں کے لوگ خدا کے گھر میں بھی لوگوں کو قتل کرنے سے نہیں ہچکچاتے۔

فرقہ پرستی کا یہی وائرس کشمیری ثقافت اور کشمیریت کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ ان عناصر میں جو لوگ شامل ہیں وہ یہ ہیں: (1) اقلیتی فرقے کی املاک پر غیر قانونی طور پر قابض ہونے کے خواہشمند۔ (2) وہ لوگ جو کشمیری پنڈت سرکاری ملازموں کی جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ (3) جنون کی حد تک فرقہ پرست جماعتیں جو اپنے آقاؤں کو خوش کرنے کی خاطر نہیں چاہتیں کہ کشمیری پنڈت لوٹ آئیں۔ (4) بیرونی ایجنسیاں اور آئی ایس آئی کے وہ منصوبہ ساز جو کشمیر پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ (5) وہ فرقہ پرست ہندو گروپ جو کشمیری پنڈتوں کو اپنے خود غرض مقاصد کے لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں اور حتمی تجزیہ کے طور پر دیکھا جائے تو وہ ہندوستان کے کئی ٹکڑے کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔

کیا کریں؟

اب سوال یہ نہیں ہے کہ آج تک کیا کچھ ہو چکا ہے؟ بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ ماضی میں کی گئی غلطیوں کو دیکھتے ہوئے کشمیر سے فرقہ پرستی کو ختم کرنے اور پرامن و ہم آہنگ

زندگی گزارنے کے لئے بھائی چارہ کے صدیوں پرانے رشتے پھر سے قائم کرنے کے لئے کیا کرنا چاہئے؟ اس کے لئے سب سے بھاری ذمہ داری اکثریتی فرقے کے کندھوں پر پڑتی ہے۔ اپنے پنڈت بھائیوں اور بہنوں کے پاس جانے سے پہلے ضروری ہے کہ ہم اکثریتی فرقے کے لوگوں میں یہ احساس پیدا کریں کہ پنڈتوں کو، جن کی تعداد تین لاکھ سے زیادہ نہیں ہے، ہر حالت میں واپس لانا ہوگا۔ جن بستیوں قصبوں اور علاقوں سے کشمیری پنڈت بھاگ چکے ہیں، ان جگہوں کے مشہور اور معزز لوگوں کو وفد بنا کر پنڈتوں کے کیمپوں میں جانا چاہئے اور ان کی اپنے آبائی مقامات میں واپسی کے لئے ان کے ساتھ بات چیت کرنی چاہئے۔ جب پنڈت قائل ہو جائیں اور واپس آ جائیں تو ان بستیوں میں رہنے والے ان کی سلامتی کی ذمہ داری سنبھالیں۔ جب اکثریتی فرقے کے لوگ اپنے اپنے علاقے کے اقلیتی فرقے کے لوگوں کی جان و آبرو کا تحفظ کرنے کے لئے اپنے عزم کا مظاہرہ کریں گے تو طاقتور سے طاقتور دہشت گرد جنونی سے جنونی فرقہ پرست بھی ان پنڈتوں کو چھو تک نہیں سکیں گے۔ اکثریتی فرقے کے لوگوں کو چاہئے کہ وہ پنڈتوں کی املاک کی خریداری کی حوصلہ شکنی کریں اور ان کے تحفظ کی پوری ضمانت دیں۔ اگر پنڈت فرقہ کشمیر واپس نہ لوٹا تو وہ آہستہ آہستہ پورے ہندوستان اور بیرون ممالک میں پھیل جائے گا اور اس کی آئندہ نسلیں کشمیر کے اکثریتی فرقے کے خلاف نفرت کا زہر پھیلاتی رہیں گی۔

اقلیتی فرقے کو بھی یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ ان پر جو بھی ظلم ہوئے تھے ان کے لئے کشمیر کے عام لوگوں کی رضامندی شامل نہیں تھی۔ سچائی یہ ہے کہ اکثریتی فرقے کے لوگوں کو بھی انہی عناصر کے ہاتھوں وہی ظلم اور زیادتیاں برداشت کرنی پڑی تھیں جن کا شکار پنڈت ہوئے تھے۔ یہ وہ عناصر ہیں جو تشدد اور وحشیانہ قوت کے ذریعہ کشمیر کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتے ہیں۔ اس کے علاوہ اکثریتی فرقے کو سیکورٹی فورسز کے بے شمار مظالم کا بھی سامنا کرنا پڑا تھا۔ ان کا شکار ہونے والوں میں زیادہ تر لوگوں کا بندوق کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ دونوں فرقوں کے افراد کو متحد ہو کر فرقہ پرستی اور دہشت گردی کے خلاف آواز بلند کرنے کے ساتھ ساتھ سیکورٹی فورسز کے ظلم، جبر کے خلاف بھی احتجاج کرنا چاہئے۔ اس سے آپسی بھروسہ پیدا کرنے میں مدد ملے گی۔

پنڈتوں کو یہ سبق مل چکا ہوگا کہ نہ تو سیکولر فورسز اور فوج انہیں بھروسہ مند تحفظ فراہم کر سکتی ہیں اور نہ ہی سیاسی رہنما دے سکتے ہیں۔ ان کے اپنے محلوں، بستیوں، دیہات اور قصبوں میں رہنے والے اکثریتی فرقے کے لوگ ہی ان کے تحفظ اور سلامتی کے بہترین ضامن ہو سکتے ہیں۔

کشمیر کے اکثریتی فرقے کی سیاسی اور مذہبی قیادت کو اقلیتی فرقہ کی سلامتی کے لئے اپنے عزم و عقیدے کا اعلان کرنا چاہئے اور ان کی بازآبادکاری کے لئے ٹھوس قدم اٹھانے چاہئیں۔ قرون وسطیٰ کی تاریخ بتاتی ہے کہ سلطان سکندر اور اس کے بیٹے سلطان علی شاہ کے دور حکومت میں سادات کے زبردست دباؤ تو مسلم وزیر سوہے بٹ کی انتقام پروری کی وجہ سے کشمیری پنڈتوں پر شدید ظلم ڈھائے گئے تھے۔ سید محمد ہمدانی سے کشمیر کے لوگ زبردست عقیدت رکھتے ہیں کیونکہ وہ سید علی ہمدانی کے فرزند تھے۔ لیکن جب اپنے والد کی روش کے برعکس سید محمد ہمدانی نے بزور بازو اسلام پھیلانا شروع کیا تو خود مشہور صوفی سید حصاری نے اس کی سخت مزاحمت کی تھی۔ اس صوفی کو کشمیر چھوڑ کر جانا پڑا تھا۔ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ سلطان سکندر کے دور میں ڈھائے جانے والے مظالم کی وجہ سے کشمیری پنڈتوں کی ایک بڑی تعداد کشمیر سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ سلطان سکندر کی وفات کے بعد اس کے بیٹے سلطان علی شاہ نے سوہے بٹ کو اپنا وزیر بنائے رکھا۔ اس نومسلم پنڈت نے اپنی بیٹی کی شادی سید محمد ہمدانی سے کر دی تھی اور خود ملک سیف الدین کا لقب اور نام اختیار کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے سابقہ ہم مذہبوں کا وسیع پیمانے پر قتل عام کروایا۔ ان کے مندروں کو تباہ کیا اور انہیں اپنے آبائی وطن سے بھاگنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن پھر تاریخ نے کشمیر میں مقدر کا عجیب تماشہ دکھایا۔ اسی سلطان علی شاہ کے چھوٹے بھائی شاہی خان کی شکل میں کشمیر کو ایک عظیم سیاسی مدبر، سپاہی اور حکمران مل گیا جس کا لقب زین العابدین تھا اور جس نے کشمیریوں کے دل اس حد تک جیت لئے کہ وہ اس کو بڈشاہ یعنی عظیم بادشاہ پکارنے لگے تھے۔ وہ 1420ء میں تخت پر بیٹھا اور اس کے جلد ہی بعد اس نے یہ فیصلے صادر کر دئے۔ (1) نومسلم کشمیریوں کو اپنے بزرگوں کے مذہب میں لوٹنے کی آزادی ہوگی اور انہیں کسی سیاسی، سماجی مجبوری یا جبر کا خوف نہیں ہوگا۔ (2) پنڈتوں پر مردوں کو جلانے کے لئے

مقامات کی تیرتھ یاترا پھر سے شروع کروا دی۔ (3) گاؤ کشی پر پابندی عائد کر دی۔ (4) ہندوؤں کے متبرک مقامات کی تیرتھ یاترا پھر سے شروع کروا دی۔ (5) جو پنڈت مجبوری کی حالت میں گھر چھوڑ کر دوسرے مقامات کو بھاگ گئے تھے انہیں واپس بلایا گیا اور ان کے لئے بنائی گئی بستیوں میں انہیں آباد کیا گیا۔ زین العابدین نے عدل و انصاف کو فرقہ وارانہ تعصب سے پاک کر دیا اور پنڈتوں نے امن اور بھائی چارے کی فضا میں پھر سے معمول کی زندگی شروع کر دی (حوالہ تاریخ کشمیر اسلامی عہد میں مصنف: ڈاکٹر صابر آفاق)

آخری بات

آج کشمیر کو سیکولرازم اور برادرانہ شفقت سے آراستہ کرنے والا کوئی زین العابدین موجود نہیں ہے۔ مگر کشمیری اس کا ہمیشہ احترام کرتے رہے ہیں۔ وہ مولانا کبیر اور شیخ نورالدین رشی کی ہدایات کا محافظ تھا۔ آج کے عوامی حکومت کے دور میں کشمیری عوام کے انبوہ ہی اپنی سرزمین کے بڈشاہ ہیں۔ انہیں تاریخ کو آواز دینا ہوگی۔ ہر ایک کشمیری کو بڈشاہ ثانی بن کر پنڈت بھائی بہنوں کو واپس ان کے وطن میں آباد کرنے کے لئے کوشش کرنا ہوگی۔ ہم اہل کشمیر ہمیشہ ابھی نو گپت، سوم دیو، دامودر گپت، بلہن، کشیمندر، کلہن پنڈت، جونہ راجہ، شریوز، شری بٹ، شدھ دیو جیسی اپنی سینکڑوں عظیم شخصیات پر فخر کرتے رہے ہیں۔ کشمیریوں نے من حیث القوم کبھی بھی ایسے لوگوں کو معاف نہیں کیا جو محض طاقت اور جبر کے بوتے پر انہیں غلام بنانے کی کوشش کرتے تھے۔ سلطان زین العابدین کے پنڈتوں کو جبری جلاوطنی سے واپس لانے کے بعد کشمیر کے مسلم اکثریتی فرقہ نے انہیں اپنے کاروبار سیاست میں برابر کا درجہ دیا تھا۔ اسی فراخدلی کی بدولت ہی کشمیری پنڈتوں کو استاد کا اعلیٰ وارفع مقام دیا گیا تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ سادات اگرچہ آل رسولؐ تھے اور اس وجہ سے کشمیری ان کا احترام بھی کرتے تھے، پھر بھی ہمیشہ وہ ان کو غیر ملکی ہی سمجھتے تھے اور کشمیری غیر ملکیوں کی موجودگی میں خود کو بھی آرام دہ محسوس نہیں کرتے تھے۔ وہ سادات کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ایک طرح کا انقلاب لے آئے تھے۔ ان پرانے وقتوں میں انقلاب کی اس جدوجہد میں سب سے آگے اور کوئی نہیں بلکہ پنڈتوں کے حال ہی میں مشرف بہ اسلام ہونے والے خاندان یعنی ریشہ وار (ڈامر ودھر)، ماگرے (مارگیش)، ٹھوکر، لون (لاویہ)، راتھر

(راٹھور) کینگ (اچکزئی) وغیرہ ہی تھے۔ انہوں نے ظلم و جبر کو تو برداشت کیا اور نہ ہی اس کے ساتھ سمجھوتہ کیا۔ نہ ہی انہوں نے اپنے کسی سیاسی عمل کا جواز ثابت کرنے کے لئے مذہب کو بیچ میں گھسیٹا۔ پنڈت کلہن نے بڑا ٹھیک تجزیہ کیا ہے وہ لکھتا ہے۔

"کشمیر کو روحانی صلاحیتوں سے تو زیر کیا جا سکتا ہے لیکن تلوار کے زور پر کبھی نہیں"

اس لئے یاد رکھنا چاہیے کہ ماضی میں جب اقلیتی فرقہ پر ظلم و ستم کیا گیا وہ کشمیر کے حکمرانوں یا بیرونی عناصر کی وجہ سے ہی تھا۔ کشمیریوں نے مذہب یا مسلک کی مصلحتوں کو درمیان میں لائے بغیر بطور ایک قوم اپنے حکمرانوں اور بیرونی طاقتوں کی ہمیشہ مزاحمت کی ہے۔ مثال کے طور پر جب پنڈت بیربل دھر کشمیریوں کو افغانی حکومت کے جبر و استبداد سے بچانے کے لئے مہاراجہ رنجیت سنگھ والی لاہور سے مدد مانگنے گیا تو وہ اپنی بیوی اور نوجوان بہو کو سرینگر کے کوجوارہ محلے کے ایک مسلمان شیر فروش قدوس گوجری کی حفاظت میں چھوڑ گیا تھا۔ جب بیربل دھر کے سالے مخبری ترلوک چند نے پٹھان گورنر اعظم خان کو اپنی بہن اور اس کی بہو کے چھپنے کی جگہ بتادی تو گورنر نے قدوس گوجری اور اس کے پورے خاندان کو تہہ تیغ کر ڈالا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مذہب اور مسلک کبھی بھی دشمنی کا سبب نہیں بنے۔ مغل حکومت میں محتشم خان یا ملا عبدالنبی کو کشمیر کا شیخ الاسلام بنادیا گیا تھا۔ وہ ایک متعصب اور ضدی شخص تھا جو اپنے عہدے کو ذاتی اغراض کے لئے استعمال کرتا تھا۔ جب اس نے پنڈتوں پر پابندیاں عائد کیں تو پنڈتوں نے اس کے خلاف بغاوت کر دی تھی۔ لیکن پھر شیعہ اور سنی مسلک کے کشمیری بھی پنڈتوں کے ساتھ آملے تھے۔ ملا عبدالنبی کو پکڑ کر اس کے دو بیٹوں سمیت ہلاک کر دیا گیا۔ جب اس کے تیسرے بیٹے ملا اشرف نے اپنے باپ اور بھائیوں کا انتقام لینا چاہا تو اس نے سنیوں کا تعاون حاصل کیا۔ دوسری طرف پنڈت شیعہ کشمیریوں کے ساتھ مل گئے۔ بہر حال بعد میں کشمیر کے نئے گورنر عبدالصمد خان نے ملا اشرف اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا اور "تختہ دار" پر چڑھا دیا تھا۔ اس نے پنڈتوں پر عائد کردہ تمام پابندیاں واپس لے کر ان کے تئیں زبردست فراخدلی کا ثبوت دیا۔ لہذا ہم اپنے اس دعوے کا اعادہ کرتے ہیں کہ من حیث القوم کشمیری کبھی بھی فرقہ پرستی اور تعصب کے سامنے نہیں جھکے۔ مجرم اور بیرونی عناصر ضرور افراتفری پھیلاتے رہتے تھے۔ مگر یہ

عارضی مرحلہ ہوتا تھا اور قوم جلد ہی توازن کی طرف لوٹ آتی تھی۔

آخر میں مجھے یہ کہنے دیجئے کہ اگر ہم نے گذشتہ تلخی کی بنیاد پر مستقبل میں بھائی چارہ، امن، ہم آہنگی اور رشتوں کے ڈھانچے کے متعلق سوچنا شروع کر دیا تو اس سے صرف ہماری آپسی دشمنی میں ہی شدت آئے گی۔ لیکن اگر ہم نے اپنے سابق تجربات کو سامنے رکھ کر روایتی بھائی چارہ اور آئندہ کے لئے برادرانہ یکجہتی کی بنیاد تعمیر کرنے کے لئے سخت جدوجہد کی تو سلطان زین العابدین کے زمانہ جیسا امن و اخوت کا دن ہم پر دوبارہ طلوع ہو جائے گا۔ اس لئے کشمیری پنڈت وادی سے دور کیوں مصیبت کی زندگی گزاریں؟ پھر اپنے پنڈت بھائیوں اور بہنوں سے دور الگ رہ کر مسلمان امن، احترام اور فخر کو کیسے حاصل کر سکتے ہیں؟ میں جانتا ہوں کہ جلاوطنی میں رہنا کیسا ہوتا ہے۔ مجھے اپنے وطن سے 27 سال کی علیحدگی 27 صدیوں جتنی طویل لگتی ہے۔ اس لئے کشمیریت اس کو کہیں گے کہ کشمیر کے اکثریتی اور اقلیتی فرقے مل جل کر رہتے ہوئے فرقہ پرستی کی بدعت کے خلاف متحد ہو کر سپر آرا ہوں۔

گاندھی جی نے کہا تھا۔

"کشمیر میں ہندو دھرم اور اسلام کا امتحان لیا جا رہا ہے۔ کشمیر روشنی کا مینار بن گیا ہے۔ میری امید اور دعا ہے کہ تاریکی میں گم اس برصغیر میں کشمیر روشنی کا ستون ثابت ہو۔"

آئیے ہم ثابت کر دیں کہ کشمیر کے لوگ پورے برصغیر کے لئے تاریکی کا ستون نہیں بلکہ امن و آشتی کا مینار نور ثابت ہوں گے۔

(دیمن۔ ہالینڈ۔ 87-1988)

☆☆☆☆

باب نمبر 16

سچائی چھپ نہیں سکتی

جذباتی و مذہبی استحصال

گذشتہ پچاس سال تک پاکستانی حکمرانوں نے اپنے عوام کو مذہب اور کشمیر کے نام پر جذباتی بنائے رکھا۔ انگریزی کا ایک پرانا محاورہ ہے کہ "آپ تمام لوگوں کو ہمیشہ احمق نہیں بنا سکتے"۔ محاورہ پاکستان کے اہل سیاست اور کشمیری عوام کو قیام پاکستان کے دن سے ہی احمق بنانے کی ان کی مسلسل کوششوں پر بالکل صادق آتا ہے۔ بہر حال اب وقت آ گیا ہے کہ نہ صرف پاکستانی حکمرانوں کے عزائم پر سے پردہ اٹھا دیا جائے بلکہ کشمیری عوام پر اس کے اصل ارادوں کا انکشاف کر دیا جائے پاکستان کے کشمیریوں کے تئیں اخلاص کی نمائش کا واحد مقصد کشمیری عوام کو غلام بنانا رہا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے پاکستان نے اس پر اعتراض کرنے والے ہر کشمیری کو "ہندوستانی ایجنٹ" یا "دشمن اسلام" قرار دینے سے بھی گریز نہیں کیا۔

پاکستان کے حکمران طبقہ نے مقبول بٹ شہید کو ہندوستانی ایجنٹ ہونے کا لیبل چپکا دیا تھا کیونکہ وہ ایک آزاد کشمیر کے لئے جدوجہد کر رہا تھا۔ ماضی میں یہی الزام خان ولی خان اور ان کی عوامی نیشنل پارٹی پر بھی لگایا گیا تھا۔ لیکن بعد میں اسی پارٹی کو نہ صرف شمال مغربی سرحدی صوبہ میں برسر اقتدار آنے دیا گیا بلکہ مرکزی قومی اسمبلی میں اسے مسلم لیگ (نواز) کا اتحادی بھی بنا لیا گیا تھا۔ مگر اب پھر خان ولی خان کی پارٹی کو پختون خواہ کے مطالبہ کی وجہ سے غدار پاکستان کہا جانے لگا ہے۔ جام صادق اور مصطفیٰ کھر کے خلاف بھی

ایسا ہی پروپیگنڈہ کیا گیا اور کھر کی بیگم کو اپنے شوہر کے خلاف کتاب لکھنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ ان الزامات کے باوجود اسی جام صادق کو سندھ کا وزیر اعلیٰ بنا دیا گیا اور مصطفیٰ کھر کو وفاقی حکومت میں کابینہ درجے کے وزیر کے طور پر شامل کر لیا گیا۔ پاکستانی حکمران فوج اور بیوروکریسی کو صرف خود غرضی سے مطلب ہے۔ وہ سچائی سے گھبراتے ہیں اور اسے چھپائے رکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مشرقی پاکستان کے عوام پر جبراً اردو زبان تھوپنے کی کوشش کر کے وہاں علیحدگی کا عمل شروع کروا دیا تھا۔ 1971ء میں عین اس وقت جب پاکستان کے 90ہزار فوجی ہتھیار ڈالنے کی تیاری کر رہے تھے، اس کے صدر جنرل یحییٰ خان "ہزار سالہ جہاد" کی باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ پاکستانی حکمرانوں نے اپنے ہی صوبہ بلوچستان کے خلاف فوج کشی کی مہم کو حق بجانب ٹھہرایا تھا اور اسی طرح سندھیوں کے قتل عام کو بھی درست قرار دیا تھا۔ 1954ء میں (پاکستانی) پونچھ کے عوام کے خلاف فوجی کارروائی کو "مسلمانوں اور سدھن راجپوت مسلمانوں" کی آپسی لڑائی قرار دیا گیا اور اس کو اسلام کی خاطر کارروائی قرار دے کر درست بتایا گیا۔ سیاسی آقاؤں، مسلح افواج اور بیوروکریسی پر مشتمل پاکستانی حکمران مثلث پاکستان کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی ہے اور اس حقیقت کا اظہار کرنے والے کو فوراً ہندوستانی ایجنٹ قرار دے دیا جاتا ہے۔ سچائی سے گریز کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ مغربی ممالک نے اس وجہ سے ترقی کی ہے کہ وہ اپنی کمزوریوں اور غلط پالیسیوں کو تسلیم کر لیتے ہیں اور اپنے نکتہ چینیوں کو غیر ملکی ایجنٹ نہیں کہہ دیتے۔ منطقی طور پر بحث کرنی چاہئے نہ کہ دوسرے کو جھوٹے الزامات عائد کرنے اور خوف زدہ کرنے کے حربے کا استعمال کرنا چاہئے۔

سیاست عبادت ہے

میں نے اپنی سوچ میں اپنی ذاتی تکلیفوں یا مجھ پر اور میرے اہل خانہ پر پاکستان کے مظالم کے احساس کو بھی دخل نہیں دینے دیا۔ میرے نزدیک عوامی حقوق کے لئے جدوجہد کرنا "ایک عبادت" ہے۔ پاکستان کی بیوروکریسی نے میری بیوی کو ویزا دینے سے انکار کر دیا جو اپنی بیمار ماں کی تیمارداری کرنا اور نازک وقت میں اپنے بہن بھائیوں کے قریب رہنا چاہتی تھی۔ اس کے باوجود اس کی رحم بھری التجا کو ان سنی کر دیا گیا۔ میرا سخت ترین دشمن بھی اس

بات سے واقف ہے کہ میری بیوی کو سیاست سے بالکل کوئی دلچسپی نہیں ہے اور وہ ایک شفیق ماں اور محبت کرنے والی بیوی کے سوائے اور کچھ نہیں ہے۔ پھر بھی اسے صرف اس وجہ سے قربانی کا بکرا بنایا جا رہا ہے کہ میں نے پاکستان کے پالیسی سازوں کو یہ چیلنج کرنے کی جرات کی ہے کہ وہ کشمیر کے تعلق سے سچ کو سامنے لائیں۔ ہم نے براہ راست وزیر اعظم نواز شریف کو بھی انصاف کے لئے اپیل کی مگر کوئی جواب نہیں ملا۔ اس کے ساتھ ہی اسلام آباد میں ہندوستان کا سفارت خانہ بھی 1969ء سے میری بہن کو ویزا جاری کرنے سے انکار کر رہا ہے۔ حتیٰ کہ میری ماں کی وفات پر بھی اسے ہندوستان کے لئے ویزا نہیں دیا گیا۔ اس نے گذشتہ 28 سال سے اپنے باپ، بھائیوں اور بہنوں کی صورت نہیں دیکھی۔ ہم نے آج تک پاکستان یا سکے شہریوں کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھایا حتیٰ وہ جو کہاوت ہے کہ ہم نے "سڑک پر پڑی ہوئی کوئی اینٹ تک ادھر سے ادھر نہیں رکھی"۔ اس کے باوجود پاکستان نے کرائیں کو تباہ کر دیا۔ لوگوں کے جسموں میں برموں سے شگاف کر دئے اور مسجدوں کو شہید تک کر دیا۔ اس نے مذہبی جنگجوں پر تشدد کی اس حد تک حوصلہ افزائی کر رکھی ہے کہ والدین اپنے بچوں کو مسجدوں میں نماز پڑھنے کے لئے جانے سے روکنے لگے ہیں مبادا کہ وہ مسلکی تاجروں کا نشانہ بن جائیں۔

ایک زمانہ تھا جب میرے دل میں بھی پاکستان کے لئے ویسے ہی اندھے جذبات تھے جو آج کل جذباتی کشمیریوں کے دلوں میں موجود ہیں۔ 1969ء میں جب میں پہلی مرتبہ گنڈا سنگھ سرحد سے پاکستان میں داخل ہوا تھا تو میں نے اس کی سرزمین پر سجدہ کیا تھا اور اسے بوسہ دیا تھا۔ وہاں ڈیوٹی پر تعینات پاکستان رینجرز کا سپاہی حیرت زدہ ہو گیا تھا اور مجھ سے دریافت کیا تھا کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ میں نے اسے بتایا کہ پاکستان ہمارے لئے مکہ شریف اور مدینہ منورہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر اس نے جو کہا وہ یہ تھا "ٹھہر جب تم اندر جا کر اس مکہ اور مدینہ کو دیکھے گا تو تمہارا سب خواب چکنا چور ہو جائے گا" پاکستان اس میں رہنے والے جاگیرداروں، فوجی جنرلوں اور افسر شاہوں کے لئے شائد مکہ اور مدینہ ہو گا لیکن برصغیر کے مسلمانوں کے لئے یہ وہ ارض موعودہ ہرگز نہیں ہے۔

1971ء میں طیارہ کا اغوا

1971ء میں "گنگا" طیارہ کے اغوا کا پورا منصوبہ نیشنل لبریشن فرنٹ کے رہنما مقبول بٹ نے ترتیب دیا تھا۔ پاکستانی فوج اور بیوروکریسی نے اس کو "ہندوستانی سازش" قرار دینے کے لئے اس واقعہ کو ہمارے خلاف استعمال کیا تھا۔ اگر یہ واقعی سازش تھی تو پھر یہ کشمیر میں بڑھتی ہوئی قوم پرستی اور جہد آزادی کے خلاف پاکستان کی چال تھی۔ گنگا کا اغوا جنوری 1971ء میں کیا گیا تھا جب شیخ مجیب الرحمن عام انتخابات میں فتح حاصل کر چکے تھے۔ پاکستانی حکمرانوں نے جب قومی اسمبلی کا اجلاس منعقد کرنا ملتوی کر دیا تو مشرقی پاکستان میں ہنگامہ شروع ہو گیا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ طیارہ کے اغوا کے بعد ہندوستان نے اپنی فضائی حدود میں سے پاکستانی پروازوں پر پابندی عائد کر دی تھی۔ لیکن 3 دسمبر 1971ء تک یہ پروازیں کولمبو کے راستے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان پاکستانی طیاروں کی بغیر روک ٹوک پروازیں 1965ء میں ہی بند کر دی گئی تھیں۔ پاکستان کے دونوں حصوں کے درمیان پرواز کرنے والے ہر پاکستانی طیارے کو اڑان بھرنے سے قبل ہر مرتبہ ہندوستان سے اجازت حاصل کرنا پڑتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ ہندوستان اپنی فضائی حدود میں سے گزرنے والے کسی بھی طیارہ کو چیکنگ کے لئے نیچے اتارنے کا مجاز تھا۔ گنگا اغوا کے مقدمے کے دوران پاکستان کے سول ایوی ایشن محکمہ کے حکام نے سپیشل عدالت اس کی وضاحت بھی کر دی تھی۔ یہ حقیقت اور دیگر شواہد صاف طور پر سچائی کو چھپانے کی پاکستانی حکمرانوں کی ایک اور کوشش کا واضح ثبوت پیش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ تھی کہ پاکستان کا حکمران طبقہ ملک کا مشرقی صوبہ کھوئے جانے پر عوام کے غیظ و غضب سے بچنے کے لئے قربانی کے دوسرے بکروں کی تلاش کر رہا تھا۔

امریکہ نے پاکستان کو استعمال کیا

اپنے قیام کے وقت سے ہی پاکستان امریکہ کی فرنٹ لائن یعنی ہراول ریاست کے طور پر کام کرنے لگا تھا۔ 1950ء کے عشرے میں امریکہ پاکستان کو سوویت یونین کے خلاف جاسوسی کے لئے استعمال کرنے لگا تھا۔ 1980ء کی دہائی میں اس نے اسے افغان

مجاہدین کو تربیت دینے اور انہیں مسلح کرنے کے لئے استعمال کیا۔ طالبان بھی پاکستان کی ہی تخلیق ہیں جنہیں اس نے امریکہ اور سعودی عرب کی مدد سے تیار کیا تھا۔ آجکل امریکہ پاکستان کو "بدکار" ایرانیوں کو قابو میں کرنے کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ نئی کھلنے والی وسط ایشیائی جمہوریاؤں میں امریکہ کے معاشی مفادات کے تحفظ کے لئے بھی پاکستان کافی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سے بھی زیادہ اہم یہ کہ امریکہ کو چین پر نظر رکھنے اور علاقائی تبت اور سنکیانگ میں بے چینی کو فروغ دینے کے لئے بھی پاکستان کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دینے سے انکار کر رہا ہے حالانکہ وہ بخوبی جانتا ہے کہ مشرق وسطی اور شمالی افریقہ میں سرگرم کئی بنیاد پرست تنظیموں کی بسم اللہ پاکستان میں ہی ہوئی ہے۔ الجیریا اور مصر میں ہونے والی ہلاکتیں اسی عمل کا نتیجہ ہیں۔ اس کے باوجود امریکہ پاکستان کو ایک "معتدل" اسلامی ملک کہتا رہتا ہے جبکہ لیبیا اور ایران کو امریکہ نے کہیں کم "جرائم" کے لئے نہ صرف سزا دی ہے بلکہ انہیں دہشت گرد ممالک کی فہرست میں بھی شامل کر رکھا ہے۔ ایران کی طرف سے پھر سرمایہ کی فراہمی ان کی تربیت اور مسلح کئے جانے کا امریکہ نے شروع میں یہ کہہ کر خیر مقدم کیا تھا کہ افغانستان کے "استحکام" کی جانب یہ ایک "مثبت" قدم ہے۔ امریکہ اور اس کے حواری لیبیا کو بدستور اچھوت سمجھتے ہیں۔ صرف اس لئے کہ وہ اب تک لاکربی مقدمے کے مبینہ طور پر ملزموں کو امریکہ کے حوالے کرنے پر رضامند نہیں ہے (تازہ اطلاعات کے مطابق لیبیا کے ان ملزموں کو کسی تیسرے ملک کے حوالے کرنا اور وہاں ان پر مقدمہ چلائے جانے کو منظور کر لیا ہے۔ مترجم)۔ سچائی یہ ہے کہ پاکستان اپنے امریکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے اپنے شہریوں تک کو قربان کرنے پر تیار ہے۔ ایمل کانسی کی حوالگی میں اس نے یہی تو کیا تھا۔

آئی ایس آئی منصوبہ سے بغاوت

پاکستان ہر قسم کی کشمیری قوم پرستی کا ہمیشہ مخالف رہا ہے۔ پاکستان کی انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) کے ساتھ مجھ کو جو تجربہ ہوا اس سے میرے اس دعوے کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ 1984-85ء میں جے۔ کے۔ ایل۔ ایف کے تنظیمی چیئرمین کی حیثیت سے میں آئی ایس آئی کے ساتھ گفت وشنید کر رہا تھا۔ میں جے کے ایل ایف کے سرکردہ

کارکنوں کی ایک جماعت کی سربراہی کر رہا تھا جس میں ڈاکٹر فاروق حیدر، سردار رشید حسرت مرحوم اور زبیر الحق شامل تھے۔ آئی ایس آئی کے ساتھ چار ماہ تک زبردست بات چیت کے بعد میں نے آئی ایس آئی قصاب کے نقشہ بنانے کے لئے بھیڑ بکریاں فراہم کرنے والا ٹھیکیدار بننے سے انکار کر دیا۔ آئی ایس آئی چاہتی تھی کہ ہم سرحد پار سے اس کے لئے کشمیری نوجوانوں کو بھرتی کرائیں جنہیں وہ ہندوستانی فوج کی بندوقوں کا نوالہ بننے کے لئے دوبارہ کشمیر میں داخل کر سکے۔ میرے ضمیر نے ایسے کسی منظر میں شرکت کے بارے میں سوچنے سے بھی انکار کر دیا اور میں نے اس تجویز سے بغاوت کر دی۔ مزید برآں میں "آزاد کشمیر" اور گلگت وبلتستان کے علاقہ جات کو آزاد نہیں سمجھتا۔ اس بات کا بھی اندیشہ تھا کہ آئی ایس آئی جو بلند بانگ دعوے کر رہی تھی ان سے مکر جائے اور صرف ہندوستانی فوج کے ہاتھوں کشمیریوں کی نسل کشی کو یقینی بنانے میں کامیاب ہوگی۔ بالکل اسی طرح جیسے پاکستان نے 1971ء میں مشرقی پاکستان میں بنگالیوں کے ساتھ کیا تھا۔

میں ایسے کسی کھیل کے منصوبہ کا حصہ نہیں بننا چاہتا تھا لہذا میں مذاکرات سے باہر نکل آیا۔ بدقسمتی سے دوسرے لوگ پاکستان آئی ایس آئی کے جال میں آ گئے اور کئی سال بعد میرے تمام خدشات بالکل درست ثابت ہوئے۔ میرے انکار کے بعد آئی ایس آئی نے ہر ممکن طریقے سے مجھے ہدف بنانا شروع کر دیا۔ مجھے اپنا پاسپورٹ اور شناختی کارڈ جمع کروا دینے کی ہدایت کی گئی۔ اس ہدایت کے خلاف جسٹس یوسف صراف (ریٹائرڈ) نے راولپنڈی میں ہائی کورٹ کے سامنے رٹ دائر کر دی۔ ایک بار جب میں اپنے دوست کے ساتھ کار میں سفر کر رہا تھا تو مجھے قتل کرنے کی کوشش بھی کی گئی اس کوشش میں ہماری گاڑی کو پلندری کے قریب ایک خندق میں دھکیل دیا گیا تھا۔ یہی موقعہ تھا جب میرے پاکستانی دوستوں اور بہی خواہوں نے مجھے پاکستان سے بھاگ جانے کا مشورہ دیا اور 1986ء میں میں پاکستان سے نکل بھاگا۔ میں جدید آزادی کا حصہ تھا جو سرمایہ کی کمی کی وجہ سے ایک دفتر کھولنے اور تھوڑا بہت لٹریچر شائع کرنے سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ کا شگوفہ بہت بعد میں شروع ہوا تھا جب پاکستان نے خود ساختہ "قوم پرست" کشمیریوں کے ذریعہ ورغلا کر پاکستان میں لائے گئے کشمیری نوجوانوں کو وسیع پیمانے پر فنڈ اور ہر قسم کے ہتھیاروں سے

لیس کرنا شروع کر دیا تھا۔ جب ان نام نہاد قوم پرستوں کی افادیت ختم ہو گئی تو انہیں فوراً نکال باہر کر دیا گیا۔ آئی ایس آئی نے امان اللہ خان کو "کشمیری" معانقے کے ساتھ الوداع کیا اور یٰسین ملک کو جے کے ایل ایف کا چیئرمین تسلیم کر لیا۔ آئی ایس آئی نے اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ کشمیر سے ہر قسم کی قوم پرستی کا صفایا ہو جائے، پاکستان نواز گروپ قائم کر لئے اور انہی قوم پرست لیڈروں کے ساتھ لڑائی کرنے کے لئے ان کی حوصلہ افزائی کی جن کی وہ حمایت کیا کرتی تھی۔ سرینگر کے گلی کوچوں میں ان نام نہاد قوم پرستوں کی چن چن کر کی جانے والی ہلاکتوں میں عوام کے لئے ایک واضح پیغام تھا۔ مقبول ملک کی آنکھیں نکال دی گئیں۔ یہ واقعی ستم ظریفی ہے کہ نام نہاد قوم پرستوں کے اسی گروپ نے جسے پاکستان نے ہی تربیت دے کر مسلح کر لیا تھا جلد ہی سول نافرمانی کی تحریک کی باتیں کرنا شروع کر دیں۔ ان واقعات کو پلٹ کر دیکھنے کے بعد مجھے یہ سچ بولتے وقت اعتماد کا احساس ہوتا ہے کہ میں کسی کشمیری کے قتل کا کسی بھی طور ذمہ دار یا آلۂ کار نہیں رہا۔ کیا پاکستان کے پالیسی ساز بھی اسی طرح سچ کو قبول کریں گے؟

ہمیں بندوق کی ضرورت نہیں

میں ہمیشہ یہ کہتا رہا ہوں کہ ہمیں کشمیر میں بندوق کی حاجت نہیں ہے۔ 1992ء میں ڈاکٹر غلام قادر وانی کے ساتھ ایک تکرار کے دوران میں نے اپنے موقف کا اعادہ کیا تھا۔ اس موقع پر غلام نبی فائی بھی موجود تھے کیونکہ یہ گرما گرم بحث انہی کے دفتر میں ہو رہی تھی۔ ایک دو سال بعد ڈاکٹر غلام قادر وانی نے مجھے ایک معذرت نامہ تحریر کیا تھا جس میں لکھا تھا کہ "آپ کا تجزیہ درست تھا اور ہم غلطی پر تھے"۔ کسی کو بھی کسی بھی وقت یہ خیال نہیں ہونا چاہئے کہ میں بزدل ہوں یا بندوق اٹھانے سے ڈرتا ہوں۔ خدا کے فضل سے مجھ میں کافی جسمانی اور ذہنی جرأت موجود ہے اور میرے اعمال نے اس حقیقت کو ثابت بھی کر دکھایا ہے۔ ایسے مضحکہ خیز الزامات لگانے والوں کو میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ میرے چھوٹے بھائی اقبال قریشی اور عمزاد الطاف قریشی نے 15 اگست 1983ء کو سرینگر کے بخشی سٹیڈیم میں بھارتی سیکورٹی بندوبست کی موجودگی میں بم پھینک کر جے کے ایل ایف کو متعارف کروایا تھا۔ الطاف قریشی شہید ہو گیا تھا۔ ان کا یہ کارنامہ 1929ء میں سینٹرل اسمبلی

کے اندر سردار بھگت سنگھ کے بم پھینکنے کے کارنامہ کی یاد تازہ کرنے والا تھا۔ ان دونوں کا مقصد کسی کو قتل کرنا نہیں تھا۔ اس کارروائی کے لئے الطاف اور اقبال قریشی عرصہ تک جیل میں سڑتے رہے تھے جبکہ جماعت اسلامی کے موجودہ قائد ہندوستان کے ساتھ وفاداری کی قسمیں کھانے میں مصروف تھے۔ غالباً اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کشمیر کے لوگوں کو یہ بتا دینا چاہئے کہ انہی دنوں کل جماعتی حریت کانفرنس کا ایک موجودہ لیڈر کانگریس کا ایک وزیر ہوا کرتا تھا۔ آج وہ کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا زبردست حامی ہے۔ اقبال اور الطاف زائد از دو سال تک جیل میں قید رہے جس سے انہیں شدید ذہنی تکلیف ہوئی تھی اور اسی کے نتیجہ میں ہماری والدہ کے دماغ کی ایک رگ پھٹ جانے کی وجہ سے ان کی موت ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے اقبال کو اپنی ماں کے جنازہ میں شرکت کی اجازت تک نہیں دی تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ کسی سیاسی قیدی کو ایسے افسوسناک حالات میں بھی پیرول نہیں دیا گیا۔

تحریک سول نافرمانی

موجودہ جدوجہد میں شامل کارکنوں میں کئی اہم نام ان لوگوں کے ہیں جو اقبال قریشی اور الطاف قریشی کی شروع کردہ تحریک کی پیداوار ہیں۔ ہمیں اس وقت بھی پاکستان سے ہتھیار حاصل کرنے کے مضمرات کا علم تھا۔ اسی وجہ سے ہم نے گن کلچر کو رد کر دیا تھا۔ اس کی بجائے ہمیں ایک سول نافرمانی تحریک شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حالت میں ہندوستانی سیکورٹی فورسز کے لئے ہلاکتوں کو جائز ٹھہرانا مشکل ہو جائے گا۔ ہندوستان آج تک بجبہاڑہ، حول، سوپور اور چھوٹہ بازار کے قتل عام کی وارداتوں کے لئے صرف اس وجہ سے کوئی جواز پیش نہیں کر سکا کیونکہ مظاہرین غیر مسلح تھے۔ اگر عوام کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لئے پرامن احتجاج شروع کیا جائے تو اس کو بین الاقوامی حمایت بھی حاصل ہونے لگے گی۔ اس کے برعکس مسلح لڑائی میں کسی قسم کی شدت آنے پر ہندوستان کو موقع مل جائے گا کہ وہ کشمیری دہشت پسند کا موازنہ الجیریا اور مصر کے اس کے بھائیوں کے ساتھ کرے۔ کیا پاکستان اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر راضی ہے؟ یا وہ اب بھی اسے ہندوستانی پروپیگنڈہ کہتا رہے گا؟

تحریک کا تنزل

میں تحریک کے تنزل کے لئے ذمہ دار کئی عوامل میں سے میں صرف دو کا ذکر کروں گا۔ کیونکہ یہ دونوں کشمیر میں پاکستان کی حکمت عملی سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان میں پہلی مسلح مہم جوئی ہے جو کھلم کھلا بندوق لہرانے کی شکل اختیار کر چکی ہے۔ دہشت پسندی کی یہ قسم جس نے سول نافرمانی کی جگہ حاصل کر لی ہے، کشمیر قوم پرستی کے لئے مصیبت بن چکی ہے۔ دوسری چیز تحریک آزادی کے حصے بخرے کرنے کی سوچی سمجھی پالیسی ہے جس نے تحریک کو 156 گروہوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ کوئی بھی گروہ اتنا طاقتور نہ بن سکے کہ وہ آزادی کے حصول کو اپنا نصب العین بنائے۔ اس کے بجائے پاکستان کے ساتھ "ملاپ" مقصد بن جاتا ہے۔ ان دونوں باتوں کا امتزاج بالادستی کی ایسی لڑائی پر منتج ہوتا ہے جس کا انجام ہزاروں کشمیری نوجوانوں کی موت کی صورت میں نکلتا ہے۔ عسکری گروہوں میں اتحاد کے فقدان سے سیکورٹی فورسز اور خفیہ ایجنسیوں کو ان اختلافات سے فائدہ اٹھانے کا موقع مل جاتا ہے۔

ککہ پرے کی کہانی

ککہ پرے کے معاملے سے میرے دعوے کا واضح ثبوت مل جاتا ہے۔ میں نے ہمیشہ ککہ پرے اور اس کے ساتھیوں کی ہر ایک کارروائی کی مذمت کی ہے جو کئی کشمیری نوجوانوں کی موت کا باعث بنے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اصلی قوم پرست ککہ پرے کی سرگرمیوں سے کبھی درگزر نہیں کریں گے نہ ہی اس نے تحریک آزادی کو جو نقصان پہنچایا ہے اس کے لئے کبھی اس کو معاف کریں گے۔ لیکن ہمیں ان حقائق کو تسلیم کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے جنہوں نے ککہ پرے کو پیدا کیا تھا۔ سچائی یہ ہے کہ ککہ پرے پہلے جموں اینڈ کشمیر سٹوڈنٹس لبریشن فرنٹ کا رکن تھا۔ اور اس نے پاکستان میں تربیت حاصل کی تھی۔ صفاپورہ (سمبل) کے علاقے کی مقامی آبادی میں جے کے ایس ایل ایف کی جڑیں نہایت مضبوط ہیں۔ مگر جماعت اسلامی کا عسکری بازو حزب المجاہدین اس بستی میں اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتی تھی چنانچہ اس نے جے کے ایس ایل ایف کے ڈپٹی کمانڈر مظفر نابدی کو اغوا

کر کے ہلاک کر دیا۔ نابدی لوگوں میں اس قدر مقبول تھا کہ اس کے قتل کے خلاف احتجاج کے طور پر عوام نے تین ماہ تک ہڑتال رکھی۔ مزید یہ کہ لوگوں نے کل جماعتی حریت کانفرنس سے مطالبہ کیا کہ وہ نابدی کے قاتلوں کو سزا دے۔ حریت کانفرنس نے ایک انکوائری کمیٹی قائم کی جس نے حزب المجاہدین کو اس مکروہ فعل کے لئے پوری طرح ذمہ دار ٹھہرایا۔ حریت کانفرنس کی اس کمیٹی نے مجرموں کو سزا دینے کی بھی سفارش کی جس پر کبھی عمل نہیں کیا گیا۔

حزب المجاہدین کی سیکورٹی فورسز کو مدد؟

طاقت کے نشے میں چور حزب المجاہدین نے اس اعتماد کے ساتھ کہ اسے کبھی چیلنج نہیں کیا جائے گا، جے کے ایل ایف، الجہاد اور المجاہدین سمیت تمام تنظیموں کے لیڈروں کو منظم طور پر سلسلہ وار ختم کرنا شروع کر دیا۔ میں نے اس وقت جماعت اسلامی کو تنبیہ کی تھی کہ وہ ایسی حرکتوں سے گریز کرے کیونکہ اس کی وجہ سے کشمیری نوجوان ہندوستانی سیکورٹی فورسز کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ اور بالکل یہی ہوا بھی۔ ہندوستانیوں نے فوراً اس موقع کا فائدہ اٹھا کر ککہ پرے اور اس کے ساتھیوں کو مسلح کر دیا۔ اس طرح اخوان المسلمون وجود میں آئی جو انتقام کے جذبے سے پیدا ہوئی تھی۔ اس کا واحد مقصد حزب المجاہدین کو مکمل طور پر نیست و نابود کرنا تھا۔ یہ مکمل طور پر ایسی جنگ تھی جس میں ایک دھڑے کی پشت پناہی پاکستان اور دوسرے کی ہندوستان کر رہا تھا۔ اس لڑائی میں فتح تو کسی کی نہیں تھی لیکن نقصان اٹھانے والوں میں ہزاروں مائیں، بہنیں اور بیویاں شامل تھیں۔ جے کے ایل ایف کے راست گو سیاسی مفکر مقبول ملک کو حزب المجاہدین نے اغوا کر کے ہلاک کر دیا۔ اس کی آنکھیں پھوڑ دی گئیں۔ قاضی نثار کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے گھر والوں نے قاتلوں کے نام بھی بتائے مگر بے سود۔ اس سے ایک معقول سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا کشمیری قیادت پاکستان سے یہ کہہ کر کہ وہ گروہی تصادموں کی حوصلہ افزائی نہ کرے، وادی میں ککہ پرے جیسے لوگوں کے پھلنے پھولنے اور پھیلاؤ کو روک سکتی تھی؟ یہ وہی نوجوان تھے جنہوں نے تربیت حاصل کرنے کی غرض سے پاکستان میں پہنچنے کے لئے سخت موسم اور برفپوش پہاڑوں کا بہادری کے ساتھ سامنا کیا تھا۔ حزب المجاہدین ایک ایک کر کے انہیں تلاش

کر کے ہلاک کر رہی تھی۔ الحاق حامی تنظیموں کے ہلال اودھی اور ہابر بدر جیسے کئی ایسے لوگ جنہیں مجبور ہو کر وادی کو خیر باد کہہ کر دلی میں وقت گذارنا پڑا۔ اس لئے کشمیر میں رہنے والا کوئی بھی باہمت، معقول اور صحیح سوچ رکھنے والا شخص میرے اس بیان کی تائید کرتا کہ کلکہ پڑے کو کلکہ پڑے بنانے والی حزب المجاہدین تھی۔ یہی سچائی ہے۔

پاکستانی خلوص اور عالم اسلامی کا رویہ

کیا پاکستان واقعی کشمیریوں کے ساتھ پر خلوص ہے؟ تحریک آزادی میں شریک اکثر لوگ اس سوال کو بار بار اٹھاتے ہیں۔ میں اس بات کا قائل ہو چکا ہوں کہ پاکستان ہماری جدوجہد کو خلوص کے ساتھ مدد نہیں دے رہا۔ پاکستان کو صرف کشمیر کے خطے سے واسطہ ہے وہ جموں اور لداخ کے علاقوں کو ہندوستان کے ساتھ رہنے دینے کے لئے تیار ہے۔ کیا اس سے اس کے اصلی ارادوں کے متعلق ثبوت نہیں ملتا؟ گلگت اور بلتستان میں پاکستان کے رول اور کشمیر کے لئے آزادی کے متبادل کو اس کے بار بار رد کرنے سے میری دلیل کو مزید تقویت ملتی ہے۔ بہر حال کشمیر کا حل مسلسل جدوجہد نہیں بلکہ پر امن "انتفاضہ" ہے۔ بین الاقوامی برادری بھی دونوں ملکوں کو پر امن بات چیت کا راستہ اپنانے کے لئے راغب کر رہی ہے۔ "امہ" کی "بہادرانہ" باتیں کرنے کے باوجود اسلامی ممالک میں سے کسی نے بھی ہندوستان کے ساتھ تجارت پر اقتصادی پابندی عائد نہیں کی۔ اس کے برعکس ہندوستان کے سب سے بڑے تجارتی شرکا میں کچھ لوگ عرب دنیا سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ پاکستان بھی ہند کے ساتھ بین سرحدی تجارت کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے۔ لیکن جیسے ہی کوئی کشمیری ہند کے ساتھ مذاکرات کے خیال کا بھی اظہار کرے تو اسے غدار قرار دے دیا جاتا ہے۔ لہذا وقت آگیا ہے کہ پاکستان کشمیر کے معاملات میں ٹانگ اڑانا بند کر دے۔ آئی ایس آئی اور اس کی تخلیق تنظیمیں کشمیر میں کافی تباہی پیدا کر چکی ہیں۔

جماعت اسلامی کہتی ہے مزید مسلح جہد نہیں

واقعی ستم ظریفی ہے کہ جماعت اسلامی جو ہزاروں لوگوں کے قتل کا باعث رہی ہے، اسی نے اب مسلح جدوجہد کے مقصد سے لا تعلق ہونے کا فیصلہ کر لیا حال ہی میں

جماعت اسلامی نے کہا کہ وہ کسی بھی قسم کی مسلح ملی ٹینسی کی حمایت نہیں کرے گی اگرچہ میں رجائیت پسند ہونے کی وجہ سے اس کے اس بیان کو تھوڑی رد و قدح کے ساتھ قبول کرنے کے حق میں ہوں، اور امید ہے کہ وہ واقعی سچ بول رہی ہے۔ لہذا میں درست سمت میں اس کے اس قدم کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ بہر حال جماعت اسلامی کے قائدین اور کارکن کو یاد دلا دینا چاہتے کہ میں 1990ء سے ہی سول نافرمانی کی تحریک کے لئے زور دیتا رہا ہوں۔ اس وقت میری تجویزوں پر انہیں لوگوں نے ایسا شور مچایا تھا جیسے میں نے بھڑوں کے چھتے کو چھیڑ دیا ہو، جو آج مسلح ملی ٹینسی کو رد کرنے کی باتیں کر رہے ہیں۔

کشمیر میں اس وقت تین طرح کے گروپ ہیں۔ ایک سچے قوم پرستوں کا گروہ ہے جو پوری ریاست جموں و کشمیر کے لئے مکمل آزادی اور خود مختاری مانگ رہا ہے۔ دوسرا گروپ پاکستان کے ساتھ الحاق کا مطالبہ کر رہا ہے جبکہ تیسرا گروپ ہند نواز جماعتوں کا ہے۔ پاکستان نواز گروپوں نے لداخ خطے کی تعمیر و ترقی کے لئے لداخ ڈیولپمنٹ کونسل کے قیام کی شدید تنقید کی تھی۔ انہوں نے اس کی مذمت کرتے ہوئے اسے لداخ کو جموں و کشمیر سے الگ کرنے کی جانب قدم قرار دیا تھا۔ لیکن یہ گروہ گلگت اور بلتستان کی واپسی کی بات کیوں نہیں کرتے؟ ایسا کر کے کیا وہ اپنے آقاؤں کو اپنی وفاداری دکھانا چاہتے ہیں؟ کیا وہ اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ پاکستانی حکمرانوں کی طرف سے شروع کئے گئے آپریشن ٹوپیک کا واحد مقصد کشمیر وادی پر قبضہ کر کے اسے پاکستان میں شامل کر لینا تھا تاکہ وہ اس کے آبی وسائل کو کنٹرول کر سکیں؟ کیا پاکستان کی دفاعی ضروریات ان کے وطن کی سالمیت سے زیادہ اہم ہیں؟ سچائی یہ ہے کہ ان گروہوں نے اپنے ضمیر کو پاکستان سے حاصل ہونے والی عارضی عنایات کے عوض فروخت کر رکھا ہے۔ بد قسمتی سے ان کی بینائی اس قدر دھندلا چکی ہے کہ وہ پاکستان کے اصلی ارادوں کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ دوسری جانب جموں و کشمیر کے سچے قوم پرست اس بات کو یقینی بنانے کے لئے آخری دم تک لڑتے رہیں گے کہ مذہبی یا نسلی بنیادوں پر کوئی تقسیم نہ ہونے پائے۔ کوئی بھی نہیں چاہتا کہ کشمیر افغانستان یا بوسنیا بن جائے۔

اپنی جدوجہد کے دوران مجھے "ہندوستان کا چمچہ" بھی کہا گیا اور پاکستانی ایجنٹ بھی

کہا گیا۔ دوسرے موقعوں پر مجھ پر "مجرم" اور "غدار" مہریں بھی لگائی گئیں۔ مگر اس سے اپنی مادرِ وطن کے لئے آزادی کے سنہری مقصد کے حصول کے لئے کام کرنے کے میرے جوش اور حوصلہ میں کبھی کمی نہیں ہوئی۔ میرا ضمیر اس لئے صاف ہے کیونکہ میں نے ہمیشہ ان دونوں ممالک کے مفادات کے خلاف کام کیا جو ہمیں غلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ یہی سچ ہے۔ اگر اسی سچائی کا اظہار جرم ہے تو مجھے "مجرم" کہلانے پر فخر ہے۔ میں ریاست جموں و کشمیر کے عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ کھل کر سامنے آئیں اور سچائی کو بیان کریں۔ ہوسکتا ہے کہ اس سے ہماری زندگیاں خطرے میں پڑ جائیں۔ لیکن سچ ہمیشہ قائم رہے گا۔

مارچ 1998ء

☆☆☆☆

باب نمبر 17

"آزاد کشمیر" کو پاکستانی مقبوضہ کشمیر کیوں کہیں؟

آزاد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے حق خود ارادیت اور اپنی حکومت خود چلانے کے حق کو استعمال کرنے کی آزادی حاصل ہو۔ انہیں اقتدارِ اعلیٰ حاصل ہو۔ ریاست جموں و کشمیر کے اپنے زیر مقبوضہ علاقے کو پاکستانی حکمرانوں نے "آزاد کشمیر" کا نام دے رکھا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ کیا یہ سچ مچ آزاد ہے۔ اور "آزاد کشمیر" کہلانے کا حقدار ہے؟

"آزاد کشمیر" تین خطوں پر مشتمل ہے۔ یہ خطے گلگت، بلتستان اور پاکستان کے زیر قبضہ ریاست کا باقی حصہ ہے۔ گلگت اور بلتستان کے متعلق کسی کو خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ اگر پاکستانی حکمران کشمیریوں کے ساتھ پر خلوص ہوتے تو وہ "آزاد کشمیر" ہائی کورٹ گلگت اور بلتستان کی حیثیت کے بارے میں فیصلہ کو تکنیکی بنیادوں پر کالعدم قرار دینے کے لئے سپریم کورٹ سے رجوع نہ کرتے۔ ان دو علاقوں کے لوگوں کو پچاس سال تک باقی کشمیر سے علیحدگی کا عادی بنایا جاتا رہا تھا اور نہ وہ پاکستان کی قومی اسمبلی میں نمائندگی کا مطالبہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان علاقہ جات کے محروم لوگوں کو آزاد کشمیر کی ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں اپیل کا حق حاصل نہیں۔ وہ ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ میں کوئی فوجداری یا دیوانی مقدمہ پیش نہیں کر سکتے کیونکہ گلگت یا بلتستان "آزاد کشمیر" یا پاکستان کے کسی بھی ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کے دائرہ اختیار میں نہیں آتے۔

تمام سنجیدہ قوم پرست "آزاد کشمیر" کو پاکستانی مقبوضہ کشمیر ہی کہتے ہیں۔ اگر میں بھی وہی کہوں تو میں صرف قوم پرست پالیسی کی پیروی کر رہا ہوں۔ مختصر طور پر میں قوم پرستوں کے موقف کے حق میں مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتا ہوں۔

(1) مہاراجہ کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کے باوجود ہم اسے انڈین ہیلڈ کشمیر کہتے ہیں۔ کیونکہ ہندوستان نے کشمیریوں کو خودارادیت کا حق نہیں دیا۔ جبکہ پاکستان نے مہاراجہ کے ساتھ حالات تو پہلے جیسا رکھنے کا معاہدہ کرنے کے باوجود کشمیر پر قبائلیوں اور اپنی باقاعدہ افواج سے حملہ کروا دیا تھا (جنرل اکبر خان کی کتاب انٹروڈرز آف کشمیر (کشمیر کے حملہ آور) پڑھئے) گلگت اور بلتستان کے لوگوں نے پاکستان کی مدد کے بغیر اپنے علاقوں کو آزاد کروایا تھا۔ لیکن پاکستان تیس سال تک ایف سی آر کے تحت اس پر اپنے ایک ریزیڈنٹ کے ذریعہ بالکل اسی طرح حکومت کرتا رہا جس طرح انگریز کیا کرتے تھے۔ اس خطے میں کوئی ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ موجود نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہاں کے لوگ اسمبلی میں اپنے منتخب نمائندے بھیج سکتے ہیں۔ کیا یہی آزادی ہے؟

2۔ آزاد کشمیر پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں اسلام آباد میں بیٹھے حکمرانوں کے اشارہ پر حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی ہیں۔ ایوب خان کے دور حکومت کے ایک ایس پی نے اس "آزاد" کشمیر کے صدر (کے ایچ خورشید مرحوم) کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا تھا اور پھر انہیں ہتھکڑی اور دلائی کے کیمپ میں پس زنداں ڈال دیا تھا۔ خورشید ایک زمانہ میں مسٹر جناح کے پرائیویٹ سیکریٹری ہوا کرتے تھے۔ ذوالفقار علی بھٹو کے اقتدار میں وفاقی سکیورٹی فورسز کے ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس نے مظفر آباد میں کشمیر کے ایک اور منتخب صدر سردار قیوم خان کو دفتر ہی سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کرسی سے ہٹا دیا تھا۔ جنرل ضیاالحق کی حکومت میں سات سال تک "آزاد" کشمیر پر بریگیڈیئر حیات خان کو مسلط رکھا گیا۔ جب ضیاالحق نہیں رہے تو پاکستان پیپلز پارٹی کے اسلام آباد پر اقتدار میں آنے کے بعد "آزاد کشمیر" پر بھی پی پی پی کی حکومت قائم کر دی گئی۔ پی پی پی اقتدار میں نہیں رہی تو نئی حکومت کے وفاقی وزیر برائے امور کشمیر عباسی اخبار نویسوں کے سامنے کہا تھا۔ "میں پاکستان سے پولیس کا ایک معمولی سپاہی بھیج کر "آزاد کشمیر" کے وزیر اعظم راٹھور کو گرفتار کر سکتا ہوں۔ بالکل یہی ہوا

بھی تھا اور راٹھور کو ایک ہیلی کاپٹر میں اسلام آباد لا کر استعفیٰ پر دستخط کرنے پر بے بس کر دیا گیا تھا۔

جب نواز شریف اقتدار میں آئے تو سردار قیوم وزیر اعظم بنا دیے گئے۔ پہلی مرتبہ وزیر اعظم بننے کے زمانہ میں نواز شریف کا یہ بیان ریکارڈ پر موجود ہے کہ "ہم سردار قیوم کو مہاجروں کی 12 سیٹیں تحفہ میں دیں گے" انہوں نے بالکل یہی کیا۔ سردار قیوم کا بیٹا سردار عتیق پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے علاقہ دھیر کوٹ (غازی آباد) کا رہنے والا ہے مگر اسے کراچی سے کشمیری مہاجر سیٹ پر منتخب کیا گیا تھا۔ کشمیر وادی میں گرتی ہوئی کشمیریوں کی لاشوں کا بھلا ہو کہ بے نظیر نے حکومت میں آنے کے بعد سردار قیوم کو نہیں ہٹایا۔ لیکن انتخابات کے بعد پی پی کی حکومت قائم ہو گئی۔ نواز شریف سمیت ہر ایک نے اسے انتخاب کے بجائے چھنڈگی کا نام دیا تھا۔

(3) "آزاد" کشمیر کے تمام اعلیٰ افسر مثلاً چیف سیکریٹری، خزانہ سیکریٹری اور انسپکٹر جنرل پولیس وغیرہ سب پاکستان سے آتے ہیں۔ پاکستانی مقبوضہ کشمیر اور ہندوستانی حصہ والے کشمیر میں کیا فرق رہا؟

(4) ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے دوران آزاد کشمیر رائفلز نامی ملیشیا کو ختم کر کے پاکستان سرکار نے اسے پاکستانی فوج میں ضم کر دیا تھا تاکہ اس کی شناخت ختم ہو جائے۔ یہ کارروائی "آزاد کشمیر" کو سلامتی اور قانون و انتظام کے معاملے میں پوری طرح پاکستان کا دست نگر بنانے کے لئے کی گئی تھی۔ اس اقدام سے کیا آزاد کشمیر کی آزادی اور خود مختاری کی بو آتی ہے؟

(5) "آزاد" کشمیر میں پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے تئیں وفاداری کی قسم کھائے بغیر کسی الیکشن میں حصہ نہیں لیا جا سکتا۔ گذشتہ انتخابات میں قوم پرستوں نے چناؤ لڑنے کے لئے ایک اتحاد قائم کیا تھا۔ انہوں نے اپنے نامزدگی کے کاغذات میں پاکستان کے ساتھ الحاق والا خانہ نہیں بھرا اس لئے ان کی نامزدگی کی درخواستیں نامنظور کر دی گئیں تھیں کیا یہ لوگ آزاد ہیں یا غلام؟

(6) "آزاد" کشمیر کا کوئی وزیر، وزیر اعظم یا صدر کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا عہد کئے بغیر اپنے عہدے پر فائز نہیں ہو سکتا۔ کیا یہ صدر، وزیر اعظم اور وزراء خود آزاد ہیں کہ اپنی زمین کو آزاد کشمیر کہیں؟

(7) "آزاد" کشمیر میں جب تک کوئی کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے نظریے کے ساتھ وفاداری کا اظہار نہ کرے اس کو کسی سرکاری ملازمت میں نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ سب غلام قوموں کو کرنا پڑتا ہے آزاد لوگوں کو نہیں۔

(8) "آزاد" کشمیر کو نہ تو منگلا ڈیم کی رائلٹی ملتی ہے اور نہ ہی اسے اس کی زر مبادلہ کی آمدنی میں سے حصہ دیا جاتا ہے۔ اسے بجلی ٹیکس یا دوسرے وصول کئے جانے والے ٹیکسوں میں سے بھی حصہ نہیں ملتا۔ یہ ایسا خطہ اور ایسے لوگ ہیں جو داموں کا مطالبہ کئے بغیر دوسروں کو اپنے توانائی کے وسائل فراہم کرتے ہیں اور اپنے لوگوں کو محروم رکھتے ہیں۔ دوسری طرف صوبہ سرحد کو تربیلا ڈیم کی باقاعدہ رائلٹی دی جاتی ہے۔

(9) گذشتہ پچاس سال سے "آزاد" کشمیر کے عوام کو کشمیر کی نام نہاد آزادی کے نام پر یرغمال بنا کر رکھا جا رہا ہے۔ اپنی آبائی سرزمین پر زندگی گزارنے کا کوئی وسیلہ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے لوگوں کو بغیر تھکے مشقت کرتے رہنے کے لئے مشرق وسطی، یورپ اور دوسری جگہوں پر نقل وطن کر جانا پڑا ہے۔ گذشتہ آٹھ سال کی شورش کے دوران کشمیر وادی سے بہت کم لوگ بیرون ممالک ہجرت کر کے گئے ہیں۔ لیکن کشمیر سے روزگار کی خاطر لاکھوں لوگ ہجرت کر کے جا چکے ہیں۔ "آزاد" کشمیر کے ہزاروں نوجوان راولپنڈی، اسلام آباد، لاہور وغیرہ میں گھٹیا قسم کے کام کر کے پیٹ پال رہے ہیں۔

(10) بیرونی ممالک میں سخت مشقت کرنے والے آزاد کشمیر کے نوجوان زر مبادلہ کی بھاری رقوم پاکستان میں بھیجتے رہتے ہیں۔ 1999ء میں ایک بیان دیا تھا کہ "پاکستانی بنکوں میں "آزاد" کشمیریوں کے کھاتوں میں 240 کھرب روپے جمع ہیں" اس قدر بڑی رقوم بھیجنے کے باوجود "آزاد" کشمیر میں نوجوانوں کو روزگار فراہم کرنے کے لئے کوئی

انڈسٹری نہیں قائم کی گئی۔ "آزاد" کشمیریوں کے ارسال کردہ زر مبادلہ کی بھاری رقومات کو کراچی، لاہور، حسن ابدال اور فیصل آباد میں کارخانے چلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جبکہ آزاد کشمیر کے میرے غریب ہموطنوں کو گھٹیا قسم کے روزگار پر اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے کوئی شخص بھی اس کو "آزاد کشمیر" کہنے میں فخر محسوس نہیں کرتا۔

(11) "آزاد کشمیر" میں ابھی تک کوئی میڈیکل کالج، انجینئرنگ کالج یا پولی ٹیکنیک انسٹی ٹیوٹ یا زراعتی کالج یا پھر جنگلات کی تعلیم کا کالج قائم نہیں کیا گیا۔ لے دے کر ایک یونیورسٹی ہے جس کی چار پانچ قصبوں میں کلاسیں محض چلتی ہی ہیں۔ دوسری طرف ہندوستانی انتظام والے کشمیر میں آپ جس سے بھی ملیں وہ ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، ٹیکنوکریٹ یا سائنسدان وغیرہ نکلے گا۔

(12) 1980ء میں قتل سے آزادی حاصل کرنے سے لے کر 1986ء میں جلاوطن ہونے تک میں "آزاد کشمیر" اور پاکستان کی سیاست میں سرگرم تھا۔ آٹھ مرتبہ مجھ پر ضلع میں داخلہ پر پابندی لگائی گئی اور چار مرتبہ مجھے گرفتار کیا گیا تھا۔ 1982ء میں جب لبریشن فرنٹ قائم کی گئی تو میں اس کا پہلا تنظیمی چیئرمین بنا تھا۔ ہماری طبی ٹیمیں ضرورت مندوں کے علاج و معالجے کے لئے گاؤں گاؤں گھومتی تھیں۔ عوام میں میری مقبولیت کی وجہ سے یا تو اضلاع میں میرے داخلہ پر پابندی لگا دی جاتی یا مجھے گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ "آزاد کشمیر" کی خود غرض قیادت سے مختلف ہونے کی وجہ سے میں نے خود کو عوام کی خدمت میں لگا رکھا تھا جو کشمیر کے اس حصہ میں رہنے والے میرے ہموطن تھے۔ "آزاد کشمیر" کو یرغمال کیمپ بنا لینے کی پاداش میں پولیس نے مجھ پر لاٹھیاں برسائیں۔ میرا سر تک پھاڑ دیا۔ میں کئی دوسرے لوگوں پر بیتنے والی روداد کے بارے میں کچھ نہیں کہتا۔

(13) سالوں پہلے حالات حاضرہ پر میں نے جو کچھ کہا تھا وہ سب سچ ثابت ہو چکا ہے براہ کرم یاد رکھیں کہ میں مقبول بٹ کا شاگرد تھا جو پکا قوم پرست تھا اور شہید ہو گیا تھا اس سے کئی سوالوں کا جواب تلاش کرنے میں مدد ملے گی۔ میں نے انٹرنیٹ پر پہلے ہی زور دیا تھا کہ بے معنی بحثوں میں الجھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ میں نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے ایک فارمولا پیش کیا ہے جس میں دو متبادل دیئے گئے ہیں اگر پاکستان کشمیریوں سے خلوص

رکھتا ہو پہلے متبادل کے ناقابل قبول ہونے کی صورت میں دوسرے پر عمل کیوں نہ کیا جائے۔

پاکستان مقبوضہ کشمیر کے عوام جانتے ہیں کہ " آزاد کشمیر " ایک ایسا قطعہ زمین ہے جس پر پاکستان نے قبضہ کر رکھا ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کے حکمرانوں، انجمنیوں اور سیاسی جماعتوں کے ساتھ بڑے بڑے مفاد جڑے ہوئے ہیں۔ آپ کچھ بھی کر لیں لیکن یہ لوگ سچائی کو قبول نہیں کریں گے۔ حتیٰ کہ اگر خدا بھی آ کر تو کہیں کہ تب بھی وہ نہیں مانیں گے میں کچھ لوگوں کو جانتا ہوں وہ ایجنسیوں کے تنخواہ دار ہیں اور انہیں بڑے بڑے دفتر رکھنے، سفر اور شور مچانے کے لئے اخراجات مہیا کئے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سردار قیوم نے بھی کشمیر لبریشن سیل سے 54 کروڑ روپے کا غبن کیا ہے۔ پچھلے ہفتے لبریشن سیل کے ڈائرکٹر نے ایک پریس کانفرنس کے دوران اپنے سکریٹری پر آٹھ کروڑ روپیہ غبن کرنے کا الزام لگایا تھا۔ کچھ اور لوگ بھی ہیں جو اپنی کم عقلی کی وجہ سے زیادہ خطرناک ہیں۔ یہ جاننے کے لئے "آزاد کشمیر" کو پاکستانی مقبوضہ کشمیر کیوں کہا جاتا ہے آزاد کشمیر قانون مجریہ 1974 کے تحت مرتب کردہ عبوری آئین ہی کافی ثبوت ہے۔ مثلاً:

(1) دفعہ 7.2: "آزاد جموں و کشمیر کے کسی بھی فرد یا سیاسی جماعت کو ریاست کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے یا اس نظریہ کو زک پہنچانے والی سرگرمیوں میں حصہ لینے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

(2) دفعہ 2:۔ آزاد جموں و کشمیر کونسل

(1) ایک آزاد جموں و کشمیر کونسل ہوگی جس میں

(الف) وزیر اعظم پاکستان

(ب) صدر آزاد جموں و کشمیر

(ج) وزیر اعظم پاکستان کی جانب سے وقتاً فوقتاً وفاقی وزراء اور ممبران پارلیمنٹ میں سے منتخب کردہ پانچ ممبر

(د) وزیر اعظم آزاد کشمیر یا اس کا نامزد شخص اور

(ر) قابل انتقال واحد ووٹ کے اصول پر متناسب نمائندگی کے سسٹم کے مطابق ریاستی باشندوں میں سے اسمبلی کے ذریعہ منتخب کردہ پانچ ممبر شامل ہوں گے۔

(س) وزیر اعظم پاکستان اس کونسل کا چیئرمین ہوگا۔(3) دفعہ 31 3 (الف) کونسل یا اسمبلی میں سے کسی کو بھی درج ذیل معاملوں کے بارے میں قانون سازی کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔

(ب) آزاد جموں و کشمیر کا دفاع اور سلامتی

(ج) سکہ رائج الوقت، بل، نوٹ یا کسی دیگر قسم کی کرنسی

(د) غیر ملکی تجارت اور امداد سمیت آزاد جموں و کشمیر کے تمام امور خارجہ

(4) دفعہ 35 ا کونسل کے ذریعہ منظور کئے گئے بلوں پر صدر آزاد جموں و کشمیر کی توثیق کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی اور وہ کونسل کے چیئرمین کی تصدیق کے بعد قانون بن جائیں گے اور کونسل کا ایکٹ یا قانون کہا جائے گا۔ یاد رہے کہ کونسل کا چیئرمین وزیر اعظم پاکستان ہوتا ہے اور اس میں پاکستانی کابینہ اور پارلیمنٹ کے 5 نامزد ممبروں کے علاوہ امور کشمیر کا وفاقی وزیر بھی بطور رکن کونسل شامل ہوتے ہیں۔ جب پاکستان میں کوئی جمہوری حکومت قائم نہ ہو تو اس صورت میں صدر پاکستان یا مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر "آزاد" کشمیر کے کرتا دھرتا ہوتے ہیں۔

(5) یاد رکھیں کہ عبوری آئین قانون کے تیسرے شیڈول کے پیراگراف کے مطابق 55 سے زیادہ معاملات ایسے ہیں جس کے بارے میں کشمیر کا صدر، وزیر اعظم اور پوری اسمبلی بھی دخل اندازی کرنے کی مجاز نہیں ہے۔

(6) ان 55 معاملوں میں سے کچھ اہم امور یہ ہیں۔

(1) قومیت شہریت اور قدرتی باشندگی کا حق، آزاد جموں وکشمیر میں یا اس سے باہر کسی کی ہجرت واخراج حتیٰ کہ اس کے اندر نقل وحرکت کے سلسلہ میں کوئی امر (2) ڈاک وتار خدمات بشمول ٹیلیفون، وائرلیس، ریڈیائی نشریات اور مواصلات کے دیگر ذرائع اور ڈاک گھر بچت بینک

(3) عوامی کونسل خدمات اور کونسل پبلک سروس کمیشن

(4) انتظامی عدالت برائے کونسل موضوعات

(5) نیوکلیائی قوت کی پیداوار کے لئے ضروری معدنی وسائل

(6) طیاری اور ہوائی نقل وحرکت۔ ہوائی اڈوں کی فراہمی، ہوائی ٹریفک اور ہوائی اڈوں کا نظم ونسق

(7) کاپی رائیٹ، ایجادات، نمونہ جات، ٹریڈ مارک اور فروختی سامان پر لگائے جانے والے نشان

(8) بنک کاری یعنی بینکنگ کاروبار چلانے کے لئے حکومت پاکستان کے ساتھ تال میل

(9) بیمہ قانون اور بیمہ کاروبار چلانے میں باقاعدگی لانا

(10) سٹاک ایکسچینج اور آزاد کشمیر تک محدود نہ رہنے والی تجارت اور چیزوں کی عائدہ منڈی

(11) اقتصادی تال میل کے لئے منصوبہ سازی۔ اس میں سائنسی اور ٹیکنولوجیکل تحقیق کی منصوبہ بندی اور رابطہ کاری بھی شامل ہے۔

(12) شاہراہیں۔ آزاد کشمیر سے باہر جانے والی سڑکیں ماسوائے ان سڑکوں کے جنہیں حکومت پاکستان نے جنگی اہمیت والی قرار دے رکھا ہے۔

(13) آزاد کشمیر یا پاکستان کے کسی صوبہ کی پولیس فورس کے اختیارات اور دائرہ کار کو آزاد کشمیر یا ایسے صوبہ کے کسی علاقہ تک بڑھانا۔ لیکن اس طرح نہیں کہ آزاد کشمیر یا ایسے صوبہ کی پولیس ایسے صوبہ یا آزاد کشمیر میں اپنے اختیارات اور دائرہ کار بڑھانے کے قابل ہی بن جائے۔

(14) ریلوے

(15) معدنیات اور قدرتی گیس کے سیال اور کونسل کے تشکیل کردہ قوانین کے تحت خطرناک طور پر آگ پکڑ لینے والے مادہ قرار دی گئی اشیاء

(16) ان علاقوں میں صنعتوں کا فروغ جہاں کونسل کے زیر کنٹرول ترقی کو کونسل کے تشکیل کردہ قانون کے تحت عوامی مفاد میں ضروری قرار دیا گیا ہو۔

(17) قیدیوں اور ملزموں کو آزاد کشمیر سے پاکستان اور پاکستان سے آزاد کشمیر منتقل کرنے کا کام۔

(18) آبادی کی منصوبہ بندی اور سماجی بہبود

(19) بجلی

(20) سرکاری املاک

(21) تعلیم کے نصابوں اور پروگراموں کا تعین، اعلیٰ تعلیم کے مرکزوں، پالیسی اور منصوبہ بندی

(22) نمائش کے لئے سینما فلموں کی منظوری

(23) سیاحت

(24) کسٹم محصولات مع برآمدی محصول

(25) زرعی آمدنی کے سوائے دیگر آمدنی پر ٹیکس

(26) کارپوریشنوں پر لگائے جانے والے ٹیکس

براہ کرم یہ بھی یاد رکھیں کہ آزاد جموں وکشمیر کی عبوری آئین قانون مجریہ 1974 کو بھٹو کے دور حکومت میں پاکستان کی وزارت قانون اور امور کشمیر نے تیار کیا تھا۔

(7) عہدے کا حلف:

"کہ بطور صدر آزاد جموں و کشمیر میں ملک اور ریاست جموں و کشمیر کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے کاز کا وفادار رہوں گا"

(8) ہندوستانی کشمیر میں سربراہ ریاست کے حلف کی عبارت یوں ہے:

"...... کہ میں جموں و کشمیر کے گورنر کے عہدے کے فرائض پوری ایمانداری سے نبھاؤں گا اور حسب قابلیت آئین اور قانون کا تحفظ و دفاع کروں گا اور اپنے آپ کو ریاست کے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے وقف کر دوں گا۔"

(9) میں اور ہر معزز شخص بے قصور کشمیری عوام پر ہندوستانی سیکیورٹی فورسز کے وحشی پن کی مذمت کرے گا۔ میں 29 سال سے زیادہ عرصے سے جموں و کشمیر کو ایک آزاد مختار کل ریاست بنانے کے لئے جدوجہد کر رہا ہوں۔ اس بات کو نوٹ کریں کہ مغربی ممالک جو ہر وقت انسانی حقوق کے لئے چلاتے رہتے ہیں ان کے سمیت دنیا کا ہر ایک ملک انسانی حقوق اور ہندو پاک سمیت ہر جگہ مسلح جدوجہد میں وحشیانہ طریقوں کے استعمال کے خلاف ہے۔ (مغربی ممالک کے لئے انسانی حقوق کا معاملہ اپنی مرضی کے تحفظ کا سوال ہوتا ہے) ہندوستانی سیکیورٹی فورسز ہندوستانی کشمیر میں کشمیریوں کے خلاف اب جو کچھ کر رہی ہیں وہ سب پاکستانی پاپیوں نے اپنے پونچھ ضلع بشمول باغ کے باسیوں کے خلاف 1954ء میں ہی کر دیا تھا۔ مشرقی پاکستان (موجودہ بنگلہ دیش) میں پاکستانی فوجیوں نے اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو ہزاروں کی تعداد میں قتل کر دیا تھا اور دو لاکھ مسلم عورتوں کی آبرو ریزی کی تھی۔ لیکن ہندوستانیوں کے لئے سیکیورٹی فورسز کا ظلم عظیم گاندھی کے اصولوں کے صریحاً خلاف ہے جسے ہندوستانی قوم باپو کہہ کر پکارتی ہے۔

براہ کرم نوٹ کریں کہ ہم عوام کے خلاف سرکاری قوت کے ذریعہ کسی قسم کے وحشیانہ تشدد یا جبر کی وکالت نہیں کر رہے لیکن اپنے مقاصد و اہداف کے لئے ثبوت پیش کرنا چاہتے ہیں: یعنی ہند و پاک دونوں کشمیریوں کے خلاف جارح ہیں لہذا مقبوضہ کشمیر کے دونوں حصوں کو ہندوستانی مقبوضہ کشمیر اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر کہا جانا چاہئے۔

حال ہی میں "آزاد" کشمیر ہائی کورٹ نے "آزاد جموں و کشمیر" کی حیثیت کے بارے میں ایک فیصلہ صادر کیا تھا۔ یہ فیصلہ بھی اس بات کا ٹھوس ثبوت ہے کہ آزاد کشمیر کا P.O.K یعنی پاکستانی مقبوضہ کشمیر ہی کہنا چاہئے۔

آزاد کشمیر کی ہائیکورٹ نے اس کی خود مختار حیثیت کے متعلق درخواست خارج کر دی۔

مظفر آباد 23/ فروری 1996ء: آزاد کشمیر ہائی کورٹ نے فیصلہ دیا ہے کہ پاکستانی کنٹرول والے علاقہ کی حیثیت پاکستان کے ایک صوبے سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے اور کہ اس کی "خود مختار حیثیت" کے متعلق جو بڑے دعوے کئے جاتے ہیں وہ محض اس طور کی ہیں۔ اس کا عبوری آئین اور آزاد کشمیر کی حیثیت سے متعلق اقوام متحدہ کا اختیار کردہ موقف اس علاقہ کو آزاد مملکت نہیں بنا دیتا۔ جسٹس منظور گیلانی نے اپنے فیصلے میں کہا کہ "آزاد کشمیر کے آئین مجریہ 1974ء کی دفعات 31-3 اور 58 نے اپنے غیر ملکی امور، مواصلات دفاع اور تجارت کے اختیارات پاکستان کی وفاقی حکومت کے حوالے کر دیے تھے اس لئے حکومت آزاد کشمیر پاکستان کی کسی بھی دوسری صوبائی حکومت سے زیادہ طاقتور نہیں ہے۔ انہوں نے یہ فیصلہ میرپور کی امین شپنگ کارپوریشن کی طرف سے دائر کردہ قانونی درخواست پر صادر کیا جس میں اس کارپوریشن نے پاکستان کے کسٹم محکمہ کی جانب سے اس پر عائد کی گئی غیر ملکی درآمدات ٹیکس ڈیوٹی کے قانونی جواز کو چیلنج کیا تھا۔

آزاد کشمیر کا خطہ جسے کچھ لوگ نیم مختار ملک سمجھتے ہیں جس کا اپنا الگ وزیر اعظم اور صدر ہوتا ہے، اس پر 1947ء سے ہی موثر طریقہ پر پاکستان کی حکمرانی رہی ہے اور 1947ء کے بعد سے فیصلہ کرنے کے زیادہ تر اختیارات کشمیر کونسل کے چیئرمین کو منتقل ہو چکے ہیں جو پاکستان کا وزیر اعظم ہوتا ہے۔

آزاد کشمیر اسمبلی میں ہمارے موضوع کے متعلق کیا گیا ایک سوال اور اس کا جواب

مظفر آباد 6/ مارچ: حکومت آزاد کشمیر نے تسلیم کیا ہے کہ پاکستان کے اندر

ریاست جموں و کشمیر کی اربوں روپے کی جو املاک ہیں ان کے بارے میں کوئی سرکاری ریکارڈ موجود نہیں ہے۔ ریاست کی کٹھ پتلی اسمبلی میں جماعت اسلامی کے واحد ممبر کے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے سپیکر نے اعلان کیا کہ "ایوان میں صرف وہی سوالات کئے جا سکتے ہیں جو ریاستی اسمبلی کے دائرہ اختیار میں آتے ہوں۔ پاکستان میں موجود کشمیر کی جائداد کے ایک انچ حصہ پر بھی ہمارا کوئی کنٹرول نہیں ہے اور گلگت و بلتستان کے علاقے کے متعلق بھی یہی صورت حال ہے"

آزاد کشمیر کے ممبران اسمبلی اور وزراء پاکستان میں موجود کشمیر کی املاک سے ہونے والی آمدنی اور اخراجات کے اصل اعداد و شمار حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں جو تاریخی طور پر مہاراجہ کی ملکیت تھیں اور ان کو زبردست آمدنی مہیا کرتی تھیں۔

اگر آزاد کشمیر میں اقتدار اعلیٰ وہاں کے عوام کے ہاتھ میں ہوتا اگر وہ آزادی کے ساتھ اپنی پالیسیاں اور لائحہ عمل طے کر سکتا اگر اس کے اپنے بیٹے اور بیٹیاں انتظامیہ کو چلا رہے ہوتے اور اس کے صدر کو کسی بھی دوسرے ملک کے صدر کے برابر سمجھا جا رہا ہوتا تو آزاد کشمیر واقعی آزاد ہوتا۔ جہاں کے صدر کو اسلام آباد سے آئے ہوئے ایک انڈر سیکرٹری کا خیر مقدم کرنے کے لئے قطار میں کھڑا ہونا پڑتا ہو وہ سرزمین اپنے آپ کو آزاد کہلانے کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔ یہ ایک غلط لقب ہے۔ لہٰذا اس کو پاکستانی مقبوضہ کشمیر کہہ کر میں کسی کے ہاتھوں میں نہیں کھیل رہا بلکہ وہی کہہ رہا ہوں جو لفظی اور حقائق کی رعایت سے بالکل سچ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان نے (ریاست کے ایک حصہ) کشمیر پر قبضہ کر رکھا ہے جسے پاکستانی مقبوضہ کشمیر کہا جاتا ہے۔

اور آخر میں 2

"اصولی طور پر محب وطن سے مراد وہ شخص ہے جو اپنے ملک کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کے تئیں بہت وفاداری محسوس کرتا ہے۔ فرزندان اور دختران وطن ایسے لوگوں کو محب وطن نہیں کہہ سکتے جو اپنے وطن کا کسی دوسرے ملک کے ساتھ الحاق کرنا چاہتے ہوں۔

☆☆☆☆☆

باب نمبر 18

زنداں سے شورِ آزادی!!

1۔ ہندستان اور پاکستان کے حکمرانوں نے گزشتہ 50 سال سے کشمیریوں کا قتل، انہیں گھروں سے نکلنے پر مجبور کرنا، جیلوں میں ڈال دینا اور نشانہ ستم بنانا اپنی بنیادی پالیسی بنا رکھی ہے۔ دونوں ممالک کی فوجیں ایک دوسرے کے مورچوں پر گولہ باری کرتی ہیں لیکن اس کا اصل شکار کشمیری ہی بنتے ہیں۔ ایک سال ہوا جب ہندستانی فوج نے کہوٹہ (پاکستانی مقبوضہ کشمیر) پر راکٹ داغے تھے جن سے غیر فوجی کشمیری شہری ہلاک اور ایک مسجد تباہ ہو گئی تھی۔

2۔ 30 ستمبر کو پاکستانی فوج نے کرگل پر گولے پھینکے جن سے کشمیری مرے۔ بندوق اور بارود کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ ورنہ پاکستانی گولے کرگل کی جامع مسجد کو شہید نہ کرتے۔ سال بھر پہلے ہندستانی گولہ باری سے سرحد کے پار 17 لوگ ہلاک اور ایک مسجد تباہ ہو گئی تھی۔ اس سال پاکستانی گولہ باری نے بھی اتنے ہی لوگوں کو ہلاک کر ڈالا جن میں تین بچے بھی تھے اور 30 انسانوں کو زخمی کرنے کے علاوہ ایک مسجد بھی تباہ کر ڈالی۔ حساب برابر ہو گیا۔ کیا یہ کوئی سازش ہے جس کے تحت دونوں نے کشمیریوں کے نسل کشی کرنے پر اتفاق کر رکھا ہے؟ کشمیریوں کا قتل عام بند کریں!

3۔ گاندھی جی۔ آپ کہاں ہیں؟ خدارا اٹھئے اور ہندستانی سکیورٹی فورسز کو کشمیریوں پر ظلم ڈھانے سے روکئے۔ کیونکہ آپ نے کئی بار کہا تھا کہ "کشمیریوں کو انصاف دیا جائے۔" ہندستان کے سیاستدانوں، دانشوروں اور انسانی اقدار کے لئے وقف انسان

دوستوں کا ضمیر کشمیریوں پر کئے جانے والے جبر و استبداد پر خاموش ہے، آپ کو اور روح کشمیر کو بدنام کرنے کے لئے کشمیری عورتوں کے سروں پر استرا پھیر دیا جاتا ہے۔

سرزمین سیتا کے وارث کہاں ہیں؟

4۔ معصوم اور بے قصور کشمیری گاندھی جی، اشوک اور سیکولرزم کے وارثوں سے سوال کر رہے ہیں کہ خلیل احمد ابی کے قاتل میجر کو انصاف کے حوالے کیوں نہیں کیا؟ بانڈی پورہ کے گلاس ایرن پر گولہ باری کر کے 11 معصوم مردوں عورتوں اور بچوں کی ہلاکت کہاں کی جنگی حکمت عملی ہے؟۔ ایک کپتان نے ڈوڈہ ولیواہ میں دو طالبات مسرورہ اور نسرین کو قتل کر کے کون سی بہادری کی تھی؟۔ جس وقت ضلع اننت ناگ کے اکنگام میں ایک سکول ٹیچر مشتاق احمد وانی اور اس کی بیوی فتح بانوں سمیت چار افراد کو گولیوں سے ہلاک کیا گیا اس وقت انسانیت اور انسان دوستی کہاں تھیں؟۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جس کسی نے بھی فوج کو بے قصور لوگوں کی تباہی کے لئے استعمال کیا، آخر میں وہ خود بھی فوج کے ہاتھوں سے نہیں بچا۔ ہو سکتا ہے کہ کشمیر میں خونریزی کی آنچ جو چھوٹ دی جا رہی ہے اس کے نتیجے میں کل ہندوستان کے دوسرے شہروں اور قصبوں میں ہندوستانی عوام کا خون بہنے لگے۔

5۔ میں گزشتہ 9 سال سے کہہ رہا ہوں کہ ہم کشمیر میں بندوق کے ذریعہ آزادی نہیں لا سکتے اور نہ ہی بندوق کے استعمال سے ہم اپنے مقصد کے لئے عالمی برادری کی حمایت حاصل کر سکتے ہیں۔ ہمیں غیر ملکی دہشت گردوں کی حاجت نہیں ہے جو اپنے ہی ملک کو کھنڈرات میں تبدیل کر چکے ہیں اور آج بھی یہی کر رہے ہیں۔ مثلاً افغان اور الجیریا۔ الجیریا میں عورتوں اور بچوں کی گردنیں کاٹ کر الگ کر دی جاتی ہیں۔ ہم کشمیریوں کو آپ کی تشریح والے اسلام کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کشمیریوں کا اسلام اخوت، بھائی چارہ، صوفیانہ اور دوسرے کا احترام سکھانے والا اسلام ہے۔ کشمیری نوجوان کو بندوق دینے والے لوگ اس کے دوست نہیں ہیں۔ ہم اس زمانہ میں دہشت گرد کے طور پر پہچانا جانا نہیں چاہتے۔ بلکہ ایسے دبے کچلے لوگوں کی پہچان رکھنا چاہتے ہیں جو انصاف کے طلب گار ہیں۔

6۔ میں ان لوگوں سے مخاطب ہوں جو سچ بولنے والوں کو "ایجنٹ" اور "ہندوستانی

قبضہ کو قائم رکھنے والا" قرار دیتے ہیں۔ ان نو برسوں میں آپ لوگ کشمیری نوجوانوں کی موت کو گھیر کر لاتے رہے ہیں اور اپنے لئے اپنے خوابوں کے محل تعمیر کرتے ہوئے ان کی لاشوں کے کرمچے کی فصلوں کی طرح انبار لگاتے رہے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب آپ لوگ اسمبلی میں ہندوستان کے ساتھ وفاداری کا حلف لیا کرتے تھے اور ہم جیلوں میں سڑتے تھے۔ اس وقت آپ مقبول بٹ شہید کو غدار کہتے تھے۔ خود ستائی والے ان لوگوں نے اپنی تنخواہوں، عطیات اور دوسرے ممالک میں قائم اپنے دفاتر اور سہولیات کے تحفظ کی خاطر سچائی پر سیاہی پوت دی ہے جبکہ مجھے ہمالیہ سے بھی بلند جرأت عطا کی گئی ہے تاکہ میں اپنی بے یار و مددگار قوم کے مفادات کی حفاظت کروں۔ میں آپ پر زور دوں گا کہ آپ اپنے تعلقات کے جال اصل مسئلہ کا "باہمی" حل تلاش کرنے کے لئے استعمال کریں۔ ہندوستانی عوام کی دوستی حاصل کریں اور اس دوستی کی مدد سے حکام پر دباؤ ڈالیں کہ وہ کشمیریوں کو کچلنا بند کر دیں۔ میں آپ کو خبردار کر رہا ہوں کہ جب تک آپ اپنے آقاؤں کی نوکری کریں گے جو آپ کو ہندوستانی عوام کو گالیاں دیتے رہنے اور کشمیر کو ایک مذہبی معاملہ بنا کر پیش کرنے کی ہدایت دیتے ہیں، اس وقت تک آپ اپنے روز و شب اس بے معنی کسرت میں ضائع کرتے رہیں گے۔ یہ بھی یاد رکھئے کہ اگر امریکہ کے عوام ویت نام میں تعینات امریکی افواج کے ظلم و استبداد کے خلاف اٹھ کھڑے نہ ہوتے تو امریکہ اس ملک کو کبھی خالی نہ کرتا۔

ہم کہتے ہیں کہ گزشتہ 9 سالوں میں کشمیری لوگ "جہاد" وغیرہ کے نعروں کے متعلق حساس ہو چکے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود کہ کوئی بھی ملک اور قوم ان کی حمایت کے لئے آگے نہیں آئی۔ ہم کہتے ہیں کہ تباہی کا یہ ڈرامہ ختم کر دیا جانا چاہئے اور سول نافرمانی کا راستہ اپنانا چاہئے۔ کچھ لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر امت امت چلا رہے ہیں اور اس نعرے کی مدد سے بڑی بڑی تنخواہیں اور فنڈ جمع کر رہے ہیں۔ یہ لوگ بنیادی مسئلہ پر صرف تنقید، گفتگو اور خوشامد ہی کرتے ہیں۔ جب ان کی خیالی امت عراق کو ختم کرنے کے لئے سامراجیوں کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتی ہے اس کی تباہی کے منصوبہ کے لئے 62 بلین ڈالر مہیا کر دیتی ہے تو پھر یہ لوگ کیا کہہ سکتے ہیں؟۔ غیر ممالک کے کئی بہی خواہ، جن میں ریٹائرڈ ایئر مارشل نور خان بھی شامل ہیں، یہ سمجھا رہے ہیں کہ کشمیریوں کو بندوق نہیں انتفاضہ کی ضرورت ہے۔

میں خود تشدد کی کوکھ سے پیدا ہوا ہوں۔ لیکن اگر میں بندوق اور تشدد کو ترک کرنے پر زور دے رہا ہوں تو صرف اپنی قوم کی بقا کی خاطر ایسا کر رہا ہوں جس کے نوجوان جیلوں میں پڑے ہوئے ہیں اور جس کے لوگ جلاوطنی کے دن گزار رہے ہیں۔

پھر میرے ہم وطن کشمیری پنڈت ہیں جو پناہ گزین کیمپوں میں سلب قوت کی بدولت مر رہے ہیں۔ "مہمان ملی ٹینٹوں" نے سنگرام پورہ میں سات کشمیری پنڈتوں کو گولیوں سے بھون ڈالا۔ انہی "مہمان" ملی ٹینٹوں نے تین کشمیری پنڈت ٹیچروں کو گولیوں سے شکار کیا اور راجوری کے لوارن گاؤں میں ایک ہی کنبہ کے آٹھ افراد کو قتل کر دیا۔

26 جنوری 1998ء کو گاندربل میں عورتوں اور بچوں سمیت 23 کشمیری پنڈتوں کو نہایت وحشیانہ طریقے سے بندوقوں سے چھلنی کر دیا تھا۔ ہم یہ سوال کر رہے ہیں کہ "کیا آپ مہمان ملی ٹینٹوں" کو اپنے ہی ہم وطنوں کا قتل کرنے کے لئے مدعو کرتے ہیں اور اس طرح یہ ثابت کر رہے ہیں کہ آپ جہاد کر رہے ہیں؟۔

اہل فلسطین 40 سال تک لڑنے کے بعد آج امن کی تلاش میں ہیں۔ آئرلینڈ کے لوگ اپنے مسئلہ پر بات کر سکتے ہیں تو پھر ہم کشمیری ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ گفتگو کیوں نہیں کر سکتے؟۔ اگر بات چیت شروع ہو جائے تو "فنڈ پارٹیوں" تنخواہ دار سیاست دانوں اور مراعات یافتہ طبقہ کے تجارتی اداروں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ بندوق کی شہرت میں خفیہ فنڈز ہیں جن سول نافرمانی میں کچھ کمائی نہیں ہے۔ میں فنڈ اکٹھا کرنے والے رہنماؤں سے مخاطب ہوں اور ان سے کہتا ہوں کہ آپ جو کشمیریوں کے دکھوں پر مگرمچھ کے آنسو بہاتے ہیں کہ وہ کبھا اپنے اندر جھانکیں۔ میں مشورہ دوں گا کہ آپ اپنے Cohorts جنرل موسیٰ کے اس خط کا مطالعہ کریں جو سرینگر کے ایک ہفتہ وار چٹان کی جلد 13 کے شمارہ 26 برائے 22، 28 ستمبر 1997ء میں زنداں کی چیخ کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ یہ خط حزب المجاہدین کے ایک جنرل کا ہے جنکے باپ کو بھی ہلاک کر دیا گیا تھا۔

آپ خود غرضی کے غلام اپنی کھال کب تک بچا سکیں گے؟ میرا کام تاریخ کو سچائی کے پلڑوں میں رکھنا ہے۔ اسی سچ کی خاطر میں 27 سال سے اپنے خون کے

رشتہ داروں سے نہیں ملا ہوں۔

7۔ اس لئے اس چال کو بھارت پاک دشمنی بڑھانے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ اس چال کو بھارت اور پاکستان کی بندوقوں کے لئے کشمیری چارہ کے طور پر استعمال نہ کریں۔ جس طرح خفیہ ایجنسیاں اپنے اصلی نام چھپاتی ہیں اسی طرح آپ بھی اس چال کو قوم پرستوں اور کشمیری محبان وطن کو گالی دینے کیلئے استعمال نہ کریں۔ اپنے وسائل کو تشدد اور نفرت کا زہر پھیلانے کیلئے استعمال نہ کریں۔ کیوں کہ آپ نے اب تک عزیزوں اور اہل خانہ کو تشدد کا نشانہ بنتے ہوئے نہیں دیکھا ہے۔ ہم نے یہ سب دیکھا ہے۔ اس سب سے مل چکے ہیں۔ اسی لئے ہم تشدد، جبر، دھمکی بازی سے نفرت کرتے ہیں۔ بے یار و مددگار کشمیریوں کی اس مایوس کن تقریر کو سمجھئے جو "جنرل موسیٰ نے اپنے مذکورہ خط میں کھینچی ہے اور ذیل میں درج ہے۔ یہ خط میرے مضمون "کشمیری نوجوانوں کی لاشوں پر کاروبار کب تک" کے مندرجات کی تصدیق کرتا ہے۔ آیئے ہم کشمیر کے لوگوں کے درمیان اخوت و برادری کی بنیاد تعمیر کرنے اور جیلوں میں بند تمام کشمیریوں کو رہا کروانے کے لئے متحد ہو کر بھارتی قیادت اور بھارت کے باضمیر لوگوں کے پاس جائیں۔ یہ کام جنرل موسیٰ کے خط میں درج باتوں کے مطابق کرنے کی ضرورت ہے۔ آیئے ہم برصغیر میں نفرت، تشدد، بم دھماکوں وغیرہ کا خاتمہ کرنے کے لئے مل کر کام کریں تاکہ ہم اپنے مسائل حل کر سکیں۔ اس مقصد کے لئے بھارت، پاکستان اور جموں و کشمیر کے عوام کو متحد ہونا پڑے گا۔

جنرل موسیٰ کے خط کا متن یوں ہے:

"زنداں کی چیخ"

محترم طاہر محی الدین صاحب۔ السلام علیکم

امید ہے کہ بخیریت ہوں گے۔ میں کیا لکھوں۔ دراصل میں کتنا لکھوں۔ میرے گرد و پیش کیا نہیں ہے؟۔ آہیں۔ بے بسی۔ جبر۔ غریبی۔ توقعات کا فقدان سمندر، باغ زنداں میں کھلے غنچوں سے گرتی ہوئی پتیاں، احتجاج اور لوگوں کے غائب ہونے کی وارداتیں۔ اس لئے نہیں کہ مسافر تھک چکے ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ کل تک جو لوگ میری راہ پھول

بکھیرتے تھے وہی خنجر بے نیام کر رہے ہیں"

ان کے ہاتھ میں چاہے خنجر نہ ہوں لیکن زبان خنجر سے زیادہ ہو سکتی ہے۔ قلم بھی خنجر کا مقام لے سکتا ہے۔ خاموشی بھی خنجر کا کام دیتی ہے۔ دلچسپی کی کمی اور لاپرواہی بھی خنجر ہیں اور اجنبیت بھی خنجر بن سکتی ہے۔ حتیٰ کہ الفت اور محبت کے ننھے دل میں نفرت اور عداوت بھی خنجر سے کم نہیں ہوتے۔ یہ تمام خنجر بے بس قوم، متاثرہ ارکان، قیدیوں، بیواؤں، اپاہجوں اور خصوصاً محبوس افراد کے دلوں میں اترے جا رہے ہیں۔ ان میں سے کچھ خنجر کاروانِ حریت کے سالاروں کی شکل میں ہیں۔ کچھ حریت کے خیر خواہوں کی شکل میں ہیں۔ کچھ خنجر "اپنے لوگوں" کے بھیس میں ظاہر ہوتے ہیں اور کچھ پریس گیلری سے تازہ پریس نوٹوں کے ساتھ آتے ہیں۔ آہ جو لوگ صوفوں اور گدے دار چیئروں پر بیٹھ کر پریس کانفرنس کرتے اور اخباروں میں اپنی تصویریں چھپواتے ہیں وہ قیدیوں کی بے کسی محتاجی اور شرم و ذلت کو نہیں سمجھ سکتے۔ اس سے ان قیدیوں کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی جو آخری سانسیں لے رہے ہیں۔

میری نظروں کے سامنے قیدیوں کی موت ہوئی ہے۔ نوجوان مر گئے، زندگی کی کگار پر کھڑے ہوئے نوجوان ایک ایک کر کے مر گئے۔ کیونکہ انہیں قانونی مدد کی ضرورت تھی۔ ان کے گھر میں کوئی نہیں تھا۔ انہوں نے حریت والوں پر تکیہ کیا۔ لیکن حریتی کوئی ان کے والدین تو نہیں تھے کہ انہیں شفقت دیتے۔ وہ ان کی بہنیں نہیں تھیں کہ اپنی دوشیزگی کی قیمت پر بھی اپنے بھائیوں کو بچا لیتی ہیں۔ وہ ان کے دوست بھی نہیں تھے کہ ان کے مشکل وقت میں مدد کے لئے آتے۔ ان کا تو رات کا سودا تھا۔ بس چند لقمے یا کچھ کرنسی نوٹ دے کر رات بھر کی جوانی کا رس چوسے اور چلے گئے۔

آپ کی وساطت سے میں کسی انسانیت دوست کو بلاتا ہوں جو محبوس افراد کو صرف قانونی فراہم کرے اور خود کو درد بھرے جذبوں، منہ چھپائے کھڑی آرزوؤں، بکھری زخمی ہاتھوں اور بازوؤں اور اپاہج، معذور قیدیوں کی خدمت کیلئے وقف کر دے۔ وہ کوئی مردہ "لیڈر" نہ ہو۔ وہ کسی تنظیم سے وابستہ نہ ہو۔ کسی بار ایسوسی ایشن کا رکن نہ ہو۔ وہ پریس کا پروردہ نہ ہو۔ عارضی زندگی پر مسرور نہ ہو۔ بے شک اس کا مکان جلایا جا چکا ہو۔ بیٹا ہلاک

کر دیا گیا ہو۔ اس کا بھائی بچھڑ چکا ہو۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اس کی بہن کی آبرو ریزی کی گئی ہو۔ اور اس کی جائداد کو اس کی نظر کے سامنے لوٹ لیا گیا ہو۔ لیکن وہ ایک دیانت دار اور پرخلوص، مسلمان اور انسانیت کا خالص مرقع ضرور ہونا چاہئے چاہے وہ ہندی ہو، خراسانی، نہ کشمیری ہو نہ پاکستانی، لیکن انسانیت کا بہی خواہ ہو اور اس کے خون میں بنی نوع انسان کے لئے ہمدردی گہرائی تک دوڑ رہی ہو۔ اگر آپ کو ایسا شخص مل جائے تو براہ کرم اس کو محبوسین کے کاروان میں موجود بے کسوں، ٹوٹے ہوئے، معذور اور شکستہ حوصلہ لوگوں کے پاس بھیج دیجئے۔ ہو سکتا ہے کہ ان کی تباہ حال زندگی کو باز آبادکاری کی کوئی کرن دکھائی دے جائے۔ ہو سکتا ہے کہ افسردہ دلوں کو مسرت کی رمق مل جائے۔ شاید چند گنی چنی سانسیں زندگی کو بحال کر دیں۔ براہ کرم یہ پیغام باقی خیر خواہوں تک پہنچا دیجئے۔ (قلم)

"جب میں سوچتا ہوں تو اپنے ہونٹ میری ان آنکھوں پر رکھ دیتا۔ تمہیں یقین آ جائے گا کہ پلکوں کے اندر بھی دل دھڑکتا ہے"

امید کہ آپ بخیر ہوں گے۔

آپ کا

جنرل موسیٰ (محبوس)

☆☆☆☆☆

مشمولات

مشمولہ (الف)

پاکستان کی خصوصی عدالت میں مقبول بٹ کا بیان

(گنگا اغوا کیس 1971ء)

اسے اتفاق کہیے یا حالات کا ستم کہ آج مجھے ایک خصوصی حکمنامے کے ذریعے قائم کی گئی اس خصوصی عدالت کے سامنے ان الزامات کا دفاع کرنے کے لئے حاضر ہونا پڑ رہا ہے جو جھوٹے اور بے بنیاد ہیں۔

یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ یہ الزامات ایک ایسے دماغ کی اختراع ہیں جو میرے ملک کی آزادی کا دشمن ہے اور آزادی کے لئے برسرپیکار ریاست جموں و کشمیر کے عوام کے ساتھ ایک بھونڈا مذاق ہیں۔

تاریخ ان حالات سے اور پاکستان کے خودساختہ حکمرانوں کے خلاف فیصلے دے چکی ہے جنہوں نے مجھے اس کٹہرے میں کھڑا کیا ہے۔ تاریخ کا یہ فیصلہ اس قدر واضح ہے کہ یہ کسی

مزید تشریح کا حاجت مند نہیں ہے۔ اس نے ہمارے مکار مخالفوں اور ہمارے درمیان ایک واضح لکیر کھینچ دی ہے۔ میں اس کارروائی کو اپنی اور اپنے ساتھیوں کی ستائش سمجھتا ہوں کیونکہ اس سے آئندہ نسلوں کو ہماری شناخت میں کوئی کنفیوژن نہیں ہوگا۔ اس طرح مکاروں کے اس گروہ کے بارے میں قرآن کے اس ارشاد کی سچائی ثابت ہو جاتی ہے۔ "اور جب وہ مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں اور جب وہ اپنے شیطانوں کے سامنے تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بلاشبہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم محض مذاق اڑا رہے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اڑاتا ہے اور ان کی حماقت اندیشی کو بڑھاوا دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ دیکھنے سے عاری ہیں"

یہ گروہ مظلوم انسانوں کے خلاف جو جرم کر رہا ہے، اس کی بدولت ناگزیر تھا کہ یہ خود کو ایسے جال میں پھنسا لیتا کہ جس سے بچنا محال ہوتا۔ میں نے نہ کوئی سازش تیار کی ہے اور نہ ہی ایسے کسی گروپ کا حصہ رہا ہوں۔ میرا رول اس پورے دوران بالکل صاف رہا ہے۔

بہرحال یہ درست ہے کہ میں نے تحقیق، دشمنی، غلامی، استحصال، کورپشن، ظلم اور مکاری کے خلاف بغاوت کی ہے۔ اگر پاکستان کا حکمران طبقہ جو سامراجی نظام کی پیداوار ہے اور جس کی نمائندگی سول اور فوجی افسرشاہی کرتی ہے اس کو سازش کہتا ہے تو مجھے اس کو تسلیم کرنے میں کوئی گریز نہیں ہے۔

میرے نزدیک ہمارے خلاف قائم کردہ یہ مقدمہ بالکل عجیب بات نہیں ہے۔ انسانی تاریخ میں جب بھی استحصال اور غلامی کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے حکمران طبقوں نے ہمیشہ لفظ 'سازش' کا سہارا لیا ہے۔ مگر تاریخ سے ثابت ہے کہ ظالموں کے خلاف مظلوموں کی لڑائی میں آخرکار فتح مظلوموں کی ہوئی ہے اور عوام کی انقلابی جدوجہد نے ظالم و جابر ڈھانچے کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ میں خودستائی پسند نہیں کرتا لیکن اب جبکہ جان بوجھ کر میرے رول کو مسخ کیا جا رہا ہے مجھے یہ دعویٰ کرنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے کہ زندگی کے ہر مرحلہ میں میں نے نہ صرف استحصال اور ظلم کے خلاف عوام کی جدوجہد کی حمایت کی ہے بلکہ اس میں سرگرمی سے شرکت بھی کی ہے۔ میں نے سوچ سمجھ کر اپنے لئے یہ رول منتخب کیا ہے کیونکہ میں اس کو انبیائے کرام کی سنت سمجھتا ہوں۔ انقلابیوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے۔ مجھے اس رول کی کامیابی اور اس کے ذریعہ ہونے والی عوام کی بھلائی کے بارے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ میں اس عدالت کے سامنے اس

حقیقت کو پیش کرنے سے روک نہیں سکتا کہ بظاہر صرف چودھری ملوث کئے گئے ہیں البتہ اس مقدمہ کا اصل مقصد ہماری تحریک آزادی کو کچلنا ہے۔

پاکستانی افسر شاہی کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس مقدمے کے نتیجے میں ہماری قسمت میں جو بھی تبدیلی آئے مگر جہاں تک ان کے اصل مدعا کا تعلق ہے انہیں ہزیمت اور ناکامی کے سوائے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

اگر عدالتوں کے فیصلوں سے جدوجہد آزادی رک سکتی تو آج کرہ ارض پر ایک بھی آزاد قوم نظر نہ آتی۔ اگر تہذیب، جمہوریت اور آزادی کا فروغ موجودہ عدالتی یا انتظامی نظام سے روکا جا سکتا ہے تو تاریخ کی ابتداء سے اب تک کوئی انقلاب رونما ہوتا ہوا ہوگا۔

عوام کی فلاح و بہبود اور آزادی کے متعلق فیصلے متعلقہ دور کی عدالتوں میں نہیں ہوتے بلکہ انسانی تاریخ کا تغیراتی عمل ان تحریکوں پر فیصلہ صادر کرتا ہے کیونکہ خود عدالتیں بھی اس نظام کی پیداوار ہیں جس کو یہ تحریکیں تبدیل کرنے کے درپے ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ عدالت جیسی عدالتوں کے فیصلے بے معنی اور فرسودہ ثابت ہوتے ہیں۔

یہاں ان تمام سازشوں کی تفصیل دینا ممکن نہیں ہے جو میرے وطن اور میرے لوگوں کے خلاف کی گئی ہیں۔ مگر ان سازشوں کے ان پہلوؤں کو نمایاں کرنا ضروری ہے جنہیں یہ مقدمہ قائم کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔

یہ ہمارے ان دشمنوں نے نہیں کیا جن کے متعلق کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان ناعاقبت اندیش اور چالاک 'دوستوں' نے کیا ہے جنہوں نے شرمناک طور پر اس بدقسمت ملک کے اقتدار پر قبضہ کر رکھا ہے جنہوں نے نہ صرف اپنے دس کروڑ عوام کو غلام بنا کر رکھا ہوا ہے بلکہ اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں رکھنے کے لئے اپنی کینہ پرور حرکات سے اس ملک کے وجود کو بھی داؤ پر لگا رکھا ہے۔ ظاہر ہے کہ جس قیادت کو اپنے عوام کے ساتھ بھی کوئی ہمدردی نہیں ہے اس سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ وہ اس قوم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گی جو غیر ملکی قبضہ کے خلاف لڑ رہی ہے۔ کوئی بھی شخص ایسے لوگوں کی زبان بند نہیں کر سکتا جن کا دعویٰ ہے کہ پاکستان کی ہر برسر اقتدار طاقت گذشتہ پچیس سال سے کشمیر

کے مسئلہ کا استحصال کرتی آرہی ہے اور اس نے اس مسئلہ کو پاکستانی عوام کی نگرانی کرنے کے لئے استعمال کیا ہے جو کشمیر کی آزادی کی حمایت کرتے رہے ہیں اور ابھی تک کر رہے ہیں۔ فوجی آمریت کے ہاتھ میں اقتدار آنے کے بعد سے یہ سازش اور بھی خوفناک ہوگئی ہے۔ پاکستان کی تقسیم اس سازش کا منطقی نتیجہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ جس دن نیشنل لبریشن فرنٹ قائم ہوئی تھی اسی روز سے اس ملک کی بیوروکریسی، فوجی ڈکٹیٹر شپ اور ہماری جدوجہد کے درمیان تنازعہ شروع ہوگیا تھا۔ اس تنازعہ کی جڑیں مقاصد اور حکمت عملی میں جو اس تضاد میں گڑی ہوئی ہیں۔ اس ملک کے فوجی حکمران مسلح جدوجہد کے ہمارے نظریے کے ساتھ کبھی متفق نہیں ہوئے۔ انہوں نے نہ صرف اس کو ناپسند کیا بلکہ ایسی کسی بھی جدوجہد کو ہمیشہ کچلنے کی کوشش کی۔ ایسے نمایاں واقعات کی کہانی اس قدر طویل ہے کہ اسے یہاں تفصیل سے نہیں بتایا جا سکتا۔ مگر وہ کسی وقت ایسے مرحلہ پر نہیں پہنچی جہاں ہمیں اس ملک کا دشمن قرار دے دیا جاتا۔ فوجی آمروں نے ہمیں دشمن قرار دینے کا یہ وقت اس لئے منتخب کیا کیونکہ وہ اس وقت اپنی سازش کو آخری شکل دے رہے تھے۔ فروری 1971ء کا آخری ہفتہ تھا جب راولپنڈی میں ایوان صدر کے اندر یحییٰ ڈکٹیٹر 13 کروڑ لوگوں کے منتخب نمائندوں کو عنان حکومت منتقل کرنے کو روکنے کا منصوبہ بنا رہے تھے۔ اپنے قیام سے لے کر 24 فروری 1971ء، حکمران جماعت کے کسی بھی حصے نے کبھی بھی گنگا کے اغوا سمیت اس کی کسی سرگرمی یا اس پر شبہ نہیں کیا تھا۔

بہرحال حکمرانوں نے اپنی سازش کے ایک حصے کے طور پر نیشنل لبریشن فرنٹ اور گنگا کے اغوا کی جھوٹی بنیادوں پر اپنے عوام دشمن اور جمہوریت دشمن عزائم کو درست ٹھہرانے کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ابتدائی ہدایات راولپنڈی کے ایوان صدر سے جاری کی گئیں۔ انٹر سروسز انٹیلی جنس بیورو (آئی ایس آئی) کو طیارہ اغوا کیس کی تحقیقات اور حریت پسندوں کو عوام اور پریس سے دور رکھنے کا حکم دیا گیا۔ انہیں دور دراز علاقے میں منتقل کر دیا گیا۔ ہمارے دریافت کرنے پر کہا گیا کہ ملک پاکستان ایک بحران سے گزر رہا ہے۔ مجیب الرحمن کے ساتھ آئینی امور پر جھگڑے کو نمٹانے کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ قوم کشمیر کے

معاملہ میں چپ ہو جائے۔ ہم سے یہ بھی کہا گیا کہ شیخ مجیب الرحمن، بھارت کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کرنا چاہتا ہے اور کسی طرح کی مقابلہ آرائی پیدا نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ ہم پاکستان کے سیاسی بحران کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے اس لئے ہم نے اس کے ساتھ تعاون کیا اور حریت پسندوں کو کوہاٹ کے نالہ ڈیم میں منتقل کرنے پر رضامند ہو گئے۔

مگر صرف چند روز بعد ہی قومی اسمبلی کی مجوزہ میٹنگ ملتوی کر دی گئی۔ لہٰذا بحران مزید گہرا ہو گیا۔ سابق فوجی ڈکٹیٹر کے اعلان کے بعد پاکستان میں جو ہوا وہ پیشگی طے شدہ تھا۔ شیخ مجیب الرحمن کو راولپنڈی میں سابق صدر کے ساتھ بات چیت کے لئے مدعو کیا گیا۔ اس کے انکار پر مارچ 1971ء میں ایوان صدر سے ایک اور اعلان جاری کیا گیا کہ سابق صدر بات چیت کے لئے ڈھاکہ جا رہے ہیں۔ جنرل یحییٰ خان کی ڈھاکہ روانگی سے صرف ایک روز پہلے دفتر خارجہ نے اعلان کیا کہ طیارہ کے اغوا والے معاملہ کی تحقیقات کی جائے گی۔ ہمارے دریافت کرنے پر بتایا گیا کہ یہ محض یحییٰ مجیب مذاکرات کے دوران تلخی کو کم کرنے کے لئے کہا گیا ہے کیونکہ مجیب الرحمن جو پہلے ہی اغوا کی تحقیقات کا مطالبہ کر چکے ہیں مذاکرات کے دوران لازمی طور پر اس معاملہ کو اٹھائیں گے۔ ہمیں یہ بھی کہا گیا کہ پاکستان پر بین الاقوامی دباؤ بھی بڑھ رہا ہے اس لئے یہ ثابت کرنے کے لئے کہ جہاز کے اغوا میں پاکستان کا کوئی ہاتھ نہیں ہے ہمیں ایسے اقدامات کرنا پڑ رہے ہیں۔ ہمیں یقین دلایا گیا کہ اگر ضرورت پڑی تو ایک کمیشن قائم کر دیا جائے گا مگر امید ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔

کمیشن کا قیام عمل میں آیا لیکن اس وقت جب یحییٰ مجیب مذاکرات آخری مرحلے میں داخل ہو گئے تھے۔ تاثر یہ دیا گیا کہ یہ کمیشن محض آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے تھا۔ مگر اصلی مقاصد کا انکشاف اس وقت ہوا جب 27 مارچ کو مشرقی پاکستان کے خلاف فوجی کارروائی کا آغاز ہو گیا۔

یعنی کمیشن کی کارروائی شروع ہونے کے لئے محض دو دن بعد مشرقی پاکستان پر فوج کشی ہو گئی۔ کمیشن کے تین ممبروں میں سے دو انٹیلی جنس محکمے سے متعلق تھے اور تیسرا شخص جناب راحت چھتاری تھے جنہیں ملک کی پہلی جمہوری حکومت میں اقتدار میں آتے ہی کورپشن کے الزام میں ملازمت سے برطرف کر دیا تھا۔



ہاشم قریشی۔ ایمسٹرڈم 1996



ہاشم قریشی کی گنگا کے اغواء سے عین پہلے لی گئی تصویر



محمد مقبول بٹ (شہید) ہاشم قریشی کے ساتھ گلے ملتے ہوئے



ہاشم قریشی اور اشرف قریشی (ان سیٹ) اور انڈین ایئر لائنز کے طیارے گنگا کا ملبہ 1971



ایم اے قادری ہاشم قریشی کا گلپوشی سے خیر مقدم کرتے ہوئے



ہاشم اور اشرف قریشی مقبول بٹ اور دیگر افراد کے ساتھ



ذوالفقار علی بھٹو لاہور ہوائی اڈے پر ہاشم قریشی کا استقبال کر رہے ہیں۔ 1971



ہاشم قریشی خان ولی خان کے ساتھ (1993)



1971 میں گنگا کے اغوا کا ہیرو ہاشم قریشی

حالات وواقعات کے اس سلسلہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کیس کا خاص مقصد تھا اور یہ مقصد ملک میں خانہ جنگی کی حالت پیدا کرنے کے لئے جواز تلاش کرنے کے سوائے اور کچھ نہیں تھا جسے فوجی ڈکیٹروں نے لایا تھا۔ حکمرانوں کی خواہشات کے مطابق مرتب کردہ کمیشن کی رپورٹ نے ان کی ضرورت کو پورا کر دیا۔

رپورٹ کے صدر پاکستان کو پیش کئے جانے کے چھ دن بعد 14/اپریل کو ہمیں گرفتار کر لیا گیا۔

اور ہماری تحریک کو کچلنے کے لئے وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں جن کی یاد بھی دہلا دینے والی ہے۔ مگر اقتدار کے لالچ میں اندھے ہونے والے یہ حکمران یہ بات نہیں سمجھ سکے کہ جھوٹ آخر شکست کھاتا ہے۔ قدرت نے اپنا فیصلہ دینے میں دیر نہیں کی۔ ہمیں قربانی کا بکرا بنانے والے اپنے طبعی انجام کو پہنچ گئے۔

آزادی کی باتیں کرنا آسان ہے۔ لیکن آزادی کی خاطر لڑنے کے لئے بہت زیادہ ہمت اور صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایسا راستہ ہے جس کے ہر موڑ پر امتحان ہوتا ہے۔ آپ ایسے مرحلوں سے گزرتے ہیں جہاں آپ کے اپنے دوست بھی جن پر آپ کو مکمل بھروسہ تھا اپنے ذاتی مفاد کی خاطر آپ کو پہچاننا بھی نہیں چاہتے۔ بلکہ وہ آپ سے کنارہ کش ہو کر دشمنوں کے ساتھ الحاق کر لیتے ہیں۔

جدوجہد کے حامی اور مخالف کا پتہ لگانے کے لئے ہی نہیں بلکہ ریاکاریوں کا پردہ فاش کرنے کا بھی بہترین طریقہ ہوتی ہے۔ مجاہدین آزادی کو راہ میں حائل مشکلات کی شکایت کرنا زیب نہیں دیتا۔ لیکن اپنے دفاع کے لئے میں ذاتی طور پر ٹارچر کے تین مرحلوں سے گزرا ہوں۔ پہلے مقبوضہ کشمیر میں۔ پھر آزاد کشمیر میں اور آخر میں شاہی قلعہ لاہور کے اندر جو نوآبادیاتی دور کی یادگار ہے۔ چونکہ تفصیل میں جانے کے لئے کافی وقت نہیں ہے۔ لہٰذا میں مختصراً بیان کرتا ہوں۔ تینوں جگہوں پر عذاب رسانی کا مقصد بالکل مختلف تھا۔ بھارتی مقبوضہ کشمیر میں قابض افسر ہماری تحریک اور میری ذات کے بارے میں حقائق جاننا چاہتے تھے۔ آزاد کشمیر کے مظفر آباد میں ایف آئی یو (فیلڈ انٹیلی جنس یونٹ) کو حقائق کی تلاش

نہیں تھی بلکہ وہ مجھ سے اپنے اخذ کردہ نظریات کی تائید چاہتے تھے۔ جبکہ لاہور کے کیمپ والے مجھے اس لئے ٹارچر کر رہے تھے کہ میں سفید جھوٹ بولوں اور ان کی سازش کے طور پر جھوٹا بیان دے دوں۔ اس ملک کے جابر حکمرانوں کی انتظامی مشینری حقائق کو توڑنے مروڑنے اور کہانیاں گھڑنے کے لئے جو کچھ بھی کر سکتی تھی اس نے کیا۔

لاہور کے قلعہ میں ہم پر ٹارچر کیا گیا اس کی کچھ تفصیل میرے ساتھیوں نے اپنے تحریری بیانات میں پیش کی ہے۔ مگر قلعہ میں اس سے کہیں زیادہ کیا گیا تھا۔ سچائی یہ ہے کہ کچھ تفصیلات تو اس قدر شرمناک ہیں کہ انہیں تحریر میں بھی نہیں لایا جا سکتا۔

شاہی قلعہ میں ہم پر وحشیانہ ظلم کیا گیا تھا۔ بٹ صاحب نے جس شرمناک سلوک کی طرف اشارہ کیا ہے، اگر میں نے ان کی تفصیل ظاہر کی تو وہ نیک اور پر خلوص پاکستانیوں کے سروں کو شرم سے جھکا دینے کا باعث بن جائے گا۔ اس لئے اپنے قائد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس معاملہ میں میں بھی خاموشی اختیار کر رہا ہوں۔

شاہی قلعہ میں جو کچھ کیا گیا اس کا فیصلہ میں یوم حساب پر چھوڑتا ہوں۔

یہ عدالت جو بھی فیصلہ کرے میں صاف دیکھ سکتا ہوں کہ یہ انصاف نہیں کر سکتی۔ یہ وجہ نہیں ہے کہ مجھے عدالت پر بھروسہ نہیں ہے بلکہ ہمارے خلاف عائد الزامات کی نوعیت ایسی بنائی گئی ہے کہ موجودہ حالات میں ان کا دفاع نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک میرا ملک تقسیم ہے اس وقت تک ان الزامات کے جھوٹ کو ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ بہر حال میرا ایمان ہے کہ میرے ملک میں بھی آزادی کی سحر پھوٹے گی اور خط تقسیم غائب ہو جائے گا۔ اسی وقت میری زندگی کے حقائق افشا ہوں گے۔ اسی وقت ہی مجھے انصاف حاصل ہو گا اور یہ تاریخ کی عدالت کرے گی۔ اس روز میرے عوام کو بھارت اور پاکستان دونوں کے حکمرانوں کی طرف سے مجھ پر الزامات کا علم ہو جائے گا کہ میں بھارت کا ایجنٹ تھا یا پاکستان کا؟

اس عدالت نے (مقدمہ کا) جائزہ لیتے وقت ایف آئی یو کے میجر نصیر گل کی رپورٹ میں سرینگر جیل سے میرے فرار کے متعلق درج شک و شبہات کی تفتیش بھی کی

ہے اس پوری رپورٹ پڑھنے کے بعد میرا یہ کہنا ہے کہ یہ رپورٹ حقائق کے بالکل خلاف ہے اور ایک فوجی افسر کے متعصب نظریہ کے سوائے کچھ بھی نہیں ہے۔ اس ماہر خفیہ افسر نے جن تضادات کی طرف انگلی اٹھائی ہے ان کی بنیاد میرے فرار کے بیان میں نہیں بلکہ عوام کی مسلح جدوجہد کے متعلق اس کے ذاتی خیالات میں مضمر ہے۔ نوآبادیاتی حکومت کی پیداوار ہونے کی وجہ سے فوجی جرنیل عوامی فوج کے خیال سے بھی نفرت کرتے ہیں کیونکہ یہ عسکری دسترس پر جرنیلوں کی اجارہ داری کو چیلنج کرتا ہے۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ فوجی ڈکٹیٹروں نے آزادی کی جنگ میں مصروف کسی تنظیم کی کبھی بھی حمایت نہیں کی۔ اس کے برعکس وہ مجاہدین آزادی کے دشمنوں کے ساتھ رابطے قائم کرتے رہے ہیں۔ فوجی حکومتوں کے دوران فلسطین، الجیریا، ویت نام اور دیگر افریقی ممالک کی مسلح جدوجہد کو ہمیشہ منفی طور پر پیش کیا جاتا تھا۔

پاکستان کے فوجی حکمرانوں نے کشمیر میں عوام کی مسلح جدوجہد کی کبھی حمایت نہیں کی۔ انہیں اس سے اتنی ہی نفرت رہی ہے جتنی پرانے زمانے کے مسلمانوں کو سور کے گوشت سے ہوا کرتی تھی۔ عوام کی مسلح جدوجہد کے خلاف فوجی حکمرانوں کی اسی نفرت نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو وحشیانہ ٹارچر اور بے عزتی کا نشانہ بنایا ہے۔

یہاں ختم کرتے ہوئے میں چاہوں گا کہ ایک خصوصی حکم کے ذریعہ اس عدالت کو جو فرض سونپا گیا ہے یہ اس کو پورا کرے۔ سر دست میرے پاس اپنے آپ کو وقت کے بے رحم ہاتھوں کے سامنے پیش کرنے اور اس دن کا انتظار کرنے کے سوائے اور کوئی چارہ نہیں ہے جب امتیاز، نفرت، ظلم اور استحصال کی تاریکی عدل و انصاف کی روشنی میں بدل جائے گی۔ اس روز میں انصاف کا مطالبہ کروں گا۔

کشمیر کے باضمیر سیاسی کارکنوں اور وطن پرستوں اور ساتھ ہی غیر جانبدار مشاہدین و استدلال پسندوں کے لئے بٹ صاحب کے مندرجہ بالا بیان سے درج ذیل مسلمہ نتائج سامنے آتے ہیں۔

1- ہم پر گنگا کے اغوا کا مقدمہ پاکستانی فوجی ٹولے اور افسر شاہی نے قائم کیا تھا

کیونکہ وہ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کا الزام کسی پر ڈالنے کے لئے قربانی کے بکروں کی تلاش میں تھیں۔

2- پاکستان کا فوجی ٹولہ اور حکمران کشمیری عوام کی آزادی کے لئے کبھی پر خلوص نہیں رہے۔

3- گنگا کے اغوا کا مقدمہ کشمیر میں آزادی کی ابھرتی ہوئی قومی تحریک کے خلاف ایک سازش تھی۔

4- السٹر لیمب نے اپنی کتاب "کشمیر۔ اے ڈسپیوٹڈ لیگیسی" میں پولیس کی رپورٹوں پر مبنی جو کہانی بیان کی ہے اس بیان کے مطالعہ کے بعد جھوٹ اور من گھڑت داستان کا پلندہ ثابت ہو جاتی ہے۔ اس کے بیان کو زمین بوس کرنے کا باقی کام کے۔ ایچ۔ خورشید مرحوم اور میجر رحیم شاہ کے عدالتی بیانات اور 1995ء میں السٹر لیمب کی لاہور میں اشرف قریشی کے ساتھ گفتگو کی روداد نے کر دیا ہے۔

☆☆☆☆

مشمولہ (ب)

خصوصی عدالت میں کے۔ ایچ۔ خورشید مرحوم کا بیان

(طیارہ گنگا اغوا کیس 1971ء)

1971ء کے شروع میں جب طیارہ اغوا ہوا اور لاہور ایئرپورٹ پر لایا گیا تو میں لاہور ہی میں تھا اور وہاں ہائی جیکر ہاشم قریشی سے ملاقات بھی ہوئی۔

سوال: کیا ان دنوں آپ کو ہاشم قریشی کے متعلق یہ شکایت ملی کہ ہائی جیکروں کو کھانا ٹھیک سے نہیں دیا جا رہا؟

جواب: 2 فروری 1971ء کو قریباً سات بجے میری پارٹی کے ایک رکن فاروق گیلانی نے مجھے لاہور ائیرپورٹ سے فون کیا اس نے مجھے بتایا کہ جاوید صغیر کو ائیرپورٹ سے ہٹا دیا گیا ہے اور مجاہدین آزادی کو کھانا نہیں دیا جا رہا۔ یہ بھی خطرہ تھا کہ کچھ گرفتاریاں ہوں گی۔

میں ایئرپورٹ گیا اور وہاں میری ایک سیکورٹی افسر سے ملاقات ہوئی۔ اس کا نام زبیر تھا اس نے تصدیق کی کہ کھانا بند کر دیا گیا ہے اس نے مزید بتایا کہ پی آئی اے نے یہ کہہ کر کھانے کی سپلائی بند کر دی ہے کہ مجاہدین آزادی ان کے مسافر نہیں ہیں۔ دوسرے مسئلہ بہت پیچیدہ ہو چکا ہے اور وہ کسی قسم کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لینا چاہتے۔

سوال: اس سلسلے میں آپ کسی پولیس افسر سے بھی ملے؟

جواب: میں پہلے مقبول بٹ سے ملا۔ میں ان سے کھانے کی سپلائی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اتنی دیر میں ایس ایس پی عبدالوکیل خان ہماری طرف آتے ہوئے دکھائی دیے۔ میں نے مقبول بٹ سے کھانا بند کر دینے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے اس خبر کی تصدیق کی کہ ہاشم قریشی نے ان سے کہا ہے کہ وہ صرف وہی کھانا کھائے گا جسے پہلے ایس ایس پی عبدالوکیل چکھیں گے اور جو صحیح ہوگا۔ میں نے کہا کہ یہ مطالبہ بالکل انسانی ہے چاہے اس کا سیاسی رنگ کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ ہمیں ہائی جیکروں کی جان کی فکر تھی اور جوان کی روزانہ کی ضرورتیں مثلاً کھانا وغیرہ والی چیزوں کی فکر تھی۔

سوال: کیا نواب عبدالوکیل خان نے آپ کو کہیں لے جانے کی پیشکش کی؟

جواب: انہوں نے ہمیں ہاشم قریشی سے ملانے کی پیشکش کی تاکہ ہمیں یقین ہو سکے کہ وہ محفوظ ہیں۔ اس کے بعد مجھے اور مقبول بٹ کو کار پارکنگ سے ملحقہ بیرک میں لے جایا گیا۔ نواب عبدالوکیل ہمیں ایک کمرے میں لے گئے۔ جہاں ہاشم ایک میز کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔ میز کی دوسری جانب کرسی پر ڈی۔ایس۔پی باقر علی شاہ بیٹھے ہوئے تھے۔

سوال: کیا آپ نے ہاشم سے اس کا حال احوال پوچھا؟

جواب: جی ہاں میں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس نے آج کھانا وغیرہ کھایا ہے۔ اس نے بتایا کہ اس نے صبح سے کچھ نہیں کھایا اور انہیں کھانا مہیا کرنا بند کر دیا گیا ہے۔

سوال: کیا ہاشم نے آپ سے کسی اور مسئلے پر بھی بات کی اور کیا آپ نے ہاشم کو کوئی ایڈوائس دی؟

جواب: وہ مجھ سے نہیں مقبول بٹ سے بات چیت کر رہا تھا۔ میں پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور ان کی بات چیت میں سن رہا تھا۔ ہاشم نے مقبول بٹ کو بتایا کہ ان افسروں نے اسے طیارہ جلانے کے لئے کہا تھا۔ افسروں سے مراد میں نے ایس ایس پی نواب وکیل اور ڈی ایس پی باقر علی شاہ لیا۔ مقبول کا خیال تھا کہ طیارہ جلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ البتہ اسے ہلکا سا نقصان پہنچانا

چاہئے۔ اس کے بعد ہاشم نے پوچھا "نقصان سے کیا مراد ہے؟" مقبول بٹ نے کہا کہ اس کے دروازے، کھڑکیاں اور کنٹرول توڑ دینا چاہئے۔ اس کے بعد وہ طیارے کو جلانے یا جلانے کے فائدے اور نقصان پر غور کرتے رہے۔ مقبول بٹ کا خیال تھا کہ کھڑکیاں وغیرہ توڑنے کے نتیجے میں ایک انجینئر اس کی مرمت کے لئے آئے گا اور اس طرح بھارتی حکومت کو سوچنے کے لئے مزید موقع مل جائے گا کہ کیا ان لوگوں کو رہا کرتا ہے یا نہیں کہ جن کے لئے یہ اغوا کیا گیا ہے۔

سوال: اس کے بعد آپ کتنی دیر وہاں رہے؟

جواب: ہم تقریباً دس منٹ وہاں رہے اور اس کے بعد وہاں سے چل پڑے۔ پہلے میں، اس، پھر نواب وکیل پھر مقبول بٹ اس موقع پر ایس ایس پی نواب وکیل نے مندرجہ ذیل الفاظ بولے:

"خدا کے لئے ہماری جان چھوڑو اور جہاز کو اڑا دیں" اور مقبول کمرے سے باہر آ گئے اور ہاشم کو پولیس افسر لے گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہاشم کو کون سا پولیس افسر باہر لے گیا۔ میں اور مقبول بٹ واپس آ گئے۔ ایس ایس پی نواب وکیل اور ڈی ایس پی باقر علی شاہ ہمارے ساتھ ہی کمرے سے باہر نکل آئے اور ہاشم کے پیچھے چلے گئے۔ مجھے نہیں معلوم کہ ہاشم کو طیارے میں لے جایا گیا یا نہیں اور میں ہجوم کے پاس آ گیا۔ میں ایئرپورٹ چھوڑنے ہی والا تھا جب مجھے کسی نے بتایا کہ طیارے کو آگ لگا دی گئی ہے۔

اپنی وفات سے کچھ عرصہ پہلے جسٹس یعقوب علی خان کا "جنگ" سے انٹرویو "گنگا ہائی جیکنگ کیس بھارتی سازش نہیں تھی" جسٹس یعقوب علی خان (روزنامہ جنگ لاہور 12 فروری 1992ء)، 1971ء میں بھارتی طیارے گنگا کے اغوا میں ملوث ملزمان کے خلاف مقدمے کی سماعت کرنے والے خصوصی عدالت کے جج اور سابق چیف جسٹس آف پاکستان یعقوب علی خان نے کہا ہے کہ خصوصی عدالت نے ہائی جیکروں اشرف قریشی، ہاشم قریشی اور ان کے لیڈر مقبول بٹ پر بھارتی ایجنٹ ہونے کا الزام مسترد کر دیا تھا لیکن پاکستان کے سیکرٹری خارجہ اکرم ذکی نے گنگا ہائی جیکنگ کیس کو بھارتی سازش قرار دے کر تحقیقاتی

کی ہے۔ گذشتہ روز "جنگ" کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے یعقوب علی خان نے کہا ہے کہ اگر ہم ذی کنٹرول لائن پار کے فیصلے پر تنقید کرنے کا حق رکھتے ہیں لیکن انہوں نے گنگا ہائی جیک کے ساتھ ساتھ کنٹرول لائن پار کرنے کے فیصلے کو بھی بھارت کی ممکنہ سازش قرار دے کر اچھا نہیں کیا۔ نہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔

☆☆☆☆☆

مشمولہ (ج)

میجر رحیم شاہ کا بیان خصوصی عدالت میں

(طیارہ گنگا اغوا کیس 1971ء)

30 جنوری 1971ء کو میں ہیڈ کوارٹر 10 ڈویژن میں پوسٹ ہوا۔ تقریباً ایک بجے دوپہر میں مجھے لیفٹیننٹ کرنل حشمت اللہ سی ایس او انٹلی جنس کا ٹیلی فون پر پیغام ملا کہ ایک بھارتی طیارہ اغوا کیا ہو گیا ہے اور مجھے ائرپورٹ جا کر صورت حال پر قابو پانے کے لئے کہا گیا۔ میں تین چار منٹ میں وہاں پہنچ گیا۔ پی اے ایف ٹریفک کنٹرول کے پاس میری پی۔ آئی۔ اے اور آرمی کے چند اہلکاروں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ایک انجینئر افسر تھا۔ اس کا نام میجر قمر تھا اور اسے پی آئی اے سٹاف نے بلایا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ ہائی جیکر گینگ وے میں کھڑے ہیں اور دھمکی دے رہے ہیں کہ اگر کسی نے قریب آنے کی کوشش کی تو وہ طیارے کو اڑا دیں گے۔ میں نے دھمکی کی پرواہ نہ کی اور طیارے کے پاس چلا گیا کیونکہ اگر وہ طیارے کو ہینڈ گرینیڈ سے اڑانے کی کوشش کرتا تو وہ خود بھی مارا جاتا۔ جب میں طیارے کی طرف جا رہا تھا تو اس نے مجھے چلا کر رکنے کو کہا لیکن میں نہیں رکا۔ میری جیپ طیارے کے بائیں پر کے پاس پہنچ گئی اور میں نے اشرف سے پوچھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس کا ساتھی ڈاکٹر فاروق حیدر کو فون کرنے گیا ہے اور کچھ ہی دیر میں واپس آنے والا ہے اور اگر وہ واپس نہ آیا تو وہ طیارے کو اڑا دے گا۔ اشرف گینگ وے میں کھڑا تھا اور اس کا منہ باہر

کی طرف تھا۔ ایئر ہوسٹس اور سٹیورڈ اس کے ساتھ ہی کھڑے تھے یعنی ایئر ہوسٹس اس کے پیچھے کھڑی تھیں اور سٹیورڈ اس کے پاس کھڑا تھا۔ پائلٹ کاک پٹ میں تھا۔ کاک پٹ باہر سے دکھائی دے رہا تھا۔ اشرف نے جہاز اڑانے کے لئے جو وقت دے رکھا تھا۔ اس میں صرف دس منٹ باقی تھے۔ میں فوراً پی آئی اے آفس پہنچا۔ میں نے ملزم ہاشم کو ڈاکٹر فاروق حیدر سے فون پر بات کرتے ہوئے دیکھا۔

اشرف جہاز کے دروازے سے پانچ چھ انچ دور کھڑا جھک کر مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ ایک دو دفعہ اس نے کیبن میں بھی قدم رکھا۔ مجھے مسافر دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ مسافر کیبن میں کھلنے والا دروازہ کھلا تھا۔ ایئر ہوسٹس اس دروازے میں کھڑی تھی جو مسافروں کو ریفریشمنٹ مہیا کرنے میں مصروف تھی۔ چائے اور کھانے پینے کی دیگر اشیا پی آئی اے سٹاف نے مہیا کی تھیں جو ایئر ہوسٹس اور سٹیورڈ کو پہنچا دی گئیں اور وہ یہ چیزیں مسافروں کو مہیا کر رہے تھے۔ میں نے یہ سب خود دیکھا اور یہ سب کچھ میں نے پی آئی اے آفس سے واپسی پر دیکھا۔ اس وقت اشرف طیارے کے دروازے سے باہر کی جانب منہ کئے کھڑا تھا۔ کبھی کبھار وہ دائیں بائیں مڑ کر پائلٹ کو دیکھتا۔

جب ہاشم ڈاکٹر فاروق حیدر سے بات چیت کر چکا تو میں اپنی جیپ پر واپس پی آئی اے آفس پہنچا۔ واپسی پر میں نے اسے (ہاشم) کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اس وقت پاکستان میں ہے اور میں آرمی میں میجر ہوں اور میں نے اسے کہا کہ وہ مسافروں کو اترنے دے تاکہ وہ آرام محسوس کریں۔ طیارے کے پاس پہنچ کر ہاشم نے اشرف سے کہا کہ وہ مسافروں کو اترنے دیں مگر مسافر اپنا سامان طیارے میں ہی رہنے دیں۔ جب وہ چاہے مسافر واپس آکر اپنا سامان لے لیں کیونکہ یہ ان کا سامان ہے۔ جب مسافر اور جہاز کا عملہ نیچے اتر آیا تو میں نے پی آئی اے سٹاف سے کہا کہ انہیں پی آئی اے ارائیول لاؤنج میں لے جایا جائے۔ اس کے فوراً بعد ہی ہاشم آیا۔ اس نے کہا کہ کیپٹن اپنے ساتھ اپنے ہینڈ بیگ لے گیا ہے۔ جسے واپس کیا جائے۔ اس پر کیپٹن کچلو نے اپنا بیگ کھولا۔ اس میں سے تین چار خطوط نکالے اور کہا کہ اس نے یہ خط امر تسر پوسٹ کرنے ہیں۔ ہاشم نے اسے یہ خط نکالنے کی اجازت دے دی۔ بیگ میں ایک فلش تھا ایک ٹارچ تھی اور بہت سے خطوط تھے جو کیپٹن لوگوں کے پاس عموماً ہوتے

ہیں۔ مسافر پچھلے دروازے سے باہر نکلے جبکہ جہاز کا عملہ فرنٹ کے بائیں دروازے سے باہر نکلا۔ پہلے تین چار مسافروں نے سیڑھیاں لگنے سے پہلے ہی چھلانگ لگا دی جبکہ باقی مسافر گینگ وے سے باہر نکلے۔ مسافروں میں ایک بوڑھی خاتون تھیں جو گینگ وے کے بغیر نیچے نہیں اتر سکتی تھیں۔ جب مسافر اتر چکے تو ہاشم ہاتھ میں پستول لئے ٹارمک پر کھڑا رہا جبکہ اشرف فرنٹ دروازے پر کھڑا مسافر کیبن اور کاک پٹ پر نظر رکھے ہوئے تھا۔

جب میں پہلی بار طیارے کے پاس پہنچا تو میں نے دیکھا کہ اشرف کے پاس ایک ہینڈ گرنیڈ تھا جو کسی حد تک اس کی جیب میں تھا اور کچھ حصہ اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ ہینڈ گرنیڈ کو مسلسل اسی حالت میں لئے کھڑا رہا۔ جب میں ڈاکٹر فاروق حیدر سے فون پر بات کے بعد ہاشم کو لے کر واپس لایا تو اس کے دائیں ہاتھ میں پستول تھا۔ جس کا کچھ حصہ اس کی جیب میں تھا۔ 1۔ پی آئی اے آفس سے لے کر اغوا شدہ طیارے تک ہاشم نے پستول کو اسی طرح تھامے رکھا۔

سوال: آپ کو پستول کا کون سا حصہ دکھائی دے رہا تھا؟

جواب: طیارے کی طرف واپس جاتے ہوئے مجھے پستول کا کوئی بھی حصہ دکھائی نہیں دے رہا تھا لیکن جب ہم وہاں پہنچے تو ہاشم نے پستول باہر نکال لیا اور اس وقت مجھے دکھائی دیا۔

سوال: کیا آپ کو سارا پستول دکھائی دے رہا تھا؟

جواب: اس حصے کے سوا جو اس کے ہاتھ میں تھا باقی سارا پستول دکھائی دے رہا تھا یہ 9 ایم ایم والتھر لگ رہا تھا۔ جب میں ہاشم کو واپس طیارے تک لایا اور مسافروں کو اتارنے کے بعد ایئرپورٹ پہنچا کر آیا اب تک ہاشم نے مجھے نہیں بتایا تھا کہ اس کے ہاتھ میں نقلی پستول ہے اگلے روز جب ہاشم ہمارے ساتھ گھل مل گیا تو اس نے ہمیں جو پستول دکھایا وہ یہی ہے دراصل اس نے یہ پستول ہمارے ایک آرمی افسر کے بیٹے پر جمایا تھا مجھے یاد ہے یہ وہی پستول تھا جو اس نے پہلے دن پکڑ رکھا تھا۔

سوال: آپ نے آرمی میں کتنا عرصہ کام کیا ہے؟

جواب: میں نے آرمی میں سترہ سال کام کیا ہے میں انفنٹری سکول کوئٹہ میں اسلحہ اور ٹیکٹکس

کا انسٹر کٹر تھا۔

سوال: اپنے تجربے اور مہارت کے باوجود کیا وجہ ہے کہ آپ کو یہ پتہ نہ چلا کہ ہاشم کے پاس نقلی پستول ہے وہ 9 ایم ایم واقعی نہیں بلکہ نقلی پستول ہے؟

جواب: میرا خیال تھا کہ ہاشم کے پاس جو پستول ہے وہ 9 ایم ایم واقعی سے چھوٹا ہے اور وہ پستول اتنا چھوٹا تھا کہ ہاشم نے اسے ہاتھ میں چھپا رکھا تھا میرے پاس بھی ایسا ہی ایک پستول ہے اور میں وہ آپ کو دکھا دوں گا کہ اسے ہاتھ میں چھپایا جا سکتا ہے۔

سوال: آپ نے کچھ دیر پہلے کہا کہ اگر آپ کو پتہ چل جاتا کہ ہاشم کے پاس اصلی بھرا ہوا پستول ہے تو آپ اس پر حملہ کرتے تو کیا ہم یہ سمجھیں کہ آپ کی ذمہ داری تھی کہ موقع ملتے ہی ہاشم کو غیر مسلح کریں؟

جواب: ہاشم کو غیر مسلح کرنا میری ذمہ داری نہیں تھی۔ ہاشم نے تین بجے سہ پہر ہمیں بتایا کہ اس نے جہاز میں بارڈر سیکورٹی فورس ڈاک کا تھیلا دیکھا ہے میرے ذہن میں خیال آیا کہ ہمیں جہاز کی تلاشی لینی چاہئے اور ڈاک کے تھیلے کو قبضے میں لینا چاہئے جس میں قیمتی معلومات ہو سکتی ہیں اسی دوران ہاشم نے مجھے پی ٹی سی سے ایک پرچہ نکال کر دیا جس میں ٹیکنیکل میری ٹیلی نمبر اور بھارتی آرمی کے انفارمیشن سائن تھے۔

(EX4-PW/10)

متذکرہ بالا ڈاکومنٹ ہمارے لئے بہت اہم نہیں تھا کیونکہ اس میں موجود معلومات ہمارے پاس پہلے سے موجود تھیں۔

چیف سیکریٹری سے اجازت لینے کے بعد میں نے اپنے انٹلی جنس افسران میجر ناظف رشید اور میجر جاوید کو بلایا سے کی تلاشی لینے کو کہا تلاشی کے دوران بھی ان افسران کے ہمراہ تھا۔ ہم نے تھیلا کھلوایا اور اس میں موجود ہر خط کھول کر پڑھا۔ ہمیں ان خطوط سے بھی کوئی خاص معلومات حاصل نہیں ہوئیں سوائے یہ کہ کون سا یونٹ کس جگہ متعین ہے۔ جہاز میں بہت سارا سامان تھا لیکن ہم نے اس کی تلاشی نہیں لی۔

سوال: آپ کو سامان کی تلاشی لینے میں کتنی دیر لگی؟

جواب: تلاشی تقریباً رات گیارہ بجے ختم ہوئی۔ اس دوران ہاشم اور اشرف ہمارے ساتھ گھل مل گئے۔ ہم نے انہیں چائے کھانا اور سگریٹ پیش کی اسی دوران اشرف نے بہت گہری

نگاہ رکھی اور وہ ہینڈ گرینیڈ کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتا رہا۔ ہاشم نے سر درد کی شکایت کی میں نے اسے کہا کہ وہ اس میں پن ڈال کر اسے جیب میں ڈال لے تاکہ اس کے پٹھوں کو سکون ملے لیکن اس نے کہا کہ اس کا فرض ہے وہ مختار ہے۔ اسی دوران مجھے خیال آیا کہ میں اشرف اور ہاشم دونوں کو غیر مسلح کر سکتا ہوں اگر اس کی ضرورت پڑے تو۔

سوال: کیا آپ کے علم میں یہ بات آئی کہ جنرل نیازی نے ہائی جیکروں سے ملاقات کی ہے؟

جواب: جنرل نیازی صرف جہاز کے عملے اور مسافروں سے ملے تھے انہوں نے ہائی جیکروں سے ملاقات نہیں کی۔

ہینڈ گرینیڈ کو چلانے کے لئے پن نکالنی پڑتی ہے۔ اس کے بعد اگر ہینڈ گرینیڈ پھینکا جائے تو سٹرائیکر لیور ٹیڑھا سے ٹکراتا ہے اور یوں گرینیڈ پھٹ جاتا ہے گرینیڈ اگر ہاتھ میں ہو تو چاہئے کہ اس کی پن نکلی بھی ہو تو وہ نہیں چلتا۔ اشرف کے ہاتھ میں موجود ہینڈ گرینیڈ میں پن مجھے دکھائی نہیں دے رہی تھی۔

سوال: آپ اشرف کے ہاتھ میں موجود ہینڈ گرینیڈ کو کتنے فاصلے سے دیکھ رہے تھے؟

جواب: میں نے اس کے ہاتھ میں ہینڈ گرینیڈ اس وقت دیکھا جب میں ٹرک پر موجود تھا اور وہ جہاز کے دروازے میں کھڑا تھا اس کے بعد جب میں اپنے دو افسروں کے ہمراہ جہاز میں تلاشی لینے گیا تو اشرف نے ہینڈ گرینیڈ تمام وقت جیب میں رکھا ہوا تھا۔ جب ہینڈ گرینیڈ پھٹتا ہے اور اس کے ٹکڑے 8x8 گز کے رقبے تک پھیل جاتے ہیں اگر وہاں سو افراد بھی ہوں تو وہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ ہینڈ گرینیڈ کے تقریباً 36 ٹکڑے ہوتے ہیں۔

سوال: آپ کتنے فاصلے سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ پستول نقلی ہے؟

جواب: میں دس سے بارہ فٹ کے فاصلے سے اندازہ نہیں لگا سکوں گا۔

سوال: کیا آپ اتفاق کریں گے کہ یہ حقیقی پستول کی طرح بنایا گیا ہے اور قریب سے اس کا پتہ نہیں چلے گا؟

جواب: اس عرصے میں ہاشم نے پستول کا بیرل پکڑ رکھا تھا اور پستول کا کچھ حصہ جیب میں تھا اور صرف بیرل دکھائی دے رہا تھا۔

جب میں اسے پی آئی اے آفس سے فون پر ڈاکٹر فاروق حیدر سے اس کی بات کرانے کے بعد لایا تو اس نے پستول اسی طرح پکڑ رکھا۔ ہائی جیکنگ کے دوسرے یا تیسرے دن جب ہاشم نے یہ پستول ہمارے افسر کے پیٹنے پر بجایا تو مجھے پتہ چلا کہ پستول نقلی ہے۔

سوال: میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ سب کو معلوم تھا کہ ہاشم کا پستول نقلی تھا۔ آپ اس بارے میں کیا کہیں گے؟

جواب: میری یادداشت ابھی سلامت ہے۔ یہ غلط ہے کہ مجھے ہاشم نے نقلی پستول کے بارے بتایا تھا۔ میں اسے صرف اپنی جیپ میں اسے پی آئی اے سے اغوا شدہ طیارے تک لایا تھا جبکہ پی آئی اے کے اہلکار اپنی گاڑی میں ہمارے پیچھے آرہے تھے میں ان سے بات نہیں کی۔

اگر گرینیڈ کسی ایسے کمرے میں پھٹے جس میں ہم موجود ہیں تو اس میں آگ نہیں لگے گی۔ اگر اس میں کوئی آگ پکڑنے والی چیز موجود نہ ہو۔

آگ پکڑنے والا میٹریل اس کے قریب ہونا چاہئے۔ جہاز پینڈ گرینیڈ سے اس وقت تک آگ نہیں پکڑے گا جب تک اس کا پیٹرول ٹینک اس کی زد میں نہ آئے۔ جہاز کی حفاظت میرے ذہن میں تھی لیکن چیف سیکرٹری نے کہا تھا کہ سارا معاملہ مرکزی حکومت کے ہاتھ میں ہے لہٰذا میں نے اس سلسلے میں کوئی حفاظتی اقدام نہیں کیا۔ جب ہائی جیکر مجھ سے واقف ہوئے تو میرے ذہن میں انہیں غیر مسلح کرنے کا خیال آیا۔ اس سے پہلے یہ میرے ذہن میں نہیں آیا یہ میری ذمہ داری تھی۔ اس چیز کی بھی ضرورت تھی کہ ہائی جیکروں کو غیر مسلح کرنے سے پہلے ان کی عادات کا جائزہ لیا جائے۔

سوال: آپ نے اس وقت ہائی جیکروں کو غیر مسلح کیوں نہیں کیا جب آپ جہاز میں تھے اور پہلے آپ چیف سیکرٹری سے مل چکے تھے؟

جواب: جب تک مجھے ایسا کرنے کو کہا نہ جاتا یہ میری ذمہ داری نہ تھی۔

سوال: کیا آپ نے کرنل حشمت سے پوچھا تھا کہ آپ کیا کرنے جا رہے ہیں؟

جواب: میں نے اس سلسلے میں بات نہیں کی۔ میں نے اپنے سے سینیئر افسر کو بتایا کہ ایک

بھارتی طیارہ اغوا ہو گیا ہے تمام مسافر اتر چکے ہیں جبکہ دو مسافر طیارہ اڑانے کی دھمکی دے رہے ہیں اس کے علاوہ میری کسی افسر سے کوئی بات نہیں ہوئی انہوں نے مجھے ہائی جیکروں سے جہاز خالی کرانے کو نہیں کہا اس لئے میں نے انہیں غیر مسلح کرنے کی کوشش نہیں کی۔

سوال: کیا آپ نے اپنے کسی سینئر افسر کو بتایا کہ آپ انہیں غیر مسلح کر سکتے تھے

جواب: جب طیارے کو آگ لگا دی گئی تو میں نے اپنے ڈی ون کو بتایا کہ میں ہائی جیکروں کو غیر مسلح کر سکتا تھا۔

مسٹر اعوان ایڈووکیٹ کی جرح

پولیس نے میرا بیان جولائی 1971ء میں ریکارڈ کیا پہلے میں چیف سیکرٹری آئی جی پولیس ڈپٹی کمشنر اور ایس ایس پی کو وی آئی پی لاؤنج میں تقریباً تین بجے سہ پہر دیکھا۔ آئی جی لاؤنج کے اندر تھے جبکہ ڈپٹی کمشنر اور ایس ایس پی لاؤنج سے باہر تھے۔

کورٹ کا وقفہ

سوال: پولیس نے آپ کا جو بیان ریکارڈ کیا اس میں یہ بات موجود ہے کہ چیف سیکرٹری اور آئی جی پولیس کے ساتھ آپ کی بات چیت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ طیارے کو واپس جانے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ کیا آپ اس افسر کا بتا سکتے ہیں جس نے یہ کہا؟

جواب: جہاں تک مجھے یاد ہے کہ وہ سول ایوی ایشن کا افسر تھا جس نے بتایا کہ ڈائریکٹر جنرل ایوی ایشن نے جہاز کو بھارت جانے کی اجازت دے دی تھی۔ مجھے یاد نہیں کہ ڈی۔ ایس۔ پی۔ ڈپٹی کمشنر اور ہوم سیکرٹری وہاں پر موجود تھے یا نہیں۔ میں نے اپنے کسی سینئر افسر کو یہ بات نہیں بتائی۔ مجھے نہیں معلوم مسافروں کو بھارت جانے کی اجازت کس نے دی۔

کراس ٹو مسٹر اعجاز ایڈووکیٹ

میں نے اور دو افسروں نے جہاز کی تلاشی لی اور سارا وقت وہیں رہے۔ جو ڈاک کا

تھیلا ہم نے کھولا تھا وہ بالکل بھرا ہوا نہیں تھا۔ اس تھیلے میں سیل بند بہت سارے چھوٹے چھوٹے بیگ بھی تھے۔ ہم نے تین ساڑھے سہ پہر کے وقت طیارے میں داخل ہوئے اور رات گیارہ بجے تک مصروف رہے جیسا کہ میں نے پہلے بتایا۔ ہم نے کچھ ایڈریس لئے جو خطوط پر لکھے ہوئے تھے، کچھ اور چیزیں جو ہماری انٹیلی جنس کے لئے اہم ہو سکتے تھے اور ہم نے یہ سب کچھ ہیڈ کوارٹر بھیج دیا۔

سوال: کیا آپ نے ڈاک کا تھیلا کھول کر طیارے کی واپسی کے امکانات کم نہیں کر رہے تھے؟

جواب: نہیں۔

سوال: آپ نے ڈاک کا تھیلا ہی غائب کیوں نہ کر دیا؟

جواب: اس طرح تو ملٹری انٹیلی جنس کے لحاظ سے ان کی اہمیت ہی ختم ہو جاتی۔ میں نے دوبارہ تھیلے اور دیگر جو بیگ تھے ان کو سیل بند کیا لیکن جس طرح بھارتی اتھارٹی نے کئے تھے اسی طرح سیل بند نہ کئے جا سکے۔ میں نے اس بارے میں ہاشم سے پوچھا تو اس نے کہا کہ وہ اس تھیلے کو جلا دے گا جیسا کہ اگلے دن اخبارات میں شائع ہونے والی تصویر سے ثابت ہوا۔ جب ہاشم نے مجھے تھیلا جلانے کی بات کی تو میں نے اس سے اتفاق کیا اور حقیقت ہم نے یہ تھیلا جلانے میں اس کی مدد کی۔

سوال: طیارے کو جلانے سے پہلے آپ کتنی مرتبہ ہاشم اور اشرف سے ملے؟

جواب: میں جب تک طیارہ لاہور میں رہا ان چار دنوں میں بارہ تیرہ مرتبہ ان سے ملا۔ میں نے دونوں کے ساتھ چائے پی۔ ہاشم اور اشرف کے پاس کھانے کا اپنا ذخیرہ موجود تھا انہوں نے مجھے کھانے کی دعوت دی لیکن میں نے ان کے ساتھ کچھ نہیں کھایا۔ میں آخری دفعہ ان سے یکم فروری 1971ء کو ملا۔ میں ان سے دوبارہ میو ہسپتال لاہور میں ملا جہاں انہیں جلنے کے بعد داخل کرایا گیا۔ یہ بالکل غلط ہے کہ ہاشم اور اشرف نے کسی وقت بھی میرے ساتھ طیارے جلانے کی بات کی ہو۔

سوال: کیا آپ اس بات کی کوئی وجہ بتائیں گے کہ آپ نے اس سے پہلے ہاشم کو پی آئی اے آفس سے اپنی جیپ سے ڈاکٹر فاروق حیدر سے فون پر اس کی بات ہونے کے بعد واپس لانے کا ذکر کیوں نہیں کیا؟

جواب: پولیس افسر سے اس سلسلے میں بات نہ کرنے کی کوئی خاص وجہ نہ تھی۔

سوال: آپ کو پولیس کو ریکارڈ کرائے گئے بیان میں آپ نے کہا کہ ہاشم نے جب ڈاکٹر فاروق حیدر سے بات کی تو طیارے تک آپ نے ہاشم کا پیچھا کیا جبکہ آج آپ کہہ رہے ہیں کہ آپ اسے اپنی جیپ میں لائے؟

جواب: اس سے میری مراد تھی کہ جب ہاشم جیپ سے نکل کر طیارے کی طرف جا رہا تھا تو میں بھی اس کے پیچھے لگ گیا۔ میں نے پی آئی اے آفس سے طیارے میں واپسی تک ہاشم سے بات کی تھی اور ہاشم نے مجھ سے اتفاق کیا تھا۔

سوال: آپ نے ایس ایس پی کو طیارے کے قریب کب دیکھا؟

جواب: میں نے پہلی دفعہ ایس ایس پی کو طیارے کے قریب شام کے وقت دیکھا۔ اس سے پہلے میں نے ان کو پی آئی اے لاؤنج کے پاس دیکھا تھا۔ میں نے ہاشم اور اشرف کی طیارے جلانے میں مدد کی تھی تاکہ تھیلا والی بات چھپائی جا سکے۔

وکیل صفائی عابد حسن منٹو سے

جواب: PW10/1 میں موجود معلومات اگر ہماری ملٹری انٹیلی جنس کے پاس نہ بھی ہوتیں تو وہ اتنی اہم نہیں تھیں۔ میں نے ذاتی طور پر PW10/1 میں موجود معلومات کو اپنے انٹیلی جنس ریکارڈ کے ساتھ ملا کر نہیں دیکھا۔ ہم نے صرف انگریزی زبان میں لکھے ہوئے خطوط کھول کر دیکھے۔ مجھے نہیں معلوم باقی خطوط میں کیا تھا۔ کیونکہ باقی خطوط میں نے نہیں پڑھے۔ ہاشم نے بھی ابتدا میں مسافروں کو چھوڑنے کی مخالفت کی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ اس کی ذاتی ملکیت ہیں۔

سوال: کیا آپ کو معلوم تھا کہ ہاشم کی فون پر ڈاکٹر فاروق حیدر سے کیا بات ہوئی تھی؟

جواب: میں نے صرف اتنا سنا کہ ہاشم یہ کہہ رہا تھا کہ وہ ہاشم قریشی ہے وہ نیشنل لبریشن فرنٹ کا ممبر ہے اور وہ ایک بھارتی طیارہ اغوا کرنے کے بعد اسے لاہور ایئرپورٹ پر لے آیا۔ ہاشم نے بعد میں مجھے بتایا کہ ڈاکٹر فاروق حیدر نے اسے ہدایت کی تھی کہ جب تک وہ یعنی ڈاکٹر فاروق حیدر لاہور نہیں آ جاتے وہ کچھ نہ کرے۔ جب ہم اپنی جیپ میں پی آئی اے آفس سے طیارے تک گئے تو جیپ میں میرے اور ہاشم

کے علاوہ صرف میرا ڈرائیور، منیجر اور ایک شخص تھا۔ پی آئی اے کے جو لوگ ہمارے پیچھے آئے وہ سرمئی رنگ کی جیپ میں سوار تھے۔

سوال: آپ نے کرنل حشمت کی ان ہدایات سے کیا مطلب لیا کہ صورت حال پر قابو پایا جائے؟

جواب: میں نے یہ مطلب لیا کہ طیارے کے مسافروں کی اور طیارے کے عملے کی جان کی حفاظت میری ذمہ داری ہے۔ کرنل حشمت مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے جی ایس او ون تھے اور انہوں نے یہ ہدایات اسی حیثیت میں جاری کی تھی۔ اور وہ اسی حیثیت سے اغوا شدہ طیارے کی حفاظت کے ذمہ دار تھے۔ جنرل ٹکا خان مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے جبکہ میرے جی سی سب مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر تھے اور میں سٹاف افسر تھا۔ البتہ میں ان دنوں مارشل لاء ڈیوٹی پر نہیں تھا۔

سوال: جب سینئر سول افسر مثلاً چیف سیکرٹری اور ڈپٹی کمشنر وغیرہ وہاں پہنچ چکے تھے وہ کیا پھر بھی آپ کرنل حشمت کی ہدایات کے مطابق حالات پر قابو پانا اپنی ذمہ داری سمجھ رہے تھے۔

جواب: جیسا کہ میں نے پہلے کہا جب پولیس نے جہاز کو اپنے کنٹرول میں لیا تو میں جہاز کی حفاظت کی ذمہ دار نہیں رہا۔ ایک سی آئی ڈی افسر نے پہلے مجھے اور میرے دو افسروں کی تلاشی سے روکا۔ لیکن جب میں نے اسے بتایا کہ ہمیں چیف سیکرٹری نے اجازت دی ہے تو اس نے ہمیں نہیں روکا چونکہ سول انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ کو معلوم نہیں ہوتا کہ کون سا خط ملٹری نقطہ نظر سے کتنا اہم ہے اس لئے ہم نے خود تلاشی لی۔ اس کے علاوہ بعد میں آئی ایس آئی کا ایک افسر بھی ہمارے ساتھ شامل ہوا۔ اس کا نام میجر قریشی تھا۔ ہائی جیکروں نے مجھے تین جنوری 1971ء یا ہو سکتا ہے کہ یکم فروری 1971ء کو کشمیری کھانا پیش کیا۔

سوال: یہ درست ہے کہ آپ نے کشمیری کھانا نہیں کھایا لیکن کچھ پولیس والوں کو کشمیری کھانا کھاتے دیکھا گیا تھا؟

جواب: مجھے اس بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے مجھے نہیں یاد کہ آرمی اہلکاروں کے علاوہ وہاں کوئی کھڑا تھا یا نہیں اور انہوں نے کشمیری کھانا کھایا تھا یا نہیں ہائی جیکروں نے جو

کھانا پیش کیا ان کا بنایا نہیں تھا بلکہ انہوں نے لوگوں کے سامان سے نکالا تھا۔

سوال: کس ملٹری افسروں نے ہائی جیکروں کے ساتھ کشمیری کھانا کھایا؟

جواب: میجر جاوید نے کھایا اور انہوں نے ہائی جیکروں سے کشمیری میں بات کی۔ ہم نے پہلے ہائی جیکروں کو کشمیری چائے پلائی کیونکہ انہوں نے اس کی فرمائش کی تھی۔ جب مجھے ابتداء میں پتہ چلا کہ ہاشم اور اشرف نے بھارتی طیارہ اغوا کیا ہے تو میں نے ان کے کام کی تعریف کی۔

کورٹ سے سوال:

ہینڈ گرنیڈ کا وزن عام طور پر ڈیڑھ پاؤنڈ ہوتا ہے جب اس کی پن نکالی جائے تو ضروری ہوتا ہے کہ لیور کو مضبوطی سے پکڑا جائے ورنہ ممکن ہوتا ہے کہ پن ڈیٹونیٹر سے ٹکرا کر دھماکہ کا سبب بن سکتا ہے۔ لیور کو چھوڑ دیا جائے تو چھ سیکنڈ بعد دھماکہ ہو سکتا ہے۔

کورٹ سے سوال:

سوال: جب آپ کو کرنل حشمت کی طرف سے ہدایات ملیں تو کیا آپ نے اس کا یہ مطلب نہیں لیا کہ ہائی جیکروں کو گرفتار ہی کرنا ہے؟

جواب: نہیں۔ میں اپنے ساتھ ایک ملٹری انجینئر اور ایک مائن ڈیٹیکٹر کو لے کر گیا تھا تاکہ یہ پتہ لگایا جا سکے کہ جہاز میں کوئی بم تو نہیں ہے۔

☆☆☆☆☆

مشمولہ (د)

ڈاکٹر فاروق حیدر کے خطوط اور عدالت میں اپیل

گنگا اغوا کیس کے سلسلہ میں کشمیر کے مجاہدین آزادی کو قید کے دوران کئی ایجنسیوں نے ٹارچر کیا تھا۔ ان سے مقبول بٹ اور میرے خلاف بیانات حاصل کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان میں سے ایک مجاہد آزادی ڈاکٹر فاروق حیدر تھے جنہوں نے اپنے خطوط میں ان پر کئے گئے ظلم و تشدد کا ذکر کیا ہے۔ ذیل میں ہم ان کا بعینہ ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

ہاشم قریشی

قلعہ لاہور

5جون1971ء

برادرم عزیز محمد میر صاحب و ہاشم صاحب

اسلام علیکم

میں اس وقت زندگی کی امید ختم کر چکا ہوں۔ پولیس نے مجھے کوڑے مارے اور بجلی کے جھٹکے دیے ہیں۔ میں کئی گھنٹے تک بے ہوش رہا۔ پولیس مطالبہ کرتی رہی ہے کہ میں مقبول صاحب اور ہاشم صاحب کے خلاف بیان دوں۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ گوگی (جاوید ساغر) کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ میں تنہا ہی بچا ہوں۔ خدا کے واسطے مجھے بچایئے۔ عدالت میں

ضمانت پیش کیجئے۔ میں تین دن تک انتظار کروں گا۔ اگر کسی نے مدد نہ کی تو میں سمجھوں گا کہ آپ سب مر چکے ہیں اور میں بھی مر چکا ہوں۔ اب میں پولیس کی خواہش کے مطابق جھوٹا بیان دے دوں گا۔ کاش یہ خط آپ تک پہنچ جائے۔

آپ کا بھائی

فاروق

بخدمت جی۔ ایم۔ میر صاحب

معرفت ممتاز ہاشمی ایڈووکیٹ

میرپور۔ آزاد کشمیر

(نوٹ: یہ خط جناب جی ایم میر صاحب، کارگزار سیکرٹری جنرل جموں و کشمیر محاذ رائے شماری (برائے آزاد کشمیر و پاکستان) نے اصلی فائل میں رکھا ہوا ہے۔)

خانۂ زنداں سے

22مارچ 1972ء

عزیز از جان انصاری صاحب

اسلام علیکم

ہمارا ایک ساتھی قیدی ہے جسے یسین ذکی لاہوری کہتے ہیں۔ آزاد لوگوں کی شاعری بھی آزاد ہوتی ہے۔ میں یہاں اس کے چند اشعار پیش کرتا ہوں۔

انصاری صاحب مجھے زخموں کے لئے مرہم نہیں مل رہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وقت کے پاس بھی ان کا علاج نہیں ہے۔ علاج یہ ہے کہ ان زخموں کو کھرچ کھرچ کر گہرا کیا جائے۔ انصاری صاحب نے "ملاحیہ" ہم کے فرق کے بارے میں سنا ہوگا۔ پولیس نے

میرے گلے میں گندگی سے بھرا ہوا کنستر لٹکا دیا تھا۔ میں نے اس میں اپنے جوتے ڈبوئے اور ان کے منہ پر دے مارے۔ انصاری صاحب جب میں کہتا ہوں کہ میں ہندوستانی ایجنٹ ہوں تو پھر عدالت مجھ سے یہ سوال کیوں کرتی ہے؟ "اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ تم اور تمہاری تنظیم درست ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ مالی طور پر تم خوش حال ہو اور تمہارے بھائی کا وحشیانہ قتل ابھی تک تمہارے ذہن پر سوار ہے۔ کیا اب بھی تم بضد ہو کہ تم نے دولت کی خاطر این ایل ایف میں شرکت کی تھی؟"

انصاری صاحب خدا کے لئے بتایئے کہ میں کس طرح ثابت کروں کہ میں ہندوستانی ایجنٹ ہوں؟ ہم اس قدر وفادار ہیں کہ جب ہم زبان سے یہ جھوٹ بولتے ہیں تو کوئی بھی اس کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ آخر کیوں؟

خدا کے لئے یہ بھی بتایئے کہ جب میں کہتا ہوں کہ ہندوستانی طیارہ ہندوستان کی خفیہ ایجنسی کے کہنے پر اغوا کیا گیا تھا تو میری ڈائری میں یہ تحریر کیوں جھانکنے لگتی ہے کہ "الفتح کے 36 کارکن گرفتار کر لئے گئے۔

اے۔ آئی۔ آر (آل انڈیا ریڈیو) کی خبروں میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ پوری تنظیم کا صفایا کر دیا گیا۔ انہیں خوش ہو لینے دو۔ اگلی مرتبہ ہم زیادہ شدت کے ساتھ حملہ کریں گے"

اس کے صرف ایک ماہ بعد طیارہ کیوں اغوا کیا گیا؟ مجھے بتایئے کہ جب میں بھری عدالت میں کہتا ہوں کہ الفتح کے ساتھ این ایل ایف کا کوئی تعلق نہیں ہے تو میری ڈائری میں یہ بیان کیوں ملتا ہے کہ "سرینگر ریڈیو کہتا ہے کہ طلباء کی تنظیم "ینگ مینز ایسوسی ایشن اور نیشنل لبریشن فرنٹ الفتح کے ساتھ وابستہ تھیں"؟

انصاری صاحب۔ میں نے اب اپنا تخلص 'ہندوستانی ایجنٹ' رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس الزام سے بہتر اس ملک کے ساتھ وفاداری کا کوئی اور سرٹیفکیٹ نہیں ہو سکتا۔

"ظلم اور جبر انسان برداشت کرتا ہے۔ میں بھی دوسروں کی طرح گوشت پوست کا بنا ہوا ہوں۔ مگر اس قلعہ میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب انسان محض یاس و جھنجلاہٹ کی انتہا سے فرشتہ اجل کو پکارنے لگتا ہے۔ مگر وہ بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ الٹا لٹکانا، کوڑے لگانا اور

بجلی کے جھٹکے دینا تو یہاں ٹارچر کے عام طریقے ہیں۔ کیا آپ نے شیر والی کوٹھڑی یا ناگوں یا کیڑیوں والی کوٹھڑی کا نام سنا ہے جہاں انسانوں کی ٹانگوں پر شکر مل دی جاتی ہے اور پھر اسے کھانے کے لئے چیونٹیاں اس پر چھوڑی جاتی ہیں؟

ایک پیالہ نما شے میں وہ کیڑا ڈال دیا جاتا ہے جو زمین میں چھید کر دیتا ہے۔ اس کے بعد اس پیالہ کے ساتھ ایک ٹیوب جوڑ کر اس کے ذریعہ پیالہ کے اندر کی تمام ہوا کھینچ لی جاتی ہے اور کیڑے والے اس پیالہ کو آدمی کی ناف پر الٹ دیا جاتا ہے۔ پھر دو باتیں ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ ہوا سے خالی پیالہ پیٹ کے ساتھ چپک جاتا ہے۔ اور دوسری یہ کہ اس کے اندر رکھا ہوا کیڑا ہوا کا فقدان محسوس کر کے ناف کو کھرچنا شروع کر دیتا ہے۔ خیر یہ تو عام باتیں ہیں۔

دو پرنٹنڈنٹ پولیس جو جاوید ساغر کی ہلکی سی آواز سنتے ہی میز کے نیچے چھپ جاتا تھا۔ ایں مضبوط آدمیوں کی موجودگی میں فرعون بن جاتا ہے۔ معلوم نہیں آپ نے ہماری روحوں کے اندر کیا چیز رکھ دی ہے۔ جس قدر اندھیرا ہوتا ہے اسی قدر یہ چیز ہمارے اندر زیادہ روشن ہونے لگتی ہے۔ ایک مرتبہ مجھے ایک مضبوط شکنجے میں ڈال کر برقی رو کے جھٹکے دے رہے تھے۔ ان میں سے ایک جھٹکا اتنا طویل تھا کہ میرا جسم اینٹھ گیا تھا۔ جب میرا سر پیچھے کی طرف ڈھلک گیا تو ظالم نے بتایا کہ کمرے کی چھت پر لگے ہوئے لکڑی کے شہتیروں کو اہم کشمیر سے لایا تھا۔ میں نے اس کو جواب دیا کہ ان کڑیوں نے تمہارے زنداں کی چھت کو صدیوں تک سہارا دیا اور اب تم ان کو جلا دینے کے درپے ہو۔ اس نے کہا کہ کشمیری ہمیشہ سے ایجنٹ رہے ہیں اور یہی ہمارا پیشہ ہے۔

میں نے اس سے کہا کہ اگر میرے وطن کے پہاڑوں سے برف پگھلنا بند کر دے تو تمہارے ماؤں کی چھاتیوں سے دودھ نہیں ٹپک سکے گا۔ مجھ میں اور دوسرے میں یہ فرق ہے کہ میری بیٹیوں کو یہ سعادت حاصل تھی کہ بٹ صاحب نے اپنا دست شفقت ان کے سروں پر پھیرا تھا۔ میری بیوی اور بیٹیاں ہاشم کے لئے کھانا بھیجا کرتی تھیں۔ آزادی کا یہ سورج میرے گھر سے ہی طلوع ہوا تھا۔

پولیس کی تحویل میں میری بہن کی ایک تحریر تھی جس میں اس نے ہتھیاروں کے بارے میں ہاشم کو خفیہ زبان میں ایک پیغام بھیجا تھا۔ ڈاکٹر فاروق ہار گیا ہے۔ میں اپنی ماں بہنوں، بیوی اور بیٹیوں کو بے آبرو ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ میں نے اپنے ہتھیار حوالے کر دیئے۔ پھر بھی انہوں نے مجھ پر بھروسہ نہیں کیا۔ انہوں نے مجھے شاہی مسجد کی طرف رخ کر کے اللہ اور اس کے رسول کی قسم کھانے کو کہا کہ میں اپنے عہد سے کبھی نہیں پھروں گا۔ اس کے بعد ہی ظالموں نے مجھے کھلا چھوڑ دیا۔

انصاری صاحب۔ میں لٹ گیا ہوں۔ میرا سب کچھ کھو چکا ہے۔ میرے بیان دینے کے بعد جب میری بیوی جیل میں مجھ سے ملاقات کے لئے آئی تو اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے اسے بتایا کہ اس دن کے لئے وہ اور میرے گھر کی عورتیں ہی ذمہ دار ہیں۔ کاش ڈاکٹر فاروق حیدر کی کوئی بہن، کوئی بیوی یا کوئی بیٹی نہ ہوتی۔ میری بیوی نے اطلاع دی کہ میرے بیان دینے کے اگلے دن میری بڑی بیٹی نے جو ابھی پہلی جماعت میں ہی پڑھ رہی ہے اس سے سوال کیا تھا کہ "ممی ایجنٹ کیا ہوتا ہے؟" میری بیوی نے کہا کہ کیا 1947ء میں کئی معزز خاندانوں کو ذلیل نہیں کیا گیا تھا؟ پھر ہم ان سے الگ کیسے ہو گئے؟ میں اس کو کیا جواب دوں اور اپنی بچی کو کیسے سمجھاؤں کہ ایجنٹ کا مطلب کیا ہوتا ہے؟

انصاری صاحب میں اس ماں سے کیا کہوں جس نے اپنی نگاہیں میرے ہونٹوں پر گاڑ رکھی تھیں۔ میرے ساتھ بے حد ناانصافی ہوئی ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے کچھ اچھا بھی رکھا ہوگا۔ شاید لوگوں کو ہماری تنظیم کے اصل چہرے کی پوری تفصیل کا پتہ لگنا تھا۔ شاید خدا کو یہ منظور تھا کہ پاکستان کا سب سے بڑا ایجنٹ ہمیں غدار قرار دے اور عدل و انصاف کا اعلیٰ ترین ادارہ ہمیں وفاداری کی سند عطا کر دے تاکہ یہ تنظیم ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔ میں اس وقت تک دم نہیں لوں گا جب تک میں ہندوستانی افواج کے ساتھ ان کھڑک سنگھوں کو راوی کے دوسری جانب نہ لے جاؤں۔

انصاری صاحب۔ میں نے ایک مرتبہ آپ سے کہا تھا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ ہمارے کام کو آسان بنا رہا ہے۔ کبھی کبھی مجھے شبہ ہوتا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی درویش موجود ہے۔ اللہ کو لادینیت کے لفظ سے نفرت ہے۔ اس لئے اس نے اپنے اور درویش پر پردہ

پڑا رہنے دینے کے۔ ہ سے وہ بیان دلوایا تھا۔ اس پر اسرار دنیا کے راز صرف خدا ہی جانتا ہے۔

یحییٰ خان کو ختم کیا جا چکا ہے۔ (ہمارے ہاتھوں) اور اب کھڑک سنگھ کی باری ہے۔ آخری سین کا اختتام اندرا کے ساتھ ہوگا۔ ہندوستانی سامراج کا جنازہ کشمیر سے نکلے گا۔ میں اسے اپنی آنکھوں سے صاف طور پر دیکھ سکتا ہوں۔ میں جہلم کے پانیوں کی موسیقی سن رہا ہوں۔ میں وادیوں کے خوشی بھرے گیت سن رہا ہوں اور وولر کا پانی پی رہا ہوں۔ جہاں تک جموں کا تعلق ہے، تو جو بھی شخص کسی کشمیری کو جموں یا پونچھ کا رہنے والا کہتا ہے میں اس کو کافر سمجھتا ہوں۔ ہم سب ایک ہیں اور بے شک ہم سب کا مقدر الگ الگ ہے۔ کسی کے سر پر تاج ہے اور کوئی ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ اس میں نہ آپ کچھ کر سکتے ہیں اور نہ میں۔ یہ سب مالک کے ہاتھ میں ہے کہ وہ جس کو سرداری دینا چاہتا ہے اسے سرداری دے دیتا ہے اور جس کو شرمسار کرنا چاہتا ہے اسے شرمسار کر دیتا ہے۔ خدا مجھ سے یہی چاہتا تھا اور مجھے اس کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ میں جس حال میں بھی رہا اس نے مجھے کبھی فراموش نہیں کیا۔

انصاری صاحب میں نے جیل میں این ایل ایف کی سیاہ ٹوپی سنبھال کر رکھی ہوئی ہے۔ میرے پاس فوجی کی وردی والی ایک قمیص ہے۔ جس روز میں یہاں سے آزاد ہوا اس روز حسن اپنی رعنائیاں بکھیرے گا اور عشق کی اپنی شامت ہوگی۔ مگر یہ معلوم ہونا چاہئے کہ عشق کا ایک پہلو جلیلی بھی ہے۔ مجھ کو یہ خوبی حاصل ہے۔ تب ہم پھر آزاد کشمیر کی سڑکوں پر گھومیں گے اور ڈاکٹر فاروق کار چلا رہا ہوگا۔ اس کے ہونٹوں پر آزادی کے گیت ہوں گے۔ انشاء اللہ۔

"کھڑک سنگھ کو حفاظت سے رکھنا۔ کیونکہ اگر وہ ہاتھ سے نکل گیا تو زندگی بھر یہ مقصد حاصل نہیں ہوگا۔ کل بشارت صاحب مجھ سے ملنے آئے تھے۔ میں نے انہیں خبردار کر دیا تھا۔ ان کو بتا دیجئے کہ جب تک میں انہیں راوی کے پار کھدیڑ نہیں لے جاتا، میں آرام سے نہیں بیٹھوں گا۔ اب ہم اتفاقیہ بن چکے ہیں اور پولیس کا بہترین ٹارچر دیکھ چکے ہیں۔ علوی صاحب مسکرا رہے ہوں گے۔ نسوار کا کیا حال ہے؟ ابھی جاری ہے یا نہیں۔ صابر صاحب کیسے ہیں؟ وہ بھی تو جیلوں میں ہوں گے۔ اب لوگوں کو کھل کر میدان میں آ جانا چاہئے۔ ان

شیطانوں نے ہمارے گروپ کے ایک بھی فرد کو باہر نہیں رہنے دیا۔ ورنہ انہیں معلوم ہو جاتا کہ کس طرح ایک مومن کئی کئی کافروں پر بھاری ہوتا ہے۔ آپ خوش نصیب ہیں کہ میرے اور اپنے آبائی وطن میں آزادی سے سانس لے رہے ہیں۔ دریائے نیلم اور جہلم کا سنگم آپ کے قریب آرہا ہے۔ میرزا قادیانی کی آواز آپ کے کانوں میں پڑ رہی ہے۔ وہ جگہ بچ گئی ہے۔ سو میں ایک نظم لکھ رہا ہوں جو میں نے حال ہی میں کہی تھی۔ میری ایک کمزوری یہ بھی ہے۔

علوی صاحب اور دوسروں کو سلام۔ والسلام

آپ کا بھائی

(پولیس کا پھنسایا ہوا ہندوستانی ایجنٹ معروف وعدہ معاف گواہ)

ڈاکٹر فاروق حیدر

(نوٹ وعدہ معاف گواہ ڈاکٹر فاروق حیدر نے خصوصی عدالت کو ایک درخواست بھیجی تھی جس میں عدالت سے ان کو دوبارہ عدالت میں بلائے جانے کی گذارش کی گئی تھی تاکہ وہ پولیس کی گھڑی ہوئی کہانیوں کا پردہ چاک کر سکیں اور حقائق پر مبنی بیان دے سکیں تاکہ عدالت سچائی تک پہنچ کر مجاہدین آزادی کے ساتھ انصاف کر سکے۔)

لاہور میں جاری صدارتی حکم نمبر 1971/13 کے ذریعے ضابطہ فوجداری خصوصی عدالت نمبر 1970ء کے تحت قائم کردہ خصوصی عدالت کی خدمت میں

بہ مقدمہ سرکار (استغاثہ) بنام محمد ہاشم و دیگران (ملزمین)

زیر دفعہ 435 پی پی سی۔ راز سرکاری قانون کی دفعہ 31 کی شق 342-B/120 اور دشمن ایجنٹ آرڈیننس کی سب آئٹم 3

جناب عالی

میری گذارش ہے کہ

(1) مندرجہ بالا مقدمہ میں میں بطور سلطانی (وعدہ معاف) گواہ پیش ہوا تھا۔

(2) میں نے عدالت میں جو بیان دیا وہ پولیس کے تو فزدہ اور ہراساں کرنے کے نتیجے میں دیا گیا تھا۔

(3) مجھے مارشل لاء کے دور میں گرفتار کیا گیا تھا۔ مجھے پولیس کی جس ٹکڑی کے حوالے کیا گیا تھا اس نے مجھ پر تمام تفتیشی طریقے آزمائے۔ میرے جسم پر صرف کوڑے ہی نہیں مارے گئے بلکہ مجھے برقی رو کے جھٹکے بھی دیئے گئے۔ مسلسل ہفتوں تک مجھے الٹا لٹکا کر رکھا گیا۔ تمام کپڑے اتار کر ننگا کر کے مجھے جلتی دھوپ میں گھومنے پر مجبور کیا گیا۔ لگاتار کئی دنوں تک مجھے سونے نہیں دیا گیا۔ ایک بار تو میں تشدد کی وجہ سے نیم مردہ ہو کر رہ گیا تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ میری بہن کے اکلوتے بیٹے جاوید ساغر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اس خبر سے کئی گھنٹوں تک میرا ذہنی توازن مفقود رہا۔ جب ہوش آیا تو پولیس نے مجھے بتایا کہ وہ میری ماں بہنوں اور میری بیوی کو قلعہ میں بلوا رہی ہے۔ پولیس نے میری موجودگی میں میری ماں کو راولپنڈی ٹیلیفون کیا اور دریافت کیا کہ میری بیوی کہاں ہے؟ مجھے کہا گیا کہ ان سب کو قلعہ میں لا کر بد سلوکی کی جائے گی۔ اس دھمکی کے بعد میرا رہا سہا حوصلہ بھی ختم ہو گیا تھا۔

(4) مجھے نشہ آور دوائیں دی جاتی ہیں۔ میں ان کی پوری تفصیل عدالت کو بتا سکتا ہوں۔ پولیس افسر جیل میں میرے کمرے کے اندر آکر مجھے دھمکیاں دیتے تھے۔ وہ مجھے ان کا تیار کردہ بیان ازبر کرواتے تھے۔ جس وقت مجھے بیان دینے کے لئے عدالت میں پیش کیا گیا اس وقت تک میرا پورا توازن ختم ہو چکا تھا۔

(5) میرے خیال میں جس طرح مجھ کو ٹارچر کیا گیا اس طرح کہیں بھی کسی انسان کو اذیتیں نہیں دی گئی ہوں گی۔ میرے اپنے اہل خانہ کی آبرو کو دونوں پر لگتا نہیں دیکھ سکتا۔ پولیس نے میری بہن کا خط بھی روک کر پکڑ لیا تھا جس میں اس نے اشاراتی زبان میں مقبول بٹ کی ہتھیاروں کے متعلق اطلاع بھیجی تھی۔ یہ خط ہمارے گھر سے برآمد کر لیا گیا تھا۔ پولیس کو معلوم ہو گیا تھا کہ میری بیوی ہاشم کے لئے کھانا بھیجا کرتی تھی۔ اب پولیس

میرے گھر کی عورتوں کو قلعہ میں لاکر بے عزت کرنا چاہتی تھی۔ ان حالات نے میرا توازن خراب کر دیا تھا اور میں نے جھوٹ بولنے کے لئے خود کو تیار کر لیا۔ پولیس اس بات کو یقینی بنانے میں کامیاب ہو گئی کہ اس کی بیان کردہ کہانی تسلیم کر لی جائے۔

(6) واقعہ 164 کی داستان دلدوز ہے۔ میری آنکھوں پر پٹی باندھ کر کئی جگہوں پر لے جایا گیا۔ مجھے یہ تاثر دیا جاتا کہ میں مجسٹریٹ کے روبرو پیش ہوں۔ اگر میں خود پر کئے گئے ٹارچر کا ذکر کرتا تو یہ نقلی مجسٹریٹ مجھے پولیس حوالات میں بھیج دیتا تھا۔ اس طرح پولیس مجھے ٹارچر کرنے کا عمل پھر دہرانے لگتی تھی۔ کم از کم دو مرتبہ ان حالات سے گزرنے کے بعد میں تقریباً ٹوٹ گیا اور ظلم کی شکایت کرنا بند کر دیا۔

(7) میرے کانوں میں صبح سے شام تک جو کچھ ڈالا جاتا تھا ایک پولیس افسر مجھے وہ سب کچھ زبانی یاد کرانے میں لگا رہتا تھا۔ مجھے صرف جان لیوا سزا سے بچنے کے لئے ایک کہانی کو یاد کرنا پڑا تھا۔ اسے بار بار دوہرانا پڑتا تھا۔ یہ سسٹم اس وقت تک جاری رہا جب حضور اعلیٰ کی عدالت میں سوالات کا جواب دینے کے بعد میرا بیان ختم ہو گیا۔

ڈاکٹر فاروق حیدر

کوٹ لکھپت جیل

لاہور

☆☆☆☆

حصہ دوم

انٹرویو نمبر 1

شریک ہائی جیکر اشرف قریشی کا فرانٹیئر پوسٹ کے ہفتہ وار میگزین ہورائزن کو دیا گیا انٹرویو

(مارچ 1992)

گنگا: اصل کہانی

گنگا کا اغوا کرنے والے دو ہائی جیکروں میں سے ایک اشرف قریشی نے ہورائزن کے ساتھ ایک گفتگو میں اس واقعہ کی تفصیل بتاتے ہوئے اس سے وابستہ کچھ متنازعہ باتوں کی وضاحت کی ہے۔

"کشمیر کا مسئلہ اقوام متحدہ میں زیر غور تھا اور ہندوستان اپنا وہ وعدہ پورا کرنے میں ناکام رہا جو اس نے ہمارے حق خود اختیاری کے سلسلہ میں کیا تھا اس سے وشواس گھات کا ایک احساس پیدا ہوا۔ ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے حقوق غصب کئے گئے۔ کشمیریوں میں اس احساس نے جنم لیا کہ انہیں جبر اغلام بنایا گیا اور اسی جذبہ نے انہیں فعال بنایا اور ہم

شخص اس میں ہاتھ بٹاتا ہے اور جدوجہد آزادی میں اپنی خدمات پیش کرتا ہے۔ 1965ء کی جنگ تک ہم میں سے ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا۔ کل ہمارے پاکستانی بھائی ہمیں آزاد کرانے



اشرف قریشی

یہاں آئیں گے۔ "آزاد کشمیر" کو ایک ایسا مرکز تصور کیا جاتا تھا جہاں سے مدد آئے گی، لیکن ہندوستان کے قبضہ والے کشمیر کی پوری نسل کا یہ انتظار رائیگاں گیا۔ 1965ء میں پاکستان سے کمانڈوز ہماری مدد کے لئے بھیجے گئے لیکن وہ منصوبہ (آپریشن جبرالٹر) بڑی بڑی خامیوں سے پر تھا۔ گوریلا اس کلچر سے واقف نہیں تھے اور نہ ہی کشمیری ان کی مادری زبان تھی۔ یہی

وجہ تھی کہ انہیں آسانی سے پہچان لیا جاتا تھا کہ وہ مقامی باشندوں سے مختلف ہیں۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے تھے۔ اسی لئے ہندوستان کو لاہور پر حملہ کرنا پڑا تاکہ کشمیر کا دباؤ کم کیا جاسکے۔ لیکن اس کا جو نتیجہ سامنے آیا وہ تاشقند میں "گفتگو کی میز کی نذر ہو گیا اور میدان جنگ میں حاصل کی گئی جیت ہاتھ سے نکل گئی۔

ایوب تاشقند میں جنگ کیوں ہار گئے جبکہ وہ آپریشن جبرالٹر کے ذریعہ خود اس غلطی کا ارتکاب کر رہے تھے؟ وہاں بھٹو بھی ایوب خان کی حمایت کرنے پر راضی نہیں تھے۔

بھٹو اس لئے اتفاق نہیں کر رہے تھے کہ ہمیں گھاٹا ہونے والا تھا ہمارے اوپر سوویت یونین اور امریکہ کا زبردست دباؤ پڑ رہا تھا کہ ہم معاہدہ کر لیں۔ ہمارے رہنما بھی کمزور تھے۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ ان کے پاس کوئی جمہوری بنیاد نہ تھی۔ ظاہر ہے اسی لئے انہیں عوام کی حمایت بھی حاصل نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ تاشقند معاہدے کے بعد ایوب کا زوال شروع ہو گیا۔ ہمارے بہت سے قابل ذکر رہنماؤں مثلاً جی ایم لون، میر منان اور میر قیوم وغیرہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی۔ فلسطین اور الجیریا میں جو آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں انہی سے روشنی لے کر ان لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ انہیں بھی کشمیر کی آزادی کی جدوجہد کا آغاز کرنا چاہئے۔ حکومت (یہاں مراد حکومت پاکستان سے ہے) بین الاقوامی دباؤ کا شکار ہو سکتی ہے لیکن اگر یہ تحریک فریڈم فائٹرز کے ہاتھ میں رہے گی تو اس پر کسی بین الاقوامی معاہدے کا اطلاق نہ ہوگا۔ لہٰذا انہوں نے نیشنل لبریشن فرنٹ (جے کے این ایل ایف) قائم کیا۔ پہلے انہوں نے محاذ رائے شماری کی تشکیل دی اس کے قائم کرنے والے خاص رہنما مقبول بٹ، میر قیوم، میر منان، جی ایم لون، پیر تازگی، غلام مصطفی علوی اور انصاری صاحب وغیرہ تھے۔ محاذ رائے شماری کا انتہا پسند گروپ نیشنل لبریشن فرنٹ کہلاتا تھا۔ اس کے بعد مقبول بٹ اور دو تازہ میجر امان اللہ (جے کے ایل ایف والے امان اللہ کے برادر نسبتی) کو کشمیر بھیجا گیا جہاں انہوں نے لوگوں کو آزادی کے لئے منظم کیا اور سرحد کے قریب ایک جنگل میں رضاکاروں کو ٹریننگ دی۔ مقبول بٹ نفسیاتی ٹریننگ دے رہے تھے جبکہ میجر امان اللہ کے ذمہ جنگی تربیت تھی۔ 60ء کی دہائی میں دنیا کے مختلف ملکوں میں جو تحریک آزادی چل رہی تھی، وہ تشدد کے واقعات سے خالی نہیں رہ گئی تھی کشمیر کی جدوجہد

بھی مسلح ہو گئی۔ اسے مالی مدد انفرادی طور پر میر منان، میر قیوم اور جی ایم لون جیسے لوگ پہنچا رہے تھے اس کے علاوہ خود فریڈم فائٹرز اور پاکستانی صنعت کار بھی مالی معاونت کر رہے تھے۔

ٹریننگ کیمپ کے جائے وقوع کا راز فاش ہو گیا اور ہندوستانی فوجوں نے ایک جھڑپ کے بعد مجاہدین کو گرفتار کر لیا اس جھڑپ میں ایک ہندوستانی افسر ہلاک اور ایک فریڈم فائٹر اورنگ زیب شہید ہوا تھا۔ 1968ء میں مقبول بٹ سرینگر میں جیل توڑنے کے بعد فرار ہو گئے تھے جب وہ پاکستان آئے تو کافی تفصیل سے ان سے پوچھ تاچھ ہوئی انہیں اس وقت تک مظفر آباد کے قلعہ میں رکھا گیا جب تک کہ انہیں "سفید" "انہیں قرار دے دیا گیا۔ مطلب یہ کہ انہیں ہر طرح کے شک و شبہ سے بری کر دیا گیا۔ اپنی رہائی کے بعد انہوں نے اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں اور آپریشن تخنڈرو، آپریشن رومانہ جیسے آپریشن کا اہتمام کیا۔ وہ یہاں گوریلاؤں کو ٹریننگ دیتے اور انہیں جموں بھیج دیتے جہاں کئی جگہ بارود کے ڈھیر پڑے ہوئے تھے۔ ہندوستان الزام لگاتا کہ ان سرگرمیوں میں پاکستانی ملوث ہیں لیکن ہماری حکومت یہ نہیں کہتی تھی کہ یہ کام خود کشمیری انجام دے رہے ہیں۔ اس کا سارا کریڈٹ نام نہاد وزارت برائے کشمیری امور لے لیتی تھی۔ تمام کشمیری جماعتیں اس بات پر متفق ہیں کہ اس وزارت کو ختم کیا جانا چاہئے اس وقت بھی انہوں نے یہ مسئلہ اٹھایا تھا......

اس پورے عرصہ میں ہندوستان، کشمیر کو اپنا اٹوٹ حصہ بتاتا رہا اسی دوران لیلیٰ خالد نے ایک طیارہ ہائی جیک کر کے فلسطین کے مسئلہ کو عالمی منظر نامہ پر لے آئیں۔ ہماری قیادت نے اس واقعہ سے فیضان حاصل کر کے انہی خطوط پر کام کرنے کا فیصلہ کیا۔ (اس وقت مقبول بٹ پارٹی کے جنرل سیکریٹری اور عبدالخالق انصاری صدر تھے)

مقبول بٹ کی ملاقات پشاور میں جب ہاشم سے ہوئی تو اس کام کے لئے انہوں نے انہیں مناسب آدمی جانا اور انہیں ہندوستانی قبضہ والے کشمیر میں بھیج دیا۔ ہاشم نے وہاں نیشنل لبریشن فرنٹ کا طلبا کا محاذ قائم کیا۔ میں وہیں اس میں شامل ہوا۔ ہاشم پاکستان واپس آ گئے جہاں انہیں ہائی جیکنگ کی ٹریننگ دی گئی کوریئر کے ذریعہ دستی بم اور پستول سرحد پار بھیجے گئے لیکن کوریئر دوہرا ایجنٹ نکلا اور ہندوستانیوں نے ہمارے ہتھیار اپنے قبضہ میں کر لئے۔ اس کے بعد ہم نے لکڑی کاٹ کر دستی بم اور پستول بنایا اور ایک ایک چھرا لیا اور

جموں جانے والے طیارے پر ہم دونوں بیٹھ گئے۔

ہاشم کاک پٹ کے اندر گئے اور میں نے مسافروں کو قابو میں رکھنے کی کوشش کی۔ چونکہ طیارے میں معقول مقدار میں ایندھن نہیں تھا اس لئے ہم اسے راولپنڈی نہیں لے جا سکتے تھے۔ ہم نے لاہور ایئرپورٹ کے حکام سے رابطہ قائم کیا۔ ان لوگوں نے ہمارے ساتھ پورا تعاون کیا اور لاہور ایئرپورٹ کی جانب ہماری رہنمائی کی۔

حکومت پاکستان کو ہماری ہائی جیکنگ کے منصوبہ کا علم تھا لیکن اسے بروئے کار لانے اور نافذ العمل بنانے میں اس نے کوئی خاص تعاون نہیں کیا۔

لاہور میں جہاں ہم نے ڈاکٹر فاروق حیدر سے رابطہ قائم کیا تھا، ایئرپورٹ کے حکام نے ہمارے ساتھ پورا تعاون کیا ایسا کوئی تاثر نہیں ملا جس سے اندازہ ہوتا کہ ہم گرفتار ہونے والے ہیں۔ لیکن ایک ستم ظریفی یہ ہے کہ پاکستان میں حکومت اور عوام کے جذبات ہمیشہ مختلف رہے ہیں۔ لاہور ہوائی اڈے پر کمشنر آغا افضل اور فوجی حکام مسافروں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ ہم ابھی نوعمر تھے اور یہ بات محسوس نہ کر سکے کہ مسافروں کی اہمیت حقیقی پلان سے زیادہ تھی۔ ذوالفقار علی بھٹو، جو اس وقت تک استعفیٰ دے چکے تھے، دوسرے دن ہمارے پاس آئے۔ وہ ہم سے ملنے والے پہلے سیاسی لیڈر تھے۔ انہوں نے ہمیں مبارکباد دیتے ہوئے اپنی جماعت کی حمایت کا یقین دلایا۔

ہمارے خاص مطالبات میں، ہندوستان سے اپنے سیاسی قیدیوں کو رہا کرانا، سیاسی پناہ کے لئے منظوری حاصل کرنا اور ہمیں اس بات کا یقین دلایا جانا شامل تھا کہ ہندوستان کے قبضہ والے کشمیر میں ہمارے رشتہ داروں کو پریشان نہیں کیا جائے گا۔

ہمارے منصوبہ میں طیارے کو آگ لگانا شامل نہیں تھا کیونکہ طیارہ جتنے دن وہاں رہتا اتنی ہی زیادہ لوگوں کی توجہ اس جانب جاتی۔ ہماری قیادت نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ہم طیارے کو اقوام متحدہ کے حوالے کر کے اپنی آزادی کا مطالبہ کریں گے لیکن ہمیں طیارے کو نذر آتش کرنے کے لئے مجبور کیا گیا۔ ایس ایس پی لاہور اور ڈی ایس پی باقر علی شاہ نے ہمیں پیٹرول مہیا کیا۔

ہمیں بتایا گیا کہ طیارے کی موجودگی نظم و ضبط کے لئے مسئلہ کھڑا کرے گی اور یہ کہ حکومت ہند طیارہ کی واپسی کے لئے دباؤ ڈال رہی ہے۔ جلتے ہوئے طیارے سے نکلنے والے شعلوں کو دیکھ کر ہمیں تکلیف پہنچی۔ ایس ایس پی نے تو اپنی گاڑی سے ہمیں سروس ہسپتال پہنچایا۔ اس وقت ہمیں ہیرو تصور کیا جا رہا تھا۔ لوگ ہمارے آٹو گراف لیتے، نوزائیدہ بچوں کے نام ہمارے نام پر رکھے گئے اور بڑے بڑے جلوس نکالے گئے اس وقت تک سوویت یونین امریکہ اور ہندوستان کی جانب سے حکومت پاکستان پر دباؤ کافی بڑھ چکا تھا۔ تب کہیں جا کر ہائی جیکرز کے بارے میں بین الاقوامی قانون کا ہمیں علم ہوا یا تو انہیں اس ملک کے حوالے کیا جاتا ہے جس کا طیارہ انہوں نے ہائی جیک کیا ہوا ہوتا ہے یا پھر اس ملک میں ان پر مقدمہ چلتا ہے جہاں طیارہ لے جایا جاتا ہے۔ ہمیں کوہاٹ کے قریب ہائڈ اوایم لے جایا گیا اور ارباب مختار خلیل (جو اس وقت چین میں فرسٹ سیکریٹری تھے) اور فوج کے خفیہ محکمہ کے کسی آدمی نے ہم سے پوچھ تاچھ کی۔ پوچھ تاچھ زبانی طور پر ہوئی اور رپورٹ ہمارے حق میں تھی۔ پوچھ تاچھ کا خاص مقصد یہ پتہ لگانا تھا کہ کہیں اس کے پیچھے ہندوستانی سازش تو نہیں تھی جو مغربی پاکستان سے مشرقی پاکستان کا رابطہ کاٹنے کے لئے پاکستان پر حملہ کرنے کا بہانہ تلاش کر رہا ہو۔

ہندوستان نے دسمبر 1971ء میں پاکستان پر حملہ کیا ایک سال تک انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر پاکستان نے اس سازش کا پتہ کم و بیش ایک سال قبل ہی لگا لیا تھا تو انہیں جنگ ٹالنے کے لئے کچھ کرنا چاہئے تھا۔ اگر ہندوستان کو ایسا کچھ کرنا ہی تھا تو کیا اس کے لئے وہ کشمیری ہائی جیکروں کا سہارا لیتا؟ کیوں نہ بنگال سے کسی کا انتخاب کیا؟ ہوائی رابطے کا کٹنا کوئی بہانہ نہ تھا کیونکہ ہوائی رابطے سے متعلق دونوں ملکوں کے درمیان کیا گیا ہر معاہدہ 1965ء میں ختم ہو چکا تھا۔ ایک عارضی معاہدہ ایسا موجود تھا جس کے تحت طیاروں کو ہندوستانی سرحد سے گذرنے کی اجازت تھی۔ ہندوستان نے تباہ شدہ طیارے کے عوض پاکستان سے معاوضہ طلب کیا لیکن حکومت پاکستان نے اسے مسترد کر دیا۔ اس کے بعد ہی ہندوستان نے ہر طرح کی پابندی عائد کر دی۔ بین الاقوامی عدالت میں ہندوستان نے یہ ثبوت پیش کیا کہ ہائی جیکنگ کے واقعہ کا حکومت پاکستان کو پہلے ہی علم تھا۔

بعد میں ہمیں پتہ چلا کہ بھٹو نے ہمارے لیڈروں سے ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل میں ملاقات کی تھی اور اس جگہ کو چاروں طرف سے گھیر لینے کی تجویز پیش کی تھی جہاں مسافر ٹھہرے ہوئے تھے لیکن مسافر تو اس سے پہلے ہی ہندوستان بھیج دیئے گئے تھے۔

سردار قیوم نے ہماری لیڈر شپ کے سامنے یہ تجویز رکھی کہ اگر ہائی جیک کا کریڈٹ ان کی پارٹی "المجاہد" کو دیا جائے تو وہ دس لاکھ روپے دیں گے اور میرے اور ہاشم کے اعزاز میں ایک شاندار جلوس کا اہتمام بھی کریں گے۔

یحییٰ خان کے زمانے میں نورالعارفین کمیشن کے نام سے ایک اور کمیشن ہمارے خلاف قائم کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے لئے جو بھی جلوس نکالے گئے ان میں پی پی پی کے حامیوں کی تعداد بہت بڑی ہوتی تھی اور وہ عوامی لیگ اور مارشل لاء کے خلاف نعرے لگاتے تھے مجیب الرحمن کا کہنا تھا کہ پی پی پی ہمیں (ہائی جیکروں کو) اپنے مقصد کیلئے استعمال کر رہی ہے۔ اس وقت حکومت نے ہمیں ہندوستانی ایجنٹ قرار دینے کا اشارہ دیا۔ جب ہمیں حراست میں لیا گیا تو ہم سے یہ کہا گیا کہ یہ احتیاطی گرفتاری ہے کیونکہ ہندوستان ہمیں قتل کرانا چاہتا ہے۔ ہمیں کیمبل پور جیل میں رکھا گیا وہاں سے شاہی قلعہ لاہور لے جایا گیا۔ وہاں ہمیں بری طرح اذیت دی گئی مقبول بٹ سمیت ہمارے تمام قائدین کو گرفتار کر لیا گیا۔

1972ء کے وسط میں جسٹس یعقوب کمیشن قائم ہوا جس نے ہمیں ہندوستانی ایجنٹ ہونے کے تمام الزامات سے بری قرار دے دیا۔ یحییٰ محض یہ چاہتے تھے کہ مشرقی پاکستان بحران کی ذمہ داری ہمارے سر تھوپ دیں اگر اس وقت تک بھٹو کی حکومت برسر اقتدار نہ آجاتی تو ہمیں تو پھانسی دے ہی دی جاتی کیونکہ یحییٰ حکومت نے ہمیں اپیل کرنے کے حق سے بھی محروم کر دیا تھا۔ 1976ء میں بھٹو نے ہمارے خلاف اقوام متحدہ اور مظفر آباد میں اپنے سیاسی مقاصد کے لئے ہمارے خلاف بیان دیا۔ اس سال انہوں نے مقبول بٹ کو آزاد کشمیر حکومت کی پیشکش کی اور ساتھ ہی یہ شرط بھی عائد کی کہ وہ پی پی پی میں شامل ہو جائیں لیکن مقبول بٹ نے یہ پیشکش یہ کہہ کر ٹھکرا دی کہ انہیں حکومت نہیں بلکہ آزاد کشمیر چاہئے۔

رہائی کے بعد ہم سب اکٹھے ہوئے اور اپنی تحریک دوبارہ شروع کی۔ مقبول بٹ ہندوستان بھی گئے۔ وہاں وہ 1976ء میں گرفتار ہوئے اور 1984ء میں انہیں پھانسی دے دی گئی۔ جے کے ایل ایف کے امان اللہ خان کب سامنے آئے؟ جدوجہد آزادی کے دوران وہ کہاں تھے؟ وہ محاذ رائے شماری کے رکن تھے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک الگ لبریشن فرنٹ قائم کیا یعنی جے کے ایل ایف لفظ نیشنل حذف کر دیا یہ بات عجیب سی تھی کہ جب وہ آزاد کشمیر کا مطالبہ کرتے ہیں تو پھر اسے نیشنل لبریشن فرنٹ کیوں نہیں کہتے؟

جے کے این ایل ایف میں مقبول بٹ کا رول کیا تھا؟

ہم لوگ اکثریت کے فیصلے کے قائل تھے۔ ذاتی طور پر مقبول بٹ آزاد کشمیر کے حامی تھے۔ کشمیریوں کی اکثریت کا فیصلہ سب کے لئے قابل قبول ہونا چاہیے خواہ وہ سردار قیوم ہوں، قاضی حسین احمد ہوں یا امان اللہ خان، خواہ وہ پاکستان ہو یا ہندوستان۔ اگر اکثریت بھی چاہتی ہے تو پھر پاکستان کے موافقت اور مخالفت میں دیے گئے سابقہ بیانات بڑی حد تک اس بات کا فیصلہ کر سکتے ہیں کہ مستقبل میں تعلقات کی نوعیت کیا ہوگی۔ ہمیں اکثریت کی حمایت اس لئے کرنی چاہیے کہ ان کا فیصلہ خواہ کچھ بھی ہو لیکن ایک بات یقینی ہے کہ وہ ہندوستان کے حق میں نہیں ہوگا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو پھر یہ تحریک کبھی شروع ہی نہ ہوتی۔ ہم دونوں کے درمیان ثقافتی تعلقات ہیں۔ اگر کشمیر آزاد ہو جاتا ہے تو ہندوستان الگ پڑ جائے گا لیکن اگر آپ کشمیر کو پاکستان بنانے کے اتنے متمنی ہیں تو پھر ان کے جلوس کراچی جانے کے بجائے ہندوستان کی طرف جائیں گے۔

برطانیہ میں ہندوستان کا ایک سفارت کار تھا جسے مبینہ طور پر جے کے ایل ایف نے قتل کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مقبول بٹ کو پھانسی اسی کا بدلہ لینے کے لئے دی گئی تھی۔ آپ سوچیں اگر منصوبہ بندی کے بغیر کوئی کام انجام دیا جاتا ہے تو وہ اس طرح کے رد عمل میں متوقع ہوتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ امان اللہ خان اس میں ملوث تھے یا نہیں لیکن جے کے ایل ایف کی قیادت یقیناً اس کی ذمہ دار ہے۔

لائن آف کنٹرول کو پار کیا جانا چاہیے۔ اور اقوام متحدہ نے بھی ہمیں اس کی

اجازت دی ہے یہ ایک مصنوعی سرحد ہے جو لوگوں میں دوری پیدا کر رہی ہے۔ اگر حکومت نہیں چاہتی تھی کہ لائن کو پار کیا جائے تو وہ جلوس کو پہلے ہی روک سکتی تھی کشمیر تحریک کے اصل ہیرو مقبول بٹ ہیں جنہوں نے اس مقصد کے لئے اپنی جان دے دی۔

(اشرف قریشی اس وقت پنجاب یونیورسٹی لاہور میں لیکچرر ہیں)

☆☆☆☆

انٹرویو نمبر 2

ہاشم قریشی کا انٹرویو

روزنامہ "فروغِ وطن" جموں

(26 مئی 1992ء)

"جے کے ایل ایف نے کبھی پاکستان کا مطالبہ نہیں کیا۔"

ذیل میں ہم جے کے ایل ایف کے ایک سینئر لیڈر ہاشم قریشی کا انٹرویو شائع کر رہے ہیں یہ انٹرویو ہمارے نامہ نگار نے ٹیلی فون پر لیا تھا۔ پاکستانی جیل سے نو سال بعد رہائی پانے والے ہاشم قریشی نے ایک بار پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ پاکستان کے خلاف اپنی آواز بلند کی ہے اور یہ مطالبہ کیا ہے کہ حکومتِ پاکستان "آزاد کشمیر" کو خالی کرے۔

سوال: امان اللہ خان کے پروپیگنڈے کے مطابق کہا جاتا ہے کہ مقبول بٹ کی گرفتاری و پھانسی میں آپ کا کیا ہاتھ تھا؟

جواب: امان اللہ مجھ پر یہ الزام کیسے لگا سکتے ہیں؟ میرے پاس ان کا لکھا ہوا خط موجود ہے جس میں واضح طور پر اس بات کی نشاندہی کی گئی ہے کہ مہاترے کے قتل اور مقبول بٹ کی پھانسی کا ذمہ دار کون تھا۔

سوال: کیا آپ خط پیش کر سکتے ہیں؟

جواب: کیوں نہیں! میں سارے ثبوت آپ کے پاس بھیجوں گا تاکہ آپ کو اور کشمیری عوام کو یہ معلوم ہو سکے کہ اصل حقیقت کیا ہے اور اصل غلطی کس نے کی؟

سوال: کیا آپ کشمیر کی موجودہ صورتحال پر کوئی تبصرہ کرنا چاہیں گے؟

جواب: میں کیا کہوں؟ صورتحال تو آپ کے سامنے ہے۔ یہ سب کچھ ان سیاستدانوں کی غلطی ہے جنہوں نے نوجوانوں کو ان کے بنیادی حق سے محروم کر دیا جس کے باعث وہ اپنے آپ کو مسلح کرنے پر مجبور ہوئے۔ اب صورتحال اسی وقت معمول پر آ سکتی ہے جب جموں، کشمیر اور لداخ کے لوگوں کو آزادی حاصل ہو۔

سوال: کیا آپ محسوس کرتے ہیں کہ انتہاپسندوں کی سرگرمیاں درست ہیں؟

جواب: وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ درست نہیں ہے یہ لوگ معصوم افراد کے اغوا اور قتل کی وارداتوں میں شروع ہی سے ملوث رہے ہیں۔ میں نے ہمیشہ اس طرح کے فعل کی مخالفت کی ہے اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔ آپ کو یاد ہو گا کہ جب روبیہ سعید کا اغوا ہوا تو میں اس کی مذمت کرنے والا میں پہلا شخص تھا میں نے اغوا کرنے والوں سے اس کی رہائی کی اپیل کی تھی۔ دوسری طرف میں یہ بھی کہوں گا کہ سیکورٹی فورسز کے ساتھ وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں وہ درست ہے۔ جہاں کشمیر کے لوگ سیکورٹی فورسز کی زیادتیوں کے خلاف آواز اٹھاتے ہیں وہیں جموں کے لوگوں کو بھی سیکورٹی فورسز کی تنقید کرنی چاہیے۔ جموں اور کشمیر کی ریاست صرف کشمیر کی ہی نہیں ہے بلکہ ڈوگرا اور لداخیوں کی بھی ہے۔ آپ نے یہ بات محسوس کی ہوگی کہ ہندو مسلم بھائی چارہ کشمیر میں اب بھی زندہ ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ مسلم فرقے نے نئی سڑک، سرینگر میں ہونے والے اس واقعہ پر شدید احتجاج کیا تھا جس میں اقلیتی فرقے کی ایک لڑکی اور اس کی ماں کے ساتھ بدسلوکی کی گئی اور پھر انہیں قتل کر دیا گیا۔ اکثریتی فرقے نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ مجرموں کو عوام کے سامنے لایا جائے اور انہیں سزا دی جائے۔ اسی طرح جموں کے لوگوں کو بھی سیکورٹی فورسز کی زیادتیوں کے خلاف احتجاج کرنا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ

کشمیر، ان کے بھائی ہیں، دشمن نہیں!

سوال: قریشی صاحب سیکورٹی فورسز کے جوان تو اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

جواب: میں یہ مانتا ہوں کہ وہ اپنا فرض انجام دے رہے ہیں لیکن فرائض کی ادائیگی کے دوران کبھی کبھی ظلم وزیادتی بھی ہو جاتی ہے۔ دولر اور علی کدل میں جو زیادتی ہوئی اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ وہاں معصوم لوگ مارے گئے۔ کیا یہ زیادتی نہیں تھی؟ کیا یہ ممکن ہے کہ دس سال کا ایک لڑکا اور 80 سال کا ایک بوڑھا انتہا پسند ہو؟ آپ ایک صحافی اور اس ریاست کے باشندے بھی ہیں۔ آپ کو ہر بات کی جانکاری ہونی چاہئے۔ ایسی اور بھی کئی مثالیں موجود ہیں۔

سوال: کیا کشمیری پنڈتوں کو کشمیر چھوڑنے پر مجبور کرنا مناسب تھا؟

جواب: کشمیری پنڈت ہمارے بھائی ہیں۔ ہماری ثقافت، ہماری تہذیب اور ہماری زبان ایک ہے۔ ہم صدیوں تک ایک ساتھ رہے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ناخن سے گوشت کو الگ کر دیا جائے؟ اسی طرح کشمیری پنڈت بھی ہم سے الگ نہیں کئے جا سکتے۔ جے کے ایل ایف اور دوسری تنظیموں نے ان سے یہ ہمیشہ اپیل کی ہے کہ وہ اپنے گھر واپس آ جائیں۔ انہوں نے یہ یقین دہانی بھی کرائی کہ وہ ان کی حفاظت کریں گے۔ چونکہ میں خود اپنے وطن سے دور رہا ہوں اس لئے میں کشمیری پنڈتوں کے کرب کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہوں۔ لبریشن فرنٹ ایک ایسا کشمیر دیکھنا چاہتا ہے جو 1947ء سے پہلے تھا اور جب کشمیری مسلمان ہندو اور سکھ مل جل کر بھائیوں کی طرح رہتے تھے۔ ہم کشمیر کو دنیا کے سامنے ایک خوبصورت گلستان بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ لوگ بعض بنیاد پرستوں کی جانب سے خوفزدہ اور دہشت زدہ کئے گئے تھے۔ یہ وہ انتہا پسند ہیں جو کشمیر کو پاکستان کے حوالے کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس کشمیر کا مطالبہ کرتے ہیں جو 1947ء سے پہلے تھا اور جس میں پاکستانی مقبوضہ کشمیر، گلگت، بلتستان، لداخ اور جموں و کشمیر کے علاقے شامل تھے۔ یہ تمام علاقے آزاد کرائے جانے چاہئیں۔ لبریشن فرنٹ نہ تو پاکستان چاہتا ہے اور نہ ہندوستان۔ ہم صرف اپنے حقوق اور ایک

"آزاد کشمیر" چاہتے ہیں۔ ہماری مسلح جدوجہد اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ کشمیر پاکستان اور ہندوستان کے قبضے سے آزاد نہیں ہو جاتا۔

میں مہاتما گاندھی کی ستائش کرتا ہوں جو ہمیشہ غیر جانبدار رہے اور جو پوری دنیا کی آزادی کی بات کرتے تھے میں باپو جی کے ایسے پیروکاروں کی تنقید کرتا ہوں جنہوں نے سیکورٹی فورسز کو کشمیر میں ظلم ڈھانے اور معصوم افراد کو قتل کرنے کی چھوٹ دے رکھی ہے۔ باپو اور نہرو کے وہ اصول کہاں گئے؟ ہندوستانیوں نے اپنے اصول بھلا دیئے۔ جرنلسٹ سیکورٹی فورسز کے مظالم کے خلاف قلم کیوں نہیں اٹھاتے جبکہ یہ ان کا فرض ہے؟

سوال: مسٹر قریشی کچھ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے حالات پر روشنی ڈالئے۔ سنا گیا ہے کہ وہاں کوئی ترقی نہیں ہوئی اور حکومت پاکستان نے صرف انہیں لوٹا ہے۔ وہاں کوئی یونیورسٹی نہیں، کوئی ہسپتال نہیں۔ سڑکیں بہت خستہ حالت میں ہیں۔

جواب: اس سلسلے میں آپ کی بات درست ہے۔ پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں کوئی ترقی نہیں ہوئی اور یہ کہ حکومت پاکستان نے صرف اسے لوٹا ہے۔ جنگلات کی دولت، جو کروڑوں کی مالیت کی تھی اسے غیر ممالک میں بھیج دیا گیا اور اس کے عوض مقبوضہ کشمیر کے عوام کے حصہ میں صرف غریبی آئی۔ ان کے لیڈر تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کے ہمدرد ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ گذشتہ چالیس سال کے عرصہ میں صرف ان کے رشتہ داروں کو فائدہ پہنچا ہے۔ حکومت پاکستان نے مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔ یہاں تک کہ منگلا ڈیم نیز دوسرے ڈیم کی رائلٹی بھی مقبوضہ کشمیر کے عوام کو نہیں ملتی جبکہ یہ ان کا حق ہے۔ ان ڈیمس (Dams) سے بجلی تیار کی جاتی ہے لیکن خود مقبوضہ کشمیر کے لوگ بجلی سے محروم ہیں۔ پاک مقبوضہ کشمیر کے نام نہاد حکمران اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اٹھاتے۔ انہیں تو اپنے گناہوں اور جرائم کی پردہ پوشی کی فکر رہتی ہے۔ صدائے احتجاج بلند کرنے کی بجائے وہ کشمیر کی آزادی کی بات کرتے ہیں تاکہ ان کے گناہوں پر پردہ پڑا رہے۔ حق تو یہ ہے آزادی کا ذکر

کرکے انہوں نے کشمیری عوام کو گمراہ کیا ہے۔ اگر وہ کشمیر کے عوام کی ہمدردی کا دعویٰ کرتے ہیں تو بتائیں کہ انہوں نے اپنے ہی لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق سے کیوں محروم کر رکھا ہے؟ اگر وہ حقیقتاً پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے لوگوں کے بہی خواہ ہیں تو انہیں اپنی کرسی کو ٹھوکر مار کر عوام کی بہتری کے لئے کام کرنا چاہئے۔

سوال: یہ بھی سننے میں آتا ہے کہ پاکستان نے لبریشن فرنٹ کو اسلحوں کی سپلائی بند کر دی ہے۔ اب یہ ہتھیار حزب المجاہدین اور دوسری پاکستان نواز جماعتوں کو دیے جاتے ہیں۔

جواب: پاکستان اسلحے کب سپلائی کر رہا تھا؟ ہم لوگ ان اسلحوں کی خریداری خود اپنے وسائل سے کرتے رہے ہیں اور ایسا آئندہ بھی کرتے رہیں گے۔ پاکستان تو صرف تھوڑی سی مدد کر رہا تھا۔ یہ بھی اچھا ہوا کہ اس نے یہ معمولی سی مدد کا سلسلہ بھی بند کر دیا۔ یہ کشمیری عوام کے حق میں بہت اچھا ہوا۔ اس طور پر کشمیری عوام یہ محسوس کر سکیں گے کہ پاکستان ان کے تئیں کتنا مخلص ہے۔ پاکستان کی جانب سے اسلحے کی سپلائی بند کئے جانے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ کشمیر کے لوگ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کریں گے اور اپنی تحریک میں تیزی لائیں گے۔ اگر پاکستان بہت پہلے ہی امداد بند کر دیتا تو کہیں اچھا ہوتا۔ ہم نے کبھی پاکستان کی ہدایت پر عمل نہیں کیا اور اگر کبھی ہم ان کی باتیں سنتے بھی تھے تو کرتے وہی تھے جو ہماری اپنی مرضی ہوا کرتی تھی۔ ہم بالکل شروع ہی سے پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کے خلاف تھے اسی لئے انہوں نے یہ امداد بند کر دی۔ ہم نے پاکستان پر واضح کر دیا کہ ہم ایک آزاد کشمیر چاہتے ہیں۔ وہ کشمیر جو 1947ء سے پہلے ہوا کرتا تھا۔

سوال: اس مسئلہ کا حتمی حل کیا ہوگا؟

جواب: جہاں تک میرا تعلق ہے میں نے ہمیشہ اس کا حل، گفت و شنید کے ذریعہ تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔

سوال: اس سلسلے میں لبریشن فرنٹ کے خیالات کیا ہیں؟

جواب: ہندوستان، پاکستان اور کشمیر کو اس مسئلہ کے پرامن حل کے لئے گفتگو کرنی پڑے گی اور اس کے لئے کشمیریوں کے جذبات اور ان کی امنگوں کو ذہن میں رکھنا ضروری ہوگا۔ آپ نے ہندوستان ٹائمز میں میرا وہ انٹرویو پڑھا ہوگا جس میں کشمیر کے لئے میں نے انتخابات کا ایک فارمولا پیش کیا تھا۔ جب بھی پاکستانی مقبوضہ کشمیر اور ہندوستان کے قبضہ والے کشمیر میں انتخابات ہوتے ہیں تو دونوں حصوں کے لیڈر اپنے آپ کو پاکستان یا ہندوستان کا بہی خواہ بتاتے ہیں۔ جبکہ انہیں بنیادی طور پر اپنے آپ کو اپنے عوام کا بہی خواہ تصور کرنا چاہئے۔ جو لوگ اپنے آپ کو پاکستان اور ہندوستان کا بہی خواہ بتاتے ہیں وہ کشمیری عوام کے بہی خواہ کیسے ہوئے؟ گفت و شنید کے لئے صرف مخلص لیڈروں کو ہی شریک کیا جانا چاہئے۔

ہندوستان دنیا کو یہ بتاتا رہا کہ کشمیر کے چند ہی لوگ آزادی چاہتے ہیں۔ لیکن میں آپ پر اور حکومت ہند پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف کشمیر کے لوگ آزاد کشمیر (جیسا کہ وہ 1947ء سے قبل تھا) کا مطالبہ کر رہے ہیں بلکہ جموں اور لداخ کے لوگوں کا بھی یہی مطالبہ ہے۔ جموں و کشمیر کے تمام لوگوں کو ہی آزادی ہونی چاہئے۔

میں یہاں ہالینڈ میں بیٹھا ہوا ہوں۔ یہاں مندر بھی ہے اور مسجد بھی، گرجا گھر بھی ہے اور گوردوارہ بھی۔ کوئی بھی کسی کے مذہبی عقائد میں دخل اندازی نہیں کرتا۔ میں کشمیر میں بھی یہی ماحول دیکھنا چاہتا ہوں جہاں لوگ آزادانہ طور پر خدا کی عبادت کر سکیں جیسا کہ 1947ء سے پہلے ہوا کرتا تھا۔ اس کے بارے میں نہ تو ہندوستان کچھ کہتا ہے اور نہ پاکستان۔ دونوں خاموش ہیں۔ کوئی بھی شخص پیدائشی طور پر دہشت گرد نہیں ہوتا۔ حکومت کے مظالم اور احساس محرومی اسے ایسا کرنے پر مجبور کرتے ہیں کوئی بھی شخص ہتھیار اٹھانے کے بعد مرنا نہیں چاہتا۔ جو لوگ اپنی مادر وطن سے محبت کرتے ہیں اور جو آزاد فضا میں سانس لینا چاہتے ہیں وہی ہتھیار اٹھاتے ہیں اگرچہ وہ جانتے ہیں کہ آخر میں موت ہی ان کے ہاتھ آئے گی پھر بھی وہ آزادی کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔

اس مسئلہ کا حل اسی وقت ممکن ہے جب ہندوستان، پاکستان اور کشمیر کے حقیقی منتخب نمائندے مخلصانہ کوششوں کے ساتھ گفتگو کی میز پر بیٹھیں۔ اگر ہم مخلصانہ طور پر کام کریں تو کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔ شرط یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان پیش رفت کریں۔ گفتگو میں لداخ اور جموں کے لوگوں کو بھی شامل کیا جانا چاہئے۔ ان کے علاوہ نام نہاد آزاد کشمیر کے نمائندوں کو بھی مدعو کیا جانا چاہئے تاکہ بعد میں کسی کو کوئی شکایت نہ رہے۔ اس طرح کی گفتگو کے لئے ہندوستان اور پاکستان کے عوام کو آواز اٹھانی چاہئے۔ دونوں ملک اپنے دفاعی معاملات پر جو کثیر رقم برباد کر رہے ہیں، اسے وہ اپنے عوام کی ترقی کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔

ہاشم قریشی نے کہا کہ ان کے پاس ایک پرانے اخبار کا تراشہ ہے جس میں ان کے مطابق باپو جی کا یہ بیان چھپا ہے کہ کشمیر کے لوگوں کو ان کا حق ملنا چاہئے۔ اگر باپو کا یہ خیال تھا تو پھر ہندوستان کے لیڈر کشمیریوں کو ان کا حق دینے میں پس و پیش کیوں کرتے ہیں؟

☆☆☆☆

انٹرویو نمبر 3

"سنڈے ویک اینڈ" کی اندرانی بنرجی کو دیا گیا ہاشم قریشی کا ایک انٹرویو

(مارچ اپریل 1992ء)

"کشمیر کو کشمیریوں کو حوالے کرو"

"قریشی کی کہانی کئی اعتبار سے امان اللہ خان کی کہانی سے زیادہ دلچسپ ہے جو گزشتہ تیرہ برسوں سے جے کے ایل ایف کے چیئرمین ہیں جب مقبول بٹ اور ہاشم قریشی نے جے کے ایل ایف کی بنیاد ڈالی تو امان اللہ خان کا کہیں بھی پتہ نہیں تھا۔ تنظیم کا نام تھا جموں اینڈ کشمیر نیشنل لبریشن فرنٹ۔ بعد میں امان اللہ خان نے لفظ نیشنل حذف کر دیا۔ بٹ اور قریشی پاکستانی مقبوضہ کشمیر سے اپنی کارروائیاں چلا رہے تھے اور اکثر ہندوستان کا چکر لگاتے رہتے تھے جس کا مقصد ایک کیڈر تیار کرنا اور آزاد اور خود مختار کشمیر کے تصور کا پروپیگنڈا کرنا تھا۔ 1971ء میں قریشی نے انڈین ایئرلائنز بوئنگ ہائی جیک کیا اور پاکستانی جیلوں میں نو سال گزارنے کے بعد رہا ہوئے۔ اسی دوران اپنے ایک خفیہ مشن کے لئے کام کرتے ہوئے مقبول بٹ گرفتار کر لئے گئے۔ پروپیگنڈے کو فروغ دینے والے امان اللہ خان انگلینڈ سے واپس آئے اور جے کے ایل ایف کے سربراہ کی حیثیت سے عہدہ سنبھال لیا۔ ہاشم اپنی رہائی کے بعد بھی لگاتار پاکستانی قانون کے آسیب کی زد پر رہے۔ وہ کم از کم دس بار گرفتار ہوئے اور

بالآخر ملک چھوڑ کر نہیں بھاگنا پڑا، وہ۔ انہوں نے اپنے اس بنیادی موقف سے دست بردار ہونے سے انکار کیا کہ کشمیر کا تعلق نہ تو پاکستان سے ہے اور نہ ہندوستان سے۔ اب قریشی پاکستانی مقبوضہ کشمیر واپس جانا چاہتے ہیں۔ اس سے کشمیر کی جدوجہد آزادی میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو سکتا ہے۔ قریشی کی حیثیت آج کشمیری تحریک کے مرکزی رہنما جیسی ہے انہوں نے ایک ہندوستانی صحافی کو دیے گئے انٹرویو میں جو ان کا سب سے پہلا انٹرویو تھا اپنے نظریات اور اپنے ماضی کے بارے میں اظہار خیال کیا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ اس لئے پاکستان سے فرار ہوئے تھے کہ انہوں نے انٹر سروسز انٹیلی جنس (I.S.I) کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ سلامتی کے تقاضوں کے پیش نظر اس بات کو صیغۂ راز میں رکھا جاتا ہے کہ اس انٹرویو کا اہتمام کس طرح ہوا تھا"

اقتباسات

سنڈے: کیا یہ سچ ہے کہ جے کے ایل ایف کو پاکستانی فوج اور خاص طور سے آئی ایس آئی سے براہ راست مدد ملتی ہے؟

قریشی: اس وقت جے کے ایل ایف کا حکومت پاکستان سے فوجی سطح پر کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ہمیں ان سے کوئی مدد نہیں مل رہی ہے کیونکہ پاکستانی حکام ہمیں خطرناک تصور کرتے ہیں۔ یہ ایک کھلا ہوا راز ہے تاہم کشمیر میں کام کرنے والے کچھ دوسرے حلقوں کی مدد وہ کر رہے ہیں۔ پاکستان کے سابق سربراہ فوج مرزا اسلم بیگ نے سی این این کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں کھلم کھلا یہ بات کہی تھی کہ کشمیری انتہا پسندوں کو کچھ افغان گروپ ٹریننگ دے رہے ہیں۔

سوال: جے کے ایل ایف کو مالی امداد کہاں سے ملتی ہے؟

جواب: ہمیں سب سے زیادہ مدد ان کشمیریوں سے ملتی ہے جو انگلینڈ، سعودی عرب اور امریکہ میں مقیم ہیں۔ البتہ یہ لوگ دوسرے حلقوں مثلاً جماعت اسلامی کی بھی مدد کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر اور ہندوستان والے کشمیر سے بھی کچھ رقم بطور عطیہ حاصل ہوتی ہے۔

سوال: اس الزام کے بارے میں کیا خیال ہے کہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کی حکومت سے بھی کشمیر تحریک کو بڑھاوا دینے کے لئے رقم حاصل کی گئی ہے؟

جواب: پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے سردار عبدالقیوم جیسے لیڈروں نے کشمیر تحریک کو ایک کاروبار بنالیا ہے۔ وہ کشمیر کو ایک آزاد خطہ نہیں بنانا چاہتے وہ تو یہ بھی نہیں چاہتے کہ ہندوستان کے قبضہ والا کشمیر پاکستان میں شامل ہو۔ یہ لوگ پورے کشمیر کی نمائندگی نہیں کرتے۔ وہ قبائلی لیڈر ہیں، سیاست داں نہیں! سردار قیوم کو تو میرپور میں بھی ووٹ نہیں مل سکتے۔ یہ لوگ کشمیر کی صورت حال کو محض اپنے حق میں استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ 1969ء میں سردار قیوم نے کہا تھا کہ وہ کشمیر کی آزادی کے لئے دس ہزار کمانڈروز کی فوج تیار کر رہے ہیں اور یہ کہ انہوں نے سعودی عرب سے بہت بڑی رقم حاصل کی ہے۔ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ وہ رقم کہاں گئی؟ پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں کوئی ان سے اس طرح کے سوالات کرنے کی جرأت نہیں کرپاتا۔

سوال: امان اللہ خان کے اس پروگرام کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے جس کے تحت انہوں نے اسی سال 30 مارچ کو لائن آف کنٹرول کی جانب مارچ کرنے کا اعلان کیا تھا؟

جواب: دو سال قبل جب امان اللہ مجھ سے ایمسٹرڈیم میں ملے تھے تو میں نے ان سے کہا تھا کہ لوگوں کو پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں آنا چاہئے اور پوری دنیا کو یہ بتادینا چاہئے کہ کشمیر کی آزادی کی لڑائی شروع کرنے کا وقت آگیا ہے۔ دنیا کو یہ بتانا ہوگا کہ یہ تحریک فرقہ وارانہ نہیں ہے۔ لیکن امان اللہ نے کہا کہ میں ہنگامہ برپا کرنا نہیں چاہتا ہوں۔ انہوں نے میری بات سے اس لئے اتفاق نہیں کیا کہ اس وقت آئی ایس آئی ان کی مدد کر رہی تھی۔ اس سال کا 11 فروری کا مارچ ایک کامیاب مظاہرہ تھا۔ بڑی تعداد میں لوگوں نے اس میں شرکت کی اور ہندوستان والے کشمیر کے لوگوں میں اس نے بڑی امیدیں جگائی تھیں اب امان اللہ صحیح سمت قدم بڑھا رہے ہیں۔ 11 فروری کے مارچ نے ان پاکستانی حکام کو بھی بے نقاب کر دیا جو اس کی مخالفت کر رہے تھے۔

سوال: لیکن آپ کی تنظیم جو معصوم افراد کو ہلاک کر رہی ہے اور ان کا اغوا کر رہی ہے اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: ان حرکتوں کی میں مذمت کرتا ہوں۔ میں وہ واحد سیاست داں تھا جس نے روبیہ سعید کے اغوا کی مذمت کی تھی۔ میں نے اس کے خلاف ایک مضمون بھی لکھا تھا۔

سوال: کشمیر میں کس طرح کا سیاسی حل ممکن ہے؟

جواب: بندوق لڑائی بند ہونی چاہئے۔ مسلح جدوجہد کو سیاسی تحریک کا احترام کرنا چاہئے۔ لیکن کشمیر میں اس وقت ہیں اس کے برعکس ہو رہا ہے دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ وہ سیاسی پلیٹ فارم جس نے پاک مقبوضہ کشمیر میں مسلح جدوجہد چھیڑی تھی وہ اس بات کے حق میں نہیں ہے کہ ایسے لوگوں میں سے کوئی قیادت ابھر کر سامنے آئے جو اس جدوجہد میں براہ راست شامل ہیں۔ پوری تحریک اس لیڈرشپ کے ہاتھ میں ہے جو پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اس صورت حال کو ہر حال میں تبدیل ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں میرے کچھ اپنے منصوبے ہیں۔

سوال: آپ کے خیال میں صحیح معنوں میں صورت حال کب اور کس طرح عام شہریوں کے حق میں سازگار ثابت ہو سکتی ہے؟

جواب: میں جے کے ایل ایف کے بانیوں میں سے ایک ہوں اور میں نے پاک مقبوضہ کشمیر میں کئی سال تک کام کیا ہے جہاں 70 فیصد لوگ آزادی چاہتے ہیں۔ ہندوستانی کشمیر کے لوگ بھی یہ محسوس کرتے ہیں کہ پاکستان کے ساتھ ان کا کوئی مستقبل نہیں ہے۔ لیکن کچھ ایسے انتہاپسند بنیاد پرست ضرور ہیں جو پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس پورے مسئلہ کا حل یہ ہو سکتا ہے کہ حکومت ہند کشمیریوں سے یہ کہہ دے کہ ٹھیک ہے ہم آپ کو آزادی دینے کے لئے تیار ہیں۔ یہ کام مرحلہ وار طور پر بھی ہو سکتا ہے لیکن ہم ایک میز پر بیٹھیں تو صحیح بات تو کریں۔ اس سے بڑی مدد ملے گی ہندوستان کو کشمیر پاکستان کے حوالے نہیں کرنا پڑے گا اور نہ ہی پاکستان کے لوگ مقبوضہ کشمیر کو ہندوستان کے سپرد کریں گے۔ بلکہ یہ

دونوں مل کر کشمیر کو کشمیریوں کے حوالے کریں گے اس سے برصغیر کا سب سے بڑا مسئلہ حل ہو جائے گا اور دونوں ملک دفاع پر جو رقم صرف کر رہے ہیں اس سے ہندوستان اور پاکستان کے غریب عوام کو فائدہ پہنچایا جا سکتا ہے۔

سوال: یہاں سے آپ کہاں جائیں گے؟

جواب: ہندوستانی حکام کو یہ محسوس کرنا چاہئے کہ اگر وہ کشمیر کو آزادی دینے کے لئے تیار ہو جائیں گے تو اس کی مخالفت کوئی اور نہیں بلکہ خود پاکستان کرے گا اور اس طرح پاکستانی حکام بے نقاب ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہی لوگ جو آج ہندوستانی فوج سے لڑ رہے ہیں وہ پاکستانی حکام اور ان کی سیکورٹی فورس کے خلاف ہو جائیں گے۔

☆☆☆☆

انٹرویو 4

ہاشم قریشی کا انٹرویو ارندہ گھوش کو ہندوستان ٹائمز نئی دہلی

(21/اپریل 1992ء)

جے کے ایل ایف لیڈر کا اچھوتا منصوبہ

امان اللہ خان اور مرحوم مقبول بٹ کے ساتھ مل کر نام نہاد جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ قائم کرنے والوں میں سے ایک مسٹر ہاشم قریشی نے جموں وکشمیر میں سیاسی عمل شروع کئے جانے نیز کچھ سیاسی لیڈروں کی رہائی کا خیر مقدم کیا ہے۔

انہوں (ایم) (ہالینڈ) سے کل رات گئے ٹیلی فون پر دیئے گئے ایک انٹرویو میں انہوں نے اس نامہ نگار سے کہا کہ یہ ایک اچھی شروعات ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ گفتگو کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے کیونکہ اس کا کوئی نہ کوئی مثبت نتیجہ سامنے آئے گا۔

ان کا کہنا ہے کہ "ایک نہ ایک دن ہمیں گفتگو کی میز پر بیٹھنا ہی ہے" اگر تمام متعلقہ فریقوں کے اچھے لوگ اس مسئلہ کو جو برصغیر کے عوام کے رزق کو ایک کینسر کی طرح کھائے جارہا ہے، حل کرنے کے لئے مل بیٹھیں گے تو یقیناً اس کا کوئی نہ کوئی حل نکل آئے گا۔

مسٹر قریشی جو گذشتہ تین سال سے زائد عرصہ سے غیر ملک میں مقیم ہیں سے

کے ایل ایف کے آزاد خیال لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ وہ مذہبی انتہاپسند نہیں تصور کئے جاتے۔ انہوں نے کہا کہ "میں بنیاد پرست نہیں ہوں اور میں مذہب کی قسم نہیں کھاتا" مذاہب نے بہر حال انسانیت کے تئیں محبت کا درس دیا ہے نفرت کا نہیں۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر کا مسئلہ مذہب کا نہیں بلکہ کشمیریت کا ہے۔ وادی کشمیر میں جو کچھ ہوا اس کے لئے میں بنیاد پرستوں اور ہندوستانی فوج دونوں کی مذمت کرتا ہوں۔

مسٹر قریشی نے کہا کہ وادی کشمیر سے کشمیری پنڈتوں کے اتنے بڑے پیمانے پر چلے جانے سے انہیں شدید صدمہ پہنچا ہے۔ اس صورت حال کے ذمہ دار جگموہن (سابق گورنر) رہے ہوں یا بنیاد پرست، میں دونوں کی مذمت کرتا ہوں۔ براہ مہربانی کشمیری پنڈتوں سے کہئے کہ وہ وادی واپس چلے جائیں۔ ان سے یہ بھی کہئے کہ کشمیر ان کا وطن ہے اور وہ ہمارے بھائی کی طرح ہیں۔ وہ وادی میں واپس جائیں اور ظلم ڈھانے والوں کا مقابلہ کریں جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔

انہوں نے کشمیر میں ہندوستانی فوج کے رول کی بہر حال تنقید کی اور کہا کہ بین الاقوامی برادری میں ہندوستان کا جو احترام ہے اسے کشمیر میں فوجی کارروائیوں نے سخت نقصان پہنچایا ہے۔ "میں جانتا ہوں کہ ہندوستان پر امریکہ، یوروپی برادری یہاں تک کہ برطانیہ کا بھی دباؤ پڑ رہا ہے جہاں یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں بھی اٹھایا گیا" مسٹر قریشی کے مطابق پاکستانی فوج بھی کس اس طرح کا سلوک کر رہی ہے۔ اس ضمن میں انہوں نے اس حالیہ واقعہ کا حوالہ دیا جس میں جے کے ایل ایف کے دس ممبر ہلاک ہوئے تھے (یہ لوگ کنٹرول لائن پار کر کے ہندوستانی علاقے میں داخل ہونا چاہتے تھے) انہوں نے کہا "فوج ہر جگہ ایک ہی جیسی ہوتی ہے"

جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ کیا ان کے ذہن میں کشمیر مسئلہ کے حل کا کوئی خاکہ ہے تو مسٹر قریشی نے ایک اچھوتی تجویز پیش کی۔ اس تجویز کے مطابق حقیقی کنٹرول لائن کے دونوں جانب سے سابق ریاست کشمیر کے نمائندے چنے جائیں جن میں ہندوستان سے جموں اور لداخ اور پاکستان سے گلگت اور بلتستان کے نمائندے بھی شامل ہوں۔ (انہوں نے اتفاق سے یہ بھی کہا کہ گلگت اور بلتستان کا تعلق کشمیر سے ہے۔ پاکستان سے نہیں۔)

ان کی تجویز یہ تھی: سابقہ ریاست کشمیر کے تمام علاقوں میں الیکشن کرائے جائیں۔ لیکن ہندوستانی علاقے والے کشمیر میں جو لوگ الیکشن میں حصہ لیں ان پر یہ شرط عائد نہ کی جائے کہ وہ اس بات کا حلف لیں کہ کشمیر ہندوستان کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔ (دراصل یہ حلف دستور کے تئیں وفاداری کا اعلان ہے اور کاغذات نامزدگی داخل کرتے وقت یہ حلف لینا پڑتا ہے) اسی طرح پاکستان کے حصہ والے کشمیر کے امیدواروں کو بھی اس شرط سے مستثنیٰ رکھا جانا چاہئے۔ (مسٹر قریشی نے ایک سے زائد بار اس حصہ کو پاکستانی مقبوضہ کشمیر کہا)۔ تمام علاقوں کے منتخب لوگ ایک جگہ اکٹھا ہوں، مل بیٹھیں اور کوئی حل تلاش کریں۔ آخر اس کینسر کو کب تک برصغیر کا ناسور بنے دیا جائے؟ انہوں نے سوال کیا اور کہا کہ اس کے باعث مرد عورت اور بچے ہلاک اور پریشان ہو رہے ہیں اور برصغیر کے تمام لوگوں کی اقتصادی ترقی پر اس کا منفی اثر پڑ رہا ہے۔

☆☆☆☆

انٹرویو نمبر 5

ہاشم قریشی کا انٹرویو
روزانہ ایکسلیسر جموں کو

(یکم جون 1992)

تحریک آزادی کو آئی ایس آئی نے ہائی جیک کر لیا

"کشمیر انتہا پسندوں کے تین سال کے بندوق کلچر نے انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ بین الاقوامی پیمانے پر ان کی تحریک کوئی حمایت حاصل نہ کر سکی۔ آج انتہا پسند تنظیموں کے ایک سو سے بھی زیادہ گروپ وادی میں سرگرم دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جو بندوق بدست آپس ہی میں برسرپیکار ہیں اور اپنے ہی ہم وطنوں کا خون بہا رہے ہیں۔ انٹر سروسز انٹلی جنس (آئی ایس آئی) یا پاکستانی حکمرانوں نے کشمیر میں زبردست پیمانے پر خون خرابہ کو تو فروغ دیا لیکن کشمیریوں کی خود اختیاری کے لئے اٹھنے والی آواز کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کیا اور ان کے سامنے دو ہی متبادل رکھے۔ ہندوستان یا پاکستان۔ انہوں نے پوری تحریک کی شکل بگاڑ کر رکھ دی۔ آئی ایس آئی اور پاکستانی حکمران اپنے مفاد کے لئے جو کچھ کر رہے ہیں اسے وہ ترک نہیں کر سکتے۔ یہ وجہ ہے کہ ہماری آزادی سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں۔ تین سال قبل جب کشمیر میں مسلح جدوجہد شروع ہوئی تو میں نے اپنے مضامین میں یہ لکھنا شروع کیا اور آج بھی وہی بات لکھ رہا ہوں کہ تحریک نے غلط

راستہ اختیار کر لیا ہے میں نے اسی وقت وارننگ دے دی تھی کہ جو کن نتائج اس کے انتظار میں ہیں۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ انتہا پسند جو اپنے اندرونی جھگڑوں کے نتیجے میں لوگوں کو قتل کر رہے ہیں اور جنہوں نے ظلم وجبر کا بازار گرم کر رکھا ہے (سیکورٹی فورسز کی طرح) وہ عام لوگوں کی حمایت سے محروم ہو جائیں گے۔ میں نے انہیں وارننگ دی تھی کہ اگر وہ یہی سب کچھ کرتے رہے تو عوام سڑکوں پر نکل آئیں گے اور ان سے یہ سوال کریں گے کہ یہ "آزادی" کی کون سی شکل ہے؟ ہماری تحریک، قومی آزادی کی تحریک اس طور پر آگے نہیں بڑھ سکتی جس کا مظاہرہ وادی میں ہو رہا ہے سماج کو بانٹ کر، تفرقاتی جھگڑوں میں ملوث ہو کر، پریس کی تنقیدی آواز کو دبا کر اور میڈیا کے لوگوں کو خوفزدہ کر کے قومی آزادی کی کسی بھی تحریک کو آگے نہیں بڑھایا جا سکتا۔ کشمیر کے لوگوں کو اس بات پر دوبارہ غور کرنا پڑے گا کہ مسئلہ کا حل بندوق کی نال کے زور پر نہیں تلاش کیا جا سکتا بلکہ اس کے لئے گفتگو کی میز پر بیٹھ کر معاملات پر غور کرنا ہوگا"

ٹیلی فون پر دیئے گئے ایک انٹرویو میں ایمسٹرڈم میں مقیم جے کے این ایف کے نظریہ ساز لیڈر اور مرحوم مقبول بٹ کے قریبی رفیق کار مسٹر ہاشم قریشی نے اس نامہ نگار سے یہ باتیں کہیں۔

"یہ کشمیر کے لوگوں کا کام ہے کہ وہ اس بات کا جائزہ لیں کہ آیا جماعت اسلامی نے عوام کے مفاد کے لئے کوئی مثبت نوعیت کی خدمت انجام دی ہے یا یہ کہ وہ ان کی تباہی کا باعث بنی ہے۔ جماعت کا جو بھی رول ہے وہ کشمیریوں کے سامنے ہے۔ اگر پاکستان کے لوگ اس بات سے مطمئن ہوتے کہ جماعت اسلامی ان کے لئے سود مند ہے تو پھر اس جماعت کو بارہ کروڑ آبادی والے پاکستان کی قومی اسمبلی میں صرف چار سیٹیں نہ ملتیں۔"

وادی کی ان تنظیموں کی سب سے بڑی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے کشمیری اقلیتوں یعنی ہندوؤں اور بدھسٹوں وغیرہ کو اس تحریک سے الگ رکھا۔ انہیں "تحریک آزادی" میں

شامل کیا جانا چاہئے تھا۔ میں تو اب بھی ان کی شرکت کا مطالبہ کرتا ہوں۔ میرا تو اس بات پر بھی یقین ہے کہ جموں کے وہ لوگ (ڈوگرا اور دوسرے) جو یہ محسوس کرتے ہیں کہ ان کے ساتھ بے انصافی ہوئی۔ انہیں بھی سیاسی تحریک میں شامل ہونا چاہئے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ ہتھیار اٹھائیں یہ بندوق کا زمانہ نہیں ہے بلکہ قربانی دینے کا زمانہ ہے۔ اگر جموں کے لوگ اپنی آزادی کے لئے سڑکوں پر نکل آئیں گے تو پاک مقبوضہ کشمیر کے لوگ بھی بڑی تعداد میں آگے بڑھیں گے اور تحریک میں شامل ہوں گے۔

مسٹر قریشی نے جموں وکشمیر کے لوگوں کی کئی طرح کی محرومیوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر (انہوں نے آزاد کشمیر نہیں کہا) میں ایک بھی قابل ذکر ہسپتال نہیں ایک بھی یونیورسٹی نہیں اور ایک بھی تکنیکی تعلیم کا ادارہ نہیں۔ وہاں کے جو شہری غیر ممالک میں رہتے ہیں وہ کروڑوں ڈالر کی رقم غیر ملکی زر مبادلہ کی شکل میں بھیجتے ہیں لیکن اس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ منگلا ڈیم پاک مقبوضہ کشمیر کی زمین پر بنا ہوا ہے۔ اس سے پیدا کی جانے والی بجلی لاہور، راولپنڈی اور دوسرے شہروں کو مہیا کی جاتی ہے لیکن پاک مقبوضہ کشمیر کو نہ تو اس سے فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ہی اسے رائلٹی دی جاتی ہے۔ کشمیریوں کو پاکستان اور ہندوستان دونوں ہی کچل رہے ہیں۔

جہاں تک کشمیری خواتین کے پردے کا سوال ہے کہ انہیں برقعہ پہننے پر مجبور کیا جائے یا نہیں تو یہ بات تو خود خواتین پر چھوڑ دینی چاہئے کہ وہ کیا کریں گی۔ ان پر اپنی رائے لادنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ دیکھنا پڑے گا کہ کھیت میں کام کرنے والی جنگلوں سے ایندھن اکٹھا کرنے والی مچھلیاں فروخت کرنے والی اور بہت سی دوسرے طرح کے کام کرنے والی عورتوں پر اس فیصلہ کا کیا اثر پڑے گا۔ ظاہر ہے اس طرح کا کام انجام دیتے ہوئے برقعہ استعمال کرنا ان کے لئے مشکل ہوگا۔ آپ نہیں نقاب میں لپیٹ کر کام کرنے کے لئے کیسے کہہ سکتے ہیں!! انہیں خود ہی اس کا فیصلہ کرنے دیجئے۔

یہ سوچنا قانون قدرت کے خلاف ہے کہ کشمیر میں صرف مسلمانوں کو رہنا چاہئے۔ اللہ اور بھگوان کے سامنے ساری مخلوق ایک جیسی ہے۔ ہم لوگ اکیسویں صدی کے دہانے پر کھڑے ہیں۔ یہ مذہب کے نام پر جنگ کرنے کا زمانہ نہیں ہے۔ اس زمانے میں

مذہب بنی نوع انسان کے اہم مسائل پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ ماضی میں مذہب کے نام پر لاکھوں کروڑوں انسان فنا کے گھاٹ اتارے گئے ہیں لیکن کسی بھی مذہب کو روئے زمین سے نابود نہیں کیا جا سکا۔ آج تمام انسانوں کو برابر کا درجہ عطا کرنا پڑے گا۔ سورج کی شعاعیں ہر ایک کو مستفید کرتی ہیں۔ اللہ نے سورج کی روشنی اور اس کی حرارت مسلمانوں کی فصل کے لئے مخصوص نہیں کیا ہے۔ کوئی بھی کسی کو اس نعمت سے محروم نہیں کر سکتا بلکہ دیش کے قوم نے بتایا کہ یہ کوئی مذہبی نہیں تھی۔

کشمیری پنڈت ہمارے بھائی ہیں۔ ہم صدیوں ایک ساتھ رہے ہیں۔ کشمیری پنڈت، سکھ، ڈوگرا، بدھسٹ مسلمان اور دوسرے سبھی فرقے کے لوگ کشمیری کی اولاد ہیں اور وہ ہماری ماں ہے۔ ماں اپنے کسی کمزور یا معذور بیٹے کو نکال باہر نہیں کرتی۔ مذہب کو انسان نے جنم دیا ہے۔ ایک ماں کے بیٹوں میں پھوٹ ڈالنا بہت بڑی سازش کرنے کے مترادف ہے۔ گذشتہ پانچ برسوں سے یہ بات میں بار بار دہرا رہا ہوں کہ مذہب کے نام پر کوئی بھی تحریک نہیں شروع کی جانی چاہئے۔ میں نے "فروغ وطن" اور ہندوستانی نامہ نگاروں کو دئے گئے انٹرویو میں کشمیری انتہاپسندوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ان کی تحریک کو بین الاقوامی سطح پر صرف اسی صورت میں موثر ثابت ہو سکتی ہے جب وہ کشمیری پنڈتوں کو بھی اس میں شامل کریں۔ میں نے روزی اور اس کی ماں کی عصمت دری کئے جانے اور بعد ازاں ان دونوں کے علاوہ اس کے باپ کو قتل کئے جانے کی اسی طرح مذمت کی تھی جس طرح بٹ مالو کی راج بیگم اور اس کے دو ماہ کے معصوم بچے کی سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں ہونے والی ہلاکت کی مذمت کی تھی۔ میں نے اس بات پر بھی صدائے احتجاج بلند کی تھی کہ ڈاکٹر ودھر کا اغوا کیوں کیا گیا تھا۔ وہ تو کشمیری عوام کی خدمت کر رہے تھے۔ روزی اور اس کی ماں کی آبرو ریزی اور ان کی ہلاکت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے ہزاروں مسلمان عورتیں اور مرد سری نگر کی سڑکوں پر نکل آئے تھے۔

اگر آزادی کے بندوق بردار نوجوان بھی سیکورٹی فورسز کی طرح ظلم ڈھائیں گے تو پھر عوام کا یا کون سا حلقہ ہے جو ان کی حمایت کرے گا۔

شملہ معاہدہ دو بھیڑیوں کے درمیان اس بات کے لئے ہوا تھا کہ بکری کو کس

طرح چیر پھاڑ کر نگل لیا جائے۔ کشمیری عوام اس میں کوئی فریق نہیں تھے۔ میں یہ بات کرتا ہوں کہ اقوام متحدہ کمیشن برائے ہندوپاک کی قرارداد کے مطابق پاکستان نے مقبوضہ کشمیر سے اپنی فوجیں واپس بلانے میں کوئی پیش رفت نہیں کی تو پھر ہندوستان اس بات کا اعلان کرے کہ وہ کشمیر کی آزادی کے لئے بات چیت کرنے کو تیار ہے اور اس طرح معاملہ پاکستان کے سر منڈھ دے۔ اس سے پاکستان کی قلعی کھل جائے گی اور کشمیر کے لوگوں کی سمجھ میں آ جائے گا کہ کون مخلص ہے اور کون نہیں۔ یہ پیشکش ہندوستان کی طرف سے آنی چاہئے جسے اس مسئلہ کو حل کرنے اور کشمیر کے رہتے ہوئے آپریشن کرنے کے لئے زبردست حوصلہ اور وسیع النظری کا ثبوت دینا ہے۔

اس وقت جس خطے کو پاکستان کے شمالی علاقہ جات کا نام دیا جاتا ہے اسے دراصل غیر منقسم ہندوستان کے شمالی علاقہ جات کہنا چاہئے۔ 1947 میں یہی پوزیشن تھی۔ بعد میں پاکستان نے اس پر ہتھیار کی طاقت کا استعمال کر کے قبضہ کر لیا۔ پاکستان اور چین کے مابین، کشمیر کے علاقے کا ایک ٹکڑا چین کے حوالے کرنے کے سلسلے میں جو معاہدہ ہوا تھا اسے میں نے پڑھا ہے۔ اس معاہدے میں ایک شق ایسی بھی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اس سلسلے میں کوئی حتمی فیصلہ کشمیر کا مسئلہ حل ہو جانے کے بعد ہی کیا جائے گا۔ ایک بار ہندوستان جب یہ اعلان کر دیگا کہ وہ کشمیر کے آزادی کے بارے میں بات چیت کے لئے تیار ہے تو سیاسی قیادت مل بیٹھ کر گفتگو کرنے پر آمادہ ہو جائے گی۔ لیکن اگر آپ یہ چاہیں گے کہ وہ ہندوستان یا پاکستان کے دستور کے تحت کسی ایک کے ساتھ الحاق کا حلف لینے کے بعد الیکشن میں حصہ لیں تو کوئی بھی گفتگو کے لئے آگے نہیں بڑھے گا۔

کشمیر کے الجھے ہوئے مسئلہ کو حل کرنے کا راستہ موجود ہے۔ ہندوستان کو یہ اعلان کرنا چاہئے کہ وہ الیکشن کے بعد آزادی کے لئے بات چیت کرنے کو تیار ہے۔ الیکشن کے بعد منتخب نمائندے اس بات کے مجاز ہوں گے کہ وہ عوام کی نمائندگی کرتے ہوئے بات چیت میں شریک ہو سکیں۔ یہی عمل پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں بھی دہرایا جائے گا جس میں گلگت اور بلتستان بھی شامل ہوں گے۔ اس کے بعد منتخب نمائندے دونوں حکومتوں (ہندوستان اور پاکستان کی) سے بات چیت کریں گے اور اس طرح اس مسئلہ کے حل کے

لئے کسی قطعی نتیجہ پر پہنچیں گے۔ انہوں نے کہا کہ تم کشمیری پروپیگنڈے سے متاثر نہیں ہو سکتے۔ لوگ بڑی تعداد میں ہندوستان کے خلاف مختلف طریقوں سے احتجاج کر رہے ہیں۔ مثلاً بندوق داغ کر، ہڑتال کے ذریعہ اور احتجاجی جلوس نکال کر۔ ہندوستان اور پاکستان دونوں غریب ملک ہیں وہ اپنے وسائل اسلحوں پر کیوں برباد کرتے ہیں؟ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے لوگ بھی وہاں کی حکومت کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔

کشمیری تحریک کو ہائی جیک کر لیا گیا اور اسے ایک ایسی سمت دے دی گئی جو کشمیر کے دشمنوں کو راس آتی ہے۔ اب اتنی دیر ہو چکی ہے کہ ان لوگوں کو تحریک میں شامل نہیں کیا جا سکتا حالانکہ میں اس کی حمایت کرتا رہا ہوں۔ لیکن وکالت ہونے کی تاکہ تحریک کو جاری رکھا جا سکے۔

جہاں تک متبادل کا سوال ہے تو اس کی کچھ متبادل صورتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ کشمیر میں جنگ بندی لائن کی دونوں جانب کے لوگوں کو متحد کر دیا جائے اور برصغیر میں ایک کنفیڈریشن قائم کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ اس کانفیڈریشن کا دائرہ کافی بڑھایا جا سکتا ہے اور اسے وسعت دے کر اس میں ہندوستان، بنگلہ دیش، بھوٹان، نیپال، پاکستان حتی کہ افغانستان کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ کشمیر میں یہ تحریک کشمیریت یا کشمیر کی نسلی شناخت کی خاطر ہے۔ ہندوستان نے کشمیر کو جمہوری نظام تو دیا لیکن اس کے معاملات میں مداخلت بھی کرتا رہا۔ اس نے لوگوں پر اپنے خدمت گار تھوپے۔ بخشی غلام محمد ان لوگوں کے خدمت گذار تھے۔ ایسے دوسرے لوگ بھی آئے اور کشمیری شناخت کو نقصان پہنچا۔ انہوں نے اسے پھولنے پھلنے کا موقع نہیں دیا اور اسی طرح دبایا جس طرح پاکستان دباتا رہا۔ ہمارے نزدیک آزادی کا مفہوم ایک ایسا سیاسی عمل ہے جس میں عوام کی مرضی کے مطابق کام ہو۔ اگر انتخابات میں دھاندلی کرائی جائے تو اسے سیاسی عمل نہیں کہا جائے گا۔

لوگوں کو اس بات کا موقع ملنا چاہئے کہ وہ کچھ بول سکیں اور سیاسی معاملات میں ان کی باتوں کو قابل غور سمجھا جائے۔ ہندوستان نے کشمیریوں کو کچھ نہیں دیا۔ عوام پر دلی کی تیار کردہ حکومتیں تھوپی جانے لگیں۔ 1987ء کے انتخابات میں مسلم متحدہ محاذ زیادہ سیٹیں جیت سکتا تھا لیکن دھاندلی کی گئی۔ موجودہ غصہ اسی طرح کی سخت گیر حکمت عملی کا نتیجہ ہے۔

ہندوستان اور پاکستان کشمیر کو نگل جانا چاہتے ہیں اور کشمیری مزاحمت کرتے ہیں اب ہندوستان یہ کہتا ہے کہ وہ پاکستان سے بات کرنا چاہتا ہے میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ اسلام آباد میں ہندوستان سفارت کار کے ساتھ جو سلوک ہوا وہ کسی بھی میزبان ملک کے لئے نازیبا ہی کہا جائے گا۔ لیکن ہندوستان اگر مخلص ہے تو اسے خارجہ سکریٹری سطح کے مذاکرات کو منسوخ نہیں کرنا چاہئے تھا ہندوستان کو بہر حال کسی مرحلہ میں اور کسی طور اپنے خلوص کا ثبوت دینا چاہئے۔

میں کشمیری عوام اور انتہا پسندوں سے یہ کہتا رہا ہوں کہ بندوق اٹھانے کا کوئی نتیجہ نہیں بر آمد ہوگا میں نے کبھی کسی کے خون سے اپنے ہاتھ نہیں رنگے اور میں اغوا بازی، عصمت دری، آتش زنی اور اندرونی لڑائی جھگڑوں کے خلاف ہوں۔ یہ وہ زمانہ نہیں ہے کہ بندوق کے ذریعہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کی جا سکے اس کی بجائے انتہا پسندوں کو گفتگو کی میز پر بیٹھ کر بات چیت کرنی چاہئے۔ میں سرینگر سے شائع ہونے والے ہفتہ وار چنان کا تازہ شمارہ پڑھ رہا تھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا۔ "دو کروڑ کی آبادی والے افغانوں کے پاس 12 انتہا پسند تنظیمیں ہیں اور اگرچہ انہیں آزادی مل گئی ہے پھر بھی وہ آپس ہی میں لڑ جھگڑ رہے ہیں۔ تو پھر سوچئے کہ کشمیری انتہا پسند تنظیموں کا کیا ہوگا جن کی تعداد صرف 34 لاکھ کی آبادی میں سو سے بھی زیادہ ہے" اور جو ایک دوسرے سے لڑنے اور مارنے میں مصروف ہیں۔ وہ راستہ سے بھٹک گئے ہیں۔ وہ کشمیری جنہوں نے انتہا پسندی کو فروغ دیا، انہیں یہ محسوس کرنا چاہئے تھا کہ ہمارا مسئلہ بندوق سے حل نہیں ہو سکتا۔ مجھے ایسی رپورٹیں بھی ملی ہیں کہ سید علی شاہ گیلانی تک نے کہا ہے کہ بندوق پر بھروسہ کرنے کے بجائے سیاسی عمل شروع کرنے کے لئے گفتگو کا سلسلہ شروع ہونا چاہئے۔ اگر کشمیری انتہا پسند ہماری تجویز کو تسلیم نہیں کرتے اور موجودہ سرگرمیاں جاری رکھتے ہیں، تو پھر وہی سوچیں کہ کب تک اس راستہ پر چل سکتے ہیں۔

میں نہیں چاہتا کہ اب اور خون بہے اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ کشمیری عوام ٹوٹ جائیں۔ میں ہندوستان کے تمام سیاست دانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ کشمیر میں تخریب کا سلسلہ بند کرائیں۔ ہم قطعی یہ نہیں چاہتے کہ ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے ہوں۔ ہم

انصاف چاہتے ہیں اور ہمیں ظلم و جبر کی کارروائیوں میں نہیں ملوث ہونا چاہئے۔ یہ ایک قدیم کہاوت ہے کہ اگر آپ انصاف چاہتے ہیں تو آپ کا دامن پاک ہونا چاہئے۔ کشمیریوں کو اس بات کا مظاہرہ کرنا ہے کہ ان کا دامن پاک ہے۔

میں اپنے وطن واپس آنا چاہتا ہوں اور اپنے خاندان اور اپنے لوگوں کے درمیان رہنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ خون خرابہ کا سلسلہ بند ہو۔ میں جانتا ہوں کہ ان سرگرمیوں کا سب سے بڑا ہدف غریب آدمی بنتا ہے۔ ہم جلاوطنی کی زندگی سے تنگ آچکے ہیں۔ ہم خون خرابہ اور ظلم و ستم کے خلاف ہیں، خواہ کوئی بھی اسے فروغ دیتا ہو۔ میں نے دس سال سے زیادہ کا عرصہ جیل میں گذارا ہے۔ آج وادی میں ہر وہ شخص لیڈر بنا ہوا ہے جس کے ہاتھ میں بندوق ہے۔

یہ لوگ سستے اور ذاتی مفادات کے لئے مذہب اور تحریک کا نام بدنام کر رہے ہیں۔ جب میں ان سے کہتا ہوں کہ وہ بندوق پھینک دیں تو وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے مفاد پر ضرب لگائی جا رہی ہے۔ لہٰذا وہ مجھے بھی نشانہ بنا سکتے ہیں۔ دراصل یہ خود تخریبی کی ایک مشق ہے۔ آج وادی میں جس کے پاس بھی بندوق ہے اس نے گویا لیڈر ہونے کی سند حاصل کر لی ہے۔ آج انتہا پسند بھی انہیں زیادتیوں کے مرتکب ہو رہے ہیں جن زیادتیوں کا ارتکاب ہندوستان کی سیکورٹی فورسز کر رہی ہیں۔ جب کوئی صحافی ان کے کارناموں کی تنقید کرتا ہے تو اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ کیا اسے "آزادی" کی تحریک کہا جا سکتا ہے؟

گاندھی جی نے اپنا خون جلایا اور ہندوستان کی آزادی کے لئے قربانیاں دیں۔ میں چاہتا ہوں کہ صحافی وہ باتیں ایمانداری سے پیش کریں جو میں نے کہی ہیں۔ کشمیری انتہا پسندوں کو بتایا جانا چاہئے کہ وہ اپنی تحریک کو بندوق سے مخصوص کر کے اس کی اہمیت کو نہ گھٹائیں۔ اس کے بجائے انہیں عالمی صورت حال کو نظر میں رکھنا چاہئے اور حکومت کے ساتھ مذاکرات شروع کرنے پر زور دینا چاہئے۔ انہیں یہ پیغام دیا جانا چاہئے کہ تمام آزادی پسند لوگ ان کے تئیں اظہار یکجہتی کے لئے تیار ہیں اور ان کے ساتھ دونوں طرف جو ظلم ہو رہا ہے اس کے خلاف ہیں۔

کشمیر بحران پر میری کتاب جون 1992ء کے وسط تک پریس سے چھپ کر آجائے گی۔ اس کتاب میں کشمیر ہندوستان اور پاکستان کی جعلی قیادت کو بے نقاب کرنے کی میں نے کوشش کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ کس طرح وہ کشمیر کی ابتر صورت حال کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔

☆☆☆☆

انٹرویو نمبر 6

گوماتنک ٹائمز گوا کو دیا گیا ہاشم قریشی کا انٹرویو

(15 نومبر 1992ء)

اس نامہ نگار کے ساتھ ایک گفتگو میں اپنے پہلے دورہ امریکہ کے دوران مسٹر ہاشم قریشی نے جو جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ (جے کے ایل ایف) کے شریک بانی ہیں اور جو اس وقت ایمسٹرڈم میں جلاوطنی کی زندگی گذار رہے ہیں تفصیل سے کشمیر کی صورت حال پر اظہار خیال کیا۔ ان کے مطابق انہوں نے ایک ایسے مسئلہ کا ایک حل پیش کیا ہے جس پر ہندوستان اور پاکستان نے جنگیں لڑیں اور جو ہندوستان کی ہر حکومت کے لئے ایک مستقل پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔

قریشی نے بتایا کہ تین سال سے زائد عرصہ قبل جب جموں و کشمیر میں مسلح جدوجہد شروع ہوئی تو انہوں نے بارہا یہ وارننگ دی تھی کہ تحریک غلط سمت کو جا رہی ہے اور اس کے بڑے تباہ کن نتائج سامنے آئیں گے وہ پہلے کشمیری سیاستداں تھے جنہوں نے روبیہ سعید کے اغوا کی مذمت کی تھی۔ (روبیہ سعید وی پی سنگھ کابینہ میں وزیر داخلہ مفتی سعید کی بیٹی ہیں)

تین سال کے بندوق کلچر سے کشمیری انتہا پسندوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔

بین الاقوامی پیمانے پر ان کی تحریک کو کوئی حمایت حاصل نہیں ہوئی۔ پر تشدد سرگرمیوں میں مصروف کچھ انتہا پسند تنظیمیں آج خود اپنے ہی ہم وطنوں کو ہلاک کر رہی ہیں۔

اس بات کا اعتراف کرتے ہوئے کہ جے کے ایل ایف طریقہ کار کے اختلاف کے باعث ان کے اور امان اللہ خان کے درمیان بٹ گئی۔ اور یہ کہ غیر ممالک میں فرنٹ مختلف دھڑوں میں تقسیم ہو گیا ہے قریشی نے یہ دعویٰ کیا کہ ان کی تنظیم کو وادی اور پاک مقبوضہ کشمیر میں کافی حمایت حاصل ہے ان کے مطابق کشمیر کے روایتی امن پسند لوگ انتہا پسندوں اور سیکورٹی فورسز دونوں کی کارروائیوں سے بیزار ہیں۔

ایک مقامی روزنامہ کے نامہ نگار کی جانب سے یہ پوچھے جانے پر کہ جے کے ایل ایف آزادی کے لئے کیوں اصرار کر رہا ہے جبکہ دستور ہند نے کشمیری عوام کو بہت سارے تحفظات عطا کئے ہیں قریشی نے کہا کہ الیکشن میں ہونے والی دھاندلی اور ریاست پر حکومت کرنے کے تکبرانہ رویہ نے عوام میں دوری کا احساس پیدا کر دی۔ کشمیری لیڈر نے اس نامہ نگار کو بتایا کہ اپنے اس دورے کے دوران انہوں نے کشمیری فرقے کے کچھ لوگوں سے ملاقات کی جن میں کشمیری پنڈت بھی شامل ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ وہ کشمیری پنڈتوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں اور یہ کہ مذہبی اختلافات کے باوجود مناسب یہ ہو گا کہ تمام کشمیری "اپنے مادر وطن کو آزاد کرانے کے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے متحد ہو جائیں"۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ جن لوگوں سے انہوں نے ملاقات کی ہے ان کا اس سلسلہ میں کیا ردعمل ہے تو مسٹر قریشی نے کہا کہ اگرچہ وہ لوگ پورے طور پر ان کے نقطہ نظر کی حمایت نہیں کرتے تاہم بہت سے لوگ ان کی اس تجویز کو قابل غور سمجھتے ہیں کہ کشمیر کا کوئی پرامن حل تلاش کیا جانا چاہئے اور اس کی بنیاد یہ ہو کہ پر تشدد کارروائیوں کو ترک کر دیا جائے اور ہندوستان پاکستان اور کشمیری عوام کے درمیان گفتگو کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ انہوں نے یہ محسوس کیا کہ بعض پاکستانی جن سے وہ ملے کشمیر کی آزادی سے متعلق ان کے خیالات کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ اگر رائے شماری ہو گی تو کشمیری اسلامی پاکستان کے حق میں ووٹ دیں گے لیکن انہوں نے (مسٹر ہاشم قریشی نے) اس مفروضہ سے یہ کہہ کر اختلاف کیا کہ بنگلہ دیش کے قیام نے یہ دکھا دیا کہ پاکستان کے

خلاف بلکہ دنیش کی جدوجہد آزادی میں مذہب کوئی مسئلہ نہیں تھا اقوام متحدہ کی قراردادوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا کیونکہ "عالمی ادارے کے ان مذاکرات میں ہم کوئی فریق نہیں تھے" قریشی نے کہا کہ "ہماری حیثیت تو اس مکتے جیسی تھی جس پر دو بھیڑیے جھپٹ رہے تھے"

ان سے جب پوچھا گیا کہ 24/ اکتوبر کی اس مجوزہ مارچ کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے جس کا مقبوضہ کشمیر میں جے کے ایل ایف کی جانب سے اعلان کیا گیا ہے، تو قریشی نے کہا کہ انہوں نے سختی سے اس کی مخالفت کی ہے کیونکہ یہ صرف ایک شعبدہ بازی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ذاتی طور پر وہ ایسی کسی بھی "لائن" کی مذمت کرتے ہیں جس کا مقصد "میرے ملک کو تقسیم" کرنا ہو۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہ ایسی کسی بھی مہم جوئی کے بھی خلاف ہیں جو ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشیدگی پیدا کر دے اور دونوں ملکوں کے بیچ ایک اور جنگ کے امکان کو تو بڑھا دے۔ لیکن کسی بھی طور مسئلہ کے حل میں معاون نہ ثابت ہو۔ قریشی نے کہا کہ کشمیر مسئلہ کا حل: کشمیری عوام کے فیصلہ کے مطابق ہی تلاش کیا جا سکتا ہے۔

انہوں نے کہا کہ شروع میں ہندوستان کو یہ اعلان کرنا چاہیے کہ جموں و کشمیر میں انتخابات ہونے کے بعد وہ آزادی کے مطالبہ پر غور کرنے کے لئے تیار ہے۔ انتخابات کے بعد منتخب نمائندے، گفتگو کرنے کے لئے عوامی نمائندگی کے دعویدار تصور کئے جائیں گے۔ یہی عمل پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں بھی بروئے کار لایا جائے گا۔ اس میں بلتستان اور گلگت بھی شامل ہوں گے۔ اس طرح دونوں طرف کے منتخب نمائندے ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کے ساتھ بات چیت کریں گے اور اس مسئلہ کے حل کے لئے کسی قطعی نتیجہ پر پہنچ سکیں گے۔

اتنی آسانی سے؟ یہ تو معصومانہ سی بات لگتی ہے؟ کشمیری لیڈر کا کہنا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ وقت اس بات کا متقاضی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کو نوشتۂ دیوار پڑھنا چاہئے۔ "موجودہ صورتحال کو برقرار رکھنا اب کارآمد نہیں ثابت ہوگا خاص طور سے بدلتے ہوئے عالمی حالات و واقعات کے پس منظر میں ایسے انتخابات کے ذریعہ جنہیں اقوام متحدہ کے زیر نگرانی منعقد کیا جائے لوگوں کو ایسے نمائندے منتخب کرنے کا موقع ملے گا جو پاکستان اور ہندوستان کے ساتھ سہ فریقی گفتگو میں مذاکرہ کار کا رول ادا کر سکیں"۔ قریشی

نے کہا اور اس کے لئے یہ دلیل پیش کی کہ "سرحد کی دونوں جانب کے صرف منتخب نمائندے ہی قانونی طور پر حقدار ہوں گے اور انہیں اس بات کی منظوری حاصل ہوگی کہ وہ کشمیری عوام کی نمائندگی کر سکیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ منصوبہ قابل عمل ہے کیونکہ بین الاقوامی رائے عامہ اسے ہمدردی کی نظر سے دیکھے گی اور امریکہ، اقوام متحدہ اور اسلامی ممالک کی تنظیم (او آئی سی) کی جانب سے پڑنے والا دباؤ ہندوستان اور پاکستان کو مجبور کرے گا کہ وہ غیر منقسم کشمیر میں صاف ستھرے انتخابات کرائیں۔

اس صورت میں تشدد کے طریقہ کار والے کے 47 کے رجحان کا خود بخود خاتمہ ہو جائے گا۔ میں اپنے کشمیری بھائیوں سے پوچھتا ہوں کہ وادی میں مسلح جدوجہد نے انہیں کیا دیا؟ یہ ہمارے لوگوں کے لئے صرف پریشانی اور موت لے کر آئی۔ چار سال قبل جب میں مسلح جدوجہد کے خلاف سوالات پیش کرتا تھا تو میرے بیشتر ساتھی اور بہت سے کشمیری میری تنقید کیا کرتے تھے۔ قریشی نے اعتراف کیا لیکن اب انہوں نے میرے ان دلائل کی منطق پر غور کرنا شروع کر دیا ہے۔

مسلح جدوجہد کا راستہ کشمیریوں کو جان بوجھ کر حکومت پاکستان اور خاص طور سے بدنام زمانہ آئی ایس آئی نے دکھایا تھا۔ پاکستانی تو بہر حال آزاد کشمیر کے حق میں نہیں ہیں۔ وہ تو اسے نگل جانا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان نے کشمیر میں آزاد قیادت کو ابھرنے ہی نہیں دیا۔ کشمیر کے تعلق سے پاکستان کے اس نظریہ میں کوئی تبدیلی نہیں واقع ہوئی جیسا کہ قریشی نے بتایا۔ چند قبل سعودی عرب میں دئے گئے ایک انٹرویو میں قریشی نے بے نظیر بھٹو کے ایک حالیہ بیان کی جانب لوگوں کی توجہ مبذول کرائی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ آزاد کشمیر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ پاکستان، ہندوستان، افغانستان، چین اور وسطی ایشیا کے تعلق سے یہ سازشوں کی آماجگاہ بن جائے گا۔" قریشی نے اس طرح کے بیانات کو خطرناک بتاتے ہوئے کہا کہ کشمیری اپنے پڑوسیوں کے ساتھ پرامن طور پر رہنے اور خود اپنا نظم و نسق چلانے کے پورے طور پر اہل ہیں "ان بیانات سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے سیاست دانوں کو صرف اس بات سے دلچسپی ہے کہ وہ کشمیر کے مسئلہ کو اپنے سیاسی اوہام اور پروپیگنڈے کے لئے استعمال کریں۔ کوئی بھی اس بات کے لئے

تیار نہیں ہے کہ کشمیریوں کو اس بات کی اجازت دی جائے کہ وہ اپنا فیصلہ آپ کر سکیں" قریشی نے الزام لگایا۔

قریشی کو اس بات کا یقین ہے کہ آزادانہ انتخابات اس طرح کی دھاندلیوں کا خاتمہ کریں گے نیز یہ کہ ان کا یہ منصوبہ ایک ایسا بنیادی نقطہ ثابت ہوگا جو کشمیر کے مستقبل کے تعلق سے حقیقی اور نئی پیش رفت کے لئے راہ ہموار کرے گا۔

☆☆☆☆

انٹرویو 7

ہاشم قریشی کی اندرانی بنرجی سے بات چیت

سنڈے نیوز ویک، نئی دلی

(14 تا 20 فروری 1993ء)

بولیٹ نہیں بیلٹ

اے کے 47 (AK-47) کی گھن گرج کشمیری سیاست پر زیادہ دنوں تک اپنی بالا دستی قائم نہیں رکھ سکے گی۔ گذشتہ چند مہینوں سے جے کے ایل ایف اور غیر ممالک میں سرگرم ممتاز کشمیری تنظیموں نے یہ مطالبہ کرنا شروع کر دیا ہے کہ وہ دی میں مسلح تحریک کو ختم کیا جائے اگرچہ انہوں نے ابھی ایک آزاد کشمیر کا خواب دیکھنا بند نہیں کیا ہے لیکن یہ تنظیمیں اب یہ کہنے لگی ہیں کہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ سہ فریقی گفتگو کا سلسلہ شروع کیا جائے جس میں کشمیر کے منتخب نمائندے، پاکستان اور ہندوستان شامل ہوں۔

اس نئی پیش رفت کی تجویز پیش کرنے والوں میں 39 سالہ جلا وطن کشمیری لیڈر ہاشم قریشی پیش پیش ہیں جو جے کے ایل ایف کے ایک شریک بانی بھی ہیں۔ قریشی نے 1971ء میں انڈین ایئر لائنز کا ایک طیارہ ہائی جیک کیا تھا اور پاکستان میں دس سال کی قید کی سزا ہوئی تھی۔ 1986ء سے وہ ایمسٹرڈم میں مقیم ہیں جہاں سے وہ کشمیر کی "آزادی" کی

پروپیگنڈہ مہم کو فروغ دے رہے ہیں۔

لیکن پچھلے چند برسوں سے ان کا لہجہ کچھ بدلا بدلا سا نظر آتا ہے۔ اپنی تمام تر تحریروں، انٹرویو اور ملاقاتوں میں وہ اب یہ کہنے لگے ہیں کہ آزادی مسلح جدوجہد کے ذریعہ نہیں حاصل کی جا سکتی۔ اپنے حالیہ دورہ مشرق وسطی کے دوران قریشی نے یہ محسوس کیا ہے کہ ان کے اس نقطہ نظر سے بہت سے لوگ متفق ہیں۔ قریشی اور دوسرے جلاوطن کشمیری لیڈر اب نئے امریکی صدر بل کلنٹن اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل بطرس غالی اور تنظیم اسلامی کانفرنس (OIC) سے یہ درخواست کرنے والے ہیں کہ کشمیر کے تمام حصوں میں انتخابات کا اہتمام کیا جائے۔

"سنڈے" کے ساتھ ایک بات چیت میں قریشی نے کہا کہ "اس صدی میں دنیا اس بات کو قبول نہیں کر سکتی کہ سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے مسلح جدوجہد کا سہارا لیا جائے" ان کا خیال ہے کہ اس مرحلہ میں کشمیریوں کو اپنی حکمت عملی بدلنا ہی پڑے گی۔ "تشدد پاگل پن ہے اور جیسا کہ کشمیر کے تجربہ سے ظاہر ہے کہ یہ مزید تشدد، ظلم و ستم اور خون خرابہ کو بڑھاوا دیتا ہے" قریشی نے کہا کہ غیر منقسم کشمیر میں آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کرائے جانے چاہئیں۔ ان انتخابات کے تحت جن کا انعقاد اقوام متحدہ کے زیر نگرانی ہونا چاہئے عوام کو یہ موقع ملے گا کہ وہ ایسے نمائندے چن سکیں جو ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ سہ فریقی مذاکرات میں مذاکرہ کار کی حیثیت سے شریک ہو سکیں۔ قریشی کی دلیل یہ ہے کہ دونوں طرف کے صرف منتخب نمائندے ہی قانوناً اس بات کے مجاز ہو سکتے ہیں کہ وہ عوام کی نمائندگی کا حق ادا کر سکیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ پلان قابل عمل ہے کیونکہ بین الاقوامی رائے عامہ اسے ہمدردی کی نظر سے دیکھے گی اور امریکہ اقوام متحدہ اور تنظیم اسلامی کانفرنس مل کر ہندوستان اور پاکستان پر دباؤ ڈالیں گے کہ وہ غیر منقسم کشمیر میں انتخابات کرائیں۔

☆☆☆☆

انٹرویو نمبر 8

جنیوا میں چترا سبرامنیم کو ہاشم قریشی کا انٹرویو انڈین ایکسپریس نئی دلی،

(3 مارچ 1993ء)

ہندوستان پاکستان کے بچھائے ہوئے جال میں داخل ہو گیا

جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ کے شریک بانی نے کہا کہ پاکستان کا ایک بالکل واضح سا پروگرام تھا کہ کشمیر میں بغاوت آرائی کو فروغ دیا جائے اور یہ کہ ہندوستان نے اس ملک کی انٹر سروسز انٹلی جنس (آئی ایس آئی) کے بچھائے ہوئے جال میں قدم رکھ دیا۔

"اس کے پیچھے خیال یہ تھا کہ ہندوستان کو اس حد تک مشتعل کیا جائے کہ حالات اس کے قابو سے باہر ہو جائیں۔ اور اس مقصد میں پاکستان کامیاب ہو گیا۔" ہاشم قریشی نے یہ بات اس نامہ نگار سے ایک خاص انٹرویو میں کہی۔ ایمسٹرڈم میں جلاوطنی کی زندگی گذارنے والے اس کشمیری لیڈر نے کہا کہ ہندوستان کشمیر کی کی جانے والی اس پاکستانی سازش کو بے نقاب کر سکتا ہے اور اسے کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ "اگر نئی دلی اس بات کا اعلان کر دے کہ وہ کشمیر سے متعلق تمام پہلوؤں پر بات چیت کرنے کے لئے تیار ہے تو بین الاقوامی برادری میں پاکستان بے نقاب ہو جائے گا" انہوں نے یہ بھی کہا کہ تمام پہلوؤں سے ان کی

مراد صرف کشمیریوں کی آزادی نہیں ہے بلکہ جموں، پاکستانی مقبوضہ کشمیر، گلگت، بلتستان اور لداخ بھی شامل ہیں۔

انتہا پسند الیکشن جیت جائیں گے

قریشی نے کہا کہ اگر آج کشمیر میں انتخابات کرائے جائیں تو مسلم بنیاد پرستوں کی چاندی ہو جائے گی۔ "پاکستان کشمیری عوام اور ہندوستان کے درمیان فاصلہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے اور ایسا کرنے میں اس نے اپنے برانڈ کے اسلام کا سہارا لیا ہے" قریشی نے جو ہندوستان کی سیکورٹی فورسز کی کارروائیوں کے سخت نکتہ چیں ہیں، کہا کہ ہندوستان کے اسی اقدام نے حالیہ برسوں میں کشمیریوں کو فنڈامنٹلزم کی جانب راغب کیا ہے۔

"بنیاد پرست ایک بار گولی چلاتے ہیں اور جواب میں سیکورٹی فورسز کے جوان اودھم مچا دیتے ہیں اور پورے کے پورے گاؤں تباہ کر دیتے ہیں۔ ایسا کر کے ہندوستان وہی کچھ کرتا ہے جو پاکستان چاہتا ہے۔

ہاشمی کا کہنا ہے کہ اگر ہندوستان اعتدال پسند کشمیریوں کا اعتماد دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو سوپور جیسے واقعات میں ملوث ہونے والے مجرموں کو سزا دینا پڑے گی۔ "جب تک کہ اس طرح کے واقعات کے ذمہ دار لوگوں کو سزا نہیں ملتی عام کشمیری یہی سمجھتا رہے گا کہ ان ہلاکتوں کے پیچھے نئی دلی کا ہاتھ ہے۔"

قریشی، جنہیں 1971ء میں انڈین ایئر لائنز کا طیارہ ہائی جیک کرنے کے بعد شہرت ملی، اب مہاتما گاندھی کی قسمیں کھانے لگے ہیں۔ انہوں نے کہا "پاکستان کی کارستانیوں کو اگر سامنے رکھا جائے تو کوئی بھی اس ملک سے کسی طرح کی امید نہیں رکھتا لیکن ہندوستان سے بہت ساری امیدیں وابستہ ہیں۔ یہ وہ ملک ہے جس نے دنیا کو مہاتما گاندھی جیسی شخصیت دی ہے۔

انتہا پسندوں میں اعتدال پسند

ہاشم قریشی کشمیری لیڈروں میں اعتدال پسند مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ

بنیاد پرستوں اور جے کے ایل ایف کے صدر امان اللہ خان کی جانب سے نکالے جانے کی کوششوں کے باوجود اب بھی جے کے ایل ایف میں موجود ہیں۔ "میں اس تنظیم کے بانیوں میں سے ایک ہوں اور اب بھی جے کے ایل ایف میں ہوں۔ میرا اس میں رہنا امان اللہ خاں اور آئی ایس آئی کو بہت کھلتا ہے اور وہ مجھے بہت بڑا خطرہ سمجھتے ہیں" ان کا یہ دعویٰ ہے کہ کشمیر میں بڑی تعداد میں لوگ ان کی حمایت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا ہے کہ انہیں استعمال کیا جا رہا ہے لیکن وہ ہندوستان سے بھی خوفزدہ ہیں۔ متعدد بین الاقوامی اداروں خاص طور سے جنیوا کے انسانی حقوق کمیشن میں ہندوستان کے خلاف پاکستانی مہم پر تبصرہ کرتے ہوئے قریشی نے کہا کہ یہ سب کچھ پاکستان کی جانب سے ہندوستان کو بھی کا شکار بنانے کی کوشش ہے کیونکہ خود پاکستان کو انسانی حقوق کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ قریشی نے کہا "غور کیجئے وہ گذشتہ 45 برسوں سے خود اپنے ملک میں کیا کرتے رہے ہیں؟"
ان کے مطابق اسلام آباد کو دوسری "تشویش" دنیا بھر کے مسلمانوں اور خاص طور سے ہندوستانی مسلمانوں کی رہتی ہے۔ قریشی نے کہا "یہ سب بکواس ہے۔ پاکستان بوسنیا کے لئے کچھ کیوں نہیں کرتا؟ اسرائیل سے نکالے گئے 400 مسلمانوں یا ترکی میں کردوں کے لئے کیوں نہیں کرتا۔ آخر وہ لوگ کسے بے وقوف بنانا چاہتے ہیں؟" پاکستان کا یہ دعویٰ بھی انتہائی ریاکارانہ ہے کہ وہ بین الاقوامی پیمانے پر اسلام کی خدمت کر رہا ہے۔ قریشی نے "آئی ایس آئی برانڈ کے اسلام" پر زبردست چوٹ کی، جس کا مقصد کشمیر میں بنیاد پرست حلقوں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔ یہ لوگ کشمیر میں سینما ہاؤس بند کرا رہے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ عورتیں برقعہ پہنیں لیکن پاکستانی مقبوضہ کشمیر یا لاہور اور ملتان کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کشمیریوں کو سمجھنا چاہئے کہ پاکستان نہ تو مسلمانوں کا محافظ ہے نہ اسلام کا اور نہ انسانی حقوق کا۔ "اگر کشمیر میں امن وامان قائم ہو جائے گا تو پاکستان کے سیاسی حلقے اور فوجی جنرل بے روزگار ہو جائیں گے اور وہ اپنے اسی کاروبار کا تحفظ کر رہے ہیں" قریشی نے کہا۔

☆☆☆☆

انٹرویو 9

سبھاش کیرپیکر کو ہاشم قریشی کا انٹرویو ٹائمز آف انڈیا۔ نئی دلی

(26 تا 2 اکتوبر 1993ء)

ایمسٹرڈم۔25/اکتوبر۔ مسٹر ہاشم قریشی نے ہندوستان کی سیکورٹی فورسز پر انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا الزام لگاتے ہوئے اس کی سخت تنقید کی ہے اور کشمیر کو "ہندوستانی مقبوضہ کشمیر" قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ عصمت دری، اذیت رسانی اور حراست میں ہونے والی موت کو بطور ہتھیار استعمال کر کے کشمیریوں کی خواہشات اور امنگوں کو کچلنے میں اسے کامیابی نہیں حاصل ہوگی۔

22 سال قبل انڈین ایئرلائنز کا طیارہ گنگا ہائی جیک کرنے کے بعد کسی ہندوستانی صحافی سے پہلی بار روبرو بات کرتے ہوئے چالیس سالہ قریشی نے کہا کہ کشمیر کے سلسلے میں ہندوستان کی بس ایک ہی پالیسی ہے کہ لوگوں کو قتل کرو اور ڈنڈے مار مار کر انہیں اپنا مطیع بناؤ۔

"آپ نے ہر جگہ مہاتما گاندھی کا مجسمہ نصب کر رکھا ہے لیکن ہندوستان خود ہی عدم تشدد اور بھائی چارے کے راستے پر نہیں چلتا۔ یہی ہندوستان کا سب سے بڑا المیہ ہے اور اسی لئے دنیا کی نظروں میں اس کی عزت ختم ہوتی جا رہی ہے۔" ہاشم نے کہا۔

وہ اس بات سے قطعی اتفاق نہیں کرتے کہ جموں و کشمیر میں آٹھ بار انتخاب کرا لینے سے ہندوستان سے کشمیر کا الحاق ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حتمی ہو گیا۔ "وہ انتخابات صرف مقامی حکومت بنانے کے لئے ہوئے ان انتخابات میں لوگوں کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ فیصلہ کریں کہ ہندوستان کے ساتھ رہیں گے یا پاکستان کے ساتھ جائیں گے یا پھر آزاد رہنا پسند کریں گے" مسٹر قریشی نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر انہیں یہ اختیار دیا گیا ہوتا تو ہندوستان بجا طور پر یہ دعویٰ کر سکتا تھا کہ کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ حصہ ہے۔ لیکن اس وقت وہ صورت حال نہیں ہے کشمیر کے لوگ آزادی اور خود مختاری چاہتے ہیں۔ ان کے مطابق خود اختیاری کا بنیادی سوال ابھی حل نہیں ہو سکا ہے کیونکہ کشمیریوں کے سامنے دوسرا متبادل رکھا ہی نہیں گیا۔

سرینگر میں حضرت بل کے محاصرے کی مذمت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ 1984ء میں امرتسر میں گولڈن ٹیمپل پر حملہ کر کے سکھوں کے دلوں میں آگ بھڑکا دی گئی۔ وہ ایک غلط فیصلہ تھا۔ اس کے بعد 1992ء میں بابری مسجد کو مسمار کیا گیا اور اب ایک دوسری عبادت گاہ کا مسئلہ سامنے آیا ہے اور اگر ہندوستانی فوج درگاہ پر کسی طرح کا حملہ کرتی ہے تو یہ بھی ایک غلط فیصلہ ہوگا۔ "یہ صحیح ہے کہ درگاہ کے اندر جو انتہا پسند موجود ہیں وہ اس بات کے لئے مشتعل کرنا چاہتے ہیں کہ حملہ ہو جیسا کہ بھنڈرانوالے نے اکال تخت میں کیا تھا لیکن اس جال میں آپ کیوں پھنستے ہیں اور وہی کچھ کیوں کرنا چاہتے ہیں جو انتہا پسند چاہتے ہیں؟ آپ کی حکومت یہ کہہ سکتی ہے کہ انتہا پسندوں نے درگاہ کا تقدس پامال کیا ہے لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے لہٰذا ہم محاصرہ ختم کرتے ہیں۔ اس سے کشمیر کے لوگوں پر اچھا اثر پڑے گا۔ بصورت دیگر کشمیر کے لوگ حملہ کرنے والے کو یاد رکھیں گے۔ جن پر حملہ ہوا انہیں بھول جائیں گے۔ سیاسی معاملات انتظامی اقدامات سے طے نہیں کئے جا سکتے۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتی کہ ہندوستانی فورسز کو درگاہ پر حملہ کرنا چاہئے۔ کسی بھی عبادت گاہ پر حملہ نہیں ہونا چاہئے۔ میں اس کی مخالفت کرتا ہوں۔ مسٹر ہاشم قریشی نے کہا۔

حامی ہے۔ یہ شرط پوری کئے بغیر کسی کو وہاں کام بھی نہیں مل سکتا۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ایشیا واچ نے کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے بارے میں تفصیلی رپورٹیں شائع کیں اور حوالہ دیا کہ کتنے عصمت دری کے واقعات ہوئے اور کس کس طرح لوگوں کو ان کے گھروں سے نکال کر گولیوں کا نشانہ بنایا گیا۔ بعد پاک مقبوضہ کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی شکایت درج کرانے کے لئے ہندوستان کو پہلے اپنا ریکارڈ درست کرنا ہوگا اور نشانہ بنے والوں کے ساتھ انصاف کرنا ہوگا۔

"میں نہیں سمجھتا کہ پاکستان کشمیری عوام کا دوست ہے وہ تو صرف اپنے مفادات کی نگرانی کر رہا ہے۔ کشمیری عوام کی تحریک کو جس ذہانت سے پاکستانی اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں، اس کے لئے میں انہیں سلام کرتا ہوں۔ دوسری طرف ہندوستان، سوپور، کھنہ بل اور دوسری جگہوں پر ان کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گیا اور اب اس نے درگاہ حضرت بل میں ان کے بچھائے ہوئے جال میں قدم رکھ دیا ہے"۔ مسٹر قریشی نے کہا۔

ہندوؤں کے حقوق

یہ سوال پوچھے جانے پر کہ وادی سے نکالے گئے کشمیری پنڈتوں کے مستقبل کے بارے میں ان کا کیا خیال ہے، انہوں نے کہا کہ انہیں بھی وہاں رہنے کا اتنا ہی حق ہے جتنا مسلمانوں کا، جن کے ساتھ وہ صدیوں سے پوری ہم آہنگی کے ساتھ رہتے آئے ہیں اور یہی وہ ہم آہنگی تھی جس نے 1988ء میں یہ بحران شروع ہونے سے پہلے بھی فرقہ وارانہ فساد نہیں ہونے دیا۔

"میں سیکولرزم پر یقین رکھتا ہوں۔ کشمیریوں کو یہ حق مذہب کی بنیاد پر نہیں بلکہ اس لئے حاصل ہے کہ وہ اس سرزمین کے فرزند ہیں۔ کسی بھی کشمیری کا کوئی بھی عقیدہ یا مذہب ہو میں ان سب کے ساتھ ہوں۔ وہ ہمارے بھائی ہیں۔ اس کا اور کوئی دوسرا حل نہیں ہے سوائے اس کے کہ کشمیری پنڈت اپنے گھر واپس جائیں" مسٹر ہاشم قریشی نے کہا۔

تیسرا فریق

مسٹر قریشی نے مرکزی وزیر داخلہ ایس بی چوان کے اس بیان کو غلط قرار دیا کہ کشمیر مسئلہ کے حل کے لئے ہونے والے ہند پاک مذاکرات میں، کشمیر کو تیسرے فریق کی حیثیت سے شامل نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ ہندوستان اور پاکستان نے تاشقند اور پھر شملہ میں بات چیت کی لیکن کشمیر کا مسئلہ حل نہ ہو سکا۔ ہندوستان 1947-48ء میں کشمیر کا مسئلہ لے کر اقوام متحدہ گیا۔ اس سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا۔ "ہم تیسرے فریق نہیں ہیں۔ ہم پہلے فریق ہیں" انہوں نے اصرار کیا۔ صرف دو فریقوں کی بات کرنا اور ہندوستان کی جانب سے خود ہی کشمیر کی نمائندگی کرنا، سوچ کے ایک ایسے عمل کا اشارہ کرتا ہے جس کے تحت "کچھ دو اور کچھ لو" کی پالیسی اختیار کر کے کشمیر کو مزید تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اسے بھلا کشمیری کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں اور اس سے مسئلہ کیونکر حل ہو سکتا ہے؟" انہوں نے سوال کیا۔

"اس صورت میں امن نہیں قائم ہو سکتا اور کشمیر کے لوگوں کی شرکت کے بغیر اس مسئلہ کا کوئی حل بھی تلاش نہیں کیا جاسکتا" انہوں نے کہا۔

پاکستان کو بھی مورد الزام ٹھہرایا

مسٹر قریشی نے پاکستان، پاک مقبوضہ کشمیر اور آئی ایس آئی کی بھی اتنی ہی شدید تنقید کی اور کہا کہ یہ حلقے اپنے مخصوص مفادات کے لئے مسئلہ کشمیر کو استعمال کر رہے ہیں۔ "ہم کشمیری اس جدوجہد کے دوران گولیوں کا سامنا کر رہے ہیں اور پاکستان اور پاک مقبوضہ کشمیر ہماری تحریک کو ہائی جیک کر رہے ہیں اور ہمارے خون اور ہماری لاشوں پر اپنی سیاست کی دکان چمکا رہے ہیں۔ مسٹر قریشی نے اعتراف کیا کہ انسانی حقوق کی پامالی پاک مقبوضہ کشمیر گلگت اور بلتستان میں بھی ہو رہی ہے لیکن وادی میں بڑے پیمانے پر ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی وجہ سے اس پر پردہ پڑ جاتا ہے اور کوئی اس کا نوٹس نہیں لیتا۔ انہوں نے مثال پیش کرتے ہوئے کہا کہ پاک مقبوضہ کشمیر میں کوئی بھی اس وقت تک الیکشن نہیں لڑ سکتا جب تک کہ وہ یہ حلف نامہ داخل نہیں کر دیتا کہ وہ پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کا

گول میز

"اگر میں بے انصافی کے خلاف بغاوت کی علامت کے طور پر دہشت گردی کی انتہائی بلندی سے اپنی مہم کا آغاز کر سکتا ہوں تو ہندوستان اور پاکستان کے لیڈر چوٹی کی امن کانفرنس بلا کر کوئی پیش رفت کیوں نہیں کر سکتے؟ اگر میں بدل سکتا ہوں اور قیام امن کے لئے کام کر سکتا ہوں تو یہ سیاست داں کیوں نہیں کر سکتے؟ کیا وہ دہشت گردوں سے بھی بدتر ہیں؟"

یہ سوالات اٹھاتے ہوئے مسٹر ہاشم قریشی نے زور دے کر کہا۔ "اس سے پہلے کہ کوئی جنگ چھڑ جائے۔ ایک جگہ مل بیٹھ کر امن قائم کرنے کے سلسلے میں گفتگو کیوں نہیں کی جا سکتی؟ اگر آپ امن کے متمنی ہیں تو جنگ سے پہلے ہی امن کی بات کیجئے۔ تاریخ اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے کہ ہزاروں جانیں گنوانے کے بعد امن مذاکرات منعقد ہوئے امریکہ اور ویت نام نے پیرس میں بیٹھ کر اپنے مسائل حل کئے۔ ہندوستان اور پاکستان جنگ کرنے کے بعد تاشقند میں مل بیٹھے۔ پی ایل او اور اسرائیل نے ناروے میں گفتگو کی اور ایک معاہدہ پر دستخط کئے۔ ہندوستان اور پاکستان ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟" انہوں نے سوال کیا کہ مسٹر قریشی نے پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے وزیر اعظم عبدالقیوم خان کے اس بیان کا حوالہ دیا جو انہوں نے بروسلز (Brussels) میں کشمیر سے متعلق ہونے والی گول میز کانفرنس میں دیا تھا۔ انہوں نے اس وقت ہندوستان کو مشورہ دیا تھا کہ وہ انتہا پسندوں سے گفتگو نہ کرے بلکہ کشمیری سیاست دانوں سے بات چیت کرے۔ لیکن اس گول میز کے ساتھ ستم ظریفی یہ ہوئی کہ وادی کے ان سرکردہ لوگوں میں سے کوئی موجود نہیں تھا جن کا کشمیر کے معاملات میں کوئی موجود نہیں تھا جن کا کشمیر کے معاملات میں کچھ دخل ہے۔ انہیں مدعو نہیں کیا گیا۔ نہ شبیر شاہ دکھائی دیے، نہ یٰسین ملک نہ کہیں گیلانی کا پتہ تھا اور نہ کہیں عبدالغنی لون، فضل حق قریشی یا میر واعظ مولوی عمر فاروق نظر آئے۔

بامقصد گفتگو

"میں نے بروسلز میں گول میز شروع ہونے سے عین قبل جب یوروپی پارلیمنٹ

کی عمارت کے باہر مظاہرین کو خطاب کیا تو میں نے کہا تھا کہ اگر ہندوستان اور پاکستان کی حکومتوں کے نمائندے نیز کشمیری عوام کے نمائندے اس میں موجود ہوتے تو کوئی نہ کوئی بامقصد حل سامنے آسکتا تھا۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ وادی کا مسئلہ اس وقت تک کیونکر حل ہو سکتا ہے جب تک کہ اس میں اس کے تمام نمائندے موجود نہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ گذشتہ چار برسوں سے میں جو کچھ کہتا رہا ہوں اس کی پورے طور پر تائید ہو گئی یعنی یہ کہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کی قیادت، ہماری تحریک کو اپنے مفادات کے تحفظ کا وسیلہ سمجھتی ہے۔ وہ تو ہمارے لیڈر بھی بن بیٹھے ہیں" انہوں نے یہ بھی کہا کہ گلگت میں پیدا ہونے والے امان اللہ خان کو تو وادی کے عوام کا مونس و غمخوار سمجھ لیا گیا، میرپور میں پیدا ہونے والے شبیر چودھری (جے کے ایل ایف کے وہ بھی ہیں) کو تو سوشلسٹ گروپ نے مدعو کیا اور انہیں بھی وادی کے لوگوں کا نمائندہ سمجھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ گذشتہ 23 برسوں سے لندن میں مقیم ہیں۔ لیکن کرن سنگھ کہاں تھے؟ قریشی نے سوال کیا۔ ان کے مطابق بھیم سنگھ تنہا جموں کی نمائندگی نہیں کر سکتے، جس طرح فاروق عبداللہ وادی کی نمائندگی نہیں کر سکتے۔

مسٹر قریشی نے کہا کہ انہیں گول میز میں نہیں بلایا گیا کیونکہ ہندوستان اور پاکستان نے اعتراض کیا تھا۔ "میرا تعلق وادی سے ہے اور میں وادی کے لوگوں کے نقطہ نظر کی نمائندگی کر سکتا تھا۔ اگر اس کانفرنس کے منتظمین غیر جانبدار ہوتے تو انہوں نے مجھے بلایا ہوتا تاکہ میں اعتراض کا جواب دے سکوں۔ کشمیر کے ایک حقیقی نمائندے کو دور رکھنے کا فیصلہ نہ کیا ہوتا۔ پاکستان نے اس لئے اعتراض کیا کہ میں ان کی یا آئی ایس آئی کی ہدایات پر عمل نہیں کرتا۔ پھر انہیں یہ خوف بھی تھا کہ کہیں میں کشمیر (پاک مقبوضہ) گلگت اور بلتستان پر پاکستانی قبضہ کے خلاف زبان نہ کھولوں۔ انہوں نے کہا۔

مسٹر قریشی نے کہا کہ یوروپی پارلیمنٹ یا امریکہ، کوئی بھی کشمیر کا مسئلہ حل نہیں کر سکتا۔ امن سے متعلق ان کی باتیں اشک شوئی کے سوا اور کچھ نہیں اس مسئلہ کو صرف ہم برصغیر کے لوگ ہی طے کر سکتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ گذشتہ 45 برس نفرت اور تخریب کاری میں برباد ہو گئے اور ترقیاتی فنڈ کو گولہ بارود کے لئے استعمال کیا گیا۔ ہمیں یہ سوچنا پڑے

گا کہ ہم اپنے بچوں کو کیا دینا چاہتے ہیں۔ کلاشنکوف اور نقلی ادویات یا کمپیوٹر اور کتابیں؟" انہوں نے جذبات سے پر لہجہ میں کہا۔

انہوں نے پاکستان کی اس بات کے لئے سخت سرزنش کی کہ وہ کشمیری نوجوانوں کو کیمپوں میں رکھ کر صرف آٹھ دن اسلحہ چلانے کی ٹریننگ دیتا ہے اور پھر انہیں باقاعدہ فوج سے لڑنے کے لئے بھیج دیتا ہے "پاکستان کو پہلے پاک مقبوضہ کشمیر، گلگت اور بلتستان کو آزاد کرنا چاہیے اگر وہ واقعی وادی کے کشمیریوں کے تئیں ہمدردی کا دعویدار ہے۔ اس کے علاوہ اسے ہائی کورٹ کا وہ فیصلہ بھی نافذ کرنا چاہئے جس میں گلگت اور بلتستان کو مقبوضہ کشمیر میں ضم کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ لیکن اس نے ایسا کرنے کے بجائے اس فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کی ہوئی ہے۔ میں یہ کیسے یقین کروں کہ پاکستان کشمیریوں کے تئیں وفادار ہے جبکہ 1974ء کے پی او کے عبوری دستور میں خود اختیاری کا ذکر موجود ہے لیکن پاکستان اس سے پہلو تہی کر رہا ہے؟" انہوں نے سوال کیا۔

مسٹر قریشی نے ہندوستان کے رویہ پر بھی اظہار افسوس کیا اور کہا کہ اس کے پاس بھی کشمیر سے متعلق کوئی تعمیری پالیسی نہیں ہے اس نے بنیادی حقائق سے چشم پوشی کی اور اس نے عام لوگوں سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وادی کے بندوق برداروں کو ان کی حمایت حاصل ہے؟ وزارت داخلہ کا ایک وزیر کہتا ہے کہ چھ ماہ کے اندر انتخابات ہوں گے تو دوسرا اس کی نفی کرتا ہے۔

بندوق کلچر

ہمیں معلوم ہے کہ راجیش پائلٹ نے انتہا پسندوں سے بھی ملاقات کی ہے۔ لیکن کیا آپ کشمیر پر بندوق کلچر لادنا چاہتے ہیں؟ آپ گیلانی، لون، شبیر شاہ، یسین ملک، اعظم انقلابی اور دوسروں سے بات کیوں نہیں کرتے؟ کیا یہ تاثر دیا جا رہا ہے کہ لڑنے اور خون بہانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں؟ یہ تو آئی ایس آئی تھیں ہے۔ میں نے چترا سبرامنیم سے بھی یہی بات کہی تھی۔

مسٹر قریشی نے کہا "ہندوستان کی سیکورٹی فورسیں یہ تاثر دے رہی ہے کہ آئی ایس

آئی سے اس کی سازباز ہے کیونکہ وہ وہی کچھ کر رہی ہے جو آئی ایس آئی چاہتا ہے"

مسٹر قریشی نے اس بات کے لئے شیخ عبداللہ کی بڑی ستائش کی کہ انہوں نے کشمیر میں جاگیرداری کے قصر کو مسمار کیا اور کسانوں کو زمین اور بولنے کی آزادی دی۔ ان کی قبر کھودنے کی کوشش غیر اسلامی فعل ہے اور اسے باہر کی سازش ہی کہا جائے گا جس کا مقصد ایک ایسے لیڈر کی توہین کرنا ہے جس نے کشمیر کو بہت کچھ دیا۔ مولوی فاروق اور میر مصطفیٰ کے قتل کے پیچھے بھی یہی نیت تھی یعنی کشمیر کے لوگوں کو اس حق سے محروم کرنا کہ وہ وادی کے عوام کی بھلائی کے لئے کوئی فیصلہ کر سکیں۔ "اسلام کسی کو اس بات کا اختیار نہیں دیتا کہ کسی کی قبر کھودی جائے اور قرآن کا کہنا ہے کہ جو لوگ اس دنیا سے جا چکے ان کی برائی نہ کرو کیونکہ وہ خدا کے پاس جاتے ہیں" انہوں نے وضاحت کی۔

مہاترے کا قتل

ہاشم قریشی نے رویندر مہاترے کو اغوا اور 3 فروری 1984ء کو ان کے قتل کا ذمہ دار امان اللہ خان کو قرار دیتے ہوئے کہا کہ اسی کے جواب میں مقبول بٹ کو 11 فروری 1984ء کو تہاڑ جیل میں پھانسی دی گئی۔ انہوں نے اسے انتقامی کارروائی قرار دیا۔ اگرچہ 18 اکتوبر کو برسلز میں ہونے والے مسٹر خان کی گرفتاری کو انہوں نے اس بنیاد پر غلط ٹھہرایا کہ کسی کو مدعو کر کے اسے گرفتار کرنا مناسب نہیں تھا لیکن مسٹر قریشی نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ برطانیہ میں مسٹر مہاترے کا جو قتل ہوا اس میں مسٹر خان کے ملوث ہونے کا ثبوت ان کے پاس موجود ہے "میں نے مسٹر خان کو یہ وارننگ دی تھی کہ اگر انہوں نے ہندوستانی سفارت کار کو ہلاک کیا تو مقبول بٹ کو پھانسی دے دی جائے گی۔ لیکن انہوں نے میری بات نہیں سنی اور وہیں سے میرا ان کا اختلاف شروع ہو گیا" مسٹر ہاشم قریشی نے اس رپورٹ کو اپنے انٹرویوں میں بتایا۔ اس دوران دو برطانی ایم پی مسٹر ہیری کیل اور مسٹر تیری روئی نے جو یورپی پارلیمنٹ کے رکن ہیں حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ برطانیہ میں مسٹر قریشی کے داخلہ پر عائد کردہ پابندی کو اٹھا لیا جائے۔ یہ خبر یہاں کے ایک مقامی اخبار نے شائع کی۔ مسٹر قریشی کے پاس ڈچ پاسپورٹ ہے اور مہاترے کے قتل کے بعد برطانیہ

میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔

دوہرے ایجنٹ

ایک سیاست دان کی حیثیت سے میں برسلز میں امان اللہ خان کی گرفتاری کا مخالف ہوں کیونکہ ہندوستان، پاکستان، بیلجیم اور یورپی پارلیمنٹ یہ جانتے تھے کہ وہ انٹرپول (بین الاقوامی پولیس) کے مطلوب ملزم ہیں۔ پھر انہوں نے گول میز میں ان کے مدعو کئے جانے پر کوئی اعتراض بھی نہیں کیا تھا۔ میرے اور ان کے درمیان بہت سی باتوں پر اختلاف ہے مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ وہ آئی ایس آئی کے ایجنٹ ہیں اور "قومی آزادی" کے لیڈر ہونے کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے لیکن ان کی گرفتاری کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ ہندوستان کی خفیہ ایجنسی کے لئے بھی کام کر رہے ہیں" مسٹر قریشی نے اپنا خیال پیش کیا۔ مسٹر خان پر جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ (جے کے ایل ایف) کے ساتھ وشواس گھات کرنے اسے بار بار تقسیم کرنے اور اپنے گرد نااہلوں اور "بے وقوفوں" کی بھیڑ جمع کرنے کا الزام لگاتے ہوئے مسٹر قریشی نے کہا کہ عوامی بنیاد سے عاری اس نام نہاد لیڈر پر یورپی پارلیمنٹ سیکریٹریٹ کے مسٹر ڈک گیویل نے یہ تبصرہ بھی کیا تھا کہ "خان ایک گمنام آدمی کے طور پر گول میز میں شرکت کے لئے آئے لیکن گرفتاری کے باعث شہید بن گئے۔"

آئی ایس آئی کے تئیں رویہ

مسٹر ہاشمی نے کہا کہ کشمیریوں کا مسٹر خان پر کوئی قابو نہیں ہے اور خان کو کشمیریوں سے کوئی محبت نہیں ہے۔ وادی میں اس وقت کم از کم 134 انتہا پسند گروپ سرگرم ہیں۔ پاکستان کی جانب سے کم عمر کشمیری لڑکوں کو ٹریننگ دے کر انہیں ایک باقاعدہ فوج سے لڑنے کے لئے واپس بھیجے جانے کی مخالفت کرتے ہوئے مسٹر قریشی نے کہا کہ "میں نے بریگیڈیر اسعد سے کہا تھا کہ میں ایسے گھوڑے پر سوار ہونے کا قائل نہیں جس کی باگ میرے ہاتھ میں نہ ہو اور جسے میں اپنے قابو میں نہ کر سکوں" انہوں نے مزید کہا کہ خان نے جے کے ایل ایف کے لوگوں کے ساتھ بار بار وشواس گھات کیا اور افضل جاہد، شیخ چودھری، عظمت خان، عارف شاہد اور ایسے متعدد لوگوں کو نظر انداز کیا جنہوں نے پارٹی کے

لئے قربانیاں دی تھیں۔ مسٹر قریشی نے کہا کہ "میں چاہوں تو سرینگر سے لے کر نیویارک تک ایک جے کے ایل ایف منظم کر سکتا ہوں لیکن میں ایسا نہیں کرنا چاہتا کیونکہ اس سے تحریک کمزور ہوگی۔ آج آپ خان کے حلقہ گوشوں کا جائزہ لیجئے۔ ان میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو ان کے ساتھ کسی مسئلہ پر گفتگو کر سکے۔ سب کے سب ناخواندہ اور غور و فکر کی صلاحیت سے عاری ہیں"

مسز بینظیر بھٹو کے وزیر اعظم بننے پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہندوستان میں انہیں آزاد خیال اور جمہوریت پسند تصور کیا جاتا ہے اس صورت میں دونوں جمہوریتوں کو مل کر کشمیر کے لوگوں کو امن اور معمول کی زندگی کا تحفہ دینا چاہئے۔ اگر انہوں نے ایسا نہیں کیا تو تاریخ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گی۔ انہیں جرات رندانہ سے کام لے کر یہ مسئلہ حل کرنا چاہئے۔ اگر حکمران ایسا نہ کر سکے تو عوام کریں گے۔ انہوں نے دعویٰ کیا ان کے مطابق یورپی پارلیمنٹ یا امریکہ سے یہ امید رکھنا کہ وہ کشمیر مسئلہ کا حل تلاش کرنے میں معاون ہوں گے، فضول سی بات ہے کیونکہ وہ صرف "ڈرامہ" کر سکتے ہیں۔

☆☆☆☆

انٹرویو نمبر10

ہاشم قریشی کا روزنامہ ایکسلیسیئر جموں کے نامہ نگار خصوصی کو دیا گیا انٹرویو

(13/اپریل1996ء)

کشمیر، وقار کے ساتھ امن کا طالب

سوال: کشمیر کی تازہ ترین صورت حال کے بارے میں آپ اپنے خیالات کا اظہار کریں؟

جواب: کشمیر کی تحریک نے اب آپسی رقابت کا روپ دھار لیا ہے اور مختلف گروپ آپس ہی میں لڑنے لگے ہیں۔ ان کی لڑائی اب شورش مخالف حلقوں سے بھی ہونے لگی ہے۔ مسلم کانفرنس نے حزب المجاہدین پر الزام لگایا ہے کہ اس نے حریت کانفرنس کے ایگزیکیوٹیو ممبر پروفیسر عبدالغنی بٹ کے بھائی محمد سلطان بٹ کو قتل کیا ہے۔ دوسری طرف آل پارٹی حریت کانفرنس میں شامل جماعت اسلامی نے مسلم کانفرنس کو جماعت کے ایم ایل اے عبدالرزاق کے قتل کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ جب حریت میں شریک پارٹیاں اس طرح کی رقابتوں میں الجھی ہوئی ہیں تو بھلا کشمیر کے لوگ حریت کانفرنس سے کیا امید کر سکتے ہیں؟ حضرت بل علاقے میں شبیر صدیقی کے جے کے ایل ایف گروپ کے لوگوں کی سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں ایک جھڑپ میں ہلاکت سے پہلے مسٹر اعظم انقلابی اور بعض دوسرے

کشمیری لیڈروں نے حریت کانفرنس کے لوگوں پر یہ الزام لگایا تھا کہ انہی لوگوں نے جے کے ایل ایف کے 22 کارکنوں کو ہلاک کرنے کا اشارہ دیا تھا کیونکہ حریت نے ایک دن پہلے ہی ایک بیان جاری کیا تھا کہ وہ کسی ایک جماعت کی بالادستی قبول نہیں کر سکتی۔ لیکن اس سے ایک تاثر یہ بھی ملتا ہے کہ یٰسین ملک گروپ بھی جے کے ایل ایف میں صدیقی گروپ کے ابھر کر سامنے آنے سے کچھ خوش نہیں ہے۔ یہ بات غور طلب ہے کہ شبیر صدیقی گروپ نے حزب المجاہدین کے ساتھ 1993ء میں جب درگاہ حضرت بل پر قبضہ کیا یا مست گل اور اس کے ساتھی چرار شریف میں جب داخل ہوئے تو حریت کانفرنس نے ان مقدس مقامات کی بے حرمتی کی مذمت نہیں کی۔ البتہ سیکورٹی فورسز کی جانب سے محاصرہ کئے جانے کے خلاف دونوں مرتبہ انہوں نے واویلا کیا۔ عوام یہ سوال کرتے ہیں کہ حریت کانفرنس نے حضرت بل میں شبیر صدیقی کی سرگرمی کی مذمت کیوں کی؟؟ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جو لوگ حریت میں شامل ہیں وہ تو صحیح کام کرتے ہیں اور جو حریت سے باہر ہیں وہ غلط کام کرتے ہیں جیسا کہ شبیر صدیقی نے کہا۔

میں اور میری پارٹی اس بات کے قطعی خلاف ہے کہ مقدس مقامات پر قبضہ کیا جائے یا سیکورٹی فورسز کی جانب سے ان کا محاصرہ کیا جائے ہم معصوم لوگوں کا خون بہائے جانے کے خلاف ہیں۔ ایک اور بات پر غور کیجئے۔ جب بھی حریت کانفرنس یا اس میں شامل کوئی جماعت ہڑتال کا اعلان کرتی ہے تو عوام کسی صورت انہیں ممنون کر دیتے ہیں۔ دوسرے موقعہ پر جب اخوان المسلمین (جسے حریت حکومت نواز قرار دیتی رہی ہے) ہڑتال کا اعلان کرتی ہے تو اسے بھی لوگ ممنون کرتے ہیں۔ ان باتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ مرحوم بخشی غلام محمد کا کشمیری کردار کے بارے میں کیا گیا تبصرہ درست تھا۔ کیا ہم اس سے یہی نتیجہ اخذ کریں کہ کشمیری نوجوان صرف قربانی کے بکرے ہیں اور کسی کو ان کی کوئی فکر نہیں؟ کم از کم موجودہ صورت حال یہی ہے۔

سوال: ملک کے پارلیمانی انتخابات کا اعلان ہو چکا ہے جس میں ریاست جموں و کشمیر بھی شامل

ہے۔ اس کے بعد ہی ریاستی اسمبلی کے انتخابات بھی ہوں گے۔ اس کے بارے میں آپ کیا وضاحت کریں گے؟

جواب: حکومت ہند اور متعدد غیر ممالک حریت کانفرنس کو کشمیری عوام کی حقیقی اور غیر متنازعہ جماعت نہیں سمجھتے۔ اس میں شامل پارٹیوں کو نیشنل کانفرنس محاذ آزادی اور پیپلز فرنٹ جیسی پارٹیوں سے زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ عوام کے نمائندے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو ان کے لئے باوقار طریقہ تو یہی ہے کہ وہ الیکشن لڑیں اور شیخ محمد عبداللہ کی طرح بھاری اکثریت سے انتخابات جیت کر آئیں۔ اس صورت میں کوئی ان کے دعوے کو جھٹلا نہیں سکتا۔ اس صورت میں حریت کانفرنس سب سے اہم نمائندہ ہونے کے اپنے دعوے کو درست ثابت کرنے کے بعد میں اپنے تمام ممبران سے استعفیٰ دلوا سکتی ہے جیسا کہ سوویت یونین کے زمانے میں لتھوانیا میں ہوا تھا۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو سیاسی حقوق کے لئے چلائی گئی کشمیر تحریک کو ایک نیا موڑ میسر آئے گا۔

سوال: کچھ منحرف لیڈروں کو اس بات پر اعتراض ہے کہ الیکشن میں حصہ لیتے وقت دستور ہند کے تئیں وفاداری کا حلف لینا پڑتا ہے۔

جواب: پیپلز کانفرنس کے صدر اور حریت کے اہم رکن مسٹر عبدالغنی لون نے ایسا حلف لیا، الیکشن لڑا، کانگریس کے ٹکٹ پر جیتے اور ایک وزیر بنے۔ حریت کانفرنس میں شامل جماعت اسلامی کے سید علی شاہ گیلانی نے تین بار الیکشن میں حصہ لیا اور ہر بار یہی حلف لیا۔ اسی طرح دوسرے لیڈر بھی ماضی میں یہ حلف لیتے اور الیکشن لڑتے رہے ہیں۔ اب یہ الگ معاملہ ہے کہ وہ اس میں جیتے یا ہارے۔ اب اس سے روگردانی کیوں؟ کیا وہ سب کچھ اقتدار میں آنے کے لئے تھا۔ اب معاملہ عوام کے کاز کا ہے لہٰذا اب انہوں نے اس حلف کو ایک بہانہ بنا لیا ہے۔ جہاں تک الیکشن کا سوال ہے اس سلسلے میں میں بڑی صفائی سے یہ کہنا چاہوں گا کہ جن لوگوں کو اپنا گھر بار چھوڑ کر جانا پڑا ہے ان کی شرکت کے بغیر الیکشن بے معنی ہے اس ضمن میں کشمیری پنڈتوں کا ذکر بطور خاص کر رہا ہوں۔ پنڈت کشمیری سماج کا اٹوٹ حصہ ہیں اور کوئی بھی انہیں

اپنے حقیقی وطن میں رہنے کے حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ وادی کے مسلمانوں کا یہ اخلاقی اور مذہبی فریضہ ہے کہ وہ پنڈتوں کو واپس لائیں اور انہیں تحفظ عطا کریں۔ اسلام میں پڑوسی کا حق اپنے عزیزوں سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ پوری دنیا میں یہ تاثر عام ہے کہ کشمیر کے کچھ لوگ نہیں چاہتے کہ پنڈت واپس آئیں کیونکہ انہوں نے پنڈتوں کی جائیدادوں پر ناجائز طور پر قبضہ جما رکھا ہے۔ اس سے کشمیریوں کے نام کو داغ لگ رہا ہے اگر ہم اس کے خلاف سرگرم نہ ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایسے فعل کے مرتکب ہو رہے ہیں جو ہمارے مذہب میں ناجائز اور ممنوعہ ہیں اکثریتی فرقے کے اخلاقی معیار کا پیمانہ یہ ہے کہ اس نے پڑوس میں رہنے والی اپنی اقلیت اور اس کے مفاد کا کتنا خیال رکھا۔ اکثریت۔ اقلیت تعلقات پر اصول کا اطلاق ہندوستانی سماج پر بھی ہوتا ہے اور یہی چیز قوم کے استحکام کی سب سے بڑی ضامن ہوتی ہے۔

سوال: 1947ء سے لے کر اب تک حکومت اس ریاست میں اربوں روپے انڈیلتی رہی ہے پھر بھی کشمیری قوم دھارے سے الگ کیوں رہے؟

جواب: مرکز اور ریاست کے تعلقات کو صرف اعلیٰ قیادت تک محدود رکھنے کی بجائے عوامی سطح پر استوار کیا جانا چاہئے تھا۔ ریاست کو کسی خاص شخصیت کے تابع کر دینے سے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ عوام میں دوری کا احساس پیدا ہوا۔ چونکہ جوابدہی کا ماحول نظر نہیں آیا لہٰذا تمام فائدے ایک مخصوص حلقے نے اٹھائے اور عام آدمی اس سے محروم رہے۔ آبادی کے تناسب کے اعتبار سے کشمیر کو بجٹ کا صرف 0.8 فیصد حصہ ملنا چاہئے۔ جبکہ حقیقتاً اسے 2.8 فیصد حصہ ملا۔ لیکن اس کے باوجود عوام محروم رہے۔

سوال: کشمیر میں ہندوستان ناکام کہاں کہاں ہوا؟

جواب: سیاسی طور پر کئی غلطیاں ہوئیں۔ اتنی فراخدلی سے فنڈ تو مہیا کیا گیا لیکن متعدد وجوہ کی بنا پر کچھ اور کیا جانا چاہئے تھا۔ اقتصادی پسماندگی جب جاری رہی تو عوام میں نا

امیدی کا احساس پیدا ہوا ان کے بار بار احتجاج کرنے کے باوجود نئی دلی کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔ ہندوستانی منصوبہ سازوں کو کشمیر کی ترقی سے متعلق منصوبہ بندی کرتے وقت اولین ترجیح کے شعبوں کی نشاندہی کرنی چاہئے تھی۔ مواصلات کو اولین ترجیح کا شعبہ سمجھنا چاہئے اگر چین دنیا کی چھت پر شاہراہ قراقرم تعمیر کر سکتا ہے تو پھر اس وقت تک کشمیر اور ہندوستان کے میدانی علاقوں کے درمیان ریل رابطہ کیوں نہ قائم ہو سکا؟ ذرا سوچئے۔ اس سے کتنا بڑا نقصان ہوا۔ بجلی کا شعبہ بھی اولین اہمیت کا حامل ہے۔ صرف روشنی کے لئے نہیں بلکہ ہیٹنگ (گرماہٹ) کے لئے بھی۔ آزادی کے 49 سال بعد بھی کشمیر کے لوگ سال کے آٹھ مہینے "کانگڑی" سے کام چلاتے ہیں۔ اقتصادی ترقی وہاں بھلا کیا ہوگی جب ہمیں تیس یا چالیس سال تک اس بات کے لئے انتظار کرنا پڑے کہ سلال ہائیڈل اور اوڑی کے اربوں کی لاگت کے پراجکٹ سے بجلی پیدا کی جائے گی وادی میں آبی وسائل کی بہتات ہے۔ بجلی پیدا کرنے کے چھوٹے پراجکٹ کہیں زیادہ بہتر اور سستے ثابت ہوتے۔

کشمیر کی باغبانی کی صنعت ہماری معیشت کی بنیاد بن سکتی تھی۔ کشمیر کی ایک یونیورسٹی سمیت پورے ملک میں زرعی تحقیق کے بیسیوں ادارے اور یونیورسٹیاں موجود ہیں لیکن سیب کی پیداوار کے سلسلے میں باریکی سے تحقیق نہ ہو سکی اور صنعت کو تباہی سے بچایا نہ جا سکا۔ ہماری پیداوار کا نصف سے زیادہ حصہ مناسب وقت پر ٹرانسپورٹ کی عدم دستیابی کے سبب برباد ہو جاتا ہے۔ جوس بنانے والی یونٹوں کو پورے ملک میں پھیلایا جا سکتا تھا۔ ہمارے پاس اس کی بہت بڑی منڈی موجود ہے لیکن کسی نے اس پر غور ہی نہیں کیا۔ اگر ہالینڈ میں زمین کا ٹکڑا اتنے پھول پیدا کر سکتا ہے کہ ہر سال اس ملک کو لاکھوں ڈالر کا فائدہ ہو تو پھر ہم کشمیر میں ایسا کیوں نہیں کر سکتے؟ کیا ہم بھیڑ اور مویشی پالن کو اس طور پر فروغ نہیں دے سکتے کہ ہمیں گوشت کے لئے راجستھان سے بھیڑیں نہ منگوانی پڑیں۔ کیا منرل واٹر کے لئے ہم سستے پلانٹ نہیں نصب کر سکتے؟ ہمارے پاس تو صاف پانی کے چشموں کی بہتات

ہے۔ سستی بجلی، وادی میں صنعت کاری کو فروغ دیتی اور ریاست میں روزگار کے کافی امکانات پیدا ہو سکتے تھے۔ ہم خود بھی ناکام ہوئے اور ہمارے منصوبوں نے بھی ہمیں ناکام بنایا۔ کشمیر کی خوشحالی کی کلید بجلی ہے اور ہمارے پاس بجلی پیدا کرنے اور فروخت کرنے کے وسائل موجود ہیں۔ آخر 140 کیلو واٹ ٹرانسمشن لائن کا پراجکٹ منسوخ کیوں کیا گیا؟ جبکہ سوویت یونین کے ساتھ سمجھوتہ ہو چکا تھا؟ اس منسوخی کے پیچھے کن طاقتوں کا ہاتھ تھا؟ کیڈ بری جیسے چھوٹے پراجکٹ کیوں منسوخ کئے گئے؟ ریاست کی مستحکم بیوروکریسی کا رویہ ہندوستانی صنعت کاروں کی سرمایہ کاری کے تعلق سے ہمیشہ منفی کیوں رہا؟ ہماری معدنیات کی دولت کو تلاش ہی نہیں کیا جا سکا۔ ہم سیاحوں کو کس طرح متوجہ کر سکیں گے جب ہمارے پاس روشنی کے لئے معقول حد تک بجلی ہی نہ ہوگی؟ کشمیر تیونس کی طرح انگور کی پیداوار کے لئے مناسب ہے۔ ہم بہترین قسم کی شراب یوروپی ممالک اور امریکہ کو برآمد کر سکتے ہیں۔ غور کیجئے اگر وادی اور وادی سے باہر نیز ریاست کے دوسرے علاقوں میں ہمارے پاس الیکٹرک ریلوے کا نٹ ورک ہوتا تو سماجی اور اقتصادی سطح پر انقلاب لایا جا سکتا تھا۔ دراصل یہ وہ طریقے ہیں جن کی وجہ سے لوگ حکومت کی عزت کرنے لگتے ہیں اور قومی تعمیر کے کاموں میں اپنا تعاون پیش کرتے ہیں۔

سوال: پاکستان کی کشمیر پالیسی کے بارے میں آپ کے کیا تاثرات ہیں۔ آپ تو وہاں رہ چکے ہیں؟

جواب: پاکستان کا نظام جاگیردارانہ ہے۔ اس کی سیاست پر جاگیرداروں کا غلبہ ہے اور اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے جاگیرداروں نے فوج اور بیوروکریسی کو اپنا ہمنوا بنایا ہے۔ کشمیر پالیسی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ کشمیر ہوّے کو اس لئے زندہ رکھا جاتا ہے کہ وہ اقتدار حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کر سکیں۔ مسئلہ کشمیر کو زندہ رکھنے کے لئے، جو اکثر انہیں اقتدار سے ہمکنار کرتا ہے، وہ اکثر مہم جوئی پر بھی نکل پڑتے ہیں جیسا کہ 1965ء کی جنگ میں جب ہندوستانی فوجیوں نے لاہور کے مضافات پر چڑھائی کی تو پاکستان نے ان کمانڈوز کو وادی سے واپس بلا لیا جنہیں اس نے اتاری

پھیلانے کے لئے وہاں بھیجا تھا۔ پاکستان نے کشمیر کے شدت پسندوں کو ٹریننگ دی اور غیر ممالک کے کرائے کے جنگجو بھی وادی میں بھیجے اس کی وجہ سے کشمیر کی صورت حال بالکل مختلف ہوگئی اور کشمیر کی تحریک نے بنیاد پرستوں کی آپسی رقابت کی شکل اختیار کرلی جیسا کہ افغانستان میں ہوا۔ اس صورت حال نے کشمیر کے اپنے کلچر کو برباد کردیا۔ اس کی پرامن بقائے باہم کی روایت بھی تباہ ہوگی۔

آپ اس بات پر غور کیجئے کہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے جو لوگ غیر ممالک میں رہتے ہیں وہ ہر سال اپنی بچت کی شکل میں اربوں ڈالر پاکستان بھیجتے ہیں۔ اس کے باوجود مقبوضہ کشمیر میں نہ تو کوئی یونیورسٹی ہے اور نہ میڈیکل کالج، نہ تو کوئی انجینئرنگ کالج وجود میں آیا اور نہ ہی پالی ٹکنک ہوا اور یا صنعتی کا مفلس کیا پاک مقبوضہ کشمیر پاکستانی کشمیریوں کے دوست ہیں؟ پاکستان نے شروع سے آخر تک کشمیر کے لئے کسی تیسرے متبادل کے خیال کو رد کیا ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اس حصہ کو اپنے پاس رکھنا چاہتا ہے جس پر اس کا قبضہ ہے وہ ہندوستان پر شورش کے ذریعہ یہ دباؤ ڈالنا چاہتا ہے کہ وہ گفتگو کی میز پر بیٹھے اور اس طرح کشمیر کے ایک ٹکڑے کو اپنے پاس رکھ کر کوئی سمجھوتہ کرسکے۔ وادی میں رہنے والے کشمیری اس داؤ پیچ کو نہیں سمجھ پائے اور بنیاد پرستی اور اس کے پروپیگنڈے کے لئے پاکستانی حکمرانوں کے آلۂ کار بن گئے۔ میں اس سے اتفاق نہیں کرتا اور میری پارٹی بھی اسے پسند نہیں کرتی۔ ہم پہلے جموں و کشمیر کے ایک ہونے کی حمایت کرتے ہیں اور اس کے بعد ہم اس بات کی حمایت کرتے ہیں کہ ہندوستان پاکستان سمیت پڑوسی ممالک سے تعاون حاصل کیا جائے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ وادی کشمیر کے چار سابق انتہاپسند کمانڈروں کو آئی ایس آئی نے خوب خوب استعمال کیا لیکن بالآخر ان لوگوں نے محسوس کرہی لیا کہ وہ پاکستان کے آلۂ کار بن گئے اور پاکستانی حکام کو کشمیریوں سے کوئی محبت نہیں وہ صرف اپنے مفادات کے لئے یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ یہی ہے پاکستان کی کشمیر پالیسی۔

سوال: ہندوستان اور پاکستان کشمیر کی لڑائی، اقوام متحدہ کے انسانی حقوق کمیشن کے پلیٹ

فارم پر جنیوا اور نیویارک میں غیر سرکاری رضاکار تنظیموں کے توسط سے لڑتے رہے ہیں۔ اس صورت حال پر آپ کا کیا تبصرہ ہے؟

جواب: غیر سرکاری رضاکار تنظیموں کا کھیل دراصل مغربی طاقتوں کا خود ان کے اپنے مفادات کے تحفظ کا ایک وسیلہ ہے۔ ان کی اس چال کا مقصد ایشیائی، افریقی اور لاطینی امریکہ کے لوگوں کو بلیک میل کرنا اور انہیں ایسے جال میں پھانسنا ہے جس سے وہ مجبور ہو کر ان کی باتوں کو مان لیں خاص طور سے اقتصادی معاملات میں۔ مغربی ممالک اس بات پر نظر رکھتے ہیں کہ ترقی پذیر ممالک میں کون کون سے ملک ایسے ہیں جنہیں غیر سرکاری رضاکار تنظیموں کے توسط سے پریشان کیا جاسکتا ہے تاکہ وہ ان پر اقتصادی رعایتوں کے لئے دباؤ ڈال سکیں۔ اس پورے عمل میں وہ اولیت اپنے اقتصادی مفادات کو دیتے ہیں اور اس کے لئے انہیں ایک ہتھیار کی ضرورت پڑتی ہے۔ گذشتہ پانچ برسوں سے کشمیر کے بارے میں بحث و مباحثہ ہو رہا ہے پھر بھی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے کچھ نہ کہا جاسکا۔ دوسری طرف جب امریکہ نے دیکھا کہ کویت میں اس کے مفادات پر ضرب پڑ سکتی ہے تو اس نے تمام اہم یوروپی نیز کچھ عرب ممالک کو اکٹھا کر کے دو ہفتوں کے اندر ہی اندر عراق کو تباہ کردیا اور خلیج کے پورے علاقے میں تیل سے متعلق اپنے مفادات کے تحفظ کو یقینی بنالیا۔ اب وہ ایران کے پر کترنے کی فکر میں ہے کیونکہ وہ اس کے سامنے سینہ سپر ہے۔ شمالی کوریا اور ہندوستان (کشمیر کے سوال پر) بھی اس کے نشانے پر ہیں۔

میں گذشتہ نو برسوں سے یوروپ میں مقیم ہوں میں ایسی کئی غیر سرکاری تنظیموں کو مضمون کرسکتا ہوں جنہوں نے مجھ سے رابطہ قائم کیا لیکن ایک سوال پر وہ مجھے مطمئن نہ کرسکے۔ میرے اس سوال کا وہ اطمینان بخش جواب نہ دے سکے کہ کیا وہ بالواسطہ طور پر غریب ایشیائی ممالک کے مفادات کے خلاف اور مغربی ممالک کے مفادات کے حق میں کام نہیں کر رہے ہیں؟ وہ رضاکار تنظیمیں جو دور دراز کے ترقی پذیر اور غیر ترقی یافتہ ممالک سے انسانی حقوق کمیشن میں انصاف کی امید لے کر آتی ہیں وہ اپنی آمد کے 24 گھنٹے بعد ہی ناامیدی کے سمندر میں ڈوب جاتی ہیں۔ کس

قدر ستم ظریفی کی بات ہے کہ جنہوں نے ہمیں 75 لاکھ روپے میں فروخت کر دیا، یہ وہی ایجنسیاں ہیں جن سے انسانی حقوق کمیشن میں انصاف کے لئے اب ہم رابطہ قائم کر رہے ہیں۔ اس طرح گویا ہم ترقی یافتہ ممالک کے ہاتھ میں ایسا ہتھیار دے رہے ہیں جس کے ذریعہ وہ معاشی معاملات میں ہمیں آلہ کار بنا کر آپس میں ہمیں بخرے تقسیم کر لیں اور سیاسی سطح پر ہمیں بلیک میل کریں۔ میں آپ کو بتا دوں کہ میں ایک غیر سرکاری رضاکار تنظیم کے سربراہ کو جانتا ہوں (اتفاق کی بات یہ ہے کہ وہ اپنی تنظیم کا اکلوتا ممبر ہے)۔ جنیوا میں وہ اسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرتا ہے جس میں صدر بل کلنٹن آکر ٹھہرے تھے۔

اس ہوٹل کا کرایہ جس میں ان کا "نمائندہ" قیام کرتا ہے چودہ ہزار روپے فی رات ہے۔ کون اس کے لئے اتنی بڑی رقم ادا کرتا ہے؟ یقیناً کوئی نہ کوئی ایجنسی کرتی ہوگی اور اس کا کوئی نہ کوئی مقصد بھی ہوگا۔

سوال: کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ اس کا نظم و نسق صرف اس صورت حال کی وجہ نہیں ہے بلکہ اس عظیم تہذیب کا مرہون منت ہے جس کی علامت باپائے قوم مہاتما گاندھی تھے۔ اگر ایک انتہا پسند انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتا ہے تو یہ ان اصولوں کے تئیں اس کی عدم واقفیت ہے جن کے تحت وہ ایک مہذب سماج میں اسطرح کی حرکت کرتا ہے۔ بلاشبہ، کسی کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرے۔ لیکن سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں جب انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہوگی تو یہ ہندوستان کے عظیم کلچر اور فلسفہ حکومت کے ماتھے کا کلنک ثابت ہوگی۔ یہ ایک ناقابل معافی جرم ہوگا۔ اس سلسلے میں اندرابی کی مثال پیش کرتا ہوں۔ اگر برائے بحث یہ مان بھی لیا جائے کہ اسے سیکورٹی فورس والوں نے نہیں مارا تھا تب بھی اصول اور قانون کی رو سے حکومت ہند کو اس کی حفاظت کا انتظام کرنا چاہئے تھا جس سے اس نے پہلو تہی کی۔ اسی طرح کشمیری پنڈتوں کو بھی تحفظ عطا کیا جانا چاہئے تھا تاکہ وہ وادی چھوڑ کر نہ

جائیں۔ لیکن یہ بھی نہیں ہوا۔

انسانی حقوق کی اس خلاف ورزی کے پیچھے جس کسی کا بھی ہاتھ ہو وہ بہر حال ہندوستان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ وہ آئی ایس آئی کے مقاصد پورے کر رہا ہے۔ ستائیس سال بعد کشمیر واپس آتے وقت میری خواہش ہوگی کہ میں مذہب، عقائد اور نظریے کے امتیاز کے بغیر تمام کشمیریوں کے لئے امن اور وقار کا تحفہ لاؤں۔ میں اس موقع کا انتظار کر رہا ہوں تاکہ میری کوشش نہ صرف کشمیر اور ہندوستان بلکہ پورے برصغیر میں استحکام کا باعث بنیں۔

کے ایل ایف لیڈر کی جانب سے تشدد کی مذمت

سرینگر 3/اگست، ہاشم قریشی نے جو 1971ء میں ایک ہندوستانی جہاز کا اغوا کر کے اسے لاہور لے گئے تھے ایک مقامی اخبار کو مراسلہ لکھا ہے جس میں انہوں نے موجودہ تخریبی کارروائیوں کو بڑھاوا دینے والے شبیر شاہ اور دوسرے افراد سے اپیل کی ہے کہ وہ پاکستان کی خفیہ ایجنسیوں کا آلۂ کار بننا ترک کر دیں اور ایک "حقیقی تحریک آزادی" کو فروغ دینے میں مدد کریں۔

قریشی جو اس وقت ہالینڈ میں مقیم ہیں، کے ایل ایف کے سرگرم کارکن مقبول بٹ کے بہت بڑے حامی تھے، جنہیں پھانسی دے دی گئی۔ مقبول بٹ امان اللہ خان (کے ایل ایف کے سربراہ) کے مخالف تھے کیونکہ خان کی مسلح جدوجہد کے نظریے سے انہیں اختلاف تھا۔ اپنے خط میں قریشی نے کے ایل ایف کی موجودہ قیادت کو جو جنرل ضیاء الحق کی رچی ہوئی سازش کے تحت آئی ایس آئی کی ہدایات پر کام کر رہی ہے، یہ یاد دلایا کہ دھماکوں کے ذریعہ معصوم کشمیریوں کو ہلاک کرنا فرنٹ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔

قریشی کے خیال میں مسلح جدوجہد کا نشانہ کشمیر میں تعینات ہندوستان کے مٹھی بھر فوج کے افسران اور وہ سیاست داں ہونے چاہئیں جو ہندوستان اور پاکستان کے مفادات کا تحفظ کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ بات زور دے کر کہی کہ کے ایل ایف کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں سے آزادی حاصل کی جائے۔

قریشی نے ہندو عبادت گاہوں پر ہونے والے حملوں کی بھی مذمت کی کیونکہ کے ایل ایف سیکولرزم کی حامی ہے اور ہر ذات، مذہب اور فرقے کو برابر کا درجہ دینے کی ضمانت دیتی ہے۔

سفارت کا قتل

قریشی کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے امان اللہ خان کے اس پلان کو کبھی تسلیم نہیں کیا جس کے تحت ہندوستانی سفارت کار رویندر مہاترے کو برمنگھم میں فروری 1984ء میں ہلاک کیا گیا ان کے مطابق 1985ء میں جب انہوں نے محسوس کیا کہ وہ امان اللہ خان کی دہشت گردی کی بچگانہ کارروائیوں پر مبنی پلان کو روکنے میں ناکام رہے تو انہوں نے فرنٹ کی سنٹرل کمیٹی اور تنظیم کے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا۔ مہاترے کے قتل کے چند روز بعد جو مقبول بٹ کو پھانسی ہوئی اس کا ذمہ دار قریشی امان اللہ خان ہی کو سمجھتے ہیں ان کا خیال ہے کہ حکومت ہند مقبول بٹ کو پھانسی نہ دیتی اگر امان اللہ خان کی ہدایت پر کے ایل ایف نے مہاترے کا اغوا نہ کیا ہوتا۔

انہیں وہ واقعہ یاد آیا جب مقبول بٹ کی پھانسی کے بعد برطانیہ میں امان اللہ خان سے ان کی ہاتھاپائی ہوئی تھی۔ فرنٹ کے دوسرے ممبران نے بیچ بچاؤ کر کے انہیں الگ کیا۔ انہوں نے اس بات کا بھی انکشاف کیا کہ امان اللہ خان نے 1984ء میں جموں سے دلی جانے والی ایک ٹرین میں بم رکھنے کے علاوہ اس کی پانی کی ٹنکی میں زہر ملانے کا منصوبہ بھی بنایا تھا۔ لیکن خوش قسمتی سے وہ پلان ناکام ہو گیا جیسا کہ ہاشم قریشی نے بتایا قریشی نے اس بات کا بھی اشارہ کیا کہ ایک بار جب وہ پاکستان میں تھے تو آئی ایس آئی نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ کشمیری

نوجوانوں کو سرحد پار سے لایا جائے اور انہیں تخریب کاری کی ٹریننگ دی جائے لیکن "میں نے اسے ٹھکرا دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ میں پاکستان کے لئے کام نہیں کرنا چاہتا تھا بلکہ کشمیر کو ہندوستان اور پاکستان دونوں سے آزاد کرانے کے لئے کچھ کرنا چاہتا تھا"

قریشی کا کہنا ہے کہ فرنٹ کی موجودہ قیادت تنظیم کے مخلص کارکنوں کو دھوکہ دے رہی ہے اور اس حقیقت کو چھپا رہی ہے کہ پاکستانی فوجیں اپنے قبضہ والے علاقے کو بھی

خالی نہیں کریں گی جس سے "آزاد کشمیر" کے قیام کی راہ ہموار ہو سکے۔ قریشی نے کے ایل ایف کی اس بات کے لئے بھی مذمت کی کہ اس نے پیپلز لیگ اور جماعت اسلامی سے ہاتھ ملایا ہے اور یہ جماعتیں کشمیر کے پاکستان سے الحاق کی حامی ہیں۔

(ٹائمز آف انڈیا نئی دلی 4/اگست 1989ء)

کشمیری تارکین وطن کا مسلح جدوجہد ختم کرنے کا مطالبہ

سہ فریقی گفتگو کی حمایت

دمام۔ سوموار

سلطنت میں مقیم کشمیریوں نے حصول آزادی کے لئے مسلح جدوجہد کو بطور وسیلہ بروئے کار لانے کا سلسلہ مکمل طور پر ختم کرنے کی زبردست حمایت کی ہے۔ ہالینڈ میں مقیم ایک کشمیری لیڈر نے جس نے سلطنت میں مقیم لوگوں سے کئی راؤنڈ بات چیت کی ہے آج اس بات کا اشارہ کیا۔ ایک ملک بدر کشمیری ہاشم قریشی نے کہا کہ کشمیریوں نے اتفاق رائے سے اس پلان کو منظوری دی ہے کہ وہ ہندوستان اور پاکستان سے سہ فریقی گفتگو کرنے کے لئے اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں تاکہ ان سے کشمیر کی آزادی سے متعلق جدوجہد کے بارے میں تبادلہ خیال کیا جا سکے۔

قریشی، جو اس وقت اس سلطنت کے دورے پر ہیں، مشرقی اور وسطی صوبوں اور مغربی علاقے میں مقیم کشمیریوں سے گزشتہ دو ہفتوں کے دوران ملاقات کی اور ان سے اس بات کے لئے حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی کہ سیاسی خود اختیاری کے لئے ایک نئی حکمت عملی تیار کی جائے۔ انہوں نے پاکستان کی سابق وزیراعظم بینظیر بھٹو کے اس بیان کی نفی کی جو آج کے سعودی گزٹ میں شائع ہوا ہے اور جس میں کہا گیا ہے کہ آزاد کشمیر اپنا وجود

برقرار نہ رکھ سکے گا کیونکہ وہ پاکستان، ہندوستان، افغانستان، چین اور وسطی ایشیا کے درمیان سازشوں کی آماجگاہ بن جائے گا۔

ہاشم قریشی نے کہا کہ "کشمیری آپس میں نیز پڑوسیوں کے ساتھ پرامن زندگی گذارنے کا سلیقہ جانتے ہیں۔ اگر آزادی مل گئی تو ہم کشمیری پوری دنیا کو یہ یقین دہانی کراتے ہیں کہ ہم صرف امن کے خواہاں ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں چاہتے۔ وہ سیاست داں سخت ناانصافی کر رہے ہیں جو ہمیں اور کشمیر کے مسئلہ کو صرف اپنے سیاسی مقاصد اور پروپیگنڈے کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔

مسز بھٹو کو یہ امید ہے کہ جموں وکشمیر کے لوگ جب اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے تو وہ پاکستان سے الحاق کے حق میں ہوں گے۔ یہ ان کی ذاتی سیاسی خواہش ہے۔ "خود کشمیری کس بات کی امید کر رہے ہیں؟" انہوں نے سوال کیا۔ مسٹر قریشی نے کہا کہ اس قسم کا بیان ہندوستان کے وزیر اعظم نرسمہا راؤ نے بھی دیا ہے اور انہوں نے کشمیریوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ ہندوستان کے ساتھ الحاق کریں۔ ان کے اور مسز بھٹو کے مقاصد ایک ہی جیسے ہیں۔

انہوں نے یہ بھی کہا جو سیاست داں کشمیر کے مسئلہ کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے کیونکہ آج کی آزادی کی قومیں اس طرح کے پروپیگنڈوں اور دروغ گوئی میں یقین نہیں رکھتے۔

قریشی نے جو اب بھی جے کے ایل ایف کے ایک سرگرم رکن ہیں کہا کہ وہ اس بات سے خوش ہیں اور انہیں حوصلہ ملا ہے کہ سعودی عرب میں مقیم کشمیریوں نے اس بات کی زبردست حمایت کی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے ساتھ سہ فریقی گفتگو کی جائے اور اسلحوں کا استعمال ترک کیا جائے۔

قریشی دوسرے خلیجی ممالک کا بھی دورہ کرنے والے ہیں۔ وہ اس مہینہ کے آخر تک متحدہ عرب امارات جائیں گے اور یوروپ واپس جاتے وقت برطانیہ میں بھی قیام کریں گے۔

(سعودی گزٹ 29/ دسمبر 1992ء)

اسلام آباد میں ہاشم قریشی کا ایک پریس کانفرنس سے خطاب

جون 1993ء

معزز صحافیو! کشمیر کے مسئلہ اور اپنے اس وطن کی آزادی کے لئے اپنی سیاسی جدوجہد سے حاصل ہونے والے تجربات کی روشنی میں اس کے ممکنہ حل کے بارے میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں گذشتہ چھ برسوں سے جلاوطنی کی زندگی گذار رہا ہوں۔ مجھے متعدد سفارتی مشن، انسانی حقوق سے متعلق تنظیموں، قومی جدوجہد آزادی کے وفود اور بین الاقوامی شہرت کے حامل سیاست دانوں سے باتیں کرنے کا موقع ملا ہے اور میں نے ان سے کشمیر کے قومی مسئلہ پر بحث کی ہے اس تنازعہ کے بارے میں، میں نے ان کی رائے کو بڑی سنجیدگی سے نوٹ کیا ہے۔

میں یہاں آپ کی موجودگی کا بے حد ممنون ہوں اور آپ کا استقبال کرتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی ہے۔ آپ اپنے پیشہ ورانہ اور قومی فرائض کو جس احساس ذمہ داری کے ساتھ نبھا رہے ہیں اس سے میں پورے طور پر واقف ہوں۔ تاریخی اعتبار سے کشمیر کئی ریاستوں کی ایک یونین کی حیثیت رکھتا تھا۔ بدقسمتی سے کچھ سازشوں اور موقع پرستوں نے 1949ء میں اسے تین ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ ہندوستان کے قبضہ والے کشمیر کے سرینگر کی حالت آج کل ناگفتہ بہ ہے۔ زندگی کے معمولات معطل ہو کر رہ گئے ہیں۔ ہندوستان کی مسلح افواج بڑی بے دردی سے کشمیریوں کو مار رہی ہیں۔ کشمیری خواتین کی اجتماعی عصمت دری ہر روز کا معمول بن گئی ہے۔ پورا خطہ بندوق اور لاقانونیت کی زد میں ہے اور کاروبار

غصب پڑ گیا ہے کشمیریوں کی ایک پوری نسل کو ختم کیا جا رہا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی کٹرپن کو خوب بڑھاوا مل رہا ہے اور کشمیری پنڈتوں کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا گیا اس تحریک کے آغاز میں، میں نے اس طریقہ کار کی مخالفت کی تھی جسے غیر ملکی طاقتوں کے زیر اثر اختیار کیا گیا تھا اور یہ راستہ کشمیر کی تقسیم کا اشارہ کر رہا تھا۔ چار سال کی لگاتار جدو جہد سے کچھ حاصل نہ ہو سکا۔ پاکستانی مقبوضہ کشمیر یا نام نہاد آزاد کشمیر میں بھی صورت حال کچھ بہتر نہیں ہے کشمیر کے اس حصے کو بیرونی ممالک کے مراعات یافتہ طبقے نے اپنی کالونی بنا رکھا ہے اور اسے یہ لوگ "آزاد کشمیر" کا نام دیتے ہیں۔ یہاں بڑے پیمانے پر ناخواندگی، غریبی اور بیروزگاری نظر آتی ہے اور اطمینان بخش معیار زندگی کے لئے جن بنیادی سہولیات کی ضرورت ہوتی ہے وہ ندارد ہیں۔ بہت سنگین نوعیت کی سماجی برائیاں مثلاً رشوت ستانی اور اقربا پروری عام ہیں۔ بد عنوانی اور سرکاری خزانہ کے بیجا استعمال کو تو اب کوئی برائی بھی نہیں تصور کیا جاتا۔ وزارت برائے امور کشمیر اور کشمیر کونسل قومی وسائل کو بری طرح برباد کر رہی ہیں۔ پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے لوگ بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ پاکستانی افسر شاہی نے انہیں منگلا ڈیم قومی جنگلات اور معدنیات کی رائلٹی سے ہی نہیں بلکہ اس رقم سے بھی محروم کر رکھا ہے جو آزاد کشمیر کے لوگ اور یہاں کے مزدور غیر ممالک سے کما کر بھیجتے ہیں۔

"آزاد کشمیر" کی حکومت کی ایک چیف سیکریٹری مدد کرتا ہے جو حکومت پاکستان کی طرف سے تھوپا جاتا ہے۔ گلگت اور بلتستان کی حکمرانی ایڈمنسٹریٹروں کے ایک ناکارہ کیڈر کے ذمہ ہوتی ہے جو یہاں کے لوگوں کے لئے اجنبی ہوتا ہے۔ اس علاقے کے لوگ اپنے بنیادی حقوق سے محروم ہیں۔ نہ تو انہیں رائے دہی کا حق حاصل ہے اور نہ وہاں ہائی کورٹ ہیں جہاں سے وہ انصاف حاصل کر سکیں۔ وہاں ایک جوڈیشیل کمشنر تعینات کر دیا جاتا ہے جو لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کرتا ہے۔ لوگوں کو مسلک کے جھگڑوں میں الجھا دیا گیا ہے تاکہ لوگ فرقہ وارانہ بنیاد پر ایک دوسرے سے نفرت کریں۔ اگر مختصراً کہا جائے تو حیثیت مسلمانوں کے ساتھ یہی کچھ کرنا چاہتی ہے۔

میری مادر وطن پر ناجائز قبضہ کرنے والے عناصر کو بھلا اس بات کی کیا فکر ہو سکتی

ہے کہ وہ ان برائیوں کو دور کریں اور عوام کو راحت پہنچانے کا بندوبست کریں۔ وہ تو کشمیر تنازعہ کو اپنے خود غرضانہ مفادات کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ کشمیریوں کو پورے طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے اور انہیں ایک کنارے لگا دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنی قسمت سنوارنے میں خود کوئی رول ادا نہ کر سکیں۔ کشمیر کے علاقوں پر ناجائز قبضہ کرنے والے یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ یہ دو ممالک کا علاقائی تنازعہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کے نزدیک کشمیری قوم کا وجود تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ تاریخ کی رو سے یہ بات بالکل غلط ہے۔

ہندوستان نے ایک کامیاب خارجہ پالیسی کا سہارا لے کر کشمیری عوام پر جابرانہ طریقے تھوپ رکھے ہیں۔ دوسری طرف پاکستان اقوام متحدہ کی قراردادیں نافذ کرانے کے لئے چیخ رہا ہے۔ چند روز قبل پاکستان نے جنیوا میں انسانی حقوق کی ایک تنظیم کی بریفنگ میں ہندوستان کے خلاف ایک قرارداد پیش کی جس میں کشمیر میں انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا ذکر تھا۔ صرف تین ممالک، لیبیا، ایران اور سوڈان نے اس کے حق میں ووٹ دینے کا وعدہ کیا۔ پاکستان کی پوزیشن بڑی ہزیمت آمیز ہو گئی اور اسے قرارداد کا مسودہ واپس لینا پڑا۔ اس سے اس بات کا اشارہ ملتا ہے کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی کتنی کامیاب ہے۔ سچائی یہ ہے کہ ہندوستان اور پاکستان دونوں نے بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی کر کے کشمیر پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ پاکستان کی وزارت برائے امور کشمیر اور کشمیر کونسل کے کٹھ پتلی حکام نے مل کر کشمیریوں کے حقوق پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ ان کٹھ پتلی حکومتوں کو مذہبی انتہا پسندی کو فروغ دینے کے لئے استعمال کیا گیا اور پھر اس کٹرپن کو کشمیر تحریک میں داخل کر دیا گیا۔ وہ ایسے خطوط پر کام کر رہے ہیں جس کا نتیجہ کشمیر کی تقسیم کی شکل میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ بندوق اٹھانے کی جس منطق کو بروئے کار لایا گیا اس کا نتیجہ ہمارے سامنے نہ تو غلامی کی زنجیریں ٹوٹ رہی ہیں اور نہ ہی ہماری پسماندگی اور غریبی دور ہو رہی ہے۔ آزادی کا دور تک کوئی پتہ نہیں ہے۔ کشمیر میں زندگی خطرات سے گھری ہوئی ہے کیونکہ عدم سلامتی کا احساس ہی آج کی صورت حال کا اشاریہ ہے ایک طرف پاکستان مسئلہ کشمیر پر بین الاقوامی رائے عامہ کو اپنے حق میں ہموار نہ کر سکا تو دوسری طرف ہندوستان نے سابقہ صورت حال کو ہی برقرار رکھا۔ کشمیر کی تقسیم کی افواہیں گرم ہو رہی ہیں۔ اس سے قطع نظر کئی تجاویز کا ذکر بھی عام ہے۔ ایک تو یہ

ہے کہ وادی کشمیر کو ایک آزاد ریاست بنایا جائے جب کہ دوسری تجویز یہ ہے کہ کشمیر کو مذہب کی بنیاد پر تقسیم کیا جائے۔ ہم کشمیری ان سازشوں کو یہ وارننگ دیتے ہیں کہ کشمیر کو تقسیم کرنے کی ہر کوشش کو ناکام بنا دیں گے۔ ہر شخص یہ بات نوٹ کرے کہ کشمیر کی تقسیم پورے علاقے کی تباہی کا باعث بن جائے گی۔

کشمیر تنازعہ کو ختم کرنے کے لئے کشمیر میں تعینات تمام مسلح افواج کو واپس بلانا ہوگا اور اس کی آزادی کو تسلیم کرنا ہوگا۔ تنازعہ کشمیر کے پرامن حل کے تئیں منفی رویہ اپنانا ہندوستان اور پاکستان دونوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوگا۔ اس المیے کے مضمرات سے برصغیر کی پوری آبادی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ پائے گی۔ کشمیری ایسے کسی معاہدے یا قرارداد سے اتفاق نہیں کر سکتے جس میں ان کی نمائندہ قیادت کی شرکت نہ ہو۔ وہ استصواب رائے سے متعلق اقوام متحدہ کی مشروط قرارداد کو بھی تسلیم نہیں کر سکتے۔ کشمیر کے علاقے میں تعینات اپنے تمام مسلح فوجیوں کو پاکستان کو واپس بلانا چاہئے تاکہ ایک ایسی قومی جمہوری حکومت تشکیل دی جا سکے جس کا دائرہ اختیار گلگت، بلتستان اور آزاد کشمیر سبھی علاقوں پر ہو اور اسے ایک خود مختار ریاست کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے۔ ہندوستان کی مسلح افواج کو بھی کشمیر خالی کر دینا چاہئے تاکہ کشمیر کی علاقائی وحدت اور یکجہتی کو یقینی بنایا جا سکے دونوں ملکوں کو چاہئے کہ وہ کشمیر کو ایک آزاد ریاست کی حیثیت سے تسلیم کر لیں۔ ہم خطے کے تمام باشندوں کے درمیان فروغ امن کے خواہاں ہیں لیکن ہم اپنے خلاف سازش کرنے والوں کی کشتی ضرور ڈبو دیں گے۔

مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے میری تجویز یہ ہیں۔

(الف) کشمیر سے تمام غیر ملکی فوجیں واپس جائیں (ب) جنگ بندی لائن کو مٹا دیا جائے تاکہ کشمیر کے دونوں حصوں کے عوام کو آپسی رابطہ قائم کرنے میں آسانی ہو۔

(ج) اقوام متحدہ کی امن فوج کی موجودگی میں نمائندوں کا انتخاب عمل میں لایا جائے۔

(د) دونوں طرف کے منتخب نمائندے تنازعہ کے پرامن حل کے لئے گفتگو میں شریک ہوں۔ اس وقت ہم ہندوستان سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ کشمیر کے لوگوں پر ظلم ڈھانے کا سلسلہ بند کرے اور ہم آزادی کے لئے جدوجہد کرنے والوں کی تحریک اور ان کی قربانیوں کا

ریکارڈ مرتب کریں۔

معزز صحافیوں یہ اب بالکل ضروری ہو گیا ہے کہ کشمیر کے تمام علاقوں میں انتخابات کرائے جائیں۔ منتخب نمائندوں کے توسط سے بامقصد گفتگو کا اہتمام کیا جائے اور اس طرح معاملات طے کئے جائیں۔ وہ نوجوان جو ہندوستان کے قبضہ والے کشمیر سے مظفر آباد چلے گئے تھے اور جو "آزاد کشمیر" کے مختلف کیمپوں میں مقیم ہیں، ہماری خصوصی توجہ کے مستحق ہیں کیونکہ ان کی پریشانیوں کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ انہوں نے فرسٹریشن میں نشیلی ادویات کا استعمال شروع کر دیا ہے۔ ایک طرف انہوں نے اپنی جوانی الجہاد کی نذر کر دی تو دوسری طرف ان کی قیادت اپنے منہ میاں مٹھو بنتی ہے اور مسئلہ کشمیر اور کشمیری نوجوانوں کی قربانیوں کو اس نے اپنا کاروبار بنا لیا ہے۔ میں ہندوستان کی سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں کشمیریوں کی ہلاکت کی سخت مذمت کرتا ہوں اور ہندوستان کے عوام سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی حکومت پر دباؤ ڈالیں کہ وہ اس طرح کے غیر انسانی فعل سے باز آ جائے۔ میں ہندوستان اور پاکستان کے دانشور طبقے سے عرض کرتا ہوں کہ وہ اپنی اپنی حکومتوں کو اس بات کے لئے مجبور کریں کہ وہ کشمیر کے لوگوں کو خود اختیاری کا حق دیں اور برصغیر میں قیام امن کو یقینی بنائیں۔ شکریہ!

☆☆☆☆☆

حصہ سوم

اخباروں کے تبصرے

(1) پورے جموں وکشمیر کو ایک دستور ساز اسمبلی منتخب کرنی چاہئے

نئی دلی۔ جے کے ایل ایف لیڈر ہاشم قریشی نے ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم نیز اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل کو خط لکھا ہے جس میں کشمیر سے متعلق اقوام متحدہ کی قراردادوں کی اہمیت کے بارے میں سوال اٹھاتے ہوئے یہ تجویز پیش کی ہے کہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر گلگت اور بلتستان سمیت پورے جموں وکشمیر میں انتخابات کرائے جائیں تاکہ ایک دستور ساز اسمبلی تشکیل دی جاسکے۔ 29 اگست 1993 کو لکھے گئے اس خط کی ایک نقل ایمسٹرڈم سے یو این آئی کو بھیجی گئی ہے۔ مسٹر قریشی پاکستانی جیل سے رہا ہونے کے بعد ایمسٹرڈم میں خود سے عائد کردہ جلاوطنی کی زندگی گذار رہے ہیں۔

اپنے خط میں مسٹر قریشی نے کہا کہ کشمیر سے متعلق اقوام متحدہ کی قراردادیں ہندوستان اور پاکستان کے جھگڑوں کا نتیجہ ہے۔ انہیں کشمیر کے عوام کی منظوری حاصل نہیں ہے۔ اپنے پچھلے مضامین میں انہوں نے لکھا ہے کہ 1972 کے شملہ معاہدے کے بعد ان قراردادوں کی اہمیت یوں بھی ختم ہوگئی کیونکہ یہ عالمی ادارہ ممبر ممالک کے درمیان باہمی معاہدوں کی قانونی حیثیت کو تسلیم کرتا ہے۔

مسٹر قریشی نے یہ الزام لگایا کہ فوجی بیوروکریسی مسئلہ کشمیر کے حل میں رکاوٹ بن رہی ہے۔ انہوں نے اس کشیدگی کے لئے "غیر جمہوری طاقتوں" کو بھی ذمہ دار قرار دیا۔

انہوں نے لکھا کہ پاکستانی وزیر اعظم نواز شریف نے تیسرے متبادل کی حمایت کرنے کے وعدے سے مکر کر یہ ثابت کردیا کہ کس طرح "اصلی بادشاہ" جمہوری اداروں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ بی بی سی کو دئے گئے اپنے انٹرویو میں مسٹر شریف نے تیسرے متبادل کی حمایت کی تھی لیکن بہت جلد ہی وہ اس سے مکر گئے۔

پاکستانی فوج کو سخت تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے انہوں نے لکھا کہ "کس طرح یہ فوجی جنرل تیسری دنیا کے ایک ملک میں خوش حالی کی زندگی گذارتے ہوئے جب چاہیں اپنی مرضی سے ریاست کے اختیارات کا استحصال کرکے پوری جمہوریت کو یرغمال بناسکتے ہیں۔
انہوں نے دونوں وزرائے اعظم سے اپیل کی کہ وہ کشمیر میں سرحدوں کو کھول دیں تاکہ لوگوں کو آنے جانے کی سہولیات حاصل ہوسکیں۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ پورے کشمیر میں دستور ہند یا پاک مقبوضہ کشمیر کے نام نہاد عبوری دستور کی شرط کے بغیر انتخابات کرائے جائیں تاکہ ایک آئینی اسمبلی قائم کی جاسکے۔

(ٹریبیون، چنڈی گڑھ 10 ستمبر 1992)

....

(2) 'جلاوطن جے۔کے۔ایل۔ایف لیڈر کی جانب سے سہ فریقی گفتگو کی حمایت'

ابوظہبی۔ جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ کے ایک جلاوطن ممبر کے مطابق مسلسل مسلح جدوجہد کے مقابلے کشمیریوں کی ہندوستان اور پاکستان کے حکام کے ساتھ سہ فریقی گفتگو زیادہ بہتر نتائج کا حامل ثابت ہوسکتی ہے۔ ہاشم قریشی نے جو اس وقت خلیج اور دوسرے ممالک کے دورے پر آئے ہوئے ہیں اور کشمیر کے پیچیدہ مسئلے کے حل کے لئے حمایت حاصل کرنا چاہتے ہیں، امیریٹ نیوز (Emirates News) کو بتایا کہ عالمی پیمانے پر کشمیریوں کی رائے میں جو تبدیلی آئی ہے وہ اس بات کا اشارہ ہے کہ سہ فریقی گفتگو کو انتہاپسندانہ سرگرمیوں کے مقابلے میں زیادہ حمایت حاصل ہے۔ انہوں نے یہ تجویز پیش

کی کہ اس عمل کا آغاز اس طور پر ہونا چاہئے کہ آزاد کشمیر، گلگت اور بلتستان سمیت پورے جموں و کشمیر میں دستور ساز اسمبلی کی تشکیل کے لئے غیر مشروط طور پر انتخابات کرائے جائیں۔

مسٹر قریشی نے یہ امید ظاہر کی کہ کشمیری تنظیمیں مل جل کر امریکہ سے دباؤ ڈلوائیں گی تاکہ کشمیر میں انتخابات کرائے جاسکیں۔ قریشی کو جو 1971ء میں ایک ہندوستانی طیارے کی ہائی جیکنگ میں ملوث تھے، پاکستان میں 19 سال کی سزا ہوئی تھی جو بعد میں کم کر کے 9 سال کر دی گئی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ ہائی جیکنگ کے وقت ان کی عمر صرف 17 سال تھی۔ ان کے مطابق اس طرح کی مسلح شورش سے کسی بہتر نتیجہ کی امید نہیں کی جاسکتی، خاص طور سے اسلامی ممالک میں یہ ممکن نہیں کیونکہ طاقت کا استعمال قابل نفرت فعل تصور کیا جاتا ہے۔ قریشی نے جو اس وقت ایمسٹرڈم میں رہتے ہیں، اس بات کا مطالبہ کیا کہ سرحدوں کو کھول دیا جائے تاکہ کشمیری، ہندوستان اور پاکستان کے قبضے والے علاقوں سے آجا سکیں۔ انہوں نے اس بات کا بھی مطالبہ کیا کہ کشمیریوں کو اپنی حکومت منتخب کرنے کی اجازت دینے کا فیصلہ جلد از جلد کیا جائے۔

(ایمیریٹ نیوز 7/ جنوری 1993)

....

(3) کشمیریوں کی جانب سہ فریقی گفتگو سے متعلق تجویز کا خیر مقدم

ابوظہبی۔ دنیا کے مختلف خطوں میں مقیم کشمیریوں نے اس بات کی حمایت کی ہے کہ حصول آزادی کے وسیلہ کے طور پر جو مسلح شورش شروع کی گئی ہے اسے ختم کیا جانا چاہئے۔ انہوں نے اس تجویز کی تائید کی ہے کہ اس مسئلہ کے حل کے لئے سہ فریقی گفتگو شروع کی جائے۔

اس بات کی وضاحت جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ کے ایک جلا وطن ممبر مسٹر ہاشم قریشی نے کی جو متنازعہ علاقہ کے سلسلے میں موجودہ تعطل کو ختم کرنے کی غرض سے نئی پیش رفت کی تجویز کی حمایت حاصل کرنے کے لئے بعض ممالک کے دورے پر نکلے ہیں۔

قریشی نے کہا کہ کشمیریوں کو اپنے نمائندے خود منتخب کرنے چاہئیں تاکہ وہ ہندوستان اور پاکستان کے حکام کے ساتھ گفتگو کر سکیں۔ انہوں نے گلف نیوز کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں بتایا کہ اس عمل کا آغاز اس طور پر ہونا چاہئے کہ ایک دستور ساز اسمبلی کے لئے "آزاد کشمیر" گلگت اور بلتستان سمیت جموں و کشمیر کے تمام علاقوں میں انتخابات کرائے جائیں اور اس کے لئے دستور ہند یا "آزاد کشمیر" کے عبوری دستور کے متعلق کوئی شرط عائد نہ کی جائے۔ مسٹر قریشی نے کہا کہ کشمیری تنظیمیں آپس میں متحد ہو کر امریکی صدر سے حمایت حاصل کریں گی۔ یعنی وہ مسٹر بل کلنٹن کا اس بات کے لئے انتخاب کریں گی کہ وہ ہندوستان اور پاکستان پر دباؤ ڈالیں کہ دونوں ملک مقبوضہ علاقوں میں انتخابات کرانے کی اجازت دیں۔

انہوں نے یہ خیال پیش کیا کہ اس صدی میں دنیا اب یہ تسلیم نہیں کر سکتی کہ سیاسی خود اختیاری حاصل کرنے کے لئے مسلح شورش کو بروئے کار لایا جائے۔ اسلامی ممالک نے بھی آزادی اور خود مختاری حاصل کرنے کے لئے طاقت کے استعمال کو غلط قرار دیا ہے۔

انہوں نے اس پیچیدہ مسئلہ کے حل کے لئے حکمت عملی میں تبدیلی لانے کی تجویز پیش کرتے ہوئے کہا کہ مقبوضہ علاقوں میں سرحدوں کو کھول دینا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ "لوگوں کو ایک طرف سے دوسری طرف آزادانہ طور پر آنے جانے دیا جائے تاکہ وہ ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ جموں و کشمیر تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے ایک وفاقی سیاسی وحدت ہے۔ قریشی کے مطابق ایک قابل عمل اور حقیقت پسندانہ حل اس طور پر تلاش کیا جاسکتا ہے کہ ان تمام سیاسی یونٹوں کے ہر حلقہ انتخاب کو بنیاد بنا کر انتخابات کرائے جائیں۔ ایک المیہ یہ ہے کہ آج بھی ہندوستان اور پاکستان میں کوئی یہ محسوس نہیں کرتا کہ صورت حال کتنی دھماکہ خیز ہے لیکن جنگ بھی کسی مسئلہ کا حل نہیں پیش کر سکتی۔

(گلف نیوز 7/ جنوری 1993ء)

....

(4) 'جے کے ایل ایف کے ممتاز لیڈر کی امن کے لئے اپیل'

نئی دلی۔ نام نہاد جے کے ایل ایف کے لیڈر ہاشم قریشی نے کشمیر کے لوگوں سے اپیل کی ہے کہ وہ ان لوگوں کے ہاتھ کا کھلونا نہ بنیں جو اپنے ذاتی اور خود غرضانہ مفاد کے لئے پوری قوم کو قربان کرنے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ یو این آئی کو بھیجے گئے ایک دستخط شدہ مضمون میں انہوں نے کشمیر میں مسلح جدوجہد کی بجائے اپنے نئے فلسفہ 'عدم تشدد' کی وضاحت کی ہے۔ انہوں نے تحریر کیا ہے کہ مسلح جدوجہد نے چھ لاکھ مسلمانوں کو کشمیر چھوڑ کر ہندوستان کے دوسرے حصوں میں پناہ لینے پر مجبور کیا ہے اور وادی میں ہر طرف تخریب اور بربادی پھیلائی ہے۔ اس کے علاوہ کشمیر تحریک کے مقصد کو بھی ناکام بنایا ہے۔ اس نے صنعت کو تباہ کیا اور عوام کو بے روزگار بنایا۔ جموں، کشمیر ہندوستان کی ایک ایسی ریاست تھی جہاں شرح خواندگی 47 فیصد ہوا کرتی تھی لیکن اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کشمیریوں کی پوری کی پوری نئی نسل ناخواندہ رہ جائے گی اور اس کی وجہ بھی مسلح جدوجہد ہے۔

جو لوگ مسلح جدوجہد کی حمایت کرتے ہیں وہ افغانستان کا حوالہ دیتے ہیں جہاں بندوق کی نال کے ذریعہ آزادی حاصل کی گئی لیکن انہیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ افغانستان کھنڈر بن کر رہ گیا ہے اور جن لوگوں نے آزادی کے لئے لڑائی لڑی تھی وہ آج خود ایک دوسرے کو قتل کر رہے ہیں۔ مسٹر قریشی رقم طراز ہیں کہ "خدا ہمیں افغانستان جیسی آزادی نہ دے۔"

ہاشم جنہوں نے خود ہی 1971ء میں کشمیر کی "آزادی" کے لئے دہشت گردی کا راستہ اختیار کیا تھا اب یہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ یہ طریقہ کار کشمیریوں کو تباہ اور ان لوگوں کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے جنہوں نے مجاہد کا لبادہ اوڑھ رکھا ہے۔ یہی نام نہاد "مجاہدین" جب پکڑ لئے جاتے ہیں تو ہندوستانی فوج کے مخبر کے طور پر کام کرنے لگتے ہیں ہندوستانی فوج سے لڑنے کی بجائے یہ "مجاہدین" دشمنی اور نفرت کے احساس کو فروغ دینے کے لئے کشمیریوں کا اغوا کر کے انہیں قتل کرتے ہیں۔

قریشی کا کہنا ہے کہ مسلمان اب بھی حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح حکومت پاکستان 1971ء میں پاکستان کے عوام کو یہ جھوٹی تسلی دیتی رہی کہ مشرقی بنگال میں اس کی فوج ہندوستانی فوج اور مکتی باہنی (Bahini) کو شکست پر شکست دیئے جا رہی ہے لیکن 16 دسمبر کو جب پاکستانی قوم کے سامنے اصل حقیقت آئی تو صدمے سے پوری قوم پاگل ہو اٹھی۔ مسٹر قریشی کی تحریر کے مطابق خود پاکستان کے لوگ اب اس خوف میں مبتلا ہو رہے ہیں کہ کہیں کشمیر پاکستان کے مزید ٹکڑے کرنے کا باعث نہ بن جائے۔ انہوں نے کشمیریوں سے اپیل کی کہ جو لوگ ریاست سے بھاگ گئے تھے انہیں بغیر کسی شرط کے واپس آنے دیں۔ انہوں نے ہندوستان کے دانشور طبقے سے بھی یہ درخواست کی ہے کہ وہ ہندوستانی سیکورٹی فورسز کی مبینہ زیادتیوں کے خلاف آواز بلند کریں۔

(دی انڈیپنڈنٹ، نئی دلی 24/جنوری 1993ء)

---

(5) 'مشترکہ سیاسی فورم، مسئلہ کشمیر کی کلید'

پشاور۔ جموں اینڈ کشمیر لبریشن فرنٹ کے جلاوطن لیڈر ہاشم قریشی نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ تشدد کا سہارا لینے کی بجائے مشترکہ سیاسی فورم کا قیام 46 سالہ پرانے مسئلہ کے حل کے لئے زیادہ کارگر ثابت ہوگا۔ وہ یہاں ایک مختصر دورے پر آئے ہوئے تھے اور اخباری نمائندوں کے ساتھ ایک غیر رسمی گفتگو میں انہوں نے اس بات کی پرزور وکالت کی کہ کشمیر تنازعہ کے حل کے لئے حکمت عملی میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔

اس سلسلے میں ان کا خیال ہے کہ ہندوستانیوں کے خلاف مسلح جدوجہد اب تک کسی بہتر نتیجہ کی حامل ثابت نہ ہو سکی سوائے اس کے کہ بڑے پیمانے پر معصوم مسلمان قتل ہوئے اور ان کی املاک تباہ ہوئیں اس کے علاوہ اس نے پاکستان کی کچھ سیاسی پارٹیوں کی اس طور پر حوصلہ افزائی کی کہ وہ کسی نہ کسی شکل میں اس تحریک میں بڑی سرگرمی سے ملوث ہو گئیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ بات سب سے زیادہ جماعت اسلامی اور مسلم لیگ کی حمایت یافتہ مسلم کانفرنس پر صادق آتی ہے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ اول الذکر (جماعت اسلامی) نے کشمیریوں کے نام پر بہت بڑی

رقم جمع کی لیکن کشمیری "فریڈم فائٹرز" تک رقم کا کوئی حصہ نہیں پہنچ سکا۔ انہوں نے کہا کہ قتل و غارت اور تباہی کا سلسلہ بند کرنے کے علاوہ ایک سیاسی پلیٹ فارم کا قیام، اس امکان کو ختم کر دے گا کہ اس طرح کی جماعتیں اپنے سیاسی مقاصد کے لئے اس مسئلہ کے نام پر ناجائز فائدہ اٹھا سکیں۔ "کشمیر بنے گا پاکستان" کا نعرہ بلند کرنے والوں کو تیسرے متبادل یعنی کشمیر کے خود مختار امکان سے مشتعل نہیں ہونا چاہئے بلکہ انہیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ تیسرے متبادل کا ذکر سب سے پہلے خود قائداعظم نے کیا تھا۔ انہوں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کے بیان کا حوالہ پاکستان ٹائمز کے 18/ جون 1947ء کے شمارے سے دیا، جس میں انہوں نے کہا تھا۔

"ہندوستانی ریاستیں اس بات کیلئے آزاد ہوں گی کہ وہ ہندوستان کی دستور ساز اسمبلی سے الحاق کریں یا پاکستان کی دستور ساز اسمبلی سے یا پھر آزاد رہیں" مسٹر قریشی کے مطابق جو لوگ تیسرے متبادل کی مخالفت کر رہے ہیں وہ کسی اصول کی بات نہیں کرتے دراصل وہ اس خوف میں مبتلا ہیں کہ ان کی سیاسی "چودھراہٹ" ان کے ہاتھ سے کہیں چھن نہ جائے۔

ہاشم قریشی نے کہا کہ جو لوگ مسلح تحریک کی وکالت کر رہے ہیں انہیں یہ محسوس کرنا چاہئے کہ یہ تحریک کافی تباہی اور بربادی پھیلا چکی ہے اور مزید بربادی کے امکانات موجود ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وادی کی روایتی گھریلو صنعت پوری طرح تباہ ہو چکی ہے جبکہ سیاحت کی صنعت بھی زوال پذیر ہے۔ انہوں نے یہ اشارہ بھی کیا کہ ان بربادیوں کے علاوہ وادی میں ہونے والے واقعات نے پاکستان کے لئے غیر ضروری مشکلات پیدا کر دیں کیونکہ اسے اس الزام پر دہشت گرد ملک قرار دیا جا سکتا ہے کہ وہ کشمیر میں نام نہاد "مجاہدین" کو اسلحے اور گولہ بارود سپلائی کر رہا ہے۔ مسٹر قریشی نے صورت حال پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس مسئلہ پر مجموعی طور پر مسلم امہ کا رویہ مکمل مایوس کن رہا ہے جبکہ خود وادی کے اندر کشمیری 135 گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ان میں سے کچھ تو ایک دوسرے کے خلاف مخبر کی حیثیت سے کام بھی کر رہے ہیں۔ مسٹر قریشی کے مشاہدے کے مطابق وادی کی صورت حال رفتہ رفتہ فرسٹریشن پیدا کر رہی ہے اور ظاہر ہے کہ اس سے ان کے کاز کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

(دی مسلم، اسلام آباد، یکم مئی 1993ء)

☆☆☆☆

حصہ چہارم

مکتوبات

مکتوب نمبر 1

2/ اگست 1992ء

بخدمت

ہز ایکسی لینسی پی۔ وی نرسمہا راؤ

وزیر اعظم ہند، نئی دہلی

ہز ایکسی لینسی نواز شریف

وزیر اعظم پاکستان

اسلام آباد

ہز ایکسی لینسی بطرس غالی

سیکریٹری جنرل، ادارہ اقوام متحدہ

نیویارک

سبجیکٹ: جموں و کشمیر کا بحران

جناب

سیکورٹی فورسز اور انتہا پسند تنظیموں دونوں کے ہاتھوں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کے واقعات میں جو اضافہ ہو رہا ہے اور سرکاری نیز غیر سرکاری املاک جس بڑے

بڑھنے پر تباہ کی جا رہی ہیں اور جس کے باعث پوری وادی کشمیر کا طرز زندگی ہی بگڑ کر رہ گیا ہے وہ اس بات کا اشارہ کرتا ہے کہ فوجی محاذ آرائی ناگزیر ہو جائے گی۔ اس صورت حال نے مجھے یہ خط لکھنے پر مجبور کیا۔

گذشتہ چالیس برسوں کی تاریخ ہمارے سامنے صورت حال کی ایک واضح تصویر پیش کرتی اور ہمیں یہ ثبوت فراہم کرتی ہے کہ جموں و کشمیر کے مسئلہ میں موثر دونوں فریقوں میں سے کوئی بھی اسے سنجیدگی سے حل کرنے کے لئے کوشاں نہیں ہے۔ وہ تو محض ایک دوسرے کے سر الزام تھوپنے کی کوششوں میں مصروف ہیں اقوام متحدہ کی قراردادیں، جموں و کشمیر کے تعلق سے ہند پاک ٹکراؤ کا نتیجہ ہیں۔ کشمیر کے عوام کی کوئی مرضی و فیصلہ ان میں شامل نہیں ہے۔

ہند پاک تنازعہ کے باعث جموں و کشمیر کے عوام کا خوب استحصال کیا گیا۔ جموں و کشمیر کے عوام کی مرضی کے بغیر اس ریاست کو زبردستی چالیس سال قبل تقسیم کر دیا گیا اور یہ تقسیم اب تک برقرار ہے۔ خاندان تقسیم ہو گئے، معیشت تباہ ہوئی اور ان تمام حالات و کوائف کا نشانہ بنے جموں و کشمیر کے عوام!

المیہ تو یہ ہے کہ آج بھی دونوں میں سے کوئی بھی فریق اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ صورت حال کس قدر دھماکہ خیز ہے اور اس کے نتائج کتنے بھیانک ہو سکتے ہیں۔ حتمی سیاسی تباہ کاری سے بچنے کا کوئی راستہ تلاش کرنے کے بجائے ہر فریق صورت حال کو مزید دھماکہ خیز بنانے پر آمادہ نظر آتا ہے۔ سیاسی مسائل کا حل جنگ سے تو پہلے کبھی تلاش کیا جا سکا ہے اور نہ آئندہ کبھی تلاش کیا جا سکے گا۔ کسی کو کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ ہمارے غریب اور معصوم عوام کی مشکلات اور زبوں حالی میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ اس سے بڑے پیمانے پر جان و مال کا زیاں ہوگا اور یہ صورت حال ہمیں اٹھا کر صدیوں پیچھے پھینک دے گی۔ اگر ہم جنگ کو روکنے میں ناکام رہے تو تاریخ ہم سب کو مساوی طور پر ذمہ دار ٹھہرائے گی۔ امن اور خوشحالی کے لئے حالیہ برسوں میں جو ہمارا رویہ رہا ہے اس نے ہمارے اپنے عوام کی نظروں میں ہمارے خلوص کو مشکوک بنا دیا ہے۔ علاقے میں امن قائم کئے بغیر، خوشحالی کا خواب محض خواب ہی رہے گا۔

عوام الناس کی حالت کو بہتر بنانے کے لئے درپیش حقائق ہمارے بچوں کا مستقبل اور ہماری بدلتی ہوئی دنیا کے تاریخی واقعات اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ ہمارے رویہ میں تبدیلی واقع ہو۔ پورے علاقے کو جنگ کا خطہ بنا کر رکھنا ہر شخص کے بنیادی مفاد کے خلاف ہے۔

یہ بات غلط ہو یا صحیح لیکن عام خیال بھی ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کی آپسی دشمنی عوامی زندگی کو متاثر نہیں کرتی اور اسے تو دونوں طرف کے اعلیٰ حکام نے مصنوعی طور پر زندہ رکھا ہوا ہے اب یہ عام خیال، حقیقت ہے یا محض ایک مفروضہ لیکن یہ بات بالکل درست ہے کہ بیورو کریسی اور خاص طور سے فوجی بیورو کریسی کسی طرح کے تعمیری فیصلہ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یہ جمہوریت دشمن طاقتیں کبھی نہیں چاہتیں کہ جموں و کشمیر کا مسئلہ حل ہو۔ اگر ہم برصغیر کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو یہ رجحان نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ خاص طور سے پاکستان میں۔

تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ جمہوری حکومت کی جانب سے اٹھایا جانے والا ہر قدم اس وقت تک ناکام رہتا ہے جب تک کہ جمہوریت دشمن طاقتیں اتنی مضبوط رہتی ہیں کہ وہ جمہوری اداروں پر حاوی ہو سکیں۔ اسی لئے جمہوریت دشمن طاقتیں مسئلہ کشمیر کے حل سے متعلق ہر کوشش کی مخالفت کرتی ہیں کیونکہ اس سے ان کی پوزیشن کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ ہز ایکسی لنسی نواز شریف کا "تیسرے متبادل" کی تجویز سے مکر جانا، بلاشبہ اسی بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ پس پردہ وہی طاقتیں کام کر رہی ہیں۔

تیسری دنیا کے ایک ملک میں عیش و عشرت کی زندگی گذارنے والے یہ جنرل ریاست کے اختیارات کا اپنی مرضی کے مطابق جب چاہیں استعمال کرتے ہوئے پوری جمہوریت کو کس طرح یرغمال بنا لیتے ہیں؟ کیا ہندوستان کو فوجی جنرلوں نے آزاد کرایا تھا؟ کیا پاکستان جنرلوں نے بنوایا تھا؟ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ یہ لوگ جموں و کشمیر کے مسئلہ کو جھگڑے کی جڑ کے طور پر زندہ رکھنا چاہتے ہیں؟ ہم اکثر آزاد جموں و کشمیر ریاست، ہندوستان یا پاکستان کے ٹوٹنے، شاہراہ ریشم، منگلا ڈیم، ہندوستان میں مسلمانوں کی پوزیشن اور اس طرح کے متعدد و تمام تر دل کو دہلا دینے والے مسائل کے بارے میں سنتے رہتے

ہیں۔ آخر وہ کون لوگ ہیں جو اس طرح کے فرسودہ اور بے بنیاد پروپیگنڈے کو فروغ دے رہے ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے؟ بلاشبہ یہ وہی طاقتیں ہیں جو پس پردہ کام کر رہی ہیں۔

اب وقت آگیا ہے کہ جمہوری طور پر منتخب دونوں حکومتیں جموں و کشمیر مسئلہ کے حل کے لئے سیاسی سطح پر کوئی پیش رفت کریں۔ علاقہ میں قیام امن کی جانب فیصلہ کن قدم اٹھانے کی ضرورت ہے ایک ایسی پالیسی کو جو باہمی مفاہمت اور مصالحت کی اسپرٹ پر مبنی ہو، پیشگی شرط تصور کیا جانا چاہئے۔ بصورت دیگر ہمارے سماج پر معقولیت پسندی کی جگہ حماقت پر بنیاد پرستی، دہشت اور تشدد کا راج ہوگا۔

لہٰذا عالی جناب کے توسط سے ہم دونوں ملکوں کی جمہوریت پسند طاقتوں کو یہ دعوت دینا چاہتے ہیں کہ وہ آگے بڑھیں ایک دوسرے سے ہاتھ ملائیں اور علاقہ میں جمہوری قدروں کو استحکام عطا کریں۔ پہلی پیش رفت کے طور پر جموں اور کشمیر کے مسئلہ پر غور کیا جائے اور مکمل جمہوری ارادوں کے تحت اسے حل کیا جائے۔

عالی جناب! آپ اس بات سے اتفاق کریں گے کہ جموں و کشمیر مسئلہ کے جمہوری حل کے لئے جموں و کشمیر کے عوام کی رائے کو اولین شرط کا حامل تصور کیا جانا چاہئے۔ لہٰذا ان باتوں کے پس منظر میں ہم مندرجہ ذیل تجاویز پیش کرتے ہیں جو ہماری نظر میں موجودہ دھماکہ خیز صورت حال سے باہر نکلنے کا واحد راستہ ثابت ہو سکتی ہیں۔

(1) جموں و کشمیر کے لوگوں کے لئے سرحدیں فوری طور پر کھول دینی چاہئیں تاکہ وہ آزادانہ طور پر اس حصہ سے اس حصہ تک آ جا سکیں اور ایک دوسرے کو سمجھ سکیں۔

(2) ایک دستور ساز اسمبلی کے لئے "آزاد کشمیر" اور گلگت اور بلتستان سمیت اقوام متحدہ کی نگرانی میں پورے جموں و کشمیر میں انتخابات کرائے جائیں اور اس کے لئے دستور بنانا "آزاد کشمیر" کے جمہوری دستور سے متعلق کوئی شرط نہ رکھی جائے۔

یہ بات ہمیں ذہن میں رکھنی چاہئے کہ تاریخی اور جغرافیائی طور پر جموں و کشمیر ایک وفاقی سیاسی خطہ ہے۔ صورت حال آج بھی بالکل وہی ہے۔ جموں، لداخ، وادی کشمیر، پونچھ اور گلگت، بلتستان اب بھی سرگرم سیاسی یونٹیں ہیں۔

ایک قابل عمل اور حقیقت پسندانہ فیصلہ صرف انتخابات کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے جس کی بنیاد ان تمام سیاسی یونٹوں کے ہر حلقے کو بننا چاہئے ان یونٹوں کے درمیان تعلقات کا فیصلہ جمہوری طور پر منتخب کئے گئے ان نمائندوں پر چھوڑ دینا چاہئے۔ اس طرح گویا صرف جموں و کشمیر کے لوگوں کو قطعی طور پر یہ اختیار حاصل ہوگا کہ وہ اپنے منتخب نمائندوں کے توسط سے اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔

شکریہ

آپ کا مخلص

ہاشم قریشی

برائے جموں و کشمیر لبریشن فرنٹ

☆☆☆☆

خط نمبر 2

بخدمت

جناب رابرٹ اوکلے، امریکی ادارہ امن، واشنگٹن

12/ جنوری 1993ء

جناب عالی

اپنی قوم کے نام پر میں آپ کی اور آپ کے ادارے کی اس انتہائی فیاضانہ پیش رفت پر اظہار ممنونیت کرتا ہوں جس کے تحت آپ نے مسئلہ کشمیر کو انسانی بنیادوں پر حل کرنے کی بات اٹھائی ہے۔

میں سب سے پہلے آپ کی توجہ مندرجہ ذیل باتوں کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

دوسری بار جب آپ نے کشمیر سے متعلق اپنی کانفرنس طلب کی تو پچھلی کانفرنس کی طرح اس بار بھی مجھے نظر انداز کر دیا گیا۔ میں وہ شخص ہوں جس نے کشمیری قوم کے لئے تحریک شروع کی اور اس وقت شروع کی جب میری عمر صرف 17 سال تھی۔ 1971ء میں شہید مقبول بٹ کی ہدایت پر میں نے ہندوستانی طیارے "گنگا" کو ہائی جیک کیا میں اپنی قوم کو درپیش مسئلہ سے اس وقت آگاہ ہو گیا تھا جب میری عمر صرف 14 سال کی تھی اور اسی زمانے میں میں سرینگر میں ہونے والے مظاہروں میں حصہ لیا کرتا تھا۔ قابض فوجوں پر پتھراؤ کرنے والوں میں شامل ہوتا تھا۔ مجھے پولیس (سی آر پی) نے گرفتار کر کے عدالت میں پیش کیا۔ اس دوران مجھے بری طرح مارا پیٹا گیا اور میری داہنی ٹانگ ٹوٹ گئی تھی۔ بہر حال چونکہ میں ابھی نابالغ تھا اس لئے مجھے چھوڑ دیا گیا۔

اس کے تین سال بعد جب ہم نے طیارہ گنگا کو ہائی جیک کر کے لاہور ہوائی اڈے

پر اتارا تو پاکستانی حکام نے ہمیں یہ ہدایت دی کہ ہم اسے نذر آتش کر دیں۔ اس کے لئے انہوں نے ہمیں پیٹرول بھی فراہم کیا گواہوں نے اس بیان کی خصوصی عدالت میں تائید کی۔ یہ عدالت ہائی جیکنگ کے معاملات کی چھان بین کر رہی تھی۔ اس خصوصی عدالت نے مجھے 19 سال کی قید کی سزا دی لیکن مجھے 1980ء میں پاکستانی سپریم کورٹ کے حکم پر صرف نو سال بعد ہی رہا کر دیا گیا۔ 70 کی دہائی کے آغاز میں ہم نے یہ ضروری جانا کہ عالمی برادری کی توجہ مسئلہ کشمیر کی جانب مبذول کرائی جائے۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے قومی آزادی کی لڑائی دہشت گردی کی انتہا سے شروع کی۔ لیکن آج کا سیاسی منظر نامہ بالکل بدل چکا ہے اور اس نے مجھے یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ میں اپنی تمام تر کوششیں مسئلہ کشمیر کے پرامن حل کے لئے وقف کر دوں۔

میں نے ہی امان اللہ خان اور فاروق حیدر کے ساتھ مل کر پاکستان میں جے کے ایل ایف کی بنیاد ڈالی تھی۔ میں وہ پہلا شخص تھا جس نے تنظیمی کمیٹی کے چیئرمین کی حیثیت سے مقبوضہ کشمیر کی دونوں جانب 1982-84ء میں جے کے ایل ایف قائم کیا۔ 1984ء سے 1986ء تک میں جے کے ایل ایف کا آرگنائزر رہا۔ 1986ء میں مجھے پاکستان چھوڑنا پڑا کیونکہ وہاں میری زندگی کو سنگین قسم کے خطرات لاحق تھے۔ میں نے ہالینڈ میں سیاسی پناہ حاصل کی۔ پاکستان سے میرے فرار ہونے کی اصل وجہ یہ تھی کہ میں نے اس بات سے اتفاق نہیں کیا کہ میں پاکستان کی خفیہ تنظیم آئی ایس آئی کے ایجنٹ کے طور پر کام کروں چونکہ میں کشمیر کے دونوں حصوں کے جے کے ایل ایف کا سربراہ تھا اس لئے آئی ایس آئی نے مجھے رشوت دینے کی کوشش کی اور مجھے اس بات کے لئے مجبور کرنا چاہا کہ میں کشمیر میں ہندوستانی قبضہ کے خلاف مسلح جدوجہد شروع کروں۔ میرا جواب بالکل صاف تھا۔ چونکہ ہندوستان اور پاکستان دونوں نے ہماری مادر وطن پر ناجائز طور پر قبضہ جما رکھا ہے لہٰذا میں اس بات کو قطعی پسند نہیں کرتا کہ ان میں سے ایک غاصب دوسرے کے خلاف ہماری ہی زمین پر لڑائی کرے۔ جب میں نے اپنے وطن سے وشواس گھات کرنے سے انکار کر دیا تو پاکستان نے مجھے ہندوستانی شہری قرار دے دیا اور مجھے ہندوستان والوں کے حوالے کرنا چاہا۔ میرے پاکستان سے فرار ہونے کے بعد امان اللہ خان اور ان کے کچھ دوسرے ساتھی آئی

ایس آئی کا آلہ کار بننے پر آمادہ ہو گئے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ 20 سال سے کم عمر کے کشمیری لڑکوں کو آئی ایس آئی بھرتی کرتی ہے۔ انہیں ہتھیار چلانے کی ایک ہفتہ یا دو ہفتہ کی ٹریننگ دیتی ہے اور پھر انہیں واپس کشمیر بھیج دیتی ہے کہ وہاں وہ ہندوستانی فوجوں کے ساتھ لڑائی کریں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ آسانی سے ہندوستان کی سیکورٹی فورسز کی گولیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ دراصل یہ کشمیری نوجوانوں کی پوری نسل کو تباہ کرنے کی ایک سازش ہے۔

مزید برآں، مذہب کے نام پر متعدد مسلح گروپ مثلاً افغان "مجاہدین" جماعت اسلامی کے مسلح کارکن اور دیگر بنیاد پرست حلقے جنگ بندی لائن پار کر کے ہندوستانی کشمیر کے اندرونی حصوں میں داخل ہو گئے ہیں جہاں انہوں نے عوام کی زندگی کو اجیرن بنایا اور کشمیر کو بری طرح تباہ کر دیا ہے۔ دوسری طرف ہندوستان کی سیکورٹی فورسز اپنا کھیل کھیل رہی ہیں جس کے نتیجے کے طور پر عام کشمیری دوہرے عذاب میں مبتلا ہیں۔ ہندوستانی سیکورٹی فورسز نے مبینہ طور پر بہت ظلم ڈھائے ہیں اور عصمت دری اور قتل و غارت گری کو فروغ دیا ہے ہزاروں نوجوان پوچھ تاچھ کے مراکز یا جیلوں میں پڑے اذیتیں جھیل رہے ہیں۔

ایک ایسے وقت میں یہ بات بڑی حوصلہ افزا ہے کہ آپ کی تنظیم ایک ایسی پیش رفت کر رہی ہے جس کے تحت ایک ایسا پلیٹ فارم میسر آ سکتا ہے جس پر کشمیر مسئلہ کے پرامن حل کے بارے میں باتیں کی جا سکتی ہیں۔ یہ نہ صرف کشمیری قوم بلکہ ہندوستان اور پاکستان کے لئے بھی سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔ بلاشبہ ہندوستان اور پاکستان کو اس بات کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ مقبوضہ زمین پر اپنی بالادستی قائم رکھیں۔ اس مسئلہ کے تئیں جو رویہ روا رکھا جانا چاہئے اس کی بنیاد مذہب نہ ہو بلکہ انسانیت ہو اور ریاست جموں و کشمیر کے پانچوں حصوں میں جمہوری اور سیکولر اقتدار کو بنیاد بنایا جانا چاہئے۔ کسی مخصوص طبقے کے حق میں یا کسی مخصوص قیادت کے دباؤ میں مذہبی یا علاقائی بنیاد پر پیش کیا گیا حل، کبھی پائیدار نہیں ثابت ہو سکتا۔ کوئی بھی فیصلہ، حقیقی جمہوری عمل کو بروئے کار لا کر ہی نافذ کیا جا سکتا ہے۔ یعنی جموں و کشمیر کے پانچوں علاقوں، جموں، گلگت، بلتستان، لداخ اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر سے نمائندے منتخب کر کے ہی یہ کام انجام دیا جا سکتا ہے۔ انتخابات کا انعقاد اسی وقت

عمل میں آ سکتا ہے جب ہندوستان اور پاکستان مقبوضہ علاقوں کو خالی کریں۔ یہ کام کسی یو این کمیشن کے سپرد ہونا چاہئے جس کی حیثیت بالکل غیر جانبدار ادارے کی ہو اور جو اپنی نگرانی میں آزادانہ اور جمہوری الیکشن کرانے کی ضمانت دے سکے۔

اس خط کے ساتھ اس مکتوب کی نقل جو میں نے ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم کو لکھا تھا نیز اس اپیل کی نقل بھی منسلک کر رہا ہوں جو میں نے یوروپی پارلیمنٹ کے سوشلسٹ گروپ سے 18/ اکتوبر 1993ء کو بروسلز میں کی تھی۔ مجھے امید ہے کہ مستقبل میں آپ کی تنظیم کشمیر کے مسئلہ کے حل سے متعلق بنیادی سوال پر بھی کچھ توجہ صرف کرے گی اور جس کی جانب میں نے یہاں اشارہ کیا ہے۔

شکریہ کے ساتھ

ہاشم قریشی

ایمسٹرڈم۔ ہالینڈ

☆☆☆☆

خط نمبر 3

بخدمت

مسز رابن رافیل

اسسٹنٹ سیکریٹری (جنوبی ایشیا)

امریکی وزارت خارجہ

18/ نومبر 1993ء

میڈم!

کشمیر کے معاملات میں آپ نے جو دلچسپی لی ہے وہ چونکہ میرے علم میں ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ کے سامنے اپنے خیالات پیش کروں اور آپ سے مودبانہ گذارش کروں کہ آپ اس جانب بھی توجہ فرمائیں۔

میڈم، برائے مہربانی اس بات کو محسوس کیجئے کہ کشمیر کا مسئلہ انتہائی سنگین شکل اختیار کر گیا ہے اور آج یہ برصغیر کا ایک اہم سوال ہے۔ کشمیر میری محبوب مادر وطن ہے۔ گذشتہ تقریباً نصف صدی سے کشمیر کو ہندوستان، پاکستان اور آئی ایس آئی کے پروردہ ابن الوقت اور بنیاد پرست عناصر کے دباؤ کا سامنا ہے اور اس طرح یہ سنگین خطرات سے گھرا ہوا ہے۔ یہ تمام عوامل خوفناک دہشت گردی کی شکل میں رونما ہو رہے ہیں اور ہر طرف موت اور تباہی کا خوف بکھیر رہے ہیں۔ معصوم عوام کو اس کی بات بڑی قیمت چکانی پڑ رہی ہے اور پورا برصغیر ایک اور پرتشدد اور تباہ کن جنگ کے دہانے پر کھڑا ہے۔

اپنے ان عزائم کے نام پر جن کا مقصد کشمیر میں ایک خوش اور خوشحال قوم کو فروغ دینا ہے (جہاں ہمارے عوام آزادی اور ہم آہنگی کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں) میں نے مسلح

جدوجہد کا آغاز کیا تھا۔ 1971ء میں میں نے طیارہ گنگا کا اغوا کیا۔ ایک سیاسی لیڈر کے طور پر اپنے عوام اور اپنی قوم کے زخموں پر مرہم لگانے میں، میں نے اپنی ساری زندگی کے 23 سال وقف کئے ہیں اور اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قیام امن کے لئے پرامن طریقوں کا سہارا لوں گا، پرامن طریقہ سے امن کی دعا مانگوں گا اور پرامن طریقے سے امن اور صرف امن کے لئے زندہ رہوں گا۔

میڈم، میری قوم کو مسلح گروہوں نے یرغمال بنا رکھا ہے۔ ہندوستانی سیکورٹی فورسز، کشمیری بنیاد پرست، پاکستان کی آئی ایس آئی اور وہاں کی جاگیردارانہ طاقتیں میری سرزمین کو شطرنج فک کے طور پر استعمال کر رہی ہیں جبکہ میرے عوام زبردست اقتصادی بحران نیز جسمانی اور ذہنی عذاب میں مبتلا ہیں۔ برصغیر میں نیوکلیائی جنگ کا خطرہ یقینی طور پر نظر آتا ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اس مسئلہ کو سلجھایا جا سکتا ہے۔ اس کی واحد شرط یہ ہے کہ ہندوستان، پاکستان اور کشمیر کی جمہوریت پسند طاقتیں کشمیر میں امن قائم کرنے کی نیت سے میز کے گرد بیٹھیں اور مخلصانہ کوشش کریں۔ ہم اس کے لئے تیار ہیں۔

1992ء میں میں نے ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم کو خط لکھا تھا۔ اس کی ایک نقل یہاں منسلک کی جا رہی ہے اس خط میں میں نے اس مسئلہ کے جمہوری اور سیکولر حل کی تجویز پیش کی تھی۔ میں نے یورپی پارلیمنٹ کے سوشلسٹ گروپ کے نام اس وقت ایک اپیل بھی جاری کی تھی جب اس نے 19/18 اکتوبر 1993ء کو برسلز میں کشمیر کے مسئلہ پر ایک گول میز کا اہتمام کیا تھا۔ میں نے یورپی پارلیمنٹ کو بھی ایک اپیل بھیجی تھی۔

میڈم، اگر امریکہ واقعی کشمیر میں قیام امن کا خواہاں ہے تو مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ ان لوگوں کی باتوں پر غور کیا جائے جو اس کے جمہوری اور سیکولر حل کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ میں نے اپنی تحریک کا آغاز تو دہشت گردانہ کارروائی کے ذریعہ کیا تھا لیکن میرے طویل تجربات اور میری ذاتی پریشانیوں نے میرے خیالات میں زبردست تبدیلی پیدا کی ہے۔ تشدد مزید تشدد کو جنم دیتا ہے۔ یہ انسانی ہلاکت اور صحت مند اقدار کی پامالی کا باعث بنتا ہے۔ لہذا میں نے اس بات کا عہد کیا ہوا ہے کہ میں اپنی قوم اور برصغیر کو تخریب اور تباہ کاری سے بچانے کے لئے اپنی خدمات پیش کروں گا۔

ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتا ہوں۔

میڈم، آپ کی وسیع النظری اور آپ کے آزادی پسند جمہوری اصول بھی اسی اعلان کی وکالت کرتے نظر آتے ہیں کہ کشمیر کا الحاق یا تو ہندوستان سے ہونا چاہئے یا پاکستان سے۔ لیکن میں عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ حل ناقابل قبول ہے کیونکہ یہ اصول حق خوداختیاری کے خلاف ہے۔جس کا ذکر اقوام متحدہ کے انسانی حقوق سے متعلق چارٹر میں موجود ہے۔

براے مہربانی اس بات پر بھی غور کیجئے کہ میں سرینگر میں پیدا ہوا تھا لیکن اس وقت میرے پاس ذاتی پاسپورٹ ہے اور مجھے پاکستان جانے کے لئے ویزا دینے سے ہالینڈ میں واقع پاکستانی سفارت خانہ نے انکار کردیا۔ میری سابقہ ہندوستانی شہریت کی بنیاد پر مجھ سے کہا گیا کہ ویزا کی درخواست پر میں اپنی شہریت ہندوستانی بتاؤں۔ مجھ سے یہ بھی کہا گیا کہ کشمیری کوئی قوم نہیں ہے۔ میڈم وزیر اعظم اس صورت حال کی روشنی میں کیا آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا فرمائیں گی کہ کشمیر کے تئیں پاکستان کی پالیسی کیا ہے؟ ایک طرف آپ یہ فرماتی ہیں کہ کشمیر ایک متنازعہ علاقہ ہے لیکن دوسری طرف عملاً آپ یہ اعلان کرتی ہیں کہ سرینگر ہندوستان کا حصہ ہے۔ آپ کی خفیہ ایجنسی انقلابی حزبوں کو اسلحے اور گولہ بارود سپلائی کرتی ہے لیکن کمال ہوشیاری سے فضا یہ بنائی جاتی ہے کہ پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کی حمایت کی جائے۔ بیسیوں کشمیری نوجوان ہلاک کئے جاتے ہیں اور ہندوستانی فوج کے ہاتھوں ہماری املاک تباہ ہورہی ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ کشمیریوں کی پوری نسل کو آئی ایس آئی کے ذریعہ منظم طور پر تباہ کیا جارہا ہے اور پاکستان نواز عناصر کو یہ ہدایت دی جارہی ہے کہ وہ آزادی کا مطالبہ کرنے والے عوام کے خلاف کام کریں۔ اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پاکستان کے نزدیک کشمیر کے حق خوداختیاری کا یہی تصور ہے؟ یہ بات بالکل واضح ہے کہ کشمیریوں کے ساتھ منصفانہ سلوک نہیں کیا جارہا ہے۔

میں اس خط کے ساتھ ہندوستان اور پاکستان کے وزرائے اعظم کے نام لکھے گئے اپنے خط نیز اس اپیل کی نقل منسلک کررہا ہوں جو میں نے 18/ اکتوبر 1993ء کو یوروپی پارلیمنٹ کے سوشلسٹ گروپ کے پاس روسلز بھیجی تھی۔

مجھے امید ہے کہ یہاں میں نے جو نکات اٹھائے ہیں ان پر آپ کی حکومت سنجیدگی سے غور کرے گی۔ میرا خیال ہے کہ ان تجاویز کو امریکی ادارہ برائے امن (یو ایس پیس انسٹی ٹیوٹ) کے سامنے بھی پیش کیا جانا چاہئے جو کشمیر کے تئیں تشویش کا اظہار کررہا ہے۔

شکریہ کے ساتھ

آپ کا مخلص

ہاشم قریشی

سابق منتظم و چیئرمین جے کے ایل ایف

☆☆☆☆

خط نمبر 5

منجانب ڈائرکٹر (آپریشن)

حکومت پاکستان (وزارت داخلہ)

ڈائرکٹریٹ جنرل آف رجسٹریشن

7 - سیوک سینٹر، نزد جی پی او، اسلام آباد، پاکستان

ہاشم قریشی کے لئے

نمبر رجسٹریشن (opr 1) 3/2/78-79 مؤرخہ 10 جون 1985ء

بخدمت

مسٹر ہاشم قریشی

مکان نمبر 831، کشمیر لین

پیر چوک، پشاور روڈ، راولپنڈی

سبجیکٹ: بچوں کا اندراج

جناب

مجھے ہدایت دی گئی ہے کہ میں آپ کی درخواست آر جی II کا جواب دوں جو آپ کے بچوں جنید ہاشم اور شاہ ہاشم قریشی کے رجسٹریشن سے متعلق ہے۔

2 آپ کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حکومت پاکستان، وزارت داخلہ کے مراسلہ کے مطابق آپ ایک ہندوستانی شہری ہیں لہٰذا اس ڈائرکٹریٹ کے لئے ممکن نہیں کہ یہ آپ کے بچوں کے

ناموں کا اندراج قومی رجسٹریشن ایکٹ 1973، کے تحت کر سکے۔

آپ کا مخلص

دستخط

مست علی خادم

ڈائرکٹر (آپریشن) ٹیلی فون 821804

نوٹ: (قاری کو یہ بتانا ضروری ہے کہ میرے دونوں بچے پاکستان میں پیدا ہوئے تھے۔ پھر بھی حکومت پاکستان نے ان کے لئے پاکستانی پاسپورٹ جاری نہیں کیا۔ اس سرکاری خط سے کشمیر کے لوگ یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ اگر کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ حصہ نہیں ہے تو کشمیر میں رہنے والا کوئی بھی شہری ہندوستان کا شہری نہیں ہے۔ لیکن پاکستان کی سرکاری پالیسی کے مطابق مجھے اور میرے بچوں کو پاکستانی پاسپورٹ نہیں مل سکتا اس حقیقت کے باوجود کہ میں جموں و کشمیر ریاست کا کلاس II اسٹیٹ سبجیکٹ ہوں۔ کیا اس کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ کشمیر کے سیاق و سباق میں پاکستان کے قول اور فعل میں تضاد ہے؟)

☆☆☆☆

خط نمبر 6

منجانب میری رونی ایم پی بریڈ فورڈ

بخدمت عزت مآب ہوورڈ کیو سی ایم پی

ہوم آفس لندن

31/ مئی 1994ء

ہاؤس آف کامنز

ڈیئر مائیکل

حوالہ: محمد ہاشم قریشی بحوالہ Q 12803

میں مندرجہ بالا حوالہ سے خاص طور سے لورڈ ہاؤس کے 9 مئی کے خط کے حوالے سے لکھ رہا ہوں جسے دیکھ کر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ اگر اس منطق کو مان لیا جائے تو میرا خیال ہے کہ نیلسن منڈیلا کو ملک سے نکال باہر کئے جانے کا حکم صادر کیا جانا چاہئے۔ کیا میں آپ سے ذاتی طور پر درخواست کر سکتا ہوں کہ آپ محکمہ کے فیصلہ پر اس سیاق و سباق میں نظر ثانی کریں گے کہ سزا پانے کے بعد کتنی مدت گزری؟ مسٹر قریشی کے سیاسی موقف میں ہونے والی تبدیلی کے دستاویزی ثبوت کیا ہیں؟ اور اس حقیقت پر غور کریں کہ آج دکام شہریت منظور کرنے کے معاملہ میں ان کے ریکارڈ سے کافی مطمئن ہیں! اگر اس کا جواب جلدی ملے تو یہ مستحسن بات ہوگی۔

آپ کا مخلص

میری رونی ایم پی بریڈ فورڈ شمال

خط نمبر 7

منجانب ڈاکٹر غلام قادر روانی

بخدمت ہاشم قریشی

13/ مارچ 1995ء

(ڈاکٹر غلام قادر روانی کشمیر میں مسلح جدوجہد سے وابستہ ممتاز شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ میں ان سے پہلی بار 1992ء کے اواخر میں واشنگٹن میں غلام نبی فئی کے توسط میں ملا تھا۔ ان سے میری جو گفتگو ہوئی تھی اس میں میں نے انتہا پسندوں کی جانب سے بندوق اٹھائے جانے کی مخالفت کی تھی لیکن اس وقت انہوں نے میری بات سے اتفاق نہیں کیا تھا کیونکہ ان دنوں وہ پاکستانی ایجنسیوں کے زیر اثر تھے۔ واشنگٹن آنے سے قبل انہوں نے سرینگر میں میرے خلاف ایک اخباری بیان جاری کیا تھا جس میں میری اس لئے تنقید کی گئی تھی کہ میں عدم تشدد کی باتیں کرنے لگا ہوں۔ انہی غلام قادر نے مارچ 1995ء کو مجھے ایک خط لکھا اور یہ کہا کہ 1992ء میں ان سے میں نے جو کچھ کہا تھا وہی سچ ہے۔ اس کے بعد وہ سرینگر واپس چلے گئے)

پوسٹ باکس 137 جی پی او مظفر آباد

پیارے بھائی، ہاشم قریشی صاحب!

امید ہے آپ بمع اہل و عیال خیریت سے ہوں گے۔ جب تجربہ کچھ زیادہ حاصل ہوا تو مجھے آپ کی باتوں میں زیادہ سچائی اور وزن نظر آیا۔ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ صرف کتابی معلومات ہی کافی نہیں ہوتیں۔ اصل حقیقت کا ادراک عمل کے میدان میں حاصل ہونے والے تجربے سے ہوتا ہے۔ لاہور سے شائع ہونے والے جماعت اسلامی کے ایک

ہفتہ وار اخبار "زندگی" نے امان اللہ خان کا ایک انٹرویو شائع کیا ہے۔ انٹرویو لینے والے مسٹر نجم الحسن عارف ہیں۔ یہ وہی صحافی ہیں جنہوں نے یٰسین ملک اور شبیر شاہ کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے اور انہیں جاہل اور ذہنی طور پر نابالغ قرار دیا ہے۔

انہوں نے کشمیر کی آزادی کے خلاف بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ اب انہوں نے امان اللہ خان کا انٹرویو صرف اعظم انقلابی کو غلط ثابت کرنے کے لئے شائع کرایا ہے۔ امان اللہ خان اب اتنی نچلی سطح تک آ گئے ہیں کہ محمد اعظم انقلابی جیسے پرانے دوست اور تحریک آزادی کے بے لوث کارکن اور لائق لیڈر کو انہوں نے "پاگل" قرار دے ڈالا۔

چار سال کے عرصہ میں انہوں نے کئی پارٹیاں بدلیں۔ اگر جے کے ایل ایف اور حریت کانفرنس میں شریک ہونے کے باوجود امان اللہ خان الحاق کے حامی نہیں ہیں تو پھر اعظم انقلابی کو انہوں نے کس طرح ہدف ملامت بنایا۔

کیا تحریک حریت کشمیر جوائن کر کے اعظم انقلابی الحاق کے حامی ہو گئے؟ آپ کو یہ انٹرویو لازمی طور پر پڑھنا چاہیے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ کوئی شخص گراوٹ اور بے شرمی کی کس انتہا تک پہنچ سکتا ہے۔ آج آپ کا کیا ہوا ایک ایک لفظ یاد آ رہا ہے۔ آپ کی ایک ایک بات کی تصدیق خود حالات کرتے جا رہے ہیں۔ اس خط کی ایک ایک نقل آپ چاہیں تو قتیل صاحب اور شبیر صاحب کو بھی بھیج دیں۔

مرحوم خورشید کے سلسلے میں مظفر آباد میں منعقد ہونے والی 11 / مارچ کی عوامی میٹنگ میں، میں نے امان اللہ خان کے خلاف سخت احتجاج کیا اور انہیں بے نقاب کیا۔ آپ کے ردعمل کا انتظار رہے گا۔

11 / فروری کو مقبول بٹ کے یوم شہادت کے موقع پر میں نے ایک مضمون لکھا تھا۔ اس کی ایک نقل "کشمیر ٹائمز" لندن کو بھیج دی گئی تھی۔ یہاں اسے قائمہ نے شائع کیا تھا لیکن مجھے معلوم نہیں کہ لندن میں وہ شائع ہوا کہ نہیں۔ اگر آپ کشمیر ٹائمز سے رابطہ قائم کر سکیں تو ان سے اس سلسلے میں دریافت کیجئے۔ برائے مہربانی "کشمیر ٹائمز" کا کشمیر نمبر

بھجوانے کی زحمت گوارا کریں۔ گھر کے تمام افراد کو میرا سلام کہیں۔

آخر میں اس بات پر میں اظہار افسوس کرتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ آپ سے اختلاف کیا لیکن تجربہ نے بتایا کہ آپ ہی کی بات درست تھی۔

آپ کا مخلص

(غلام قادر وانی)

☆☆☆☆

خط نمبر 8

منجانب ہاشم قریشی

بخدمت ایڈیٹر جنگ، لندن

25/ اگست 1990ء

ایڈیٹر صاحب!

روزنامہ جنگ کے لندن ایڈیشن کی 23/ اگست کی اشاعت میں ایک خبر بعنوان "تحریک آزادی پر کنٹرول کرنے کا ہندوستانی ایجنٹوں کا منصوبہ" نظر سے گذری۔ یہ خبر جنگ کے کراچی اور راولپنڈی ایڈیشن کے علاوہ دیگر پاکستانی اخباروں میں بھی چھپی۔ مختلف سرخیوں کے تحت اس میں کہا گیا ہے کہ "ایک ممتاز کشمیری مسٹر قریشی کو اس منصوبہ کا ڈیل آپریٹر بنایا گیا جبکہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو کو آرڈینیٹر مقرر کیا گیا۔ اس کے بعد تفصیل سے من گھڑت کہانیاں شامل کی گئیں۔ یہ تمام کہانیاں دروغ گوئی اور تخیل پر مبنی ہیں۔

اب میں کشمیر کا ایک شہری اور لبریشن فرنٹ کا ایک لیڈر ہوں۔ میں پاکستان "آزاد کشمیر" اور ہندوستان کے قبضہ والے کشمیر میں لبریشن فرنٹ نام کی تنظیم کا بانی بھی ہوں۔ میرے اس پس منظر کے باعث پاکستان اور کشمیر کے سیاست دان حلقوں نے مذکورہ بالا خبر کے متن کو میرے نام منسوب کر دیا۔ دنیا کے مختلف حصوں سے لاتعداد افراد مجھ سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کر رہے ہیں۔

یہ خبر دراصل میرے خلاف ہونے والی ایک گہری سازش کا نتیجہ ہے جس کا مقصد میرے سیاسی اور سماجی کردار پر کیچڑ اچھالنا ہے۔ میرے خلاف ایک افواہ اڑائی جا رہی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عبوری حکومت کے اعلان کے ساتھ ہی لبریشن فرنٹ دو حصوں میں بٹ گیا۔ ایک حصہ کے سربراہ امان اللہ خان بنے اور دوسرے کے ڈاکٹر فاروق حیدر۔ چونکہ

میں فرنٹ کے بنیادی ممبروں میں سے ایک تھا لہذا ہندوستان کے قبضہ والے لبریشن فرنٹ کی قیادت کی حمایت سے میں نے دونوں گروپ کے درمیان صلح صفائی کرانے کی بھرپور کوشش کی۔ ہندوستان کے قبضہ والے کشمیر کی قیادت نے تو یہاں تک کیا کہ اس نے دونوں گروپوں کے نام وارننگ جاری کی کہ اگر وہ آپس میں سمجھوتہ نہیں کرتے تو ہندوستانی قبضہ والے کشمیر کا لبریشن فرنٹ دونوں سے اپنے آپ کو الگ کرنے کا اعلان کر دے گا۔ یہ وارننگ دونوں گروپ کو حمید شیخ کی جانب سے میرے توسط سے دی گئی۔

ہندوستانی قبضہ والے کشمیر سے ایک تجویز پیش کی گئی کہ دونوں گروپ کے نمائندے کسی تیسرے ملک میں جائیں جہاں وہ ہندوستانی کشمیر والے لبریشن فرنٹ کے نمائندوں سے ملیں۔ اس سے یہ آسانی پیدا ہوگی کہ اس موضوع پر وہ سنجیدہ قسم کی گفتگو کر سکیں گے۔ اس کے بعد امان اللہ خان نے الطاف قریشی (اشرف قریشی کے چھوٹے بھائی) اور راجہ مظفر کو ایک تیسرے ملک کو روانہ کر دیا لیکن راجہ مظفر خان آخری لمحوں میں سلامتی سے متعلق وجوہات پر ائرپورٹ سے واپس آ گئے۔ ان کی جگہ ڈاکٹر فاروق حیدر نے اسکوٹش لبریشن فرنٹ کے چیئرمین مسٹر ساجد ناز کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ سرینگر سے کچھ بارسوخ نمائندوں اور انتہا پسندوں نے شرکت کی۔ ایجنڈا یہ تھا کہ لبریشن فرنٹ کو دوبارہ متحد کیا جائے اور قریبی مدت سے متعلق معاملات پر غور و خوض کیا جائے تا کہ اسے کامیابی کے راستہ پر ڈالا جا سکے۔ سرینگر کی لبریشن فرنٹ قیادت اس بات سے پورے طور پر واقف ہے کہ میں نے ان لیڈروں کے اکٹھا ہونے کی تجویز بھی پیش نہیں کی۔ اس کے برعکس میں ایک سال سے زیادہ عرصہ سے پورے لبریشن فرنٹ سے کسی بھی طے شدہ جگہ پر آنے کے لئے ملاقات کرتا رہا ہوں۔ ان ملاقاتوں میں جو باتیں ہوتی تھیں وہ عام طور پر تحریک آزادی اور تنظیمی معاملات سے متعلق ہوتی تھیں۔

جہاں تک پیپلز کانفرنس کے صدر عبدالغنی لون کے دو بیٹوں کا تعلق ہے کہ وہ فرنٹ کے خلاف مخبری کرنے لگے تھے اور ان کے سمیت تمام کے تمام لوگ گرفتار کر لئے گئے تھے تو یہ بات غور طلب ہے کہ عبدالغنی لون خود گذشتہ دو برسوں سے گھر میں نظربند ہیں۔ ان کے دونوں بیٹے ہندوستانی کشمیر میں جے کے ایل ایف کے سینئر لیڈر ہیں ان پر

مخبری کا الزام لگانا ان کی حب الوطنی اور ان کی قربانیوں کے خلاف سازش کرنے کے مترادف ہے۔ لبریشن فرنٹ کی قیادت میں پھوٹ ڈالنا بھی ایک گہری سازش ہے کہ یہی وہ واحد تنظیم ہے جو کشمیر کی مکمل آزادی اور خود اختیاری کی خاطر خون پسینہ بہاتی رہی ہے۔ اس وقت اس کی قیادت سب سے مقبول قیادت ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حمید شیخ اور یسین ملک سمیت لبریشن فرنٹ کے لیڈر ایک سابق ڈی آئی جی پولیس مسٹر وتالی کے بھائی کے گھر پر گرفتار کئے گئے تھے۔ ان کا نام تہور وتالی ہے جو ایک ٹھیکیدار ہیں۔ مضحکہ خیز طور پر لبریشن فرنٹ نے اپنی موجودہ تحریک کا آغاز ڈی آئی جی مسٹر وتالی پر حملہ کر کے کیا، جس میں اعجاز ڈار شہید ہوئے۔ بعد میں سرینگر کے کسی انتہا پسند گروپ نے مسٹر وتالی کے بھائی پر حملہ کیا اور انہیں ہلاک کر دیا۔ قاتل دو دن تک مقتول ہی کے گھر میں مقیم رہے۔ مزید برآں یسین ملک اور حمید شیخ سمیت پوری جے کے ایل ایف لیڈر شپ اس بات سے واقف تھی کہ ایسی کوئی تجویز نہیں پیش کی گئی تھی جس کے تحت انہیں کسی ایک جگہ اکٹھا ہونا تھا۔

جہاں تک سول تحریک کا سوال ہے کشمیر کے تمام تر سیاسی حلقے اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ آزادی کی لڑائی ہمیشہ کسی سیاسی پلیٹ فارم کے تحت لڑی جاتی ہے۔ پوری آبادی کو اس بات کے لئے منظم کیا جاتا ہے کہ وہ آزادی کی جدوجہد کرنے والوں کو تحفظ عطا کرے۔ آزادی کبھی بھی سیکورٹی مین پر شہروں میں بندوق داغ کر اور گھنی آبادی والی بستیوں میں بھاگ کر پناہ لینے والے معصوم افراد کو گولیوں کا نشانہ بنا کر نہیں حاصل کی جا سکتی۔ کشمیر کے عوام فریڈم فائیٹرز کو جلوس نکال کر احتجاج کر کے اور سول نافرمانی کا اہتمام کر کے تحفظ عطا کر سکتے ہیں۔ اس طور پر روایتی تحریک کے لئے بین الاقوامی پیمانے پر حمایت بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

جہاں تک ڈاکٹر فاروق عبداللہ اور را (RAW) کے منصوبہ کا سوال ہے تو یہ سب بے کار کی باتیں ہیں۔ پاکستان اور "آزاد کشمیر" کی ایک پرانی روایت ہے کہ سیاسی مخالفین کو ہندوستان کا ایجنٹ کہہ دیا جاتا ہے۔ ایک تازہ مثال وزیر اعظم بینظیر بھٹو کی ہے۔ اخبار جنگ نے 23 اگست کی اشاعت میں یہ رپورٹ شائع کی کہ سرکاری قبضہ والے ذرائع ابلاغ نے

مسز بینظیر بھٹو کے خلاف ایک مہم شروع کی ہے جس میں انہیں ہندوستان کی ایجنٹ قرار دیا گیا ہے۔ ہمارے شہید رہنما مقبول بٹ کو بھی ہندوستانی ایجنٹ کہا گیا تھا۔ ان کے ساتھ ہی محاذ رائے شماری اور نیشنل لبریشن فرنٹ کے قیام کو بھی ہندوستانی ایجنٹ قرار دیا گیا حالانکہ پاکستانی ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ نے ہم سب کو اس الزام سے بری کر دیا۔ اس وقت ہم لوگوں کے اوپر جو الزام لگایا جا رہا ہے وہ "آزاد کشمیر" اور پاکستان کے ان خود غرض اور بزدل سیاست والوں کا کارنامہ ہے جو کشمیری نوجوانوں کی لاش پر اپنا کاروبار چمکا رہے ہیں۔ وہ کشمیر کے نام پر کروڑوں روپے اکٹھا کر کے اپنی تجوریاں بھر رہے ہیں ایک پیسہ بھی سرینگر یا کشمیر کے دوسرے حصوں کے ان ریلیف فنڈز میں نہیں جاتا جو کشمیر کے شہیدوں کے خاندان اور یتیموں کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔ آزادی اور لبریشن فرنٹ کی مخالفین طاقتیں اس سازش میں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں جس کا مقصد اس نظریہ پر ضرب لگانا ہے جو فرنٹ کا اعتقاد ہے۔ یعنی کشمیر کی مکمل آزادی اور حق خود اختیاری۔ ایسا اس لئے ہو رہا ہے کہ لبریشن فرنٹ اس وقت کشمیر میں بہت بڑی عوامی طاقت بن چکا ہے۔ ان کے ناپاک ارادے فرنٹ کو تباہ نہیں کر سکتے۔

☆☆☆☆

حرف آخر 1

مسئلہ کشمیر کے حل

1. یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ ہندوستان یا پاکستان کی کوئی بھی حکومت چاہے وہ کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو، کشمیر کا ایک انچ بھی دوسرے کے حوالے نہیں کرے گی کیونکہ دونوں نے اپنے اپنے عوام کو مسئلہ کشمیر کا یرغمال بنا رکھا ہے۔

2. پاکستانی حکام اور عوام کو اس حقیقت کی جانب آنکھیں بند نہیں کرنا چاہئیں کہ کشمیر نہ تو کبھی پاکستان کا حصہ تھا اور نہ ہی کبھی اس کا حصہ بنے گا۔

3. مذہبی بنیاد پر کشمیر میں لڑائی کو بھی کبھی بین الاقوامی حمایت حاصل نہیں کر سکے گی۔ ہم اس کے نتائج الجیریا میں دیکھ چکے ہیں۔ ہم نے افغانستان کو اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں کھنڈرات میں تبدیل ہوتے دیکھا ہے۔ اگر ہم کشمیر میں دین کی لڑائی کی بات کرتے ہیں تو ہمیں ہندوستان میں رہنے والے اپنے 18 کروڑ ہم مذہب مسلمانوں کے بارے میں بھی سوچنا ہوگا۔ مذہبی جنگوں نے انسانیت کو تباہی کے سوا اور کچھ نہیں دیا۔

4. ہندوستان کی حکومت اور عوام کو اپنے وہ تمام وسائل جو دفاع اور کشمیر میں امن و انتظام کی بحالی کے لئے خرچ کئے جا رہے ہیں، اپنی اقتصادی ترقی پر صرف کرنے چاہئیں۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ مسئلہ کشمیر ہندوستانی عوام پر دیرپا بوجھ بنا رہے گا۔

5. ہندو پاک مسلسل جنگ کے دہانے پر رہیں گے جس کا مطلب ہے ایٹمی جنگ بھی ہو سکتا ہے۔

6. ملائشیا کے وزیر اعظم محمد مہاتیر کے مطابق تیسری دنیا کے ممالک کے درمیان جاری اختلافات کی وجہ سے ترقی یافتہ مغربی ممالک ہر سال تیسری دنیا کے ممالک سے تجارتی خسارہ و منافعوں کی شکل میں 520 کروڑ ڈالر کی ناقابل یقین طور پر خطیر رقم حاصل کر جاتے ہیں۔

7. کشمیر اور پاکستان کے لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ ہندوستان کی نئی نسل مسئلہ کشمیر کے حقائق سے تقریباً ناواقف ہے انہیں یہ مسئلہ اپنے بزرگوں سے ورثہ میں ملا ہے۔ اسی طرح کشمیر اور پاکستان کے عوام کو ان کے حکمرانوں نے مسئلہ کشمیر کے متعلق نصف سچ کا یرغمال بنایا ہوا ہے۔

8. کشمیر کا مسئلہ چاہے پاکستان کی جانب سے کشمیر میں قبائلیوں کو در اندازی کے جانے سے پیدا ہوا تھا یا مہاراجہ کی طرف دستاویز الحاق پر دستخط کے بعد ہندوستانی فوجوں کے کشمیر میں داخلے سے پیدا ہوا تھا۔ یہ سب تاریخ کا حصہ بن چکا ہے۔ ہمیں تاریخ کی اس دلدل سے نکلنا چاہئے اور برصغیر کے 125 کروڑ لوگوں کو کنفیوژن سے باہر نکالنے کے لئے اس الجھاؤ کا ایسا حل تلاش کرنا چاہئے جس سے ان کے جذبات بھی مجروح نہ ہوں اور انا کو بھی ٹھیس نہ پہنچے۔

9. اگر دونوں ممالک کو نیچے درج کردہ پہلا حل قبول نہیں ہوتا تو آخر حل نمبر 2 قابل عمل ہوگا خصوصاً اس صورت میں جب پاکستانی حکمران کشمیر اور اہل کشمیر کے تئیں اپنے اخلاص کا مظاہرہ کرنا چاہتے ہوں۔ اس اقدام سے ہندوستان عالمی برادری سے الگ بھی پڑ جائے گا اور عالمی برادری قائل بھی ہو جائے گی کہ کشمیر کا جھگڑا کوئی علاقائی یا مذہبی تنازعہ نہیں ہے بلکہ صرف قومی آزادی کی تحریک ہے۔ یہ حل سب سے پہلے پاکستان کے بانی مسٹر جناح مرحوم کے پرائیویٹ سکریٹری مرحوم کے ایچ خورشید نے تجویز کیا تھا جو بعد میں پاکستانی مقبوضہ کشمیر کے صدر بھی بنائے گئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ سب سے پہلے پوری

ریاست جموں و کشمیر کو آزاد کرا لیا جائے اور پھر اس کو پاکستان کا حصہ بنا دیا جائے۔ مگر ہم کشمیری قوم پرست مسٹر خورشید کی الحاق والی تھیوری سے ضروری طور پر متفق نہیں ہیں۔

حل 1: یہ حل پوری ریاست جموں و کشمیر کے عوام کی مرضی پر مبنی ہے۔ میں نے 1992 میں پریس کے ساتھ ایک انٹرویو کے دوران یہ حل تجویز کیا تھا۔ یہ حل تمام قوم پرست گروہوں کو قبول ہے۔ اس کے کئی مرحلے ہیں۔

مرحلہ 1: پاکستان گلگت اور بلتستان کے علاقے آزاد کشمیر کو بحال کرنے کے بعد ان علاقہ جات کو کسی پیشگی شرط کے بغیر آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے ذریعہ اپنے نمائندے منتخب کرنے کا حق دیا جائے اور انہیں اندرونی خود مختاری دے کر اپنے منتخب نمائندوں کے ذریعہ اپنی حکومت قائم کرنے کا اختیار دے دیا جائے۔ اس کے بعد پاکستان ان علاقوں کو مکمل اندرونی اٹانومی دے دے اور صرف دفاع، خارجہ امور اور کرنسی کو اپنی تحویل میں رکھے۔

اسی طرح ہندوستان بھی کشمیر وادی، جموں اور لداخ کے لوگوں کو بلا شرط آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے ذریعہ اپنے نمائندے منتخب کرنے اور ان کے ذریعہ اپنی حکومت قائم کرنے کا حق دے دے۔ اس کے بعد ہندوستان صرف دفاع، امور خارجہ اور کرنسی کے محکمے اپنے پاس رکھ کر ان علاقوں کو مکمل اندرونی اٹانومی عطا کر دے۔

آزادانہ طور پر منتخب ان دونوں حکومتوں کے قیام کے بعد کشمیر کے دونوں حصوں کے درمیان آمد و رفت اور تجارت کی تمام پابندی ہٹا دی جائیں۔ حتیٰ کہ انہیں بیرونی ممالک کے ساتھ بھی تجارت کی اجازت ہو۔

مرحلہ 2: اس کے بعد پانچ سال کے اندر جموں و کشمیر کے دونوں حصوں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل ایک کمشن قائم کیا جائے جس کے اندر گلگت، بلتستان، آزاد کشمیر، جموں، لداخ اور کشمیر وادی کے درمیان مستقبل کے رشتوں اور اندرونی خود مختاری کے بارے میں فیصلہ کرنے کا کام ہو۔ پانچ سال گذرنے کے بعد ہندوستان اور پاکستان ان دونوں حصوں کو اپنی مشترکہ کرنسی جاری کرنے کا حق دے دیں۔

مرحلہ 3: مزید پانچ سال پر محیط اس مرحلے میں دونوں جانب کے منتخب نمائندے متحدہ کشمیر کیلئے متفق اور یک آواز طور پر ایک معاہدہ کریں۔ اس متحدہ کشمیر میں کشمیر، ہندوستان اور پاکستان کے نمائندوں پر مشتمل ایک کمشن کے تحت آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کروائے جائیں جو بین الاقوامی نگرانی میں ہوں۔ اس طرح متحدہ کشمیر کی متحدہ حکومت کے قیام کے بعد ہندو پاک خارجہ امور کی ذمہ داری بھی اس کو سونپ دیں۔ اور نئی مملکت کو اقوام متحدہ اور دیگر بین الاقوامی انجمنوں کی رکنیت حاصل کرنے میں مدد کریں۔

مرحلہ 4: مزید پانچ سال پر محیط اس چوتھے مرحلے میں اس متحدہ کشمیر کے دفاع کی ذمہ داری ایک مشترکہ کمشن نبھائے۔ اس معیاد کے خاتمہ پر کشمیر کو فوج سے مبرا خطہ قرار دے دیا جائے اور ہندوستان پاکستان اور جموں و کشمیر ایک نا جنگ معاہدہ پر دستخط کر دیں۔ ہندو پاک دونوں کشمیر کے علاقے سے اپنی فوجوں کو ہٹا لیں۔

یہ مرحلہ وار اور فارمولہ تینوں فریقوں کو برادر کش جنگ میں باہمی تباہی کے کنارے سے پرے ہٹا دے گا۔ گذشتہ پچاس سال کے دوران پیدا ہونے والے باہمی نفرت اور شبہات کے جذبات پندرہ سال کے اندر دور ہو جائیں گے۔ ایک بار پھر امن، ہم آہنگی، باہمی محبت اور بھروسہ کا ماحول بحال ہو جائے گا۔ انسانی حقوق کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ ہندو پاک میں امن اور دوستی بحال ہو جائے گی اور برصغیر کے لوگ ایک نئی لڑائی شروع کر سکیں گے جو افلاس، دکھوں اور کم ترقی کے خلاف ہو گی اور دونوں مل کر خوشحالی اور اقتصادی ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائیں گے۔ اس وقت دونوں ملک اپنی مسلح افواج پر جو اربوں روپے خرچ کر رہے ہیں۔ انہیں ان ملکوں کے عوام کی معاشی ترقی کیلئے لگایا جا سکے گا۔ اس فارمولہ کی قبولیت اور عمل آوری کیلئے بنیادی لوازمات کیا ہیں؟ یہ بالکل سیدھے سادے ہیں۔ یعنی اچھے ارادے، باہمی بھروسہ اور اعتماد، دونوں جانب باہوش اور سنجیدہ سوچ اور اس بات کا احساس کہ اب وقت آ گیا ہے کہ کشمیریوں کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

اس فارمولہ سے کسی کی بھی ہار نہیں ہو گی۔ ہندوستان یا پاکستان کسی کو شرمندگی نہیں ہو گی کیونکہ دونوں میں سے کوئی بھی دوسرے کے حق میں پیچھے نہیں ہٹے گا۔ یہ ہندوستان، پاکستان اور جموں و کشمیر کے درست فہم لوگوں کی فتح ہو گی۔

حل 2: پاکستان گلگت اور بلتستان کا خطہ اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر (آزاد کشمیر) میں ضم کرنے کی اجازت دے اور آزاد کشمیر کے ایک آزاد اور اقتدار اعلیٰ والی خود مختاری مملکت ہونے کا اعلان کر دیا جائے جو شمالی ویتنام کی طرح جموں و کشمیر کے تمام علاقے کی نمائندہ ہو۔ اس مملکت کو پہلے پاکستان تسلیم کرے اور پھر سفارتی ذرائع کے ذریعہ دوسرے ممالک سے اس کو قبولیت دلوائی جائے کشمیریوں کیلئے خلوص کا اشارہ کرنے اس عمل سے ہمارے تیر حقی دفود اور مشینوں کیلئے ایک کھلا بین الاقوامی پلیٹ فارم مل جائے گا جس کے ذریعہ ہم ہندوستان کے قبضہ والے باقی علاقوں کے معاملہ کی وکالت کر سکیں گے۔ اس سے بین الاقوامی سطح پر پاکستان دہشت گردی کی حمایت واعانت کے الزامات سے بھی بری ہو جائے گا۔

پاکستان کو کشمیر میں وہی رول ادا کرنا چاہئے جو روس اور چین نے ویتنام میں کیا تھا۔ اپنے قبضے والے علاقے سے پاکستان کی غیر مشروط واپسی ہندوستان کو بھی یہی کرنے کیلئے مجبور کر دے گی۔ براہ کرم ان تجاویز پر عمل کیجئے اور معاملہ پر بامعنی بحث شروع کیجئے۔ ہم ایک عظیم ماضی اور تہذیبی دولت کے مالک لوگ ہیں۔ لہٰذا ہم میں اپنے مسائل کو اپنی پہل قدمی سے حل کرنے کی صلاحیت ہونی چاہئے اگر ہم نے نو آبادیاتی اور اقتصادی قوتوں کو ہمارے مقدر کا فیصلہ کرنے کی اجازت دی تو یاد رکھئے کہ کشمیر کے معاملہ کا حل کبھی نظر کے سامنے نہیں آئے گا۔ ہم ان استحصالی قوتوں کی تجوریاں بھرتے بھرتے خود غریب سے غریب تر ہوتے جائیں گے جن کی اقتصادیات کا دارومدار تیسری دنیا کے بر سر پیکار ممالک کو ہتھیار فروخت کرنے پر ہے۔

آیئے ہم اپنے بچوں کو کلاشنکوفیں، دھماکہ خیز مادے اور منشیات تھمانے کے بجائے ان کے ہاتھوں میں کتابیں اور کمپیوٹر دے دیں۔

☆☆☆☆

حرف آخر نمبر 2

جموں و کشمیر کی حفاظت

ریاست جموں و کشمیر کی ثقافتی، لسانی، ماحولیاتی اور ذہنی تباہی ہم سب کیلئے شدید باعث تشویش ہونی چاہئے۔ وہ سب کچھ جس سے جموں و کشمیر عبارت ہے اسکی محبت اور احترام سے ہمیں بھرا ہونا چاہئے۔ مگر کیا وجہ ہے کہ ہمارے اندر (ہنزہ نگروں کی زبان) بروشسکی کے معدوم ہونے کے قریب پہنچنے پر یا پھر گلگت اور چلاس کے عوام کی زبان شینا کے قریب ختم ہونے پر خطرے کی گھنٹی نہیں بجتی؟ ہم اس بات پر فکر مند کیوں نہیں ہیں کہ وہاں کی موسیقی اور شاعرانہ روایات ختم ہوتی جا رہی ہیں اور لداخ کی قدیم نشانیوں کو لوٹا جا رہا ہے؟ اگر اس سب کو نہ روکا گیا تو ہم بھی ان دوسری قوموں کی صف میں شامل ہو جائیں گے جو اس کرۂ زمین سے غائب ہو چکی ہیں۔

ہماری جدوجہد علاقہ یا زمین کیلئے نہیں ہے۔ یہ ہمارے مکمل قومی وجود کیلئے ہے۔ اگر ہماری ثقافت اور تشخص ہی کھو جاتے ہیں تو ہماری جدوجہد کا کیا فائدہ؟ ہمیں اس بات کو یقینی بنانے کیلئے ہر کوشش کرنی چاہئے کہ جموں و کشمیر ہماری ثقافت اور تشخص کا قبرستان نہ بن جائے جیسے آثار زیر زمین دفن ہوں تاکہ صدیوں کے بعد سائنسدان انہیں کھوج نکالیں۔ ہماری جدوجہد کو چاہئے کہ وہ جموں و کشمیر کے ساتھ ہمارے ثقافتی، لسانی، تاریخی اور نفسیاتی رشتوں کی ترویج و مضبوطی کیلئے مدد اور خاص سعی کرے۔ ہمیں اپنی حب الوطنی کو پھر سے زندہ کرنا چاہئے۔

ایک موضوع جس پر شاذ و نادر ہی تبصرہ کیا جاتا ہے وہ جموں و کشمیر کی ماحولیات

ہے۔ ریاست جموں وکشمیر صدیوں تک اپنے آفاقی حسن اور قدرتی شان کے لئے مشہور رہی ہے۔ کیا ایک فارسی شاعر نے کشمیر کے بارے میں یہ نہیں کہا تھا کہ

اگر فردوس بر روئے زمین است
ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

جموں وکشمیر کی قوم کا فرد ہونے کے ناطے ہمیں اپنی سرزمین کی ثقافت کا بھی احترام کرنا چاہئے۔ یہاں کے پہاڑوں، ندیوں، وادیوں، مرگوں اور گلیشیروں کو اپنا قومی خزانہ سمجھنا چاہئے اور اپنے ماحول کا تحفظ اس طرح کرنا چاہئے جیسے ہم اپنی زندگی کی حفاظت کر رہے ہوں۔ ہم کو اس مقولہ پر یقین کرنا چاہئے کہ "ہمیں زمین کا ورثہ اپنے بچوں کے لئے ملتا ہے"

ہماری ثقافت اور قومی تشخص کی طرح ہمارا ماحولیات بھی ہندوستان اور پاکستان کے بیرونی حملہ کا نشانہ بن چکا ہے۔ ہندوستان اور پاکستان نے ہمارے جنگلات کو ابدی طور پر صاف کر دیا ہے۔ دونوں ملکوں کے حکمران نے اپنے اقتدار کو جنگلات کو کاٹنے اور ان کی قیمت اپنی جیبوں میں بھرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ غالباً ان میں سب سے زیادہ بدنام زمانہ پاکستان کا بریگیڈیر اصغر علی ہے جس نے پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں جنگل کے جنگل صاف کر دیئے تھے۔ ہماری ہمالیائی جنت کے لئے اس کا نتیجہ تباہ کن رہا ہے۔ مزید یہ کہ دونوں ملکوں کی فوجوں نے برفانی چیتے، جنگلی ہرن اور مشکی ہرن جیسے قریب الختم جنگلی جانوروں کو شکار اور ہلاک کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دونوں نے جموں وکشمیر کے معدنی ذخائر کو بے حد تباہی خیز طریقے سے نوچا ہے۔ پہاڑوں کے پورے حصے بارود سے اڑا دئے ہیں۔ یہ سب اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہے کہ یہ دونوں ملک ریاست جموں وکشمیر کو اپنی نوآبادی سمجھتے ہیں اور اس کے وسائل کو لوٹ کر بھاگتے ہیں لیکن اس کے عوض سوائے سختی اور مصائب کے اور کچھ نہیں لوٹا رہے۔

لیکن کشمیریوں کیلئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ سب سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ جن لوگوں نے ہتھیار اٹھائے تھے وہ بھی یہی کر رہے ہیں۔ انہوں نے بندوق کا استعمال عوام سے مال بٹورنے اور خود نمائی کیلئے کیا ہے۔ انہوں نے جنگلات کو زبردستی کاٹا اور ہمارے جنگلی جانوروں کو ہلاک کیا ہے۔ 1994ء میں تاجروں کے ایک گروپ پر چھاپے کے دوران دنیا بھر

میں سب سے زیادہ خاتمے کے خطرے سے دوچار 1366 جنگلی بلیوں اور چیتے 10 لاکھ کی مالیت کی کھالیں اور ان سے تیار کردہ پارچات برآمد کئے گئے تھے۔ لوگوں کی ناجائز قبضوں اور گندگی ڈالنے کی بدولت جھیل ڈل فضلے کا حوض بن کر رہ گئی ہے کیونکہ لوگوں نے قوانین کی پیروی کرنے کے بجائے غیر قانونی طور پر عمارتیں تعمیر کرنا شروع کر دیں۔ صرف کولگام میں ہی حزب المجاہدین نے جنگلوں کو کاٹا اور کٹائی کی مزاحمت کرنے والے مقامی لوگوں کو دھمکانا شروع کر دیا۔ پاکستان کے حمایت یافتہ ان لوگوں نے بندوق کے ذریعہ طاقت حاصل کی اور پھر ہمارے ماحولیات کو لوٹنا شروع کر دیا۔ پاکستان اور ہندوستان بھی پچاس سال سے یہی کر رہے ہیں۔ ان افسوسناک واقعات کی داستانیں اور تفصیلات کسی ناول کے لئے کافی ہیں۔ یہ سب قومی عزت اور خود احترامی کے فقدان کی نشاندہی کرتے ہیں جو گن کلچر کی آمد کے ساتھ ہی ختم ہو گیا ہے۔

اپنی قوم سے میری گذارش ہے کہ ہم سب کو اپنی ریاست جموں وکشمیر کے ساتھ محبت کرنی چاہئے۔ سیاسی جدوجہد کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے عوام کو اپنے تشخص کا احترام کرنے اور سرزمین جموں وکشمیر کے ساتھ ان کے رشتہ کو بحال کرنے کی پھر سے تعلیم بھی دینی ہوگی اور انہیں از سر نو منظم کرنا ہوگا۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ جموں وکشمیر ہمارا وطن ہے اور اس کے ساتھ وطن والا ہی سلوک کیا جانا چاہئے۔ ہمیں اپنے ہی وطن میں غیر ملکیوں کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے۔ خدا کے واسطے آئیے ہم نئے درخت لگائیں اور اپنی آبرودوں کی صفائی کریں تاکہ ہماری جموں وکشمیر قبرستانوں اور بنجروں کی بجائے باغوں اور جنگلات سے بھر جائے۔ ہم اپنی خوبصورت زبانوں میں نظمیں اور کتابیں تصنیف کریں۔

ہمیں جموں وکشمیر کو ہر طرح سے بچانا ہوگا۔ ثقافتی، دانشی، اخلاقی اور سیاسی و ماحولیاتی طور پر اس کی حفاظت کرنا ہوگی۔ اس سرزمین کے فرزندوں اور دختروں کے ناطے یہی ہمارا جنگی نعرہ ہونا چاہئے۔

محمد ہاشم قریشی
13/ مئی 1998ء۔

﴿ختم شد﴾

میں سب سے زیادہ وفات کے خطرے سے دوچار 1366 جنگلی پلیوں اور بچی 10 لاکھ ڈالر مالیت کی کھالیں اور ان سے تیار کردہ چار چاٹ برآمد کئے گئے تھے۔ لوگوں کی ناجائز قبضوں اور گندگی ڈالنے کی بدولت جھیل ڈل فضلے کا حوض بن کر رہ گئی ہے کیونکہ لوگوں نے توہین کی پیروی کرنے کے بجائے غیر قانونی طور پر عمارتیں تعمیر کرنا شروع کر دیں۔ صرف کولگام میں ہی حرب المجاہدین نے جنگلوں کو کاٹ ڈالا اور کنائی کی مزاحمت کرنے والے مقامی لوگوں کو دھمکانا شروع کر دیا پاکستان کے حمایت یافتہ ان لوگوں نے بندوق کے ذریعہ طاقت حاصل کی اور پھر ہمارے ماحولیات کو لوٹنا شروع کر دیا۔ پاکستان اور ہندوستان بھی پچاس سال سے یہی کر رہے ہیں۔ ان افسوسناک واقعات کی داستانیں اور تفصیلات کسی کا دل توڑنے کیلئے کافی ہیں۔ یہ سب قومی عزت اور خود احترامی کے فقدان کی نشاندہی کرتے ہیں جو کہ کلچر کی آمد کے ساتھ ہی ختم ہو گیا ہے۔

اپنی قوم سے میری گذارش ہے کہ ہم سب کو اپنی ریاست جموں و کشمیر کے ساتھ محبت کرنی چاہئے۔ سیاسی جدوجہد کے ساتھ ساتھ ہمیں اپنے عوام کو اپنے تشخص کا احترام کرنے اور سرزمین جموں و کشمیر کے ساتھ ان کے رشتہ کو بحال کرنے کی پھر سے تعلیم بھی دینی ہوگی اور انہیں از سر نو منظم کرنا ہوگا۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ جموں و کشمیر ہمارا وطن ہے اور اس کے ساتھ وطن والا ہی سلوک کیا جانا چاہئے۔ ہمیں اپنے ہی وطن میں غیر ملکیوں کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے۔ خدا کے واسطے آئیے ہم نئے درخت لگائیں اور اپنی آبرووں کی صفائی کریں تاکہ ہماری جموں و کشمیر قبرستانوں اور بنجروں کی بجائے پھولوں اور جنگلات سے بھر جائے۔ ہم اپنی خوبصورت زبانوں میں نظمیں اور کتابیں تصنیف کریں۔

ہمیں جموں و کشمیر کو ہر طرح سے بچانا ہوگا۔ ثقافتی، دانشی، اخلاقی اور سیاسی و ماحولیاتی طور پر اس کی حفاظت کرنا ہوگی۔ اس سرزمین کے فرزندوں اور دختروں کے ناطے یہی ہمارا جنگی نعرہ ہونا چاہئے۔

محمد ہاشم قریشی

13/ مئی 1998ء

«ختم شد»

کشمیر افشائے حق

ہاشم قریشی نے بھارتی طیارے کو ۱۹۷۱ء میں اس وقت اغوا کر لیا تھا جب وہ سرینگر سے جموں کی پرواز پر تھا۔ یہ واقعہ اس وقت رونما ہوا جب پاکستان بنگلہ دیش میں تحریک آزادی کو کچلنے میں مصروف تھا۔ بھارت نے اسے آئی۔ ایس۔ آئی کا ایجنٹ قرار دیا اور یہ بات اس وقت ثابت ہو گئی جب اس نے پاکستانی پولیس کی ایما پر بھارتی طیارے کو آگ لگا دی۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ پاکستان انتظامیہ نے اس کو گرفتار کر لیا اور اسے بھارتی ایجنٹ قرار دے کر ۱۴ سال کے لیے جیل بھیج دیا۔ اس نے ۹ سال سے زیادہ عرصہ جیل میں گذارا اور اب ہالینڈ میں اپنی فیملی کے ساتھ جلا وطنی کی زندگی گزار رہا ہے۔

ہاشم قریشی کون ہے۔ کیا وہ ایک بھارتی شہری ہے یا پاکستانی شہری۔ ایک ایجنٹ ہے یا پھر ایک سادہ کشمیری ہے جو اپنی سرزمین کی آزادی کی جنگ لڑ رہا ہے۔ ان سب باتوں پر اس نے خود اس کتاب کے پانچ سو صفحات میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

پاکستان سپریم کورٹ بار ایسوسی ایشن ۹۸۔۱۹۹۷ء کے صدر نے کتاب کے دیباچے میں کشمیر کے اندرونی حالات کے بارے میں ایک مشاہدہ پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کشمیر میں ہم دونوں کے ایک ہی طبقے نے عام لوگوں کو یرغمال بنا رکھا ہے اور یہی وہ طبقہ ہے جو مذہب کی بنیاد پر جہاد کے نعرے بلند کر رہا ہے۔ یہی لوگ کشمیر میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں صدیوں پرانی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو تباہ کر رہے ہیں۔ ہاشم قریشی نے کتاب میں اس بات کا ذکر کیا ہے کہ جو لوگ کشمیر کو مذہبی بنیادوں پر تقسیم کرنے کی حمایت کرتے ہیں وہ نہ صرف اس کی سرزمین کے دشمن ہیں بلکہ انسانیت کے بھی دشمن ہیں۔ تقسیم ہند پر سوال کرتے ہوئے ہاشم کا کہنا ہے کہ اگر یہ تقسیم مذہبی بنیادوں پر نہ ہوئی ہوتی تو آج مسلم آبادی کا بہت بڑا حصہ دوسرے مذہب کے لوگوں کے ساتھ زیادہ خوشی سے زندگی بسر کرتا اور نہ ہی اسے اپنی زندگی کے بہترین دن جلاوطنی میں گزارنے پڑتے۔

''کشمیر۔ افشائے حق'' ایک ایسی کتاب ہے جو بھارت اور پاکستان کی سرکاروں کے موقف کے برعکس ایک ایسے کشمیری کا نقطۂ نظر ہے جو اس بات پر یقین رکھتا ہے کہ عدم تشدد، سیکولرازم، جمہوریت اور رواداری کے اصول ہی برصغیر میں ترقی کا راستہ کھول سکتے ہیں اور شاید یہی عمل دونوں جوہری ملکوں کے درمیان مستقل طور پر چلنے والی کشمکش کے لئے مفید ثابت ہو۔

ISBN - 81- 85199 - 73 - 6

Rs 600/-